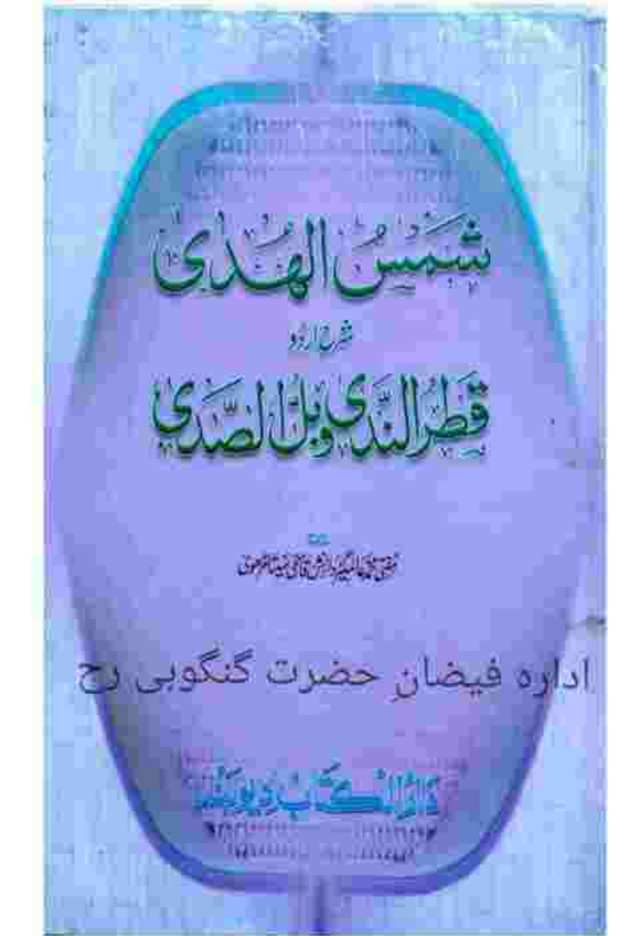

شمس الهدیٰ
شرح اردو
قطر الندی وبل الصدی
ادارہ فیضانِ حضرت گنگوہی رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَمْسُ الھُدیٰ

شرح اردو

قَطرُ النَّدیٰ وبَلّ الصَّدیٰ

شارح

مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سیتامڑھوی

ناشر

دار الکتاب دیوبند

تفصیلات

نام کتاب: شمس الہدی شرح اردو قطر الندی وبل الصدی
نام شارح: مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سیتامڑھوی
تعداد صفحات: ۴۳۲
نام تصحیح کنندہ: جناب حضرت مولانا اشفاق الرحمن صاحب مفتاحی
کمپیوٹر کتابت: ایاز احمد (یاسر ندیم کمپیوٹر، دیوبند)
سن اشاعت: ۲۰۰۶ء
طباعت: یاسر ندیم آفسیٹ پریس، دیوبند
باہتمام: واصف حسین - مالک دار الکتاب - دیوبند

ناشر

دار الکتاب دیوبند

انتساب

بندۂ ناچیز اپنی اس متاعِ حقیر کو مادر علمی دار العلوم دیوبند کی جانب منسوب کررہا ہے۔ جو منبع رشد وہدایت، اور مرکز علم ودرایت ہے۔ اور اپنے نانا رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً کے نام جن کی سحر گاہی دعاؤں اور مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں بندہ کے لیے علوم دینیہ سیکھنے سکھانے کی سعادت بھری راہیں کھلیں۔

محمد عالمگیر دانش قاسمی

۱۳/ اگست ۲۰۰۴ء

فہرست شمس الہدیٰ شرح اردو قطر الندیٰ جلد اوّل

رائے گرامی

جناب حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب مدظلہ

مفتی اعظم مدھیہ پردیش وناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ مسجد ترجمہ والی موتیا پارک بھوپال (ایم۔پی)

حامدا ومصلیا ومسلما وبعد۔ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ علم نحو علوم آلیہ میں عربی زبان کے لیے اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ علم نحو فہم قرآن کے لیے زینہ اور معرفت حدیث نبوی کے لیے وسیلہ ہے۔ قال العرب "النَّحْوُ فِی لِسَانِ العرب اَحلی مِنَ الرُّطَبِ وَاَغْنیٰ مِنَ الْعِنَبِ" (علم نحو تر کھجور سے زیادہ شیریں اور انگور سے زیادہ خوش ذائقہ ہے) اس کے بغیر عربی زبان سے استفادہ بہت دشوار ہے۔ خصوصا اہل عجم کہ وہ اس فن کے بغیر عربی زبان سے کوئی فیض نہیں اٹھا سکتے۔ قرآن کریم اور حدیث پاک کی زبان عربی ہے اور ان کا سمجھنا یا سمجھانا علم نحو کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے متقدمین ومتاخرین میں بالغ نظر علمائے کرام نے اس فن کو اپنی خدمت جلیلہ کے لیے منتخب کیا۔ اور بعض اسلاف نے اس کی بے مثال خدمت کی، لیکن ان بزرگوں کی بیشتر خدمات عربی یا فارسی زبانوں میں ہی ہیں۔ ہندو پاک میں عربی علوم کا ذریعہ تعلیم اردو زبان ہے، اس لیے اب اردو زبان میں بھی علم نحو کی خدمت کا سلسلہ جاری ہے۔

عزیزم موصوف مفتی **محمد عالمگیر دانش** قاسمی سلمہ (استاذ مدرسہ جامعہ اسلامیہ بخاری مہو اندور) کو اللہ تعالیٰ نے علم نحو سے خصوصی مناسبت عطا فرمائی ہے۔ "**قطر الندی وبل الصدی**" جو علامہ ابو محمد عبداللہ جمال الدین بن ہشام انصاری مصری کی مشہور ومعروف اور مستند کتاب ہے اس کی جامعیت اور زبان کی سلاست کی وجہ سے ہی نصاب مرتب کرنے والوں نے اس کتاب کو داخل درس کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب جن طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے یہ ان کے علمی مستوی سے بلند ہے، اس لیے عرصۂ دراز سے ایک ایسی شرح کی ضرورت تھی جس سے طلبہ استفادہ کر سکیں۔ اب الحمدللہ یہ ضرورت جامعہ اسلامیہ بخاری کے ایک کامیاب اور مایہ ناز مدرس مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سلمہ کے قلم سے پوری ہو رہی ہے جس کے بارے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

"مشک آں باشد کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"

زیر نظر کتاب مُسَمّٰی بہ "**شمس الهدیٰ** شرح اُردو **قطر الندی وبل الصدی**" جسے نہایت شوق وذوق اور محنت سے عزیزم موصوف نے تشریح وتالیف کیا ہے۔ میں نے بہت مواقع سے اسے دیکھا ہے، ہر اعتبار سے نہایت مفید کتاب ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ رب العزت شارح عزیز کو زیادہ سے زیادہ علمی خدمات کی توفیق ارزاں کرے اور ان کی اس خدمت جلیلہ کو طلبہ واساتذہ کے درمیان قبول عام اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ والحمد للہ اولاً وآخراً۔

العبد الضعیف
(مفتی) عبدالرزاق (صاحب)
ترجمہ والی مسجد بھوپال
۲۲ راگست ۲۰۰۳ء

ارشادِ عالی

فقیہ النفس جناب حضرت مولانا الحاج محمد اشفاق الرحمٰن صاحب مفتاحی

استاذ فقہ وتفسیر جامعہ اسلامیہ بنجاری چوپاٹی مہوا مندور (ایم-پی)

مدارس عربیہ کے نصابِ تعلیم میں "علمِ نحو" کو ایک خصوصی اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ "قرآن وحدیث" کی زبان عربی ہے۔ اور اصلاً مقصود "قرآن وحدیث" کی تعلیم ہی ہے۔ دیگر علوم وفنون کی حیثیت تو ذرائع ووسائل کی ہے۔ اور عربی زبان کو "نحو" کے بغیر سمجھنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس اعتبار سے "قرآن وحدیث" کی فہم "نحو" کے جاننے پر موقوف ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ موقوف کا موقوف علیہ بھی لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء متقدمین ومتاخرین نے اس فن میں چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

اسی "سلسلۃ الذہب" کی ایک کڑی "ابومحمد جمال الدین ابن ہشام کی "تصنیفِ لطیف" بنام "**شرح قطر الندیٰ وبل الصدیٰ**" ہے۔

ابن ہشام نے اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ "مسائل نحو" کو جامعیت واختصار کے ساتھ بیان کیا ہے بلکہ دلائل وشواہد، اختلاف نحاۃ اور علمی نکات کو بڑے دلچسپ اور سلیس انداز میں پیش کیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ "موصوف" کو "قرآن کریم" سے بڑا شغف تھا۔ تقریباً تمام مسائل میں انھوں نے "آیات قرآنیہ" اور کلام عرب سے استشہاد کیا ہے، اس لیے مذکورہ کتاب "مسائل نحو" کو دلائل وشواہد کے ساتھ سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

لیکن چوں کہ "نحو" کی دیگر کتب کے مصنفین کے مقابلہ میں ابن ہشام کا اسلوبِ تحریر انوکھا اور منفرد ہے۔ اس لیے مستفیدین کو متعدد مقامات کے سمجھنے اور سمجھانے میں دشواری پیش آتی ہے، لہٰذا ضرورت تھی کہ اس کتاب کا حل پیش کیا جائے۔

"جامعہ ہذا" میں دو سال سے "کتاب مذکور" کے جزء اول کا درس بندہ سے متعلق ہے۔ اس دوران بارہا دل میں خیال پیدا ہوا کہ "یہ کام ہونا چاہیے" اسی اثناء میں معلوم ہوا کہ "عزیز مکرم جناب مفتی **محمد عالمگیر دانش** صاحب قاسمی زادہم اللہ علماً وفضلاً" اردو زبان میں اس "کتاب مفید" کی شرح بنام "**شمس الہدیٰ** شرح اردو **قطر الندیٰ وبل الصدیٰ**" بسط وتفصیل

کے ساتھ مرتب فرما رہے ہیں۔ تو قلبی خوشی و مسرت کے ساتھ دل میں موصوف کے جذبات تشکر موجزن ہوگئے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء فی الدارین۔

موصوف کے ایما پر بندہ نے "مسودۂ کتاب" کا مطالعہ کیا۔ الحمدللہ بہت مناسب ومفید پایا۔ کچھ مشورے دیئے جن کو مفتی صاحب موصوف نے وسعت ظرفی کے ساتھ قبول فرمایا۔

میرا یقین ہے کہ "محترم موصوف" اس قسم کی علمی، تحریری اور تصنیفی خدمات کے لیے منجانب اللہ توفیق یافتہ ہیں۔

موصوف نے اپنی اس کتاب میں ہر مسئلہ کی کافی، شافی وضاحت کرتے ہوئے بہت سی معلومات افزاء باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ اور اخیر میں تو" کچھ ضروری اصطلاحات" کے عنوان سے گویا اپنے احسان کی تکمیل فرمادی۔ اور ایسے امور کی وضاحت کی ہے جن سے واقفیت فن پر عبور حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ "شرح مذکور" کو قبولیت خاصہ وعامہ سے نوازے۔ اور اس کے نفع کو عام وتام فرمائے۔ "مؤلف موصوف" کو مزید علمی، دینی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کی توفیق مرحمت فرماتا رہے۔ آمین

دعا گو ودعا جو
محمد اشفاق الرحمٰن۔ اندور
۲۸ر اگست ۲۰۰۲ء

سخن گفتنی

الحمد للہ المنعم علی نعمائہ. والصلوٰۃ والسلام علی ھادی الطریقۃ وزعمائہ.

امابعد: ـــــ اللہ رب العزت کا انتہائی احسان ہے کہ اس قادر مطلق نے علمی بے سروسامانی کے باوجود "متن قطر الندیٰ وبل الصدیٰ" کے ترجمہ وتسہیل کی خدمت ہم سے لی۔

ورنہ ـــــ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل۔

اس علمی انحطاط کے زمانہ میں چوں کہ طبائع سہل نگاری کی عادی ہو چکی ہیں۔ اور علمی تحقیقات کے لیے شب بیداری اور سحر خیزی تو کجا؟ ہم لوگ معمولی جد وجہد سے بھی نا آشنا ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے روز بروز ٹھوس استعداد اور عمدہ صلاحیتوں کے حامل علماء گھٹتے جا رہے ہیں۔ اس لیے داخل درس کتابوں کی اردو شروحات کو "مالا یدرک کلہ لایترک کلہ" کے تحت اہمیت دی جا رہی ہے، تاکہ درس وتدریس کا سلسلہ تو جاری رہے، مبادا عمدہ صلاحیتوں کے فقدان کے ساتھ علوم سے بھی یکسر محرومی ہو جائے۔

اس ترجمہ وتسہیل میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کا لحاظ کیا ہے۔

(۱) کتاب کے ترجمہ کے بارے میں صرف لفظی ترجمہ پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ جا بجا بین القوسین مختصر عبارتوں کا اضافہ کر کے اغلاق وابہام کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲) اشعار میں محل استشہاد کا تعین جہاں کہیں مشکل محسوس ہوا، ایسے موقع پر یا تو متن میں محل استشہاد پر خط کشید کر دیا گیا ہے۔ یا پھر ترجمہ کے تحت اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

(۳) اگر کہیں شعر کا ایک ہی مصرعہ مذکور ہے اور ترجمہ کے وقت دوسرے مصرعہ کی ضرورت محسوس کی گئی تو مصرعہ ثانی بھی ترجمہ کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے۔ اور قائل کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔

(۴) قرآنی آیات جہاں جہاں بھی مذکور ہیں۔ سہولت کی خاطر ان پر اعراب لگا دیا گیا ہے اور ان کا آسان ترجمہ کیا گیا ہے جو بیان القرآن اور ترجمہ شیخ الہند سے منقول ہے۔ اور آسانی کے لیے رکوع اور پارہ کا بھی حوالہ دے دیا گیا ہے۔

(۵) اگر کہیں پر مصنف نے آیت کی ایسی تشریح یا ترکیب پیش کی ہے جو مذکورہ بالا دونوں ترجموں سے ہم آہنگ نہیں تو وہاں پر آیت کا ترجمہ مصنف کی منشاء کے مطابق کیا گیا ہے۔

(۶) طلبہ کی استعداد کو مد نظر رکھتے ہوئے ترجمہ میں عربی جملوں کی ترکیب کا لحاظ رکھنے کی کوشش کی

گئی ہے۔ مگر کہیں اُردو جملہ کے طویل ہونے کی وجہ سے یا مفہومِ عبارت کو ذہن سے قریب کرنے کی خاطر ہم ایسا نہیں کر سکے ہیں، اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

(۷) بعض مباحث میں شرح میں ضروری اور مفید معلومات کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے۔

رہا یہ کہ ہم اپنی ان کوششوں میں کس حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں تو اس کا فیصلہ آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ کتاب کو مزید فوائد سے مزین کرنے کے لیے ہم آپ کے مشوروں کے منتظر رہیں گے۔ آخر میں ہم ان مخلص اور کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنھوں نے اس کتاب کے لباسِ ہستی زیب تن کرنے میں کسی طرح کا بھی تعاون فرمایا ہے۔ اگر میں اپنے ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے پیہم تقاضوں نے مجھے یہ اوراق سیاہ کرنے کی ہمت عطا کی، خصوصاً برادر مکرم مولانا محمد صدیق صاحب مظاہری مہتمم جامعہ ہذا۔ اور مولانا محمد تصور صاحب فلاحی ناظم تعلیمات جامعہ ہذا، مولانا محمد عبید اللہ صاحب قاسمی اور مفتی محمود الحسن صاحب قاسمی اساتذہ جامعہ ہذا کا میں تہہ دل سے ممنون ہوں جن کے مشوروں سے مجھے بہت کچھ روشنی ملی اور ان حضرات نے رائے تحریر فرما کر کتاب کی قدر افزائی فرمائی۔

علماء مخلصین اور طلبہ عزیز سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ راقم السطور کو دعاء خیر سے محروم نہ فرمائیں، احقر بارگاہ ایزدی میں دست بدعاء ہے کہ مخلصین کی دعاؤں کی برکت سے احقر کی اس کاوش کو طلبہ کے لیے نفع بخش بنائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین ثم آمین

محمد عالمگیر دانش قاسمی غفرلہٗ
خادم تدریس جامعہ اسلامیہ بخاری اندور
۱۳ راگست ۲۰۰۳ء مطابق ۱۴ رجمادی الآخر ۱۴۲۴ھ

علوم نحو کے مشہور علماء اور ان کی تصانیف

عنبسہ بن معدان متوفی ۹۳ھ یہ عنبسۃ الفیل کے نام سے مشہور ہیں۔ اور ابو الاسود دؤلی کے تلمیذ ہیں۔ میمون الاقرن متوفی ۱۰۲ھ یہ بھی ابو الاسود دؤلی کے شاگرد ہیں ـــــ عبداللہ بن ابی اسحاق حضرمی متوفی ۱۱۷ھ اپنے عہد میں علم نحو کے مشہور امام تھے۔ چنانچہ امام یونس سے ان کے علم کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا "هو والنحو سواء" یعنی فن نحو میں یہ تبحر کے انتہائی مقام پر پہنچے ہوئے تھے ـــــ ابو عمر عیسیٰ بن عمر ثقفی متوفی ۱۴۹ھ ادب، نحو اور قراءت تینوں میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، انھوں نے علم نحو میں الاکمال اور الجامع دو کتابیں بھی لکھی تھیں، مگر یہ دونوں کتابیں طویل عرصہ سے نایاب ہیں ـــــ ابو عمرو بن العلاء متوفی ۱۵۴ھ مشہور نحوی عالم تھے ـــــ خلیل بن احمد بصری متوفی ۱۶۰ھ امام النحو سیبویہ کے استاذ اور فن عروض کے بانی تھے۔ ابو بشر عمرو بن قنبر معروف بہ سیبویہ متوفی ۱۶۱ھ متقدمین و متاخرین میں سب سے زیادہ مشہور عالم نحو ہیں۔ ان کی تصنیف "الکتاب" علم نحو کی بے نظیر کتاب ہے اور بعد کے تمام ائمہ نحو نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ بصری کتب نحو کے امام اول اور سرخیل مانے جاتے ہیں ـــــ ابو الحسن علی بن حمزہ کسائی متوفی ۱۸۹ھ نحو، لغت اور قرأت کے امام تھے اور کوفی کتب نحو کے امام الائمہ تھے ـــــ ابو الحسن سعید بن مسعدہ مجاشعی معروف بہ اخفش متوفی ۲۱۵ھ یا ۲۲۱ھ بصرہ کے ممتاز علمائے نحو میں سے تھے اور سیبویہ کے شاگرد تھے۔ "الاوسط" کے نام سے ان کی ایک کتاب کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے ـــــ صالح بن اسحاق جرمی متوفی ۲۲۵ھ امام نحو و لغت کے ساتھ زبردست فقیہ بھی تھے۔ اخفش کے مشہور تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، علم نحو میں المختصر نامی ایک عمدہ کتاب کے مصنف ہیں ـــــ ابو عثمان بکر بن محمد مازنی بصری متوفی ۲۴۹ھ نحو اور ادب میں اپنے زمانہ کے امام تھے۔ فن نحو میں کتاب العلل ان کی بہترین تصنیف ہے۔ ابو العباس محمد بن یزید معروف بہ مبرد بصری متوفی ۲۸۵ھ ابو عمر جرمی اور امام مازنی کے شاگرد اور امام النحو والعربیہ تھے۔ فن نحو میں ان کی کتاب "المقتضب" کے نام سے مشہور ہے ـــــ احمد بن یحییٰ مشہور بہ ثعلب متوفی ۲۹۱ھ نحو اور ادب کے مشہور امام ہیں۔ نحو میں ان کی کتاب "الاوسط" فن کی عمدہ کتابوں میں شمار ہوتی ہے ـــــ ابراہیم بن محمد معروف بہ زجاج متوفی ۳۱۶ھ مشہور نحاۃ میں سے ہیں۔ مبرد، ثعلب وغیرہ کے شاگرد تھے ـــــ ابو جعفر احمد بن محمد معروف بہ نحاس نحوی متوفی ۳۳۸ھ "تفاحہ" اور "الکافی" فن نحو میں ان کی دو کتابیں ہیں ـــــ عبداللہ بن جعفر معروف بہ ابن درستویہ فارسی متوفی ۳۴۷ھ مشہور نحاۃ میں سے تھے۔ نحو میں ان کی کتاب "الارشاد" بہت عمدہ کتاب مانی جاتی ہے ـــــ ابو الفتح عثمان بن جنی موصلی متوفی ۳۹۲ھ نہایت بلند پایہ ادیب اور نحو و صرف کے فاضل تھے، علم صرف میں ان سے بڑھ کر کسی کی تصنیف نہیں ہے۔ ان کی کتاب "الخصائص" اور "اللمع" علم نحو میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔

محمد عالمگیر دانش قاسمی دھنکولوی

جامعہ اسلامیہ بخاری امروہہ

مبادیات علم نحو

ابتدائیہ کلمات: قطر الندیٰ نحو کی کتاب ہے اور کسی بھی علم اور فن کو شروع کرنے سے پہلے چند چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ (۱) اس علم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف (۲) اس کی غرض وغایت (۳) اس کا موضوع (۴) اس کا مقام (۵) اس کی تدوین (۶) مصنف کے حالات زندگی۔

تعریف کا جاننا اس لیے ضروری ہے، تا کہ مجہول مطلق کی طلب لازم نہ آئے۔

غرض وغایت کا جاننا اس لیے ضروری ہے، تا کہ عبث اور بے کار چیز کا طلب کرنا لازم نہ آئے۔

موضوع کا جاننا اس لیے ضروری ہے، تا کہ ایک فن کے مسائل کو دوسرے فن کے مسائل سے ممتاز کیا جا سکے۔

تدوین کی معرفت اس لیے ضروری ہے، تا کہ مدوّن کا علم ہو جائے اور اس فن کی تاریخی حیثیت ذہن نشیں ہو جائے۔ اور مصنف کے حالات کا جاننا اس لیے ضروری ہے، تا کہ مصنف کے مرتبہ سے اس کی تصنیف کا اندازہ لگایا جا سکے، کیوں کہ جس درجہ کا متکلم ہوتا ہے، اس کا کلام بھی اسی درجہ کا شمار ہوتا ہے، چنانچہ مشہور ہے "کلام الملوك ملوك الكلام" بادشاہوں کا کلام کلام کا بادشاہ ہوتا ہے۔ یعنی کہنے والا جس درجہ کا ہوگا اس کا کلام بھی اسی درجہ کا شمار ہوگا۔

تعریف کی تعریف: تعریف کہتے ہیں "ما يبين به حقيقة الشیٔ" کو یعنی تعریف وہ شیٔ ہے، جس کے ذریعہ کسی چیز کی حقیقت بیان کی جائے۔

موضوع کی تعریف: موضوع "ما يبحث فيه عن عوارضه الذاتية" کا نام ہے، یعنی کسی فن اور علم کا موضوع وہ شیٔ کہلاتی ہے، جس شیٔ کے عوارض ذاتیہ سے اس فن میں بحث کی جائے۔

غرض کی تعریف: اور غرض کہتے ہیں "ما يصدر الفعل عن الفاعل لاجله" کو یعنی غرض وہ ارادہ ہے، جس کی وجہ سے فاعل سے فعل صادر ہوتا ہے اور غایت وہ نتیجہ ہے جو اس پر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً قلم خریدنے کے لیے بازار جانا تو غرض ہے اور قلم خرید لینا غایت ہے۔

تدوین کی تعریف: منتشر اور بکھرے ہوئے اجزاء کو ترتیب دینے کا نام ہے۔

نحو کی لغوی تعریف: لغوی کا حاصل یہ ہے کہ لغت میں نحو کے کئی معنی ہیں (۱) راستہ جیسے هذا لنحو السوىّ یہ سیدھا راستہ ہے۔ (۲) نوع مثلاً هذا على اربعة انحاء یہ چار قسم پر ہے، (۳) مثل

جیسے ھذا نحوہ یہ اس کے مثل ہے۔ (۴) ارادہ جیسے نحوت ھذا نحواً میں نے یہ ارادہ کیا ہے وغیرہ۔

نحو کی اصطلاحی تعریف: علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ معرب اور مبنی ہونے کی حقیقت سے تینوں کلموں کی آخری حالت معلوم ہو جائے اور بعض کلمات کو بعض کے ساتھ مرکب کرنے کی کیفیت معلوم ہو جائے۔

علم نحو کا موضوع: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے، کیوں کہ علم نحو میں انہیں کے احوال سے بحث کی جاتی ہے۔ من حیث الاعراب والبناء۔

علم نحو کی غرض: علم نحو کی غرض کلام عرب میں ذہنی ولفظی غلطی سے بچانا ہے۔

تدوین نحو: اس علم کے قواعد وضوابط سب سے پہلے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی رہنمائی میں ان کے شاگرد رشید ابوالاسود دوئلی (متوفی ۶۹ھ یا ۶۷ھ) نے مرتب کیے۔ انہیں ابوالاسود نے سب سے پہلے قرآن حکیم پر اعراب اور نقطے لگائے۔

تدوین کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوالاسود دوئلی نے حضرت علی کو متفکر پایا۔ ابوالاسود نے پوچھا کہ تفکر کا سبب کیا ہے؟ علی نے کہا میں نے تمہارے اس شہر میں غلطیوں کو سنا ہے، اس لیے میں نے عربیت میں ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ پھر میں تین دن کے بعد آپ کی خدمت میں آیا تو آپ نے مجھے ایک صحیفہ پیش کیا جس میں بسم اللہ کے بعد یہ مضمون تھا۔ الکلام کلہٗ اسم وفعل وحرف فالاسم ما انباء عن المسمّٰی والفعل ما انباء عن الفاعل والحرف ما انباء عن معنی لیس باسم ولا فعل۔ حضرت علی نے کہا کہ یہ تو میری معلومات کے مطابق ہے تو اس میں اور اضافہ کر لینا۔

مختصر خاکۂ حیات صاحب قطر الندیٰ

نام ونسب: نام عبداللہ بن یوسف بن احمد بن عبداللہ بن ہشام انصاری مصریؒ۔ کنیت ابو محمد۔ لقب جمال الدین۔

تاریخ ولادت: آسمان علم وفضل کا یہ سورج شنبہ کے دن ۵ ذی قعدہ ۷۰۸ھ مطابق ۱۳۰۹ء کو طلوع ہوا۔

تحصیل علم: آپ نے شہاب عبداللطیف بن مرحل بن سراج، ابوحیان، التاج الفاکہانی، تاج تبریزی جیسی نابغۂ روزگار ہستیوں سے اکتساب فیض کر کے اپنی علمی وخوابیدہ صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ علم وفن کے اتھاہ سمندر میں غواصی کر کے وہ قیمتی اور گرانمایہ موتی نکال کر لائے جن سے متقدمین کی نگاہیں ناآشنا تھیں ـــــ چنانچہ خداداد ذہانت اور محققانہ ومجتہدانہ بصیرت کی بناء پر بہت قلیل مدت میں اصحاب فضل وکمال کے طبقہ میں اپنی عبقریت کا لوہا منوالیا۔

ابتداء میں آپ نے فقہ شافعی پڑھی، پھر حنبلی مسلک اختیار کیا، زندگی کے آخری ایام میں یعنی مرنے سے پانچ برس پہلے مختصر الخرقی کو چار مہینے سے کم میں حفظ کیا، جو آپ کی غیر معمولی قوت حافظہ پر بیّن دلیل ہے۔

مصنفؒ کے بارے میں طاش کبریٰ کا قول: طاش کبریٰ زادہ نے یوں لکھا ہے "اتقن العربيّة ففاق الاقران بل الشّيوخ" نحو میں ایسی مہارت پیدا کی کہ ہم عصروں بلکہ استادوں پر فوقیت لے گئے۔

ابن خلدونؒ کا قول: اور علامہ ابن خلدون نے شہادت دی "انّ ابن هشام على علمٍ جمٍّ يشهد بعلوّ قدره فى صناعةِ النّحوِ" ابن ہشام کا علم عربیت میں بے پایاں علم اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کو فن نحو میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

"مازلنا ونحن بالمغرب نسمع انه ظهر بمصر عالم بالعربية يقال له ابن هشام انحى من سيبويه"

مغرب میں ہم لوگ یہ برابر سنتے رہے کہ مصر میں ابن ہشام نامی ایک شخص پیدا ہوا ہے جو سیبویہ سے بھی زیادہ نحو جانتا ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کی مقبولیت: نہ صرف علم نحو میں بلکہ آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو علم ادب، اسماء الرجال، لغت، اشتقاق، حدیث اور تفسیر، میں کامل دستگاہ حاصل تھی، اسی وجہ سے محققین علماء نے آپ کی امامت وسیادت کا اعتراف کیا۔ اور تحقیق وتدقیق، تصنیف وتالیف اور علم ومعرفت گہرائی وگیرائی کے اُفق پر رونما ہونے والے ستارے ان کی روشنی کے سامنے ماند پڑ گئے۔ اور آپ کا شہرہ سرزمین مصر کی حدود سے گذر کر بلاد مغرب تک پہنچ گیا۔

آپ کی خصوصیت: علامہ ابن ہشام کو اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی میں ایجاز واختصار اور اطناب وتفصیل پر یکساں ملکہ حاصل تھا۔

تصانیف: آپ بڑے کثیر التصانیف تھے، نحو کی مشہور کتاب "شذور الذہب" آپ ہی کی تصنیف ہے، جس کی آپ نے خود شرح بھی کی ہے۔ نحو میں یہ کتاب بہت عمدہ ہے۔ مثالیں اکثر و بیشتر آیات قرآنی سے پیش کی ہیں اور اس سے زیادہ مشہور کتاب مغنی اللبیب ہے، جو فن نحو میں اپنی نظیر آپ ہے۔ دو درجن سے زائد آپ کی کتابیں ہیں۔ مثلاً التوضیح علی الالفیہ، رفع الخاصہ ۴ جلدیں، عمدۃ الطالب فی تحقیق تصریف ابن الحاجب، شرح التسہیل، شرح الشواہد کبری، شرح الشواہد صغری، القواعد الکبری، القواعد الصغری، قطر الندی، شرح قطر الندی، الجامع الصغیر وغیرہ۔

وفات: یہ آفتاب عالمتاب ایک عالم کو منور کر کے بروز جمعہ ذی قعدہ ۲۲/۲۱ ۷۶۱ھ مطابق ۱۳۶۰ء کو اس خاکدان دنیا کو الوداع کہہ کر قاہرہ میں ہمیشہ ہمیش کے لیے غروب ہوگیا۔ رحمہ اللہ تعالٰی رحمۃ واسعۃ۔

آغاز کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:- قَالَ الشَّيْخُ، الْاِمَامُ، الْعَالِمُ، الْعَلَّامَةُ، جَمَالُ الْمُتَصَدِّرِيْنَ، وَتَاجُ الْقُرَّاءِ، تَذْكِرَةُ اَبِىْ عَمْرٍو، وَسِيْبَوَيْهِ، وَالْفَرَّاءِ:- اَبُوْمُحَمَّدٍ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ بْنِ هِشَامٍ الْاَنْصَارِىُّ، قَسَمَ اللّٰهُ فِىْ قَبْرِهٖ۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں میں اس اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ شیخ وقت، پیشوائے قوم، صاحب علم، زبردست عالم، مجلس علماء کی رونق اور قراء کے سرتاج، جو ابوعمرو، سیبویہ اور فراء کی یادداشت ہے، ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن عبداللہ بن ہشام انصاریؒ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر میں کشادگی پیدا فرمائے۔

وضاحت: صاحب قطر الندیٰ وبل الصدیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب المسمّٰی "قطر الندیٰ وبل الصدیٰ" کا آغاز بسم اللہ سے کیا ہے۔ اول تو قرآن کریم کی تقلید کرتے ہوئے۔ دوسرے حدیث پاک کی اتباع کرتے ہوئے حدیث کے الفاظ ہیں: "كل كلام لا يبدء فيه باسم الله وبحمد الله فهو اجذم. وفى رواية ابن ماجة اقطع" یعنی جس کام کی ابتداء بسم اللہ اور الحمدللہ سے نہ کی گئی ہو وہ بے انجام اور بے برکت رہ جاتا ہے۔ ابن ماجہ، ابن حبان، ابوعوانہ، شیخ ابن صلاح الدین وغیرہ محدثین نے اس روایت کی تصحیح کی ہے اور فقہاء کے نزدیک یہ معمول بہا ہے۔

قَالَ: صیغہ واحد مذکر غائب فعل ماضی باب نصر اس ایک مرد نے کہا زمانہ گذشتہ میں۔

الشَّيْخُ: واحد ہے، اس کی جمع شیوخ ہے، بمعنی بوڑھا، عمر رسیدہ، سردار، گاؤں کا چودھری۔

الاِمَامُ: واحد ہے، اس کی جمع أئمّة ہے، بمعنی رہبر، پیشوا قوم۔

الْعَالِمُ: واحد ہے، جمع اس کی علماء ہے، صاحب علم، تعلیم یافتہ انسان۔

الْعَلَّامَةُ: باخبر، زبردست جاننے والا، مبالغہ کا صیغہ ہے۔

جَمَالُ: بارونق، خوبصورتی، خوش اخلاقی، صیغہ صفت ہے۔

الْمُتَصَدِّرِيْنَ: باب تفعّل سے اسم فاعل، جمع مذکر کا صیغہ ہے حالت جری میں۔

الْقُرَّاءُ: قاری کی جمع ہے، بمعنی پڑھنے والا۔

تَذْكِرَةُ: بمعنی یادداشت، یہاں مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، یاد دلانے والا۔

سیبویہ: ابو بشر عمرو بن قنبر معروف بہ سیبویہ متوفی ١٦١ھ حقدمین متاخرین میں سب سے زیادہ مشہور عالم نحو ہیں۔ ان کی کتاب "الکتاب" علم نحو کی بے نظیر کتاب ہے۔ ان کے بعد کے تمام ائمہ نحو نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ بصری کتب نحو کے امام اول اور سرخیل مانے جاتے ہیں۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَافِعِ الدَّرَجَاتِ لِمَنِ انْخَفَضَ لِجَلَالِه، وَفَاتِحِ الْبَرَكَاتِ لِمَنِ انْتَصَبَ لِشُكْرِ افْضَالِه، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ مَدَّتْ عَلَيْهِ الْفَصَاحَةُ رِوَاقَهَا، وَشَدَّتْ بِهِ الْبَلَاغَةُ نِطَاقَهَا الْمَبْعُوثِ بِالْآيَاتِ الْبَاهِرَةِ وَالْحُجَجِ. الْمُنَزَّلِ عَلَيْهِ قُرْآنٌ عَرَبِيٌّ غَيْرَ ذِي عِوَجٍ، وَعَلٰى آلِهِ الْهَادِيْنَ. وَأَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ شَادُوا الدِّيْنَ وَشَرُفَ وَكَرُمَ۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اس معبود حقیقی کے لیے ہیں، جو اس کی درجات و مراتب کو بلند کرنے والے ہیں، جو اس کی عزت کے سامنے عجز و انکساری کا اظہار کرے۔ اور اس شخص کے لیے خیرات و برکات کو کھولنے والے ہیں، جو اس کی اختیاری شکر بجالانے کے لیے تیار ہے۔ اور رحمت کاملہ اور سلامتی نازل ہو اس ہستی پر جس پر فصاحت اور اس کی سائبان پھیلی۔ اور جس کے ذریعہ بلاغت و بیانت باقت مضبوط ہوئی جو خیرہ کن (لاجواب بنانے والی) نشانیاں اور دلائل لے کر بھیجے گئے۔ جس ہستی پر ایسا قرآن نازل کیا گیا جو عربی میں ہے اور بغیر کجی و ٹیڑھاپن کے ہے۔ اور (رحمت کاملہ نازل ہو) ان کے اس آل پر جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اور ان کے ان تمام ساتھیوں پر جو دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان کو شرافت و کرامت سے نوازا۔

وضاحت: الحمد: حمد کے لغوی معنی ہیں ستودن، تعریف کرنا، ستائش کرنا، اوصاف حسنہ کا ذکر کرنا۔ اور اصطلاحی تعریف یہ ہے: "هو الثناء باللسان على الجميل الاختياري نعمة كان او غيرها" یعنی زبان سے کسی اختیاری خوبی پر تعریف کرنا خواہ وہ اختیاری خوبی نعمت ہو یا غیر نعمت ہو۔

الله سے مراد: "والله علم على الأصح لذات الواجب الوجود المستجمع لجميع صفات الكمال" اور صحیح تر مذہب پر لفظ اللہ اس ذات واجب الوجود کا علم ہے جو جمیع صفات کمال کا جامع ہے۔

صلوۃ کی تفسیر:۔ مشہور یہ ہے کہ لفظ صلوۃ دعا کے معنی میں حقیقت اور دوسرے معنی میں مجاز ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ لفظ صلوۃ اس کے تمام معنوں میں مشترک ہے۔ اور جب لفظ صلوۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہو مثلاً صلوۃ اللہ کہا جاوے تو اس کے معنی رحمت کاملہ کے ہیں۔ اور جب ملائکہ کی

طرف منسوب ہو مثلاً کہا جاوے صلوٰۃ الملائکۃ تو اس کے معنی استغفار ہیں۔ اور جب بندوں کی طرف منسوب ہو مثلاً صلوٰۃ العباد کہا جاوے تو اس کے معنی دعاء ہیں۔ اور جب پرندوں کی طرف نسبت ہو مثلاً صلوٰۃ الطیور تو اس کے معنی تسبیح ہیں۔

رَافِع: باب فتح یفتح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، بمعنی بلند کرنے والا، اٹھانے والا۔

الدَّرجات: یہ درجۃ کی جمع ہے، بمعنی سیڑھی، مرتبہ، مقام۔

اِنْخَفَضَ: بلندی کے بعد پستی اختیار کرنا، از باب انفعال انخفاضا مصدر۔

فاتح: باب فتح سے اسم فاعل بمعنی کھولنے والا۔

انتصب: کھڑا ہونا، جمنا، بلند ہونا، از باب افتعال۔

شکر: شکر کے لغوی معنی ہیں "فعل ینبئ عن تعظیم المنعم" یعنی شکر ایسے فعل کو کہتے ہیں جو منعم کی تعظیم پر دلالت کرے۔ اور اصطلاحی تعریف ہے "صرف جمیع ما انعم اللّٰہ به علی عبده الی ما خُلق لاجله" یعنی اللہ کے تمام انعامات کو ان کے مقاصد میں صرف کرنا۔

الفصاحة: کلام کا تعقید سے خالی ہونا۔ باب کرم کا مصدر ہے۔

رِوَاق: سائبان، برآمدہ، چھت سے لے کر نیچے تک کا پردہ، جمعۃ أرْوِقة وَرِوَاقات۔

البلاغة: کلام فصیح کا مقتضی حال کے مطابق ہونا۔

نِطَاق: بمعنی کمر بند، کپڑے کا ایک ٹکڑا جس کو عورتیں کمر پر باندھتی ہیں اور اس کا بالائی حصہ نچلے حصہ پر اور نچلا حصہ زمین تک لٹکا رہتا ہے جمع نُطُق، لیکن یہاں پیاتہ بلاغت مراد ہے۔

المبعوث: از باب فتح اسم مفعول بمعنی بھیجا ہوا۔

الحُجَج: حُجّة کی جمع ہے، بمعنی دلائل۔

آل: آل کی اصل بعض حضرات کے نزدیک اہل ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ ہر شیٔ کی تصغیر شیٔ کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے، اور آل کی تصغیر اُہیل آتی ہے۔ اور بعض حضرات کے نزدیک اس کی اصل اَوَل ہے۔ آل اور اہل میں فرق کی تفصیل یہ ہے کہ آل کا اطلاق اشراف پر ہوتا ہے۔ خواہ شرافت دنیوی ہو جیسے آل فرعون، خواہ شرافت اخروی ہو جیسے آل محمد صلعم کہ آپ کو دونوں اعتبار سے شرافت حاصل ہے۔ اور اہل کا اطلاق عام ہے خواہ اشراف ہوں یا ارزال ہوں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ آل صرف ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اہل کا لفظ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں آل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں یا آپ کی اولاد، یا آل سے مراد ہر مومن متقی اور خدا ترس لوگ ہیں۔

اصحاب: اصحاب یا تو صاحب کی جمع ہے جیسے اطہار، طاہر کی جمع ہے، یا صَحِبٌ (بکسر الحاء) کی جمع ہے۔ جیسے انمار، نمر کی جمع ہے۔ یا صَحْبٌ (سکون الحاء) کی جمع ہے۔ جیسے انہار، نہرٌ کی جمع ہے۔ یا صحیبٌ کی جمع ہے۔ جیسے اشراف، شریف کی جمع ہے۔

صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے بحالت ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہو اور ایمان پر خاتمہ بھی ہوا ہو۔ تابعی جس نے صحابی سے بحالت ایمان ملاقات کی ہو اور تبع تابعی جس نے تابعی سے بحالت ایمان ملاقات کی ہو۔

الدین: "هو وضع الهى سائق لذوى العقول باختيارهم المحمود الى الخير بالذات" دین ایسا خدائی دستور ہے جو ذی عقل لوگوں کو ان کے قابل قدر اختیار اور قدرت کے ذریعہ رضائے الٰہی یا دیدار خداوندی تک لے جاتا ہے۔

وَبَعْدُ، فَهٰذِهِ نُكَتٌ حَرَّرْتُهَا عَلٰى مُقَدِّمَتِي الْمُسَمَّاةِ بِقَطْرِ النَّدٰى، وَبَلِّ الصَّدٰى رَافِعَةً لِحِجَابِهَا، كَاشِفَةً لِنِقَابِهَا، مُكَمِّلَةً لِشَوَاهِدِهَا، مُتَمِّمَةً لِفَوَائِدِهَا، كَافِيَةً لِمَنِ اقْتَصَرَ عَلَيْهَا، وَافِيَةً بِبُغْيَةِ مَنْ جَنَحَ مِنْ طُلَّابِ عِلْمِ الْعَرَبِيَّةِ إِلَيْهَا، وَاللّٰهُ الْمَسْئُوْلُ اَنْ يَّنْفَعَ بِهَا كَمَا نَفَعَ بِأَصْلِهَا، وَأَنْ يُّذَلِّلَ لَنَا طُرُقَ الْخَيْرَاتِ وَسُبُلَهَا، إِنَّهُ جَوَادٌ كَرِيْمٌ، رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ أُنِيْبُ۔

ترجمہ:- اور حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ مشکل مسائل جن کو میں نے اپنے مقدمہ پر تحریر کیا ہے۔ وہ "قطر الندیٰ وبل الصدیٰ" کے نام کے ساتھ موسوم ہے۔ جو اس کی پوشیدگی کو دور کرنے والی اور اس کے حجاب کو کھولنے والی ہے۔ اس کے دلائل کے لیے مکمل ہے۔ اور اس کے فوائد کے لیے متمم ہے۔ اس شخص کے لیے کافی ہے جو اس پر انحصار کرنا چاہے۔ تحقیق بخش ہے اس کی آرزو کے لیے جو کامیاب ہونا چاہے، شعبہ عربی کے ہونہار طلبہ میں سے۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں درخواست ہے کہ اس کے ذریعہ اسی طرح عام فائدہ پہنچائے، جس طرح اس کے اصل سے نفع پہنچایا اور ہمارے لیے بھلائی اور اس کے راستے کو ہموار کر دے، بے شک وہ بڑا فیاض اور کرم والا ہے مہربان اور شفقت کرنے والا ہے، اور خیر کی جانب میری رہنمائی اللہ ہی کی توفیق سے ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

وضاحت:- لفظ بعدُ کی تحقیق: لفظ بعد اور قبل ظرف زمان اور مکان دونوں کے لیے مستعمل ہوتے ہیں۔ ظرف زمان کی مثال "الغد بعد الیوم" کل آئندہ آج کے بعد ہے۔ "الیوم

قبل الغد " آج کا دن کل آئندہ سے پہلے ہے۔ اور ظرف مکان کی مثال "داری بعد دارك" میرا گھر تیرے گھر کے بعد ہے۔ "داری قبل دارك" میرا گھر تیرے گھر سے پہلے ہے۔ لفظ قبل اور بعد کی تین صورتیں ہیں (۱) ان کا مضاف الیہ مذکور ہو (۲) ان کا مضاف الیہ محذوف نسیاً منسیاً ہو (۳) ان کا مضاف الیہ محذوف منوی ہو۔ اول کی دو صورتوں میں مذکورہ دونوں لفظ معرب بحسب العوامل ہوتے ہیں اور تیسری صورت میں مبنی علی الضم ہوتے ہیں۔

نکتۃ: واحد نکتۃ مشکل مسئلہ جو دقت نظر سے حاصل ہو۔

قطر الندی وبل الصدی: بمعنی بارش جمعۃ قطار، الندی بمعنی تری، شبنم، سخاوت، کرم۔ بلّ باب نصر تر کرنا، الصدی جمعۃ اصداء بمعنی شدت پیاس۔ پورے جملہ کا ترجمہ ہوا شبنم کی بارش اور شدت پیاس کی تراوٹ۔

صاحب کتاب علیہ الرحمۃ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ میں نے یہ کتاب جس کا نام قطر الندی وبل الصدی ہے ایسے دو مقدمہ پر تحریر فرمائی ہے جس سے نحو کے تمام پیچیدہ مسائل حل ہو جائیں گے، کیوں کہ علم نحو کی پوشیدگی کو دور کرنے والی اور اس کے نقاب کو کھولنے والی ہے علم نحو کے دلائل کے لیے تکملہ اور اس کے فوائد کے لیے تتمہ ہے، جو شخص علم نحو کے موجودہ مسائل پر اکتفاء کرنا چاہے اس کے لیے کافی ہے اور جو کامیاب ہونا چاہے، اس کی آرزو کے لیے تشفی بخش رسالہ ہے۔ اللہ رب العزت سے یہی دعاء ہے کہ اس کے فوائد کو عام و تام فرمائے ابتداء اور انتہاء میں اللہ ہی توفیق عطاء کرنے والا ہے، وہی میری نیک بختی اور رہنمائی کی توفیق دینے والا ہے، اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں۔

اَلْكَلِمَةُ قَوْلٌ مُفْرَدٌ

ترجمہ:۔ کلمہ قول مفرد کا نام ہے۔

وضاحت:۔ کلمہ کا اطلاق لغت میں جملہ مفیدہ پر ہوتا ہے، جیسا کہ باری تعالیٰ کا فرمان كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا (ترجمہ ہرگز نہیں ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے۔ پ۱۸، ع۶) اور رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ (ترجمہ اے رب مجھ کو پھر بھیج دو، شاید کچھ میں بھلا کام کرلوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا۔ پارہ ۱۸، ع۶) کے ذریعے معلوم ہو رہا ہے کہ لفظ کلمہ لغۃ جملہ مفیدہ کے معنی میں مستعمل ہے۔

کلمہ کی اصطلاحی تعریف:۔ اصطلاح میں کلمہ قول مفرد کو کہتے ہیں۔

قول سے مراد: قول سے مراد وہ لفظ ہے جو معنی پر دلالت کرے جیسے رَجُلٌ (آدمی) فَرَسٌ

(کھوڑا)۔

لفظ سے مراد: جو بات بھی آدمی کے منھ سے نکلے۔ بالفاظ دیگر لفظ سے مراد وہ آواز ہے جو بعض حروف پر مشتمل ہو چاہے کسی معنی پر دلالت کرے جیسے زید۔ یا معنی پر دلالت نہ کرے جیسے دیز۔ جو لفظ زید کا اُلٹا ہے۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر قول لفظ ہوتا ہے، لیکن ہر لفظ قول نہیں ہوگا، اس لیے کہ وہ لفظ جو کسی معنی پر دلالت نہیں کرتا مثلاً دیز اسے لفظ تو کہا جاتا ہے لیکن قول نہیں کہا جاتا۔

مفرد سے مراد: مفرد سے مراد وہ لفظ ہے جس کے اجزا اس کے معنی کے اجزاء پر دلالت نہ کریں جیسے زید۔ اس لیے کہ اس کے اجزاء زا، یا اور دال ہیں۔ ان تینوں حروف میں سے جب کوئی اکیلا ہوتا ہے تو اس مفہوم کے کسی چیز کو نہیں بتلاتا جس مفہوم کو پورا لفظ زید بتلا رہا تھا۔ برخلاف غلام زید کے (کہ وہ مرکب ہے) اس لیے کہ اس کے دو جزء میں سے ہر ایک یعنی غلام اور زید اپنے معنی کے جزء پر دلالت کرنے والا ہے، لہٰذا اس کو مرکب کہا جائے گا۔

اشکال: صاحب قطر الندیٰ نے کلمہ کی جو تعریف کی ہے اس پر ایک اشکال ہوتا ہے۔ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ کلمہ کی تعریف میں لفظ "اَلْوَضْعُ" کی قید کیوں نہیں لگائی، جب کہ دیگر نحویین نے "اَلْوَضْعُ" کی شرط لگائی ہے۔ اور یہ تعریف کی ہے "الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد؟" (کلمہ ایک ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔)

جواب: جن حضرات نے کلمہ کی تعریف میں لفظ "الوضع" کی شرط لگائی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کلمہ کی تعریف میں لفظ لفظ کو کلمہ کے لیے جنس قرار دیا اور لفظ جنس ہونے کی صورت میں موضوع و مہمل دونوں کو شامل ہوتا ہے، لہٰذا وضع کی قید لگا کر مہمل کو خارج کرنے کی ضرورت پڑی، تا کہ مہمل موضوع سے خارج ہو جائے، اس لیے دیگر حضرات نے اس کی شرط لگائی اور میں نے جب کلمہ کے لیے لفظ "قول" کو جنس بنایا اور وہ موضوع کے ساتھ خاص ہے (کیوں کہ قول معنی دار لفظ ہی کو کہتے ہیں) تو اس نے مجھے وضع کی شرط سے بے نیاز کر دیا۔

اشکال: مصنفؒ نے کلمہ کی تعریف میں لفظ قول استعمال فرمایا ہے، آخر لفظ سے قول کی طرف عدول کرنے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: چوں کہ لفظ مہمل اور مستعمل پر بولے جانے کی وجہ سے جنس بعید ہے اور قول مستعمل کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے جنس قریب ہے، اور یہ امر مسلم ہے کہ تعریف میں اجناس بعیدہ کا استعمال اہل نظر کے نزدیک معیوب ہے، اس لیے مصنفؒ نے قول جو کہ جنس قریب ہے اسے استعمال فرمایا۔

وَهِيَ: اِسْمٌ، وَفِعْلٌ، وَحَرْفٌ.

وضاحت:۔ ھی ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں، اسم، فعل، حرف، جب مصنف کلمہ کی تعریف کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے کلمہ کی قسمیں بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں، اسم، فعل، حرف۔

اشکال: لیکن متن کی اس عبارت پر اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے کلمہ کو تین قسموں میں ہی منحصر کیوں کیا ہے، اس کی چوتھی قسم کیوں نہیں ہوئی۔

جواب: کلمہ کے تین قسموں میں ہی منحصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نحویین اور نحو اهل علماء کرام نے کلام عرب میں بہت ہی تتبع وتلاش اور چھان بین سے کام لیا، لیکن اقسام ثلاثہ کے علاوہ کوئی چوتھی قسم نہیں ملی، اگر انہیں کوئی چوتھی قسم ملتی تو وہ ضرور واقف اور مطلع ہو کر تحریر فرماتے، لہٰذا چوتھی قسم کا نہ ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تین قسموں میں ہی منحصر ہے اور یہ انحصار استقرائی ہے۔

دوسری دلیل حصر: کلمہ تین قسموں میں ہی منحصر ہے اس کی وجہ یہ ہے "یا تو کلمہ دلالت کرے گا ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو، یا دلالت کرے گا ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں نہ ہو، اگر اس کی ذات میں نہ ہو تو وہ حرف ہے۔ اور اگر دلالت کرے ایسی ذات پر جو اس کی ذات میں ہو تو پھر وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں پایا جائے گا یا نہیں، اگر پایا جائے گا تو وہ فعل ہے، ورنہ اسم ہے۔

اشکال: وھی اسمٌ، وفعلٌ وحرفٌ پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے اسم کو فعل پر اور فعل کو حرف پر کیوں مقدم کیا۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم افادہ میں مستقل ہے، فعل و حرف کی طرف احتیاج نہیں رکھتا اور نہ ہی اصح مذہب پر فعل سے مشتق ہے بخلاف فعل کے کہ وہ افادہ میں مستقل نہیں ہے بلکہ اسم کی طرف محتاج ہے، اس وجہ سے اسم اصل ہوا اور فعل فرع، اور اصل فرع پر مقدم ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا مصنف نے اسم کو فعل پر مقدم کر دیا۔ پھر فعل کو حرف پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ فعل حرف کی طرف افادہ میں محتاج نہیں اور حرف دونوں کی طرف محتاج ہے اور جو محتاج ہوتا ہے وہ غیر محتاج کی فرع ہوتا ہے، اس وجہ سے فعل اصل ہوا اور حرف فرع، لہٰذا فعل کو حرف پر مقدم کیا۔

فَأَمَّا الْاِسْمُ فَيُعْرَفُ: بِاَلْ كَالرَّجُلِ، وَالتَّنْوِيْنِ كَرَجُلٍ، وَبِالْحَدِيْثِ عَنْهُ كَتَاءِ ضَرَبْتُ.

ترجمہ:۔ پس بہر حال اسم تو وہ پہچانا جاتا ہے الف لام کے ذریعہ جیسے اَلرَّجُلُ اور تنوین سے جیسے رَجُلٌ، اس کے متعلق گفتگو کرنے سے جیسے ضَرَبْتُ کی تاء۔

وضاحت:۔ جب مصنف کلمہ کی تقسیم سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے اسم کی علامتوں کو بیان فرمارہے ہیں، تا کہ معلوم ہو جائے کہ اسم کیا ہے، ورنہ علامات سے ناواقفیت کی بناء پر مبتدی طلبہ بہت ساری غلطیاں کرتے ہیں۔ پہلے اسم کی تعریف ملاحظہ فرمائیں پھر اس کی علامتیں۔

اسم کی تعریف: اسم وہ کلمہ ہے جو بذات خود اپنا معنی بتائے اپنا معنی بتانے میں کسی کا محتاج نہ ہو اور تینوں زمانوں میں سے کسی کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو۔ جیسے اَلرَّجُلُ (آدمی)

اسم کی علامتیں:۔ اسم کی تین علامتیں ہیں: (۱) اَلْ کا داخل ہونا جیسے اَلرَّجُلُ (آدمی) اَلفَرَسُ (گھوڑا) (۲) تنوین کا داخل ہونا جیسے غُلَامٌ، رَجُلٌ۔

یہاں تنوین سے نون زائدہ ساکنہ مراد ہے جو اسم کے آخر میں لاحق ہوتا ہے لفظاً یا اعتبار تحریر کے، رسماً نہیں۔ نیز یہ نون نون تاکید نہیں ہوتا ہے جیسے زَیْدٌ، رجلٌ، صَهٍ حینئذٍ، مُسلماتٌ یہ سب اسم ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان تمام اسماء کے اخیر میں تنوین داخل ہے۔

(۳) تیسری علامت معنویہ ہے کہ اس کے بارے میں کوئی بات نقل کی جائے جیسے قَامَ زَیْدٌ، پس زید اسم ہے، اس لیے کہ تو نے اس کے بارے میں قیام کا معنی بیان کیا، یہ علامت مضبوط تر ہے۔ اور اس مفہوم کو معنی مصدری کہتے ہیں۔

معنی مصدری سے مراد وہ مفہوم ہے جس کا تصور بغیر کسی ذات کے نہ ہو سکتا ہو جیسے ضَرْبٌ بغیر ضارب ومضروب کے متصور نہیں اور قتل بغیر قاتل ومقتول کے۔

وَهُوَ ضَرْبَانِ، مُعْرَبٌ، وَهُوَ: مَا يَتَغَيَّرُ آخِرُهُ بِسَبَبِ الْعَوَامِلِ الدَّاخِلَةِ عَلَيْهِ. كَزَيْدٍ. وَمَبْنِيٌّ. وَهُوَ بِخِلَافِهِ كَهٰؤُلَاءِ، فِي لُزُوْمِ الْكَسْرِ. وَكَذٰلِكَ جِذَامِ، وَأَمْسِ، فِي لُغَةِ الْحِجَازِيِّيْنَ، وَكَأَحَدَ عَشَرَ وَأَخَوَاتِهِ فِي لُزُوْمِ الْفَتْحِ، وَكَقَبْلُ وَبَعْدُ وَأَخَوَاتِهِمَا فِي لُزُوْمِ الضَّمِّ، إِذَا حُذِفَ الْمُضَافُ إِلَيْهِ، وَنُوِيَ مَعْنَاهُ، وَكَمَنْ وَكَمْ فِي لُزُوْمِ السُّكُوْنِ، وَهُوَ أَصْلُ الْبِنَاءِ.

ترجمہ:۔ اور وہ (اسم کی) دو قسمیں ہیں، معرب، اور وہ وہ ہے جس کا آخر بدلتا رہتا ہے ان عوامل کی سبب سے جو اس پر داخل ہونے والے ہیں، جیسے زَیْدٌ اور (دوسری قسم) مبنی ہے اور وہ اس کے برخلاف ہوتا ہے هٰؤُلَاءِ، کسرہ کے لازم ہونے میں، اور اسی طرح جِذَامِ اور أَمْسِ حجازیوں کی لغت میں، اور جیسے أَحَدَ عَشَرَ اور اس کے اخوات فتح کے لازم ہونے میں، اور جیسے قَبْلُ اور بَعْدُ اور ان دونوں کی اخوات ضمہ کے لازم ہونے میں۔ جب مضاف الیہ حذف کر دیا جائے اور اس کے معنی کی

نیت کی جائے۔ اور اسی طرح مَنْ اور کَمْ سکون کو لازم ہوتے ہیں، اور یہی بناء کی اصل ہے۔

وضاحت:۔ جب صاحب قطر الندیٰ اسم کی تعریف اور اس کی علامتیں بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے اسم کی تقسیم بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا اسم کی دو قسمیں ہیں معرب اور مبنی۔

سوال: لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے معرب کو مبنی پر کیوں مقدم فرمایا؟

جواب: چوں کہ معرب اصل ہے اور مبنی فرع، اور اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے، اس وجہ سے معرب کو مبنی پر مقدم فرمایا۔

اسم معرب کی تعریف:۔ اسم معرب ایسا اسم ہے جس کا آخر عوامل کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ (بالفاظ دیگر معرب ایسا اسم ہے کہ اس کا آخر بدل جائے اس سبب سے جو اس پر داخل ہوتا ہے عوامل میں سے) جیسے جَاءَنِیْ زَیْدٌ، رَأَیْتُ زَیْدًا، مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، اوّل میں جَاءَ نی، ثانی میں رَأَیْتُ اور ثالث میں حرف جر با عامل ہے، جس کی وجہ سے زید کا آخر بدل گیا ضمہ فتحہ اور کسرہ کے ساتھ۔

سوال: یہاں ایک اور اشکال ہوتا ہے کہ اگر اسم کے آخر کے علاوہ دوسرے حرف کے اعراب میں تبدیلی پیدا ہو۔ (خواہ یہ تبدیلی وسط میں ہو یا ابتداء میں) اور یہ تبدیلی کسی عامل کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ یوں ہی ہو، اسی طرح وہ اسماء جن کے اخیر میں تغیر و تبدل ہو لیکن وہ عامل کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ غیر عامل کی وجہ سے ہو تو کیا آپ اسے معرب کہہ سکتے ہیں۔

جواب: وہ اسماء جن کے آخر میں تغیر و تبدل نہ ہو بلکہ ابتداء یا وسط حرف میں تغیر ہو تو اسے معرب نہیں کہہ سکتے۔ جیسے فَلْسٌ اگر آپ اس کی تصغیر لائیں فُلَیْسٌ، اور فَلْسٌ کی جمع مکسر لائیں اَفْلُسٌ وَفُلُوْسٌ تو یہ معرب نہیں ہو سکتے، کیوں کہ معرب کی جو شرط ہے وہ یہاں مفقود ہے۔

اسی طرح وہ اسماء جن کے اخیر میں تغیر ہو، لیکن وہ عامل کی وجہ سے نہ ہو، بلکہ غیر عامل کی وجہ سے ہو تو وہ بھی معرب نہیں ہو سکتے جیسے جَلَسْتُ حَیْثُ جَلَسَ زَیْدٌ میں حَیْثُ کو ضمہ کے ساتھ اور حَیْثَ فتحہ کے ساتھ اور حَیْثِ کسرہ کے ساتھ پڑھنا درست ہے مگر یہ تین صورتیں کسی عامل کی وجہ سے نہیں ہیں لہٰذا اس کو معرب نہیں کہا جاسکتا۔

مبنی کی تعریف:۔ مبنی وہ اسم ہے جو ہمیشہ کسی بھی ایک اعراب پر رہے، عوامل کے بدلنے سے اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو جیسے ھٰؤُلَاءِ۔

مبنی کے اقسام:۔ مبنی کی چار قسمیں ہیں (۱) مبنی علی الکسر (۲) مبنی علی الفتح (۳) مبنی علی الضم (۴) مبنی علی السکون۔

مبنی علی الکسر کی تعریف:۔ اس سے مراد وہ اسم مبنی ہے جس کا آخری حرف ہر حال میں مکسور ہو۔

مبنی علی الکسر کی قسمیں:۔ مبنی علی الکسر کی دو قسمیں ہیں (۱) قسم متفق علیہ (۲) قسم مختلف فیہ۔

(۱) قسم متفق علیہ سے مراد وہ مبنی ہے جس کا آخر تمام حالتوں میں مکسور ہو اور اس کے مکسور ہونے پر سبھی کا اتفاق ہو جیسے ھٰؤُلَاءِ، تمام اہل عرب اسے مبنی علی الکسر پڑھتے ہیں، کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

(۲) قسم مختلف فیہ سے مراد وہ مبنی ہے جس کے آخر کا مکسور ہونے میں اختلاف ہو اور وہ حَذَامِ اور قَطَامِ ہے اور ان دونوں کے مثل جو فَعَالِ کے وزن پر آنے والے ہوں اعلام مؤنث میں سے، اسی طرح لفظ "اَمْسِ" جب آپ وہ دن مراد لیں جو آج کے دن سے پہلے گذر چکا۔

باب حَذَامِ میں اختلاف:۔ لفظ حذام اور قطام کو مبنی علی الکسر پڑھا جائے یا حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ، اور حالت نصب اور جر میں فتح کے ساتھ؟ تو اس بارے میں اہل حجاز اور بنوتمیم کے درمیان اختلاف ہے۔ اہل حجاز حَذَامِ اور قَطَامِ کو مطلقاً مبنی علی الکسر پڑھتے ہیں جیسے جَاءَ تْنِیْ حَذَامِ، وَرَأَیْتُ حَذَامِ، وَمَرَرْتُ بِحَذَامِ۔

نیز استشہاد کے طور پر شاعر کا قول پیش کیا ہے۔

فَلَوْلَا الْمُزْعِجَاتُ مِنَ اللَّیَالِیْ لَمَا تَرَکَ الْقَطَا طِیْبَ الْمَنَامِ
إِذَا قَالَتْ حَذَامِ فَصَدِّقُوْهَا فَإِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَتْ حَذَامِ

(ترجمہ: اگر رات کی بے قراریاں نہ ہوتیں تو قطا نامی پرندہ میٹھی نیند سونا نہ چھوڑتا۔ جب حذام کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کرو، کیوں کہ اصل بات وہی ہے جو حذام نے کہی۔)

شاعر کا نام:۔ ان دونوں اشعار کے کہنے والے کے اسماء میں اختلاف ہے، ایک قول کے اعتبار سے یہ دونوں اشعار لدیسم بن طارق کے ہیں جو زمانہ جاہلیت کے شعراء میں سے ایک یگانۂ روزگار ہے۔ اور دوسرے قول کے اعتبار سے یہ لجیم بن صعب اور دخیفہ اور عجل کے اشعار ہیں۔ اور یہی زیادہ درست ہے جیسا کہ مجمل الہدیٰ تحقیق شرح قطر الندیٰ ص۲۹ پر "اللسان" کے حوالہ سے مرقوم ہے۔

حذام یہ شاعر کی بیوی کا نام ہے جس کی شان میں یہ اشعار کہے گئے ہیں۔

اس شعر میں محل استشہاد لفظ حذام ہے، مذکورہ اشعار میں شاعر نے لفظ حذام کو دو بار ذکر کیا ہے اور دونوں بار مکسور ہی ذکر کیا ہے، حالاں کہ قَالَتْ فعل کا فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے باوجودیکہ لفظ حذام مکسور ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ حَذَامِ مبنی علی الکسر ہے اور یہ حجازیوں کی لغت ہے۔

دوسری جماعت بنوتمیم کی ہے کہ لفظ حذام کو مبنی علی الکسر پڑھا جائے یا نہیں؟ تو خود بنوتمیم میں دو گروہ ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کو ہر حال میں معرب ہی پڑھا جائے حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب اور جر میں فتحہ کے ساتھ، جیسے جَاءَ تْنِیْ حَذَامُ، وَرَأَیْتُ حَذَامَ، وَمَرَرْتُ

بِحَذَامِ۔ اور بنوتمیم کے اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ جو اسم فعال کے وزن پر آئے اس میں ذرا تفصیل ہے کہ وہ اسم جس کے اخیر میں راء ہو تو مبنی علی الکسر پڑھا جائے گا جیسے وَبَارِ (ایک قبیلہ کا نام ہے) اس کے اخیر میں راء ہے، اسی طرح حَضَارِ (ستارہ کا نام ہے) اس کے اخیر میں بھی راء ہے، اور سَفَارِ (ایک چشمہ کا نام ہے) اس کے اخیر میں بھی راء ہے، لہٰذا یہ تینوں مثالیں تینوں حالتوں میں مبنی علی الکسر پڑھی جائیں گی، جس طرح اہل حجاز کے نزدیک پڑھی جاتی ہیں۔

اور وہ اسم مؤنث جو فعال کے وزن پر ہو اور اس کے اخیر میں راء نہ ہو تو اس کو غیر منصرف معرب پڑھا جائے گا، جیسے حَذَامُ اور قَطَامُ یعنی حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب اور جر میں فتحہ کے ساتھ، جَاءَتْنِی حَذَامُ، رَأَیْتُ حَذَامَ، مَرَرْتُ بِحَذَامَ۔

لفظ أَمْسِ میں اختلاف:- لفظ امسِ (جب تو مراد لے اس دن کو جو تیرے آج کے دن سے پہلے ہے) میں اہل عرب کی تین لغتیں ہیں۔

پہلی لغت:- اہل حجاز کی ہے کہ ہر حال میں لفظ أَمْسِ مبنی علی الکسر ہوگا۔

جیسے مَضَی امسِ، (گذشتہ کل گذر گیا) وَاعْتَکَفْتُ أَمْسِ (گذشتہ کل میں نے اعتکاف کیا) ومارَأیتُهٗ مُذامسِ، (اور گذشتہ کل سے میں نے اس کو نہیں دیکھا) (تینوں حالتوں میں کسرہ کیساتھ ہے۔)

اہل حجاز نے استدلال میں شاعر کا قول بھی پیش کیا ہے۔

مَنَعَ الْبَقَاءَ تَقَلُّبُ الشَّمْسِ وَطُلُوْعُهَا مِنْ حَیْثُ لَا تُمْسِیْ
وَطُلُوْعُهَا حَمْرَاءَ صَافِیَةً وَغُرُوْبُهَا صَفْرَاءَ کَالْوَرْسِ
اَلْیَوْمَ اَعْلَمُ مَا یَجِیْئُ بِهٖ وَمَضٰی بِفَصْلِ قَضَائِهٖ أَمْسِ۔

(ترجمہ:- سورج کی گردش اور اس کا اپنے مقام سے طلوع، جہاں اس کی شام نہیں ہوتی ہے چیزوں کے دوام کے لیے مانع ہو۔ اور اس کا طلوع ہونا صاف سرخ روشنی کے ساتھ اور اس کا غروب ہونا زرد روشنی کے ساتھ زعفران کی طرح۔ آج کا دن خود ان چیزوں سے بخوبی واقف ہے جن کو وہ لائے گا، اور کل کا دن اپنے واضح فیصلہ کے ساتھ چلا گیا۔)

شاعر کا نام:- یہ اشعار یا تو تبع بن اقرن نامی شاعر کے ہیں یا اسقف نجران کے۔

(بحوالہ سبیل الہدیٰ تحقیق شرح قطر الندی ص ۱۵)

مذکورہ بالا اشعار میں لفظ امس کو مَضٰی فعل کا فاعل ہونے کے باوجود مبنی علی الکسر پڑھا گیا ہے۔ شعر میں محل استشہاد لفظ امسِ ہے جو مَضٰی کا فاعل ہونے کے باوجود مکسور ہے لہٰذا یہ مبنی علی الکسر ہوگا۔

دوسری لغت:- قبیلہ بنوتمیم کی ہے، لیکن بنوتمیم میں دو جماعت ہے اور ان میں سے ہر ایک کا

والے ایک دوسرے کے برخلاف ہے۔

قبیلہ بنو تمیم کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ "امس" کو ہر حال میں غیر منصرف کا اعراب دیا جائے گا یعنی حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب و جر میں فتح کے ساتھ جیسے مَضٰی اَمْسُ (گذشتہ کل گذر گیا) ضمہ کے ساتھ وَاعْتَكَفْتُ اَمْسَ (گذشتہ کل میں نے اعتکاف کیا) اور مارأیتہ مُنْذُ اَمْسَ (گذشتہ کل سے میں نے اس کو نہیں دیکھا) فتح کے ساتھ۔

اسی طرح شاعر کا قول:

لَقَدْ رَأَيْتُ عَجَبًا مُذْ أَمْسَا ... عَجَائِزًا مِثْلَ السَّعَالِي خَمْسَا
يَأْكُلْنَ مَا فِي رَحْلِهِنَّ هَمْسَا ... لَاتَرَكَ اللّٰهُ لَهُنَّ ضِرْسَا
وَلَا لَقِيْنَ الدَّهْرَ اِلَّا تَعْسَا

(ترجمہ:- میں نے گذشتہ کل ایک عجیب چیز دیکھی یعنی چڑیل جیسی پانچ عورتیں۔ جو چپکے چپکے اپنے کجاوے کی چیزیں کھا رہی تھیں، اللہ ان کی کوئی داڑھ نہ چھوڑیں۔ اور وہ زمانے سے نہ ملے مگر بد بخت ہو کر۔) یہ ابو زید نامی شاعر کے اشعار ہیں۔ (سبل الہدی ص۲۷)

ان اشعار میں محل استشہاد مُذْ اَمْسَا ہے کہ اَمْسَا پر حرف جر مُذْ داخل ہونے کے باوجود کسرہ کے بجائے فتحہ آیا ہے اور یہی غیر منصرف کا اعراب ہے۔

اور قبیلہ بنو تمیم کی دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ لفظ "امس" حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت نصب اور جر میں مبنی علی الکسر کی صورت میں پڑھا جائے گا۔

تیسری لغت:- تیسری لغت امام زجاج کے نزدیک بعض اہل عرب کی ہے، کہ بعض اہل عرب نے "امس" کو مبنی علی الفتح پڑھا ہے اور استدلال میں شعر پیش کیا ہے۔ مُذْ اَمْسَا، کہ اَمْسَا پر حرف جر داخل ہونے کے باوجود کسرہ کے بجائے فتحہ آیا ہے اور یہی اس کے مبنی علی الفتح ہونے کی دلیل ہے۔

لیکن صاحب قطر الندی فرماتے ہیں کہ امام زجاج کو غلط فہمی ہوگئی اور وہ سمجھ نہیں سکے ہیں، حالاں کہ درست اور اصل بات تو یہ ہے کہ لفظ "امس" معرب ہے اور غیر منصرف کا اعراب اس پر آتا ہے، جہاں تک شعر "مُذْ اَمْسَا" کی بات ہے تو اَمْسَا شعر میں فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل مستتر ہے تقدیری عبارت یوں ہے "مُذْ اَمْسَى الْمَسَاءُ"

مبنی کی دوسری قسم مبنی علی الفتح کی وضاحت:

اب تک آپ مبنی علی الکسر کی بحث ملاحظہ فرما رہے تھے، لیکن اب مبنی کی دوسری قسم مبنی علی الفتح کی

وضاحت ذہن نشین کیجیے۔

مبنی علی الفتح کی تعریف:

مبنی علی الفتح اس اسم مبنی کو کہتے ہیں جس کا آخری حرف ہمیشہ مفتوح ہو جیسے أَحَدَ عَشَرَ اور اس کی نظیریں، مثلاً ثَلٰثَةَ عَشَرَ، أَرْبَعَةَ عَشَرَ وغیرہ۔

آپ کہہ سکتے ہیں جَاءَ نِی أَحَدَ عَشَرَ رَجُلاً، وَرَأَیْتُ أَحَدَ عَشَرَ رَجُلاً، وَمَرَرْتُ بِأَحَدَ عَشَرَ رَجُلاً. تینوں حالتوں (یعنی حالت رفع، نصب اور جر) میں آخری حرف دونوں کلمے کا مفتوح ہے۔ اسی طرح اس کی نظیروں میں کہہ سکتے ہیں۔

سوال: لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، اشکال کی تقریر یہ ہے کہ آپ نے کہا جس طرح أَحَدَ عَشَرَ مبنی علی الفتح ہوتا ہے، اسی طرح اس کی نظیریں بھی مثلاً ثَلٰثَةَ عَشَرَ، أَرْبَعَةَ عَشَرَ، خَمْسَةَ عَشَرَ، مبنی علی الفتح ہوتا ہے، لیکن اِثْنَیٰ عَشَرَ میں پہلا کلمہ معرب ہوتا ہے اور یہ حالت رفع میں الف کے ساتھ اور حالت نصب اور جر میں یاء کے ساتھ آتا ہے جیسے جَاءَ نِیْ اِثْنَا عَشَرَ رَجُلاً، رَأَیْتُ اِثْنَیْ عَشَرَ رَجُلاً، وَمَرَرْتُ بِاِثْنَیْ عَشَرَ رَجُلاً؟ یہ مبنی علی الفتح نہیں ہوتا ہے تو پھر مصنف علیہ الرحمۃ نے أَحَدَ عَشَرَ وَأَخَوَاتِهٖ کی قید کیوں لگائی جب کہ أَخَوَاتِهٖ میں اِثْنَا عَشَرَ بھی داخل ہے، حالاں کہ یہ معرب ہے، لہٰذا مصنف کو اخواتہٖ نہ کہہ کر کوئی دوسرا جملہ کہنا چاہیے تھا، تا کہ اشکال نہ ہوتا؟

جواب: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول "واخواتہٖ" کے متعلق رکھنے سے اِثْنَا عَشَرَ کو مستثنیٰ نہیں کیا، بلکہ اجمالاً ذکر کر دیا ہے، کیوں کہ آئندہ اسباق میں اِثْنَیْنِ اور اِثْنَتَیْنِ کی بحث چھیڑی جائے گی جہاں اس کی مفصل بحث ہوگی۔

مبنی کی تیسری قسم مبنی علی الضم کی وضاحت:

اب تک آپ مبنی علی الفتح کی بحث ملاحظہ فرما رہے تھے، لیکن اب مبنی کی تیسری قسم مبنی علی الضم کی وضاحت ذہن نشیں کیجیے۔

مبنی علی الضم کی تعریف:

مبنی علی الضم وہ اسم مبنی ہے جس کا آخری حرف تینوں حالتوں میں مضموم ہو جیسے قَبْلُ اور بَعْدُ بشرطیکہ قَبْلُ اور بَعْدُ کا مضاف الیہ لفظوں میں مذکور نہ ہو، بلکہ پوشیدہ ہو اور اس کا معنی مراد لیا گیا ہو، قبلُ اور بعدُ ظروف زمانیہ مبنیہ سے ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے، اس وجہ سے اس کو مبنی علی الضم پڑھتے ہیں، اسی طرح قبلُ اور بعدُ کی نظیریں بھی مبنی علی الضم ہوتی ہیں۔

قبلُ اور بعدُ کی چار صورتیں:

اعراب کے اعتبار سے قبلُ اور بعدُ کی چار حالتیں ہیں۔

پہلی حالت:- قبلُ اور بعدُ دونوں مضاف ہوں اور ان دونوں کا مضاف الیہ مذکور ہو، تو دونوں کو ظرفیت کی بناء پر نصب دیا جائے گا، یا حرف مِن کی وجہ سے جر دیا جائے گا۔ ظرفیت کی مثال جِئْتُكَ قَبْلَ زَيْدٍ وَبَعْدَهُ مثال مذکور میں قبلَ مضاف اور زید مضاف الیہ ہے، اسی طرح بعد مضاف اور ہٗ ضمیر مضاف الیہ ہے، لہٰذا ان دونوں کو ظرفیت کی بناء پر نصب دیا گیا ہے۔

حرف مِن کی مثال جِئْتُكَ مِنْ قَبْلِهِ وَمِنْ بَعْدِهِ مثال مذکور میں قبل مضاف اور ہٗ ضمیر مضاف الیہ اسی طرح بعد مضاف اور ہٗ ضمیر مضاف الیہ ہے۔ لیکن قبل اور بعد کو مِن کی وجہ سے جر دیا گیا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ (جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم۔ پارہ ۲۶، سورۂ ق، آیت ۱۲) اور فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ (پھر کونسی بات اللہ اور اس کی باتوں کو چھوڑ کر مانیں گے۔ پارہ ۲۵، سورۃ الجاثیہ، آیت ۶) ان دونوں آیتوں میں ظرفیت کی بناء پر قبلَ اور بعدَ کو نصب دیا گیا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (کیا پہنچی نہیں ان کو خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے۔ سورۃ التوبۃ۔ پارہ ۱۰، آیت ۷۰) اور مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ (بعد اس کے کہ ہم غارت کر چکے پہلی جماعتوں کو۔ پارہ ۲۰، سورۃ قصص، آیت ۴۳) ان دونوں آیتوں میں قبلِ اور بعدِ کو حرف مِن کی وجہ سے جر دیا گیا ہے۔

دوسری حالت:- قبل اور بعد کا مضاف الیہ محذوف ہو اور مضاف الیہ محذوف کے لفظ کے موجود ہونے کی نیت کی گئی ہو تو ان دونوں کو مذکورہ اعراب دیا جائے گا۔ یعنی ظرفیت کی بناء پر نصب اور مِن کی وجہ سے کسرہ دیا جائے گا۔ اور اضافت کی نیت کی وجہ سے تنوین نہیں آئے گی، کیوں کہ مضاف پر تنوین نہیں آتی ہے، جیسا کہ شاعر نے اپنے شعر میں لفظ قبل کو ذکر کیا ہے۔ شاعر کا شعر

وَمِنْ قَبْلِ نَادَى كُلُّ مَوْلًى قَرَابَةً فَمَا عَطَفَتْ مَوْلًى عَلَيْهِ الْعَوَاطِفُ

(ترجمہ: اور اس سے پہلے ہر ایک رشتہ دار نے اپنے رشتہ دار کو پکارا، پس نہیں مہربانی کی اس پر مہربانی کرنے والوں نے۔) اس شعر کا قائل کون ہے بسیار تلاش کے باوجود پتہ نہیں چل سکا۔

شاعر نے قبل مضاف کو ذکر کیا ہے اور اس کا مضاف لفظ ذَالِكَ کو بنایا ہے جو کہ محذوف ہے لیکن لفظاً اس کے موجود ہونے کی نیت کی ہے۔ اصل عبارت یوں ہے:

مِنْ قَبْلِ ذَالِكَ كُلُّ مَوْلًى قَرَابَةً فَمَا عَطَفَتْ مَوْلًى عَلَيْهِ الْعَوَاطِفُ

اسی طرح شعر مذکور میں لفظ "قبلِ" مکسور ہے یعنی حرف جر کی وجہ سے لیکن اس پر تنوین نہیں آئے گی اضافت کی نیت کی وجہ سے جیسا کہ امام جحدری اور عقیلی نے "لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلِ وَمِنْ بَعْدِ" میں مِنْ کی وجہ سے مکسور پڑھا ہے اور اضافت کی وجہ سے تنوین سے احتراز کیا ہے، اصل عبارت یوں ہوگی۔ "مِنْ قَبْلِ الْغَلَبِ وَمِنْ بَعْدِہٖ"

تیسری حالت:- قَبْلُ اور بَعْدُ کی تیسری حالت یہ ہے کہ قبل اور بعد اضافت سے خالی ہو لفظی طور پر اور مضاف الیہ کی نیت و ارادہ نہ کیا گیا ہو (یعنی قطعاً نسبت اضافی سے خالی ہو) تو اس حالت میں بھی ان دونوں کو ظرفیت کی بناء پر نصب اور مِن کی وجہ سے جر دیا جائے گا، لیکن اس وقت ان دونوں پر تنوین آئے گی، کیوں کہ اضافت نہ لفظاً ہے اور نہ معنًی، بلکہ نَسْیًا مَنْسِیًّا ہے، اور جب یہ اضافت سے خالی ہیں تو اسماء نکرات کے حکم میں داخل ہوں گے اور اسمائے نکرات پر تنوین آتی ہے، لہٰذا ان دونوں پر بھی تنوین آئے گی، جیسے جِئْتُكَ قَبْلًا وَبَعْدًا۔ اس مثال میں قَبْلًا اور بَعْدًا دونوں اضافت سے خالی ہیں، لیکن ظرفیت کی بناء پر منصوب ہیں اور اضافت سے خالی ہونے کی بناء پر تنوین آئی ہے۔ اور مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ بَعْدٍ میں مِنْ کی وجہ سے جر آیا ہے اور اضافت سے خالی ہونے کی وجہ سے تنوین آئی ہے۔ اس کو شاعر کے قول سے بالتفصیل سمجھ لیجیے۔

شاعر کا قول:- فَسَاغَ لِيَ الشَّرَابُ وَكُنْتُ قَبْلًا اَكَادُ اَغَصُّ بِالْمَاءِ الْفُرَاتِ

(ترجمہ: میرے لیے پینا آسان ہو گیا، حالاں کہ پہلے مجھے میٹھے پانی سے بھی پھندا لگ جایا کرتا تھا۔)

ایک قول کے اعتبار سے یہ شعر عبداللہ ابن یعرب کا ہے، لیکن اصح قول یہ ہے کہ یہ یزید بن صعق کا شعر ہے۔ (سبیل الہدیٰ ص ۴۱)

شعر میں محل استشہاد قَبْلًا ہے، جس کو شاعر نے اضافت سے خالی کر کے ذکر کیا ہے اور اسم نکرہ کے حکم میں ہونے کی وجہ سے تنوین آئی ہے اور ظرفیت کی وجہ سے اعراب نصب آیا ہے اور بعض لوگوں نے حرف جر کی وجہ سے اس کو کسرہ اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسے لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلٍ وَمِنْ بَعْدٍ۔

چوتھی حالت: قَبْلُ اور بَعْدُ کی چوتھی حالت یہ ہے کہ دونوں مضاف ہوں اور ان دونوں کا مضاف الیہ محذوف ہوں اور مضاف الیہ محذوف کے معنی کی نیت کر لی گئی ہو (یعنی لفظاً محذوف ہو اور معنًی موجود ہو) تو اس وقت یہ دونوں کے دونوں مبنی علی الضم ہوں گے۔ جیسے قرّاء سبعہ کی قراءت لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ قراء سبعہ نے مِنْ قَبْلُ اور مِنْ بَعْدُ میں قَبْلُ اور بَعْدُ کو مضاف پڑھا ہے اور اس کے مضاف الیہ "ذَالِكَ" کو لفظاً محذوف اور معنًی موجود مانا ہے، اسی لیے اس کو مبنی علی الضم پڑھا ہے۔

واخواتهما فی لزوم الضم کی وضاحت:

اس عبارت کے ذریعہ مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح قَبْل اور بَعْدُ کی چار حالتیں ہوتی ہیں، اسی طرح ان دونوں کی نظیروں کی بھی چار حالتیں ہوں گی اور ان دونوں کی نظیر اسمائے جہات ستہ (یعنی فَوق، تَحت، قُدام، خلف، امام) اَوَّلُ اور دُونُ ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے اپنے شعر میں اسی طرح استعمال فرمایا ہے۔ شاعر کا قول:

لَعَمْرُكَ مَا أَدْرِي وَإِنِّي لَأَوْجَلُ   عَلَى أَيِّنَا تَعْدُو الْمَنِيَّةُ أَوَّلُ

(ترجمہ: تیری عمر کی قسم میں نہیں جانتا اور میں ڈر رہا ہوں اس بات سے کہ ہم میں سے پہلے کس کو موت آئے گی۔) یہ معن بن اوس کا شعر ہے، جو دیوان حماسہ لابی تمام ص ۶۷ جلد ۲ پر مرقوم ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد لفظ "اَوَّلُ" ہے جو کہ مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ "الآخر" محذوف ہے، لیکن معنی مراد لیا گیا ہے جس کی وجہ سے مبنی علی الضم ہے۔ اس کی اصل عبارت یوں ہوگی۔

لعمرك ما ادری وانی لاوجل   علی اینا تعدوا المنيةُ اَوَّلُ الآخرِ

شاعر کا قول: إِذَا أَنَا لَمْ أُوْمَنْ عَلَيْكَ وَلَمْ يَكُنْ   لِقَاؤُكَ إِلَّا مِنْ وَرَاءُ وَرَاءُ

(ترجمہ: اور جب میں آپ کی نظر میں قابل اطمینان نہیں، اور نہیں ملاقات ہوتی مگر دوری سے تو ایسی دوستی کس کام کی۔) بسیار تلاش کے باوجود شاعر کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ معذرت خواہ ہوں۔

اس شعر میں محل استشہاد لفظ "وَرَاءُ" ہے اور اس کے بعد لفظ "مِنْ وَرَائِی" محذوف ہے۔ اصل عبارت "الا من وَرَاءُ مِنْ وَرَاءِ" ہے جو کہ مبنی علی الضم ہے۔

اگر دونوں کا مضاف الیہ محذوف منوی نہ ہوتا تو پھر پہلے شعر میں لفظ "اَوَّلَ" ظرفیت کی بناء پر منصوب ہوتا اور دوسرے شعر میں لفظ "وراءِ" مِن کی وجہ سے مجرور ہوتا۔

مبنی کی چوتھی قسم مبنی علی السکون کی وضاحت

اب تک آپ مبنی علی الضم کی بحث ملاحظہ فرما رہے تھے، لیکن اب مبنی کی چوتھی قسم مبنی علی السکون کی وضاحت ذہن نشین کیجیے۔

مبنی علی السکون کی تعریف:

مبنی علی السکون اس اسم مبنی کو کہتے ہیں جس کا آخر تینوں حالتوں میں ساکن ہو۔ جیسے مَنْ اور کَمْ، آپ کہہ سکتے ہیں جاءَنی مَنْ قَامَ، (میرے پاس وہ شخص آیا جو کھڑا ہے) اور رَأَيْتُ مَنْ قَامَ، (میں نے دیکھا اس شخص کو جو کھڑا ہے) وَمَرَرْتُ بِمَنْ قَامَ (اور میں ایسے شخص کے ساتھ گذرا جو کھڑا ہے) پہلی مثال

میں لفظ "مَنْ" اسم فاعل ہے جاءَنی فعل کا جو کہ حالت رفع میں ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے۔ دوسری مثال میں لفظ "مَنْ" اسم مفعول ہے رَأَیْتُ فعل کا جس کے بعد یہ واقع ہے، لہٰذا مفعولیت کی بناء پر حالت نصب میں ہے۔ اور تیسری مثال میں "مَنْ" باء حرف جر کی وجہ سے حالت جر میں ہے، لیکن لفظاً "مَنْ" تینوں حالتوں میں ساکن ہے جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے۔

یہی تقریر کَمْ مالُكَ، کَمْ عَبْدًا مَلَكْتُ اور بِکَمْ دِرْهَمٍ اِشْتَرَیْتَ جیسی مثالوں میں ہے۔ کہ پہلی مثال میں کم حالت رفع میں، دوسری مثال میں حالت نصب میں اور تیسری مثال میں حالت جر میں ہے، لیکن لفظاً تینوں حالتوں میں ساکن ہے۔

وھو اصل البناء کی توضیح:

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے وھو اصل البناء کہہ کر ایک پیدا ہونے والے وہم کو دور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں نے مبنی علی السکون کو بیان کرنے میں تاخیر کر دی اور سب سے آخر میں بیان کیا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید یہ مبنی اصل نہیں بلکہ خلاف الاصل ہے، لہٰذا میں نے وھو اصل البناء کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا کہ یہ بھی اصل بناء ہے، ایسا نہیں جیسا کہ آپ کو وہم ہو سکتا ہے۔

وَأَمَّا الْفِعْلُ فَثَلَاثَةُ أَقْسَامٍ — "مَاضٍ" وَيُعْرَفُ بِتَاءِ التَّأْنِيثِ السَّاكِنَةِ، وَبِنَاؤُهُ عَلَى الْفَتْحِ، كَضَرَبَ إِلَّا مَعَ وَاوِ الْجَمَاعَةِ. فَيُضَمُّ كَضَرَبُوا، أَوِ الضَّمِيرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَحَرِّكِ، فَيُسَكَّنُ كَضَرَبْتُ، وَمِنْهُ: (نِعْمَ، وَبِئْسَ، وَعَسَى، وَلَيْسَ) فِي الْأَصَحِّ.

ترجمہ:- اور بہر حال فعل کی تین قسمیں ہیں۔ ماضی — اور وہ تاء تانیث ساکنہ سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اس کی بناء فتح پر ہے جیسے ضَرَبَ، مگر جمع کے واؤ کے ساتھ تو وہ ضمہ دیا جائے گا جیسے ضَرَبُوا۔ یا ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ ہو تو اس کو سکون دیا جائے گا، جیسے ضَرَبْتُ اور اسی (یعنی ماضی) میں سے نِعْمَ، بِئْسَ، عَسَی اور لَیْسَ ہے صحیح تر قول کے مطابق۔

وضاحت:- جب مصنف رحمۃ اللہ علامات اسم، اقسام اسم معرب و مبنی، پھر مبنی کے اقسام مبنی علی الفتح، مبنی علی الضم، مبنی علی الکسر اور مبنی علی السکون کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے فعل کی بحث کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا

فعل کی تعریف:

فعل وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کی ذات میں ہو اور تینوں زمانوں میں سے کوئی

زمانہ اس میں پایا جاتا ہو جیسے ضَرَبَ (اس ایک مرد نے مارا) اس میں زمانہ ماضی ہے۔ اور مضارع (وہ مارتا ہے یا مارے گا زمانہ موجود یا آئندہ میں) اس میں حال اور استقبال دونوں پائے جاتے ہیں۔

فعل کی قسمیں: فعل کی تین قسمیں ہیں، ماضی، امر، مضارع۔

اشکال: اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعل کی تین ہی قسمیں کیوں ہیں، کوئی چوتھی قسم کیوں نہیں ہے؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے۔ کیوں کہ فعل دو حال سے خالی نہیں، یا تو اخبار کی ہے یا نہیں، ثانی امر ہے۔ اور اول دو حال سے خالی نہیں، یا تو اس کے اول میں حروف اتین میں سے کوئی حرف ہے یا نہیں۔ اول مضارع ہے، اور ثانی ماضی۔

ماضی کی وجہ تقدیم:

یعنی اقسام ثلاثہ میں سے پہلی تقسیم ماضی ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماضی کو مضارع اور امر پر کیوں مقدم کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ماضی اصل ہے اور مضارع فرع، اور اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے یا اس وجہ سے مقدم کیا کہ ماضی کا زمانہ مضارع کے زمان سے قبل ہوتا ہے۔

فعل ماضی کی تعریف:

ماضی وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا زمانہ گذشتہ میں ہونا سمجھا جائے۔ جیسے نَصَرَ۔

فعل ماضی کی علامت:

اقسام فعل تین ہیں ماضی، مضارع، امر ان میں سے ہر ایک کی ایسی علامتیں ہیں جو اس فعل کی نشاندہی کرتی ہیں۔ چنانچہ ماضی کی علامت تاء تانیث ساکنہ کو قبول کرنا ہے جیسے قَامَ سے قَامَتْ، قَعَدَ سے قَعَدَتْ اور اگر تاء تانیث ساکنہ کو قبول نہ کرے تو وہ فعل ماضی نہ ہوگا وَيُعْرَفُ بِتَاءِ التَّانِيْثِ السَّاكِنَةِ سے اسی کو ذکر کیا ہے۔

فعل ماضی کا حکم:

فعل ماضی کا حکم یہ ہے کہ وہ اصل میں مبنی بر فتح ہوتا ہے جیسے قَامَتْ، قَامَ، قَعَدَ، قَعَدَتْ، بشرطیکہ اس میں جمع کا واؤ اور ضمیر مرفوع متحرک نہ ہو۔

فعل ماضی کے مبنی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں معانی مختلفہ مثل فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت کے عارض نہیں ہوتے، لہذا ماضی میں بناء اصل ہے۔ اور فتحہ پر مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے۔

اشکال: لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فعل ماضی کو مبنی برفتحہ ہونے کی یہ شرطیں کہ وہ ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ جمع سے خالی ہو، ایسا کیوں؟

جواب: چوں کہ فعل ماضی مرفوع متحرک کے ساتھ متلبس ہونے کے وقت مبنی بر سکون ہوتا ہے، اس لیے کہ ضمیر فاعل بمنزلہ جزءِ فعل ہے، اگر آخر فعل کو ساکن نہ کیا جائے تو اس میں جو کلمہ واحد کے درجہ میں ہے تو الی اربعہ حرکات لازم آئے گی، اور وہ ناجائز ہے۔ اسی طرح فعل کے ساتھ جب واؤ جمع ہو تو مناسبت واؤ کی وجہ سے وہ مبنی علی الضم ہوگا جیسے نَصَرُوْا وغیرہ۔

فعل ماضی کا اعراب:

فعل ماضی پر تینوں اعراب آتے ہیں جیسا کہ مندرجہ بالا مذکور ہوا، یعنی کبھی تو مبنی برفتحہ ہوتا ہے جیسے قَامَتْ، قَعَدَتْ وغیرہ۔ کبھی ضمہ ہوتا ہے، جب کہ اس کے آخر میں واؤ جمع ہو، کبھی سکون ہوتا ہے جیسے قُمْتُ، قُمْنَا، قُمْتَ وغیرہ۔

نِعْمَ، بِئْسَ عَسٰی، لیس کی وضاحت

یہ چاروں کلمے مختلف فیہ ہیں۔ بعض لوگوں نے اسم پڑھا ہے، اور بعض لوگوں نے حرف، اور بعض لوگوں نے فعل ماضی پڑھا ہے، اس لیے ان چاروں کو مختلف فیہ افعال ماضیہ کہا جاتا ہے۔ اختلاف اقوال کے ساتھ ساتھ صحیح تحقیق مندرجہ ذیل تحریر کی گئی ہے۔

نِعْمَ اور بِئْسَ:- امام فراء اور ان کے ہمنواؤں میں سے کوفیوں کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ دونوں اسم ہیں۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں پر حرف جر داخل ہوتا ہے، اور حرف جر کا داخل ہونا اسم کے خواص میں سے ہے۔ معلوم ہوا کہ نعم اور بئس دونوں اسم ہیں۔ جیسے وَقَدْ بُشِّرَ بِبِنْتٍ وَاللّٰہِ ما ھی بِنِعْمَ الوَلَدُ (اور تحقیق کہ لڑکی کی خوشخبری سنائی گئی تو کہا خدا کی قسم لڑکا کیا ہی بہتر ہے) میں نِعْمَ پر باء حرف جر داخل ہے۔ اسی طرح وَقَدْ سَارَ اِلٰی مَحْبُوْبَتِہٖ عَلٰی حِمَارٍ بَطِیءِ السَّیْرِ، نِعْمَ السَّیْرُ عَلٰی بِئْسَ الْعَیْرُ۔ (اور تحقیق کہ وہ سست رفتار گدھے پر سوار ہو کر اپنی محبوبہ کی طرف چلا۔ اور کہا پیدل چلنا کیا ہی بہتر ہے بُرے اونٹ پر سفر کرنے سے) میں بِئْسَ پر حرف جر داخل ہے۔

لیس: حلبیات میں یہ منقول ہے کہ امام فارسی کے نزدیک "لیس" حرف نفی ہے جو ماء نافیہ کے درجہ میں ہے، اور ابوبکر بن شقیر کی بھی یہی رائے ہے۔

امام فارسی سے مراد: عبداللہ بن جعفر معروف بابن درستویہ فارسی متوفی ۳۴۷ھ مشہور نحاۃ میں سے ہیں، نحو میں ان کی کتاب "الارشاد" بہت عمدہ کتاب مانی جاتی ہے۔

عسیٰ: نحاۃ کوفہ کا کہنا ہے کہ عَسٰی حرف ترجّی ہے جو کہ لَعَلَّ کے درجہ میں ہے۔ اور یہی ابن السراج کا مذہب ہے۔

صحیح قول:

لیکن صحیح قول یہ ہے کہ یہ چاروں کلمے افعال ماضیہ میں سے ہیں، کیوں کہ یہ چاروں افعال تاء تانیث ساکنہ کو قبول کرتے ہیں اور ان میں تاء تانیث ساکنہ آتی ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مَنْ تَوَضَّأَ یوم الجمعة فَبِهَا وَنِعْمَتْ، وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ اَفْضَلُ (جس نے جمعہ کے دن وضو کیا اس نے بھلا کام کیا اور جس نے غسل کیا اس نے افضلیت کو اپنایا۔)

اس مثال میں نِعْمَتْ کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ لگی ہوئی ہے اور یہ فعل ماضی کی علامت ہے۔

بِئْسَ کی مثال جیسے بِئْسَتِ الْمَرْأَةُ حَمَّالَةُ الْحَطَبِ (لکڑی اٹھانے والی عورت بری عورت ہے) اس میں بِئْسَ کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ ملی ہوئی ہے اور یہ تاء تانیث ساکنہ فعل ماضی کے ساتھ آتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل ماضی ہے۔

لیس کی مثال: جیسے وَلَیْسَتْ هِنْدٌ مُفْلِحَةً (اور ہندہ کامیاب نہیں ہوئی) اس مثال میں لَیْسَتْ کے ساتھ تاء تانیث ملی ہوئی ہے جو کہ فعل ماضی کی علامت ہے۔

عَسٰی کی مثال: جیسے عَسَتْ هِنْدٌ اَنْ تَزُوْرَنَا (ہندہ کو امید ہے کہ وہ ہماری زیارت کرے گی) اس میں عَسٰی کے ساتھ تائے تانیث لگی ہوئی ہے اور یہ فعل ماضی کی علامت ہے۔

وجوہ ترجیحات:

عَسٰی، لَیْسَ، نِعْمَ اور بِئْسَ میں جو ائمہ نحو کا اختلاف ہے اسے آپ نے ذہن نشین فرمالیا، اور صاحب کتاب کے نزدیک جو پسندیدہ رائے ہے، اُسے بھی ملاحظہ فرمالیا، لیکن مخالفین کے قول کا جواب کیا ہوگا، اور وجوہ ترجیحات کیا ہیں اسے سمجھئے۔

کوفیوں کا یہ کہنا کہ نعم اور بِئْسَ اسم ہے، اس لیے کہ ان دونوں پر حرف جر داخل ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں، کیوں کہ جہاں حرف جر داخل ہے وہاں موصوف وصفت کے حذف پر تاویل کی گئی ہے۔ اور صفت کے معمول کو موصوف کی جگہ میں قائم مقام کر دیا ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی "ما هی بولد مقولٍ فیه نِعْمَ الْوَلَدُ. ونعم السَّیْرُ علی عَیْرٍ مَقُوْلٍ فیه بِئْسَ العیرُ. پس حرف جر حقیقت میں اسم ولد پر داخل ہے جو کہ محذوف ہے، اسی طرح شعر کے ذریعہ وضاحت ہو رہی ہے۔ شاعر کا قول۔

وَاللّٰهِ مَا لَیْلٰی بِنَامَ صَاحِبُهٗ   وَلَا مُخَالِطِ اللَّیَانِ جَانِبُهٗ

(ترجمہ: قسم اللہ کی انہیں ہے میری رات اس رات جیسی جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس رات کا صاحب سو گیا، اور نرمی سے اس کا پہلو ملا ہوا نہیں ہے۔) اس شعر کا قائل نامعلوم شخص ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد بِنَامٍ ہے، اس کی اصل عبارت واللّٰه ما بليل مقول فيه نام صاحبهٔ ہے۔

وَأَمْرٌ وَيُعْرَفُ بِدَلَالَتِهِ عَلَى الطَّلَبِ، مَعَ قَبُوْلِهِ يَاءَ الْمُخَاطَبَةِ وَبِنَاؤُهُ عَلَى السُّكُوْنِ كَاِضْرِبْ، إِلَّا الْمُعْتَلُّ فَعَلَى حَذْفِ آخِرِهِ. كَاُغْزُ وَاخْشَ، وَارْمِ. وَنَحْوُ قُوْمَا، وَقُوْمُوْا، وَقُوْمِيْ، فَعَلَى حَذْفِ النُّوْنِ وَمِنْهُ (هَلُمَّ) فِي لُغَةِ تَمِيْمٍ، وَ (هَاتِ) وَ (تَعَالَ) فِي الْأَصَحِّ.

ترجمہ: - اور امر۔ اور وہ طلب پر دلالت کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ واحد مؤنث حاضر کی یاء کو قبول کرنے کے ساتھ، اور وہ مبنی بر سکون ہوتا ہے، جیسے اِضْرِبْ، مگر حرف علت اس کے آخر سے حذف کرنے کی صورت میں نہیں جیسے اُغْزُ، اور اِخْشَ اور اِرْمِ، قُوْمَا اور قُوْمُوا، اور قُوْمِيْ نون کے حذف کرنے کے ساتھ اور اسی میں هَلُمَّ ہے، جو تمیم کی لغت میں۔ اور هاتِ اور تعالَ امر ہے صحیح مذہب کے مطابق۔

وضاحت: - اب تک مصنف علیہ الرحمۃ فعل ماضی کی تعریف، علامت، حکم اور مختلف فیہ افعال ماضی کے متعلق بحث کر رہے تھے، لیکن فراغت کے بعد اب یہاں سے فعل امر کی تعریف، علامت اور متعلقہ ابحاث کو بیان فرما رہے ہیں۔ یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ فعل کی تین قسمیں ہیں جس میں دوسری قسم امر ہے۔

اشکال: لیکن یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ فعل امر کو فعل مضارع پر مقدم کیوں کیا جب کہ دیگر نحویین نے مضارع کو امر پر مقدم کیا ہے، آخر کیوں؟

جواب: چوں کہ فعل امر میں زمانہ حال پایا جاتا ہے، اور مضارع میں حال اور استقبال دونوں پائے جاتے ہیں، لہٰذا مصنفؒ نے اس استقبال کا لحاظ کرتے ہوئے حال کے لیے امر کو مقدم کر دیا کیوں کہ امر میں زمانہ حال پایا جاتا ہے۔

فعل امر کی تعریف:

امر وہ فعل ہے جس میں کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے جیسے اِفْعَلْ (تو کر) اِضْرِبْ (تو مار) وغیرہ۔

فعل امر کی علامتیں:

يُعْرَفُ بِدَلَالَتِهِ عَلَى الطَّلَبِ سے فعل امر کی علامتیں ذکر کی گئی ہیں، مصنفؒ نے جس طرح فعل ماضی کی علامت ذکر کی ہیں، اسی طرح فعل امر کی بھی کچھ علامتیں تحریر فرمائی ہیں، تاکہ فعل ماضی کی طرح فعل امر کی نشاندہی ہو جائے۔

فعل امر کی علامت دو چیزوں کا مجموعہ ہے جن میں سے ہر ایک کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) طلب کے معنی کو بتلانا۔ (۲) واحد مؤنث حاضر کی یا کو قبول کرنا۔

جیسے "قُمْ" یہ طلب قیام پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ یا مخاطبہ کو قبول کرتا ہے، کیوں کہ جب کسی عورت کو قیام کا حکم دیا جائے گا تو "قُومِيْ" کہا جائے گا، اسی طرح اُقْعُدْ، وَاُقْعُدِيْ، اور اِذْهَبْ، وَاذْهَبِيْ کہا جائے گا، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا" (پھر کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ پارہ ۱۶ سورہ مریم، آیت ۲۶) اس آیت کریمہ میں فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ اور قَرِّيْ تینوں فعل امر ہیں، اور بیک وقت دونوں علامتیں موجود ہیں۔ طلب امر کا معنی بھی اور واحد مؤنث حاضر کی یا بھی۔

اگر ان دونوں علامتوں میں سے صرف ایک پائی جائے اور دوسری نہ پائی جائے تو اسے فعل امر نہیں کہا جائے گا۔ مثال کے طور پر کسی کلمہ میں طلب کا معنی تو پایا جائے مگر وہ کلمہ واحد مؤنث حاضر کی یا کو قبول نہ کرے جیسے "صَهْ" اُسْكُتْ کے معنی میں تو یہ فعل امر نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کسی کلمہ میں واحد مؤنث حاضر کی یا تو ہو لیکن طلب فعل کے معنی نہ ہو تو اسے بھی فعل امر نہیں کہا جائے گا جیسے اَنْتِ يَاهِنْدُ تَقُوْمِيْنَ وَتَاكُلِيْنَ ان دونوں فعل میں واحد مؤنث حاضر کی یا تو ہے، لیکن طلب کے معنی مفقود ہے لہٰذا فعل امر نہیں ہوگا، کیوں کہ فعل امر کے لیے بیک وقت جن دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہیں وہ مفقود ہے۔

فعل امر کا حکم:

مَبْنَاهُ عَلَى السُّكُوْنِ سے مصنف علیہ الرحمۃ فعل امر کا حکم بیان فرما رہے ہیں۔ فعل امر کا حکم یہ ہے کہ وہ مبنی علی السکون ہوتا ہے اصل میں۔ جیسے اِضْرِبْ، اور اِذْهَبْ، اگر اس کے آخر میں کوئی حرف علت ہو تو حرف علت کے حذف پر مبنی ہوگا جیسے "اُغْزُ" اصل میں اُغْزُوْ تھا واو کے ساتھ لہٰذا واو حرف علت کو آخر سے حذف کر دیا، اور آخری حرف کے حذف پر مبنی ہوا، اسی طرح "اِخْشَ" اصل میں اِخْشَیْ تھا، اخیر سے یا حرف علت کو حذف کر دیا اور مبنی ہو گیا، اسی طرح "اِرْمِ" اصل میں اِرْمِیْ تھا، اخیر سے یا حرف علت کو حذف کیا اِرْمِ ہو گیا، لہٰذا اخیر حرف کے حذف پر مبنی ہو گیا۔ اور کبھی کبھی

نون کے حذف پر مبنی ہوتا ہے، جب کہ تثنیہ کا الف قائم مقام ہونے والا ہو جیسے قُوْمَا. یا واو جمع بیان دینے والا ہو جیسے قُوْمُوْا، یا یاء مخاطبہ سہارا دینے والی ہو جیسے قُوْمِیْ.

کلماتِ مختلف فیہ کی بحث:

وَمِنْهُ هَلُمَّ فِیْ لُغَةِ بَنُوْ تَمِیْمِ الخ یہاں سے وہ کلمات ذکر کیے جارہے ہیں، جن میں اختلاف ہے کہ آیا وہ اسم ہے یا فعل؟ اور یہ کل تین کلمات ہیں۔ هَلُمَّ، هَاتِ اور تَعَالَ.

هَلُمَّ کی تحقیق:

یہ اسم ہے یا فعل؟ اس سلسلے میں اہل عرب کی دو جماعت ہے، ایک اہل حجاز اور دوسری بنوتمیم کی۔ اہل حجاز کا کہنا ہے کہ هَلُمَّ اسم فعل ہے، کیوں کہ اس میں فعل امر کی علامت نہیں پائی جاتی، فعل امر کی علامت دو چیزوں کا مجموعہ ہے طلب امر کا معنی بتلانا اور یاء مخاطبہ کو قبول کرنا۔ اس میں صرف طلب فعل کا معنی ہے، لیکن یاء مخاطبہ کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں، کیوں کہ یہ ایک ہی حالت میں برقرار رہتا ہے اس کی گردان نہیں آتی ہے۔ جیسے هَلُمَّ یَا زَیْدُ، هَلُمَّ یَا زَیْدَانِ، هَلُمَّ یَا زَیْدُوْنَ، هَلُمَّ یَا هِنْدُ، هَلُمَّ یَا هِنْدَانِ، هَلُمَّ یَاهِنْدَاتُ. یہاں واحد، تثنیہ، جمع مذکر اور مؤنث ہر ایک کی مثال پیش کی گئی ہے، مگر تمام صورتوں میں هَلُمَّ واحد کا ہی صیغہ آیا ہے یاء مخاطبہ کو بالکل ہی قبول نہیں کیا ہے اور یاء مخاطبہ کو قبول کرنا فعل امر کی علامت ہے، جب یہ شرط مفقود ہو رہی ہے تو یہ فعل امر نہ ہوگا۔

قرآن کریم کی آیت بھی اس پر شہادت دے رہی ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَالْقَائِلِیْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَیْنَا" (اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس۔ پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب آیت ۱۸) اور "قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَکُمْ" (تو کہہ کہ لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں، پارہ ۸، سورۃ الانعام آیت ۱۵۰) دونوں آیتوں میں هَلُمَّ کو جمع کے صیغہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن هَلُمَّ واحد ہی آیا ہے، لہٰذا یہ اسم ہے فعل نہیں۔

بنوتمیم کا کہنا ہے کہ یہ فعل امر ہے، اسم نہیں۔ اس لیے کہ اس میں فعل امر کی دونوں علامتیں پائی جاتی ہیں۔ طلب فعل کا معنی بھی اور واحد مؤنث حاضر کی یاء بھی، کیوں کہ اس میں اس کی ضمیر بارز مرفوع ملی ہوتی ہے، جس کی طرف اس کی نسبت کی جاتی ہے، چنانچہ تم واحد کے لیے هَلُمَّ، تثنیہ کے لیے هَلُمَّا، جمع کے لیے هَلُمُّوْا اور واحد مؤنث کے لیے هَلُمِّیْ کہو گے۔ اس میں یائے مخاطبہ موجود ہے لہٰذا یہ فعل امر ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری کی وہ حدیث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں ارشاد فرمایا "هَلُمُّوْا اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ" میں بھی هَلُمُّوْا جمع کا صیغہ ہے۔

ھَاتِ اور تَعَالَ کی تحقیق:

ھَاتِ اور تَعَالَ دونوں میں اختلاف ہے۔ نحویوں کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ دونوں اسماء افعال میں سے ہیں۔ اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ یہ دونوں فعل امر ہیں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جماعت کی تائید کرتے ہوئے "فِي الْأَصَحِّ" کہہ کر یہ فرمایا ہے کہ یہ دونوں فعل امر ہے اور یہی درست بات ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں طلب فعل پر دلالت کرتے ہیں اور ان دونوں کے آخر میں یا مخاطبہ بھی لاحق ہوتی ہے جیسے ھَاتِي، تَعَالَيْ۔

نوٹ:- ایک بات ذہن نشین کرلو کہ ہَاتِ کو تمام حالتوں میں خواہ مذکر ہو یا مؤنث، واحد ہو یا تثنیہ یا جمع، کسرہ دیا جاتا ہے جیسے ھَاتِ یَا زَیْدُ، وھَاتِي یا ھِنْدُ، وَھَاتِيَا یَا زَیْدَانِ، وھَاتِيَا یا ھندان، اور ھَاتِينَ یا ھندات، ہاں صرف جمع مذکر کی حالت میں ضمہ دیا جائے گا، جیسے ھَاتُوا یاقوم۔ اسی طرح اس کی شہادت قرآن کریم سے دی جاری ہے جیسے قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ (آپ کہہ دیجیے لے آؤ سند اپنی۔ پارہ۱، آیت۱۱۱، رکوع۱۳) اس آیت کریمہ میں لفظ "ھَاتُوا" جمع مذکر کا صیغہ ہے اور ضمہ کی حالت میں ہے۔

نوٹ:- لفظ "تَعَالَ" کا آخر تمام حالتوں میں مفتوح ہوگا (خواہ واحد ہو یا تثنیہ یا جمع، مذکر ہو یا مؤنث) جیسے تَعَالَ یا زَیْدُ، تَعَالَيْ یا ھندُ، تَعَالَيَا یا زیدان، تَعَالَوْا یا زیدون، اور تَعَالَيْنَ یا ھندات۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ" (آپ کہہ دیجیے تم آؤ۔ پارہ۸، سورۃ الانعام آیت۱۵۱) اور "فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ" (تم آؤ کچھ فائدہ پہنچادوں۔ پارہ۲۱، سورۃ الاحزاب آیت۲۸) ان تمام مثالوں میں لفظ تَعَالَ کا آخر مفتوح استعمال کیا گیا ہے، لیکن ضرورت شعری کی بنا پر کبھی کبھی فتح کو کسرہ سے بدل کر پڑھا جاتا ہے جیسے شاعر کا قول "تَعَالِي أُقَاسِمْكِ الْهُمُوْمَ تَعَالِي" (آجا اپنے غموں میں تیرا بھی حصہ لگادوں آجا) میں لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ ابوفراس حمدانی کا شعر ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے۔

أَيَا جَارَتَا مَا أَنْصَفَ الدَّهْرُ بَيْنَنَا تَعَالِي أُقَاسِمْكِ الْهُمُوْمَ تَعَالِي

"وَمُضَارِعٌ" وَيُعْرَفُ بِلَمْ، وَافْتِتَاحِهِ بِحَرْفٍ مِنْ حُرُوْفِ (نَأَيْتُ)
نَحْوُ (نَقُوْمُ، وَأَقُوْمُ، وَيَقُوْمُ، وَتَقُوْمُ) وَيُضَمُّ أَوَّلُهُ إِنْ كَانَ مَاضِيْهِ
رُبَاعِيًّا (كَيُدَحْرِجُ، وَيُكْرِمُ) وَيُفْتَحُ فِيْ غَيْرِهِ (كَيَضْرِبُ،
وَيَجْتَمِعُ، وَيَسْتَخْرِجُ) وَيُسَكَّنُ آخِرُهُ مَعَ نُوْنِ النِّسْوَةِ. نَحْوُ

(يَتَرَبَّصْنَ، وَإِلَّا أَنْ يَعْفُونَ) وَيُفْتَحُ مَعَ نُوْنِ التَّاكِيْدِ الْمُبَاشِرَةِ لَفْظًا وَتَقْدِيْرًا، نَحْوُ (لَيُنْبَذَنَّ) وَيُعْرَبُ فِيْمَا عَدَا ذَالِكَ، نَحْوُ: يَقُوْمُ زَيْدٌ (وَلَا تَتَّبِعَانِّ، لَتُبْلَوُنَّ، فَإِمَّا تَرَيِنَّ، وَلَا يَصُدُّنَّكَ.

ترجمہ:۔ (اور مضارع) اور وہ دخول لَمْ کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے، اور اس کے شروع میں حروف نَأَيْتُ میں سے کوئی حرف ہو۔ جیسے نَقُوْمُ، اَقُوْمُ، يَقُوْمُ اور تَقُوْمُ اور مضارع کا پہلا حرف مضموم ہوگا، اگر اس کے ماضی میں چار حرف ہو، جیسے يُدَحْرِجُ، اور يُكْرِمُ اور اس کے علاوہ میں علامت مضارع مفتوح ہوگی، جیسے يَضْرِبُ، يَجْتَمِعُ اور يَسْتَخْرِجُ۔ اور مضارع کا آخر ساکن ہوگا جمع مؤنث کے نون کے ساتھ، جیسے يَتَرَبَّصْنَ اور اِلَّا اَنْ يَعْفُوْنَ اور نون تاکید ثقیلہ وخفیفہ سے اتصال کے ساتھ مضارع کا آخر فتحہ دیا جائے گا خواہ یہ لفظاً ہو یا تقدیراً، جیسے لَيُنْبَذَنَّ۔ اور اس کے علاوہ میں وہ معرب ہوتا ہے جیسے يَقُوْمُ زَيْدٌ وَلَا تَتَّبِعَانِّ، لَتُبْلَوُنَّ، فَإِمَّا تَرَيِنَّ، وَلَا يَصُدُّنَّ۔

وضاحت:۔ جب مصنفؒ ابحاث امر کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے مضارع کی تحقیقات پیش فرما رہے ہیں۔

لفظ مضارع کی تحقیق:

مضارع اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی مشابہت رکھنے والے کے ہیں۔ مضارع کو مضارع اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اسم کے ساتھ حال اور استقبال میں مشترک ہونے اور سین وسوف کے ساتھ خاص ہونے میں مشابہت رکھتا ہے، گویا دونوں شیریوں نے ایک ہی فرع سے دودھ پیا ہے۔

فعل مضارع کی تعریف:

مضارع وہ فعل ہے جو حروف نَأَيْتُ میں سے کسی ایک حرف کے ساتھ متلبس ہو کر اسم کے ساتھ حال اور استقبال میں مشترک ہونے اور سین اور سوف کے ساتھ خاص ہونے میں مشابہت رکھے۔

فعل مضارع کی علامتیں:

وَيُعْرَفُ بِلَمْ سے مصنفؒ فعل مضارع کی علامت بیان فرما رہے ہیں، فعل مضارع کی علامت یہ ہے کہ وہ دخول لَمْ کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے لَمْ يَلِدْ (نہ وہ جنا) وَلَمْ يُوْلَدْ (اور نہ وہ جنا گیا) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا اَحَدٌ (اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے) ان تینوں مثالوں میں لَمْ فعل مضارع کے شروع میں آیا ہے اور یہی اس کی علامت ہے۔

وَافْتِتَاحُهُ بِحَرْفٍ مِنْ حُرُوْفِ نَأَيْتُ: حروف نَأَيْتُ میں سے کسی ایک حرف کے ذریعہ فعل مضارع کا شروع ہونا ضروری ہے جیسے قَامَ سے يَقُوْمُ۔ ان حروف کو علامت مضارع اور حروف مضارع کہتے ہیں اور یہ کل چار ہیں۔ الف، تاء، یاء، نون۔

الف حرف ایک صیغہ واحد مذکر ومؤنث متکلم کے شروع میں آتا ہے جیسے اَقُوْمُ۔

تاء آٹھ صیغوں میں یعنی تین مذکر حاضر، تین مؤنث حاضر، دو مؤنث غائب، جیسے تَقُوْمُ۔

یاء مذکر غائب کے تین صیغوں اور جمع مؤنث غائب میں جیسے يَقُوْمُ وغیرہ۔

اور نون تثنیہ وجمع مذکر ومؤنث متکلم کے شروع میں لگاؤ، جیسے نَقُوْمُ۔

باعتبار اعراب کے فعل مضارع کا حکم:

وَيُضَمُّ أَوَّلُهُ إِنْ كَانَ مَاضِيهِ رُبَاعِيًّا الخ یہاں مصنفؒ نے باعتبار اعراب کے فعل مضارع کے حروف اربعہ (الف، تاء، یاء اور نون) کا ایک اصول اور ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ ان حروف اربعہ کو کس حالت میں کونسا اعراب دیا ہے؟ تو آپ اسے ایک مقدمہ سے سمجھئے کہ مضارع کے دو حکم ہیں۔ ایک حکم تو مضارع کے ابتدائے حرف کے اعتبار سے ہے اور دوسرا حکم انتہائے حرف کے اعتبار سے ہے۔

ابتدائے حرف کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ فعل مضارع کا پہلا حرف مضموم ہوگا بشرطیکہ وہ مضارع فعل ماضی رباعی سے بنا ہو اور مراد رباعی ماضی سے وہ ہے جس میں چار حروف ہوں عام ازیں وہ چاروں اصلیہ ہوں جیسے دَحْرَجَ يُدَحْرِجُ۔ یا کچھ اصلی ہوں اور کچھ زائد جیسے اَكْرَمَ يُكْرِمُ (اس میں ہمزہ زائد ہے، کیوں کہ اس کی اصل كَرُمَ ہے) اور اگر ماضی رباعی نہ ہو تو فعل مضارع کا پہلا حرف مفتوح ہوگا۔ اور رباعی ماضی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں چار حروف نہ ہوں بلکہ چار حروف سے کم ہوں جیسے ضَرَبَ يَضْرِبُ، ذَهَبَ يَذْهَبُ اور دَخَلَ يَدْخُلُ۔ یا چار حروف سے زائد ہوں جیسے اِنْطَلَقَ يَنْطَلِقُ، اِسْتَخْرَجَ يَسْتَخْرِجُ۔ انتہائے حرف کے اعتبار سے مضارع کا حکم یہ ہے کہ مضارع کا آخر حرف کبھی تو مبنی علی السکون ہوتا ہے اور کبھی مبنی علی الفتح ہوتا ہے، اور کبھی معرب ہوتا ہے۔

مبنی علی السکون ہونے کی شرط یہ ہے کہ فعل مضارع کے ساتھ جمع مؤنث کا نون ملا ہوا ہو جیسے النِّسْوَةُ يَقُمْنَ (عورتیں کھڑی ہوتی ہیں یا ہوں گی) اور وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ (اور مائیں دودھ پلاتی ہیں) اور وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ (اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں) ان تینوں مثالوں میں مضارع کا آخری حرف مبنی علی السکون ہے، کیوں کہ اس کے ساتھ نون جمع مؤنث متصل ہے۔

اور اسی میں سے "اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ" بھی ہے، يَعْفُوْنَ کا واؤ ساکن ہے، اس لیے کہ اس نے

آخر میں نون مؤنث داخل ہے یہ واو اصلیہ ہے جو کہ عَفَا یَعْفُوْ سے بنا ہے اور نون فاعل مضمر ہے جو مطلقات کی طرف عود کر رہا ہے اور اس کا وزن یَفْعُلْنَ ہے، یہ یَعْفُوْنَ اس یعفون کی طرح نہیں ہے جو آپ مذکر استعمال کرتے ہیں مثلاً الرِّجَالُ یَعْفُوْنَ۔ اس لیے کہ واو جمع مذکر کی ضمیر ہے جیسے یَقُوْمُوْنَ میں واو جمع مذکر کی ضمیر ہے۔ اور فعل کا واو حذف کر دیا ہے اور نون علامت رفع ہے اور اس کا وزن یَفْعُوْنَ ہے۔ بعض لوگوں نے "اِلَّا اَنْ یَّعْفُوْنَ" کو "اِلَّا اَنْ یَّعْفُوْا" نون کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے جیسے اِلَّا اَنْ یَّقُوْمُوْا اس کی تفصیلی بحث آئندہ آنے والی ہے صبر سے کام لیجیے۔

اور کبھی فعل مضارع کا آخری حرف مبنی علی الفتح ہوگا بشرطیکہ نون تاکید (نون ثقیلہ اور نون خفیفہ) لفظاً یا تقدیراً فعل مضارع کے آخری حرف کے ساتھ متصل ہو جیسے کَلَّا لَیُنْبَذَنَّ میں، کیوں کہ اس سے فعل مضارع یُنْبَذُ از باب ضرب آتا ہے، ذال آخری حرف ہے اور نون تاکید اسی کے ساتھ ملا ہوا ہے، لہٰذا وجود شرط کی بناء پر یہ مبنی علی الفتح پڑھا گیا ہے۔

ہاں! اگر فعل مضارع کے آخری حرف اور نون تاکید کے درمیان میں کوئی حرف حد فاصل ہو جائے تو مفقود شرط کی بناء پر وہ فعل مضارع مبنی علی الفتح نہ ہوگا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔" (اور مت چلو راہ ان کی جو ناواقف ہیں۔ پارہ ۱۱، سورۂ یونس، آیت ۸۹) اور "لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِکُمْ" (البتہ تمہاری آزمائش ہوگی مالوں میں۔ پارہ ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۶) اور "فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا" (پھر اگر تو دیکھے کوئی آدمی۔ پارہ ۱۶، سورۂ مریم آیت ۲۶) ان تینوں آیتوں میں شرط مفقود ہونے کی بناء پر فعل مضارع مبنی علی الفتح نہیں ہوگا، کیوں کہ پہلی آیت میں فعل مضارع کے آخری حرف عین اور نون تاکید کے درمیان الف حد فاصل ہے، اور دوسری آیت میں واو حد فاصل ہے، اور تیسری آیت میں یا حد فاصل ہے۔

اسی طرح اگر فعل مضارع کے آخری حرف اور نون تاکید کے درمیان کوئی حرف تقدیراً حد فاصل ہو تو اس صورت میں بھی فعل مضارع کا آخری حرف مبنی علی الفتح نہیں ہوگا، بلکہ وہ معرب ہوگا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا یَصُدُّنَّکَ عَنْ آیَاتِ اللّٰہِ" (اور نہ ہو کہ وہ تجھ کو روک دیں اللہ کے حکموں سے۔ سورۂ قصص، آیت ۸۷) میں لَا یَصُدُّنَّکَ اصل میں لَا یَصُدُّوْنَنَّکَ تھا۔ اس میں تاویل ہوئی ہے۔

لا نہی حرف جازم ہے اس نے آخر سے نون جمع کو گرا دیا، اب اجتماع ساکنین ہوا واو اور نون کے درمیان لہٰذا واو کو حرف علت ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ اور ضمہ باقی رکھا گیا تا کہ واو کے محذوف ہونے پر دلالت کرے پس لَا یَصُدُّنَّکَ ہو گیا۔ اس میں آخری حرف دال اور نون تاکید کے درمیان تقدیراً واو اور نون اعرابی آ گیا تھا، اس کی وجہ سے یہ مبنی علی الفتح نہیں پڑھا جائے گا، بلکہ معرب ہوگا۔

وَيُعرَبُ فِيمَا عَدَا ذٰلِكَ: فعل میں اصل بناء ہے، کیوں کہ فعل میں فاعلیت و مفعولیت اور اضافت نہیں پائے جاتے، حالاں کہ یہی چیزیں اعراب کی مقتضی ہوتی ہیں، اس وجہ سے یہ بات اصل ہوگی کہ وہ مبنی ہے۔ مگر چوں کہ فعل مضارع اسم کے ساتھ بہت سی چیزوں میں مشابہت رکھتا ہے، اس وجہ سے نحوی حضرات اس کو معرب قرار دیتے ہیں، لہٰذا فعل مضارع کے ساتھ نون تاکید ثقیلہ اور خفیفہ اور نون جمع مؤنث متصل نہ ہوں تو یہ معرب ہوگا۔

وَأَمَّا الْحَرْفُ:— فَيُعرَفُ: بِأَنْ لَا يَقْبَلَ شَيْئًا مِنْ عَلَامَاتِ الْاِسْمِ، وَالْفِعْلِ، نَحْوُ: هَلْ، وَبَلْ؟ وَلَيْسَ مِنْهُ مَهْمَا، وَإِذْمَا، بَلْ مَا الْمَصْدَرِيَّةُ لَمَّا الرَّابِطَةُ فِي الْأَصَحِّ.

ترجمہ:— اور بہرحال حرف تو وہ پہچانا جاتا ہے اس بات سے کہ وہ اسم اور فعل کی علامتوں میں سے کسی کو بھی قبول نہیں کرتا جیسے ھل، بل اور اس میں سے مھما اور اِذْمَا نہیں ہیں، بلکہ ما مصدریہ اور لَمَّا رابطہ بھی اس میں سے نہیں ہے صحیح مذہب کے مطابق۔

وضاحت:— جب مصنفؒ اسم اور فعل کے تفصیل بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے کلمہ کی تیسری قسم حرف کو بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ حرف سے متعلق چند تحقیقی نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

حرف کی لغوی تعریف:

حرف کے لغوی معنی طرف اور کنارہ کے ہے، کیوں کہ وہ کلام میں طرف اور کنارہ میں واقع ہوتا ہے۔ وہ مقصود بالذات مسند اور مسند الیہ کے مانند نہیں ہوتا۔

حرف کی علامت:

فَيُعرَفُ: بِأَنْ لَا يَقْبَلَ شَيْئًا الخ یہاں سے مصنف علیہ الرحمۃ نے علامت حرف کو بیان کیا ہے۔ حرف کی علامت یہ ہے کہ اس کا مبتدا، یا فاعل، یا مفعول مالم یسم فاعلہ ہونا صحیح نہ ہو۔ اسی طرح اس کا خبر ہونا بھی درست نہ ہو، چوں کہ غیر مستقل بالمفہوم ہوتا ہے، اور یہ امر مسلّم ہے کہ مخبر و مخبر عنہ دونوں مستقل بالمفہوم ہوتے ہیں جیسے اسم، فعل، لہٰذا حرف نہ اسم ہوتا ہے اور نہ فعل۔

حرف کی دوسری علامت یہ ہے کہ اسم کی جو علامتیں ہیں مثلاً لام تعریف، حرف جر و تنوین وغیرہ کا دخول، اور جو فعل کی علامتیں ہیں مثلاً دخول جوازم، قد، سین و سوف وغیرہ، ان میں سے حرف کسی کو بھی قبول نہیں کرتا، چوں کہ حرف میں ان علامات اور امارات کا تقاضا نہیں ہے، لہٰذا مقتضی کا دخول بھی اس پر ممتنع ہوگیا۔

ھَلْ، بَلْ یہ دونوں حرف کی مثالیں ہیں جو علامت اسم اور علامت فعل کو قطعاً قبول نہیں کرتے۔ جب ان دونوں کا اسم اور فعل ہونا منتفی ہو گیا تو اب لامحالہ یہ دونوں حرف ہوں گے۔

مختلف فیہ حرف کی تحقیق:

ولیس منه مهما وانما الخ: یہاں سے مصنفؒ ان چار کلموں کی تحقیق بیان فرمار ہے ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ اسم ہیں یا حرف؟ اور یہ کل چار کلمے ہیں۔ اِذْمَا مَهْمَا، ما مصدریہ اور لَمَّا رابطہ۔

اِذْمَا کی تحقیق۔ اِذْمَا حرف ہے یا اسم؟ اس سلسلہ میں نحویوں کی ایک بڑی جماعت کے درمیان اختلاف ہے؟۔ امام سیبویہ اور ان کے ہمنواؤں کا کہنا ہے کہ یہ حرف ہے جو کہ اِنْ شرطیہ کے درجہ میں ہے اور اِنْ شرطیہ حرف ہوتا ہے لہٰذا اِذْمَا بھی حرف ہوگا جیسے اِذْمَا تَقُمْ اَقُمْ. اِنْ تَقُمْ اَقُمْ (اگر تو کھڑا ہوگا تو میں بھی کھڑا ہوں گا) کے معنی میں ہے ———— اور امام مبردؒ و ابن سراج اور فارسی کا کہنا ہے کہ یہ ظروف زمانیہ میں سے ہے۔ اور ظرف زمان اسم ہوتا ہے، لہٰذا یہ بھی اسم ہے۔ چنانچہ جب آپ "اِذْمَا تَقُمْ اَقُمْ" کہیں گے تو اس کا معنی "مَتٰی تَقُمْ اَقُمْ" ہوگا (یعنی جس وقت تم کھڑے ہو گے تو میں کھڑا ہوں گا)

اور ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ لفظ "اِذْمَا" کے داخل ہونے سے پہلے مَا الَّذِیْ کے معنی میں ہو کر اسم تھا۔ اور جب مَا داخل ہو گیا تو بھی وہ اسم ہی رہا، اور کوئی تغیر وتبدل نہ ہونا اس کی اصلیت پر دال ہے، لہٰذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ اسم ہے، حرف نہیں جیسا کہ سیبویہ اور ان کے ہمنواؤں کا خیال ہے۔

شارحؒ نے امام سیبویہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ امام مبرد کا یہ کہنا کہ یہاں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوا ہے، یہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ صورت مذکورہ میں یقیناً تغیر ہوا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ "اِذْ" ماضی کے لیے آتا ہے، لیکن مَا کے دخول کے بعد وہ مستقبل کے لیے ہو گیا۔ لہٰذا زمانہ ماضی سے زمانہ مستقبل کی طرف نکلنا پایا گیا، لیکن بقول شارح اس جواب میں نظر ہے۔ اس لیے کہ کلمہ "اذ" کا ایک زمانہ پر دلالت کرنے سے دوسرے زمانہ پر دلالت کرنے کے لیے نکلنا یہ اسم یا فعل کا اپنی اصل نوع سے نکلنا نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ فعل ماضی زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے اور جب اس پر اِنْ شرطیہ داخل ہو تو زمانہ مستقبل پر دلالت کرنے لگتا ہے اور فعل مضارع، حال واستقبال پر دلالت کرتا ہے اور جب اس پر لَمْ نافیہ داخل ہو تو ماضی پر دلالت کرتا ہے، اس کے باوجود کسی عالم نحو نے ان دونوں فعلوں میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ یہ اپنی اصلیت سے خارج ہے۔

مهما کی تحقیق: لفظ مهما کے بارے میں بھی نحویوں کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ اسم ہے یا حرف؟ تو جمہور کا کہنا ہے کہ یہ اسم ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے قول "مهما تأتنا به من آية" (تم لے آؤ نشانیوں کو جو کچھ ہو) سے پیش کی ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ مهما میں ما اسم ہے اور بہٖ کی ھاء ضمیر اسی اسم کی طرف لوٹ رہی ہے اور ضمیر ہمیشہ اسم کی طرف لوٹتی ہے اس سے پتہ چلا کہ مهما اسم ہے۔

امام سہیلی اور ابن یسعون کا کہنا ہے کہ یہ حرف ہے۔ اور اس پر زہیر شاعر کے قول سے استدلال کیا ہے۔ شاعر کا قول:

وَمَهْمَا تَكُنْ عِنْدَ امْرِئٍ مِنْ خَلِيقَةٍ وَإِنْ خَالَهَا تَخْفَى عَلَى النَّاسِ تُعْلَمِ

(ترجمہ: آدمی میں کوئی بھی عادت ہو اگر چہ اس کا خیال ہو کہ وہ چھپی رہے لوگوں سے لیکن معلوم ہوجاتی ہے۔ یہ زہیر بن ابی سلمی المزنی کا شعر ہے۔

اس میں محل استشہاد مهما تكن ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ "خليقة" تكن فعل کا اسم ہے اور من زائدہ ہے۔ اب جب فعل کا اسم خليقة موجود ہے تو فعل ضمیر سے خالی ہوگیا۔ اور جب فعل ضمیر سے خالی ہوگیا تو پھر لفظ مهما کا کوئی محل اعراب باقی نہیں رہا اور وہ محل اعراب کے لائق بھی نہیں ہے۔ اگر اس کو اعراب کا محل بنایا جاتا تو پھر مبتدا ہوتا، لیکن مبتدا ہونا بھی متعذر ہے، کیوں کہ درمیان میں کوئی ایسا حرف نہیں ہے جو اس مبتداء کو اگلے خبر سے جوڑ پیدا کرے۔ لہٰذا عدم جوڑ اور عدم ربط کی بناء پر اس کا مبتداء ہونا بھی دشوار ہوا۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ اس کا کوئی محل اعراب نہیں، چنانچہ حرف ہونا متعین ہوگیا۔

لیکن صاحب قطر الندی و بل الصدی کی تحقیق یہ ہے کہ تكن کا اسم پوشیدہ ہے اور من خليقة مهما کی تفسیر ہے جیسا کہ "من آية" میں ما کی تفسیر کے لیے من آیا ہے اور مهما مبتداء ہے اور جملہ خبر ہے۔ اور مبتداء بننے کی صلاحیت اسم میں ہوتی ہے نہ کہ حرف میں لہٰذا مهما اسم ہے۔

ما مصدریہ کی تحقیق: ما مصدریہ اسم ہے یا حرف؟ تو اس سلسلہ میں نحویوں کا اختلاف ہے، لیکن اختلاف کی وضاحت سے قبل ما مصدریہ کی تعریف ملاحظہ فرمالیں۔

ما مصدریہ کی تعریف: ما مصدریہ وہ ما ہے جو اپنے مابعد والے لفظ کو مصدر کے ساتھ لاحق کرے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ" (ان کو خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران، آیت ۱۱۸) اس آیت میں ما مصدریہ نے اپنے مابعد فعل عَنِتُّمْ کو مصدر کے معنی میں کر دیا۔ اب اصل عبارت ہوئی "وَدُّوا عَنَتَكُمْ" اسی طرح شاعر کا قول:

يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابَا

(ترجمہ: راتوں کا گذرنا آدمی کو خوش کرتا ہے۔ جب کہ راتوں کا گذرنا خود اس کا ختم ہونا ہے۔) کے ما ذھب میں ما مصدریہ ہے، جس نے ذھب کو ذھاب مصدر کے معنی میں کر دیا ہے، اصل جملہ ہوگا یسر المرء ذھاب اللیالی۔

ما مصدریہ کے بارے میں اختلاف: ما مصدریہ کے بارے میں نحویوں کی دو جماعتیں ہیں۔ پہلی جماعت امام سیبویہ کی ہے، ان کا مذہب یہ ہے کہ ما مصدریہ حرف ہے جو کہ اَن مصدریہ کے درجہ میں ہے، جس طرح اَن جملہ فعلیہ پر ہوتا ہے اور اس کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے اسی طرح ما بھی فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، جیسے "ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ أي بِرَحْبِهَا" (ان پر زمین تنگ ہوگئی باوجود اپنی وسعت کے۔ پارہ ۱۱، سورۃ التوبہ آیت ۱۱۸) ما کی وجہ سے رَحُبَتْ فعل مصدر کے معنی میں ہوگیا۔

دوسری جماعت امام اخفش اور ابن السراج کی ہے، ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ ما مصدریہ اسم ہے جو کہ الذی کے معنی میں ہے اور یہ غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور یہی مفہوم ہے۔ اب "وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ" کا ترجمہ "وَدُّوا الَّذِي عَنِتُّمُوْهُ أي العَنَتَ الَّذِي عَنِتُّمُوْهُ" اور "يَسُرُّ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِي" کا ترجمہ "يَسُرُّ المرءَ الَّذِي ذَهَبَهُ اللَّيَالِي" ہوگا۔

اشکال: لیکن یہاں دوسری جماعت کے قول پر اعتراض اور اشکال ہوگا، اشکال کی تقریر یہ ہے کہ "آپ نے کہا ما مصدریہ اسم ہے جو کہ الَّذِي کے معنی میں ہوتا ہے اور یہ غیر ذوی العقول کے لیے مستعمل ہے تو اس وقت وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ کا ترجمہ وَدُّوا الَّذِي عَنِتُّمُوْهُ ہوگا اور الَّذِي کے بعد جو جملہ ہے وہ اسم موصول کا صلہ ہوگا، لیکن یہ مراد لینا درست نہیں، کیوں کہ موصول کے لیے ایک عائد کا ہونا ضروری ہے، لیکن یہاں عائد کا پتہ نہیں۔ اگر یہ جواب دیں کہ عائد ضمیر محذوف ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ حذف کا دعویٰ کرنا سراسر باطل ہے، چوں کہ عائد کا حذف ہونا جائز نہیں۔ اسی طرح ایک مثال ہے أَعْجَبَنِي مَا قُمْتَ وَمَا قَعَدْتَ (کہ مجھے تعجب میں ڈال دیا اس کے کھڑے ہونے اور اس کے بیٹھنے نے) اگر مثال مذکور میں ما مصدریہ کو الَّذِي کے معنی میں لیا جائے تو اس وقت اس کا ترجمہ اور مفہوم غلط ہوگا، کیوں کہ مثال مذکور میں ضمیر کا مرجع اسم کا مذکور ہونا ضروری ہے، لیکن یہاں محذوف ہے اور ضمیر اسم محذوف کی طرف نہیں لوٹتی، لہٰذا لامحالہ کہنا پڑے گا کہ یہاں ما مصدر اَن مصدریہ کے درجہ میں ہے۔ اور حرف مصدر اپنے مابعد فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے، چنانچہ یہاں "ما" نے اپنے مابعد فعل قُمْتَ کو قیام کے معنی میں اور قَعَدْتَ کو قعود کے معنی میں کر دیا ہے اور یہی زیادہ راجح ہے۔ (کیوں کہ اس صورت میں ضمیر کا اسم مذکور کی طرف لوٹنا پایا گیا ہے۔

لمّا کی تحقیق: کلام عرب میں لمّا کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) لمّا نافیہ ہوتا ہے لم کے درجہ میں۔ جیسے لمّا یقض ما امرہ (اس نے پورا نہیں کیا جس کا اس کو مامور بنایا) لم یقض ما امرہ کے معنی میں ہے۔

(۲) لمّا ایجابیہ یہ لمّا الا کے درجہ میں ہوتا ہے جیسے "عزمت علیك لمّا فعلت كذا" (میں نے تجھ سے اس طرح کرنے کا مطالبہ کیا) ای ما اطلب منك الا فعل كذا کے معنی میں ہے۔ اس مثال میں لمّا کو الا کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بہرکیف لما نافیہ ہو یا لمّا ایجابیہ باتفاق دونوں حرف ہیں۔

(۳) لمّا رابطہ اور یہ وہ ہے جو کسی شئی کو کسی دوسری شئی کے ساتھ جوڑ پیدا کرتا ہے جیسے "لمّا جاءني اكرمته" (جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے اس کا اکرام کیا) مثال مذکور میں لمّا نے اکرام کے وجود کو مجیء یعنی آنے کے وجود کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔

لمّا کے بارے میں اختلاف: لمّا کیا ہے؟ حرف یا اسم؟ تو اس بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے۔ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ حرف ہے حين کے معنی میں، لیکن امام سیبویہ کے قول کی باری تعالی کے قول "فلمّا قضينا عليه الموت" کے ذریعہ تردید کر دی گئی ہے۔ اور وجہ تردید یہ ہے کہ اگر لمّا حرف ہو تو پھر ایک عامل کی ضرورت پڑے گی جو کہ اس کے محل نصب ہونے میں عمل کرے اور وہ عامل یا تو قضينا ہوگا یا دلّهم ہوگا، کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ لیکن قضينا کا عامل ہونا مردود ہے۔

اور امام اخفش اور ابن السراج کا گمان ہے کہ یہ اسم ہے اور اس صورت میں یہ مضاف ہوگا اس کو جو اس سے متصل ہے لیکن یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ مضاف الیہ کا مضاف میں عمل کرنا لازم آیا جو کہ قبیح ہے اور اگر دلّهم عامل ہے تو یہ بھی مردود ہے، کیوں کہ ما نافیہ ہوگا اور ما نافیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔ اب جب کہ عامل ہونا باطل ہو گیا تو پھر اس کے لیے کوئی محل اعراب باقی نہیں رہا لہٰذا یہ حرف ہوگا اور یہی حق ہے۔

وَجَمِيعُ الْحُرُوفِ مَبْنِيَّةٌ.

ترجمہ:- اور تمام حروف مبنی ہیں۔

وضاحت:- جب مصنف حرف کی علامتیں اور مختلف قسم کلمات کے بیان سے فارغ ہوئے تو گے ہاتھ حرف کا بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ فرمایا کہ حرف کا حکم یہ ہے کہ تمام حروف مبنی ہیں۔

وَالْكَلَامُ لَفْظٌ مُفِيدٌ.

ترجمہ: ۔ اور کلام مفید و مقصود بات کا نام ہے۔

وضاحت: ۔ جب مصنفؒ نے نحو کے ایک موضوع کی تعریف، تقسیم اور بیان اقسام کی تعیین کردی تو چاہا کہ نحو کے دوسرے موضوع کی بھی تعیین ہو جاوے، چوں کہ موضوع کو جب تک مبتدی نہ سمجھ لے اس وقت تک اس کے احوال کو نہیں سمجھ سکتا، اس وجہ سے مصنف نے کہا الکلام۔ اور چوں کہ یہ ایک مستقل موضوع ہے، اس وجہ سے اس کو ایک مستقل فصل میں بیان کیا گیا ہے، تا کہ اس کا مستقل موضوع ہونا معلوم ہو جاوے۔

کلام کی تعریف:

کلام مفید و مقصود بات کو کہتے ہیں۔

لفظ کی وضاحت:

وہ آواز جو بعض حروف پر مشتمل ہو یا وہ آواز جس کو ادا کرنے میں طاقت صرف ہوا سے لفظ کہتے ہیں۔ اول کی مثال رَجُلٌ اور فَرَسٌ ہے اور دوسرے کی مثال ضمیر مستتر ہے اِضْرِبْ اور اِذْهَبْ جیسی مثالوں میں اَنْتَ ضمیر مستتر ہے۔

مفید کی وضاحت:

مفید وہ ایسا لفظ ہے جو ایسا مفہوم ادا کرے جس پر خاموشی درست ہو، جیسے قَامَ زَيْدٌ یہ کلام ہے۔ اور ایسا کلام ہے جس پر اکتفاء کرنا درست ہے، برخلاف زید۔ غُلَامُ زَيْدٍ، اَلَّذِيْ قَامَ اَبُوْهُ جیسے اقوال کے کہ ان میں سے کسی کو بھی مفید نہیں کہا جا سکتا ہے، اس لیے کہ ان پر سکوت صحیح نہیں ہے تو ان کو کلام بھی نہیں کہا جا سکتا۔

صاحب کتاب کی تحقیق یہ ہے کہ جب آپ زَيْدٌ قَائِمٌ لکھیں تو یہ کلام نہیں ہوگا، اس لیے کہ اس پر اکتفاء کرنا صحیح ہے، لیکن یہ لفظ نہیں ہے، کیوں کہ اس کو ادا کرنے میں زبان کی آواز کا کوئی دخل نہیں ہوا۔ اسی طرح جب آپ کسی کو قیام یا قعود کی طرف اشارہ کریں تو وہ اشارہ بھی کلام نہیں ہوگا، حالاں کہ اس سے مخاطب کو پورا پورا فائدہ حاصل ہو رہا ہے، لیکن اس اشارے میں زبان کا کوئی دخل نہیں ہے، لہٰذا یہ کلام لفظی نہیں ہے، اس وجہ سے اس کو کلام نہیں کہا جا سکتا، ما حصل یہ نکلا کہ گفتگو بزبان حال کو مصنف نے کلام کہا ہے۔ تحریر یا اشارہ کو کلام نہیں کہا ہے۔

وَأَقَلُّ ائتِلَافِهٖ مِنْ اِسْمَيْنِ، كَـ "زَيْدٌ قَائِمٌ" اور فِعْلٍ وَاسْمٍ كَـ "قَامَ زَيْدٌ"

ترجمہ:- اور کلام کا مرکب ہونا کم سے کم دو اسموں سے جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، یا ایک فعل اور ایک اسم سے جیسے قَامَ زَيْدٌ

وضاحت:- ایک کلمہ کی نسبت دوسرے کلمہ سے اس طرح ہونا جس سے مخاطب کو پورا پورا فائدہ حاصل ہو نحویوں کی اصطلاح میں وہ دونوں کلمے یا تو حقیقتاً ہوں جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ یا ان میں سے ایک حقیقتاً ہو اور دوسرا حکماً۔ جیسے اِضْرِبْ کلام تام کہلاتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں مصنف علیہ الرحمۃ نے کلام کے مرکب ہونے کی صورتوں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کلام کے مرکب ہونے کی چھ شکلیں ہیں۔(۱) یا تو دو اسموں سے مرکب ہوگا (۲) یا ایک اسم اور ایک فعل سے۔(۳) یا دو جملوں سے (۴) یا ایک فعل اور دو اسموں سے (۵) یا ایک فعل اور تین اسموں سے (۶) یا ایک فعل اور چار اسموں سے۔

کلام دو اسموں سے مرکب ہو اس کی چار صورتیں ہیں (۱) مبتدا خبر ہو۔ جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ۔ اس مثال میں زید مبتداء اور قَائِمٌ اس کی خبر ہے۔(۲) مبتداء اور ایک ایسا فاعل ہو جو خبر کے قائم مقام ہے۔ جیسے أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ؟ أَيَقُوْمُ الزَّيْدَانِ میں قائم مبتداء ہے اور الزَّيْدَانِ قائم کا فاعل ہے جو کہ خبر کے قائم مقام ہے۔ اور مبتداء خبر سے کلام مرکب ہوتا ہے، لہٰذا یہاں بھی کلام مرکب ہوگا۔ (۳) ایک مبتداء ہو اور دوسرا نائب فاعل جو کہ خبر کے قائم مقام بنے جیسے أَمَضْرُوْبٌ الزَّيْدَانِ۔ میں مضروبٌ مبتداء ہے اور الزَّيْدَانِ نائب فاعل ہے جو کہ خبر کے قائم مقام ہے لہٰذا یہ مرکب تام ہے۔ (۴) دونوں میں کا ایک اسم فعل ہو اور دوسرا اس کا فاعل ہو جیسے هَيْهَاتَ الْعَقِيْقُ۔ اس مثال میں هَيْهَاتَ اسم فعل ہے اور دور ہونے کے معنی میں ہے اور عقیق اس کا فاعل ہے۔

فعل اور اسم سے مرکب ہونے کی دو صورتیں ہیں: (۱) اسم ماقبل کے فعل کا فاعل بنے جیسے قَامَ زَيْدٌ (۲) اسم نائب فاعل بنے ماقبل کے فعل کا جیسے ضُرِبَ زَيْدٌ

دو جملوں سے کلام مرکب ہو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ (۱) جملہ شرطیہ ہو، جو شرط و جزاء پر مشتمل ہوتا ہے۔ جیسے إِنْ قَامَ زَيْدٌ قُمْتُ۔ اس مثال میں إِنْ قَامَ زَيْدٌ جملہ شرط ہے اور قُمْتُ اس کی جزاء ہے۔(۲) جملہ قسمیہ ہو، جو قسم و جواب پر مبنی ہوتا ہے۔ جیسے أَحْلِفُ بِاللّٰهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ۔ اس مثال میں أَحْلِفُ بِاللّٰهِ جملہ قسم ہے اور لَزَيْدٌ قَائِمٌ جواب قسم ہے۔

کبھی کلام ایک فعل اور دو اسموں سے مرکب ہوتا ہے جیسے كَانَ زَيْدٌ قَائِمًا۔

کبھی کلام ایک فعل اور تین اسموں سے مرکب ہوتا ہے جیسے عَلِمْتُ زَیْدًا فَاضِلًا۔
کبھی کلام ایک فعل اور چار اسموں سے مرکب ہوتا ہے جیسے اَعْلَمْتُ زَیْدًا عَمْرًوا فَاضِلًا۔

متن کی عبارت سے ایک شبہ کا ازالہ:

وَاَقَلُّ ائْتِلَافِهِ مِنْ اِسْمَیْنِ الخ۔ متن کی اس عبارت سے کہ "کلام دو اسموں یا ایک اسم اور ایک فعل سے مرکب ہوتا ہے" در حقیقت ایک شبہ کا ازالہ کیا گیا ہے، کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ کلام دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے۔ اور کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل، حرف۔ لہٰذا عقل کے تقاضے کے مطابق کلام کی چھ صورتیں ہوں گی۔ یا تو وہ دو اسموں سے مرکب ہوگا، یا دو فعلوں سے یا دو حرفوں سے۔ یا ایک اسم اور ایک فعل سے۔ یا ایک فعل اور حرف سے۔ یا ایک اسم اور ایک حرف سے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔
اسم اسم و فعل فعل و حرف حرف۔ اسم فعل، و فعل حرف، و اسم حرف۔

مصنفؒ نے شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے صاف طور پر کہہ دیا کہ کلام کے حاصل ہونے کی صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو ضمن میں دو اسموں کے حاصل ہوگا کہ ان میں ایک مسند اور دوسرا مسند الیہ ہو جائے۔ یا ضمن میں ایک اسم اور ایک فعل کے حاصل ہوگا تو فعل مسند اور اسم مسند الیہ ہو جائے گا۔ باقی رہی اور چار صورتیں۔ یعنی دو فعل۔ یا ایک اسم اور ایک حرف۔ یا ایک فعل اور ایک حرف۔ تو ان سے کلام کا مرکب ہونا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ کلام میں مسند اور مسند الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور ان چار صورتوں میں سے کسی صورت میں مسند الیہ ہے مسند نہیں ہے، اور کسی صورت میں مسند ہے مسند الیہ نہیں ہے، اور کسی صورت میں دونوں میں سے ایک بھی موجود نہیں ہے۔

اشکال: متن کی عبارت "وَاَقَلُّ ائْتِلَافِهِ مِنْ اِسْمَیْنِ" پر اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے "مِنْ اِسْمَیْنِ" کی ترکیب کو "اَوْ فِعْلٍ وَاسْمٍ" کی ترکیب سے مقدم کیوں فرمایا، وجہ تقدیم کیا ہے؟

جواب: "مِنْ اِسْمَیْنِ" کی ترکیب کو مصنفؒ نے فعل و اسم کی ترکیب پر مقدم کیا اس وجہ سے کہ اس کے دونوں جزء مستحق تقدیم ہیں، چوں کہ دونوں اسم ہوتے ہیں۔

نوٹ: - جو کلام دو اسموں کی ترکیب سے حاصل ہوتا ہے اس کلام کا نام جملہ اسمیہ رکھا جاتا ہے چوں کہ اس میں پہلا جزء بھی اسم ہوتا ہے۔ اور جملہ اسمیہ اس کو کہتے ہیں جس کا پہلا جزء اسم ہو۔ فافهم واحفظ

اشکال: متن کی عبارت "اَوْ فِعْلٍ وَاسْمٍ" پر اشکال ہوتا ہے کہ فعل کو مصنفؒ نے اسم پر کیوں مقدم کیا، وجہ تقدیم کیا ہے؟

جواب: فعل کو مصنف نے اسم پر اس وجہ سے مقدم کیا کہ مصنف جملہ فعلیہ کے بیان کے درپے ہیں اور اس میں فعل مقدم ہوتا ہے۔

نوٹ:- جو کلام کہ فعل و اسم سے حاصل ہوتا ہے اس کا نام جملہ فعلیہ رکھا جاتا ہے اس وجہ سے کہ اس میں پہلا جزء فعل ہوتا ہے۔

فَصْلٌ. أَنْوَاعُ الْإِعْرَابِ أَرْبَعَةٌ: رَفْعٌ، وَنَصْبٌ. فِي اسْمٍ وَفِعْلٍ، نَحْوُ "زَيْدٌ يَقُوْمُ" وَ "إِنَّ زَيْدًا لَنْ يَقُوْمَ" وَجَرٌّ فِي اسْمٍ، نَحْوُ "بِزَيْدٍ" وَجَزْمٌ فِي فِعْلٍ، نَحْوُ "لَمْ يَقُمْ". فَيُرْفَعُ بِضَمَّةٍ، وَيُنْصَبُ بِفَتْحَةٍ. وَيُجَرُّ بِكَسْرَةٍ، وَيُجْزَمُ بِحَذْفِ حَرَكَةٍ.

ترجمہ:- یہ فصل ہے۔ اعراب کی قسمیں چار ہیں۔ رفع اور نصب، اسم و فعل (دونوں) میں۔ جیسے زیدٌ یقومُ اور انّ زیدًا لن یقومَ اور جر ہے (صرف) اسم میں جیسے بزیدٍ۔ اور جزم ہے (صرف) فعل میں۔ جیسے لم یقمْ۔ پس رفع دیا جائے گا ضمہ کی شکل میں، اور نصب دیا جائے گا فتحہ کی شکل میں اور جر دیا جائے گا کسرہ کی شکل میں، اور جزم دیا جائے گا حرکت کے حذف کے ساتھ۔

وضاحت:- جب مصنف رحمۃ اللہ علیہ کلام کے تفصیلی بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے اسم، فعل اور حرف کے اعراب کو بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ فرمایا:

اعراب کی تعریف:

کلام میں پائے جانے والے کلمہ کے آخری حرف پر ظاہر یا مقدر اثر کو اعراب کہتے ہیں۔ ظاہر کی مثال جیسے جاءَ زیدٌ (زید کے آخری حرف دال پر ضمہ ظاہر ہے) رأیتُ زیدًا (زید کے آخری حرف دال پر فتحہ ظاہر ہے) اور مررتُ بزیدٍ (زید کے آخری حرف دال پر کسرہ ظاہر ہے) اور اس کو اثر ظاہری کہتے ہیں۔

مقدر کی مثال: جیسے جاءَ الفتی (الفتی کے آخری حرف یاء پر حالت رفع میں ضمہ تقدیری ہے) رأیتُ الفتی. (الفتی کے آخری حرف یاء پر حالت نصب میں فتحہ تقدیری ہے) اور مررتُ بالفتی (میں آخری حرف پر حالت جر میں کسرہ تقدیری ہے) اور اس کو اثر تقدیری کہتے ہیں۔ اور یہ اعراب و اثر کا مقدر ہونا حرکت کے ظاہر نہ ہونے کے عذر کی وجہ سے ہے۔

اعراب کی قسمیں:

اعراب ایک ایسا جنس ہے جس کے تحت چار قسمیں ہیں: ۱۔ رفع ۲۔ نصب ۳۔ جر ۴۔ اور جزم۔

اعراب کی چاروں قسموں کا منقسم ہونا:

پھر استعمال کے اعتبار سے اعراب کی یہ چاروں قسمیں تین اقسام میں منقسم ہوتی ہیں۔

پہلی قسم: ایک قسم تو وہ ہے جس میں اسماء وافعال مشترک ہیں۔ وہ رفع اور نصب ہیں۔ رفع میں دونوں کے مشترک ہونے کی مثال: زَیْدٌ یَقُوْمُ ہے کہ زید مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور علامت رفع ضمہ ہے۔ اور یَقُوْمُ مرفوع ہے، کیوں کہ فعل مضارع ہے جو ناصب وجازم سے خالی ہے۔ اس کی علامت رفع بھی ضمہ ہے۔

نصب میں دونوں کے مشترک ہونے کی مثال: اِنَّ زَیْدًا لَنْ یَقُوْمَ ہے کہ زیداً اسم ہے جو اِنَّ کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کی علامت نصب فتحہ ہے۔ اور یَقُوْمَ فعل مضارع لَنْ کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور اس کی علامت نصب بھی فتحہ ہے۔

دوسری قسم: دوسری قسم جر کی ہے جو اسماء کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے مَرَرْتُ بِزَیْدٍ. کہ زید باء کی وجہ سے مجرور ہے۔ اور علامت جر کسرہ ہے۔

تیسری قسم: تیسری قسم جزم کی ہے جو افعال کے ساتھ خاص ہے جیسے لم یقم کہ یَقُمْ فعل مضارع لَمْ کی وجہ سے مجزوم ہے اور علامت جزم حرکت کا حذف ہے۔

اعراب کی چاروں قسموں کی علامتیں:

اعراب کی چاروں قسموں کی علامتیں ہیں، جنھیں کلی طور پر دو قسموں میں منقسم کیا گیا ہے۔ (۱) علامات اصول (۲) علامات فروع۔

علامات اصول تو چار ہیں: (۱) رفع کا اظہار ضمہ کے ذریعہ ہو (۲) نصب کا اظہار فتحہ کے ذریعہ ہو (۳) جر کا اظہار کسرہ کے ذریعہ ہو (۴) اور جزم کا اظہار سکون یعنی حرکت کے حذف کے ذریعہ ہو۔ ہم نے ان تمام کی وضاحت مذکورہ بالا مثالوں میں کر دی ہیں۔

علامات فروع سات ابواب میں منحصر ہے جن میں سے اسماء کے لیے پانچ اور افعال کے لیے دو، ان کا تفصیلی بیان مختلف ابواب کی شکل میں آرہا ہے۔

إلَّا الْأَسْمَاءَ السِّتَّةَ، وَهِيَ أَبُوْهُ، وَأَخُوْهُ، وَحَمُوْهَا، وَهَنُوْهُ، وَفُوْهُ، وَذُوْمَالٍ، فَتُرْفَعُ بِالْوَاوِ، وَتُنْصَبُ بِالْأَلِفِ، وَتُجَرُّ بِالْيَاءِ.

ترجمہ:- مگر اسمائے ستہ، اور وہ أَبُوْهُ، أَخُوْهُ، حَمُوْهَا، هَنُوْهُ، فُوْهُ اور ذُوْمَالٍ ہیں۔ پس وہ رفع دیے جاتے ہیں واؤ کے ساتھ اور نصب دیے جاتے ہیں الف کے ساتھ اور جر دیے

جاتے ہیں یاء کے ساتھ۔

وضاحت:۔ اعراب کی علامات میں اصل وہی ہے جس کا ہم نے اعراب کی بحث میں تذکرہ کیا، مگر اس اصل سے سات باب خارج ہیں، جن میں پہلا باب "اسمائے ستہ مکبرہ مضافہ" ہے۔ اور وہ اَبُوْهُ، اَخُوْهُ، حَمُوْهَا، هَنُوْهُ، فُوْهُ اور ذُوْمَالٍ ہے۔

اسمائے ستہ کا اعراب:

اسمائے ستہ کو حالت رفعی میں ضمہ کے بجائے واؤ کے ساتھ، حالت نصبی میں فتحہ کے بجائے الف کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ کے بجائے یاء کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے جیسے جَاءَنِیْ اَبُوْهُ، وَاَخُوْهُ، وَحَمُوْهَا، وَهَنُوْهُ، وَفُوْهُ، وَذُوْمَالٍ (حالت رفعی میں ضمہ کے بجائے واؤ کے ساتھ) رَأَیْتُ اَبَاهُ، وَاَخَاهُ، وَحَمَاهَا، وَهَنَاهُ، وَفَاهُ وَذَامَالٍ (یہ تمام اسماء حالت نصبی میں فتحہ کے بجائے الف کے ساتھ ہیں) مَرَرْتُ بِاَبِیْهِ، وَاَخِیْهِ، وَحَمِیْهَا، وَهَنِیْهِ، وَفِیْهِ، وَذِیْ مَالٍ (یہ تمام اسماء حالت جری میں کسرہ کے بجائے یاء کے ساتھ ہیں)

اسماء ستہ پر اعراب بالحروف آنے کی شرطیں:

اسمائے ستہ کا مذکورہ بالا اعراب (یعنی حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ حالت نصبی میں الف کے ساتھ، اور حالت جری میں یاء کے ساتھ) کے لیے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط:۔ یہ اسماء مفرد ہوں، تثنیہ جمع نہ ہوں۔ اگر یہ اسماء تثنیہ ہوں تو ان کا اعراب وہی ہوگا جو تثنیہ کا ہوتا ہے۔ یعنی حالت رفعی میں الف کے ساتھ اور حالت نصبی و جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ۔ جیسے جَاءَنِیْ اَبَوَانِ، وَاَخَوَانِ (حالت رفعہ میں الف کے ساتھ ہے) رَأَیْتُ اَبَوَیْنِ وَاَخَوَیْنِ۔ وَمَرَرْتُ بِاَبَوَیْنِ وَاَخَوَیْنِ (حالت نصبی وجری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ ہے)

اور اگر یہ اسماء جمع ہوں تو ان کا اعراب وہی ہوگا جو جمع کا ہوتا ہے۔ اگر وہ جمع، جمع مکسر ہے تو حرکات اصلیہ یعنی حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ، حالت نصبی میں فتحہ کے ساتھ، اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہوگا۔ جیسے جَاءَنِیْ آبَاؤُكَ (حالت رفعی کی مثال) وَرَأَیْتُ آبَاءَكَ (حالت نصبی کی مثال) وَمَرَرْتُ بِآبَائِكَ (حالت جری کی مثال ہے۔) ـــــ اور اگر وہ جمع، جمع صحیح ہے تو اعراب دیا جائے گا حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی و جری میں یاء ماقبل مکسور کے ساتھ۔ جیسے جَاءَنِیْ اَبُوْنَ (حالت رفعی کی مثال) وَرَأَیْتُ اَبِیْنَ (حالت نصبی کی مثال) وَمَرَرْتُ بِاَبِیْنَ (حالت جری کی مثال ہے) جمع صحیح ہونے کی صلاحیت ان اسمائے ستہ میں سے فقط تین اسماء میں ہے

اور وہ اَبٌ، اَخٌ، حَمٌ ہیں۔

دوسری شرط:- یہ اسماء ستہ مکبرہ ہوں۔ مصغرہ نہ ہوں۔ اور اگر مصغرہ ہوں خواہ مضاف الی غیر یاء المتکلم ہوں، یا مضاف نہ ہوں۔ تو ان کا اعراب۔ اعراب بالحرکت ہوتا ہے۔ جیسے جاء بُنَیْکَ (حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ) وَرَأَیْتُ اُبَیْکَ (حالت نصبی میں فتحہ کے ساتھ) ومررت باُبَیْکَ (حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہے)

تیسری شرط:- یہ اسماء مضاف ہوں۔ اگر مفرد ہوں اور مضاف نہ ہوں۔ یا مضاف الی یاء المتکلم ہوں تو ان کا اعراب بھی اعراب بالحرکت ہوتا ہے جیسے ھٰذَا اَبٌ (حالت رفعی کی مثال ہے) وَرَأَیْتُ اَبًا (حالت نصبی کی مثال ہے) وَمَرَرْتُ بِاَبٍ (یہ حالت جری کی مثال ہے) اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو یاء کی مناسبت کی وجہ سے ان کے آخر کو کسرہ دیا جائے گا، اور اعرابی حرکات یائے متکلم سے پہلے تقدیری ہوں گی، جیسے جَاءَنِیْ اَبِیْ، وَرَأَیْتُ اَبِیْ، وَمَرَرْتُ بِاَبِیْ۔ تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگی اور یاء کی مناسبت سے ان کے آخر میں کسرہ دیا جائے گا۔

نوٹ:- مذکورہ بالا تینوں شرطوں میں سے ایک بھی شرط مفقود ہو تو اعراب بدل جائے گا۔

اشکال: متن کی عبارت "حَمُوْھَا" پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب اسمائے ستہ مکبرہ کا ذکر فرمایا تو ان سب میں "ہٗ" ضمیر مذکر لائے لیکن "حَمُوْھَا" میں "ھَا" ضمیر مؤنث لائے۔ ایسا کیوں؟

جواب: "حَمٌ" زوج کے بھائی یعنی دیور کو کہتے ہیں۔ اور دیور عورت کو ہوتا ہے، مرد کو نہیں لہٰذا اس کی اضافت عورت ہی کی طرف ہو سکتی ہے نہ کہ مرد کی طرف، اس لیے ضمیر مؤنث لائے۔

وَالْاَفْصَحُ اِسْتِعْمَالُ الْھَنِ کَغَدٍ۔

ترجمہ:- ھَنٌ (یعنی ایسی چیز جس کا تذکرہ قبیح سمجھا جاتا ہو) کا استعمال زیادہ فصیح ہے غد کی طرح۔

وضاحت:- "ھَنٌ" کے ترجمہ میں کئی اقوال ہیں۔ بعض اجناس سے کنایہ مانتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جس چیز کی صراحت قبیح ہے اس کے لیے "ھَنٌ" استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض فرج کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

ھَنٌ کا اعراب؟ "ھَنٌ" جب بلا اضافت استعمال ہوگا تو بالاجماع منقوص ہوگا یعنی لام کلمہ حذف ہوگا، پھر اس پر تمام حرکات جاری ہوں گی یعنی حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ، حالت نصبی میں فتحہ کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ، جیسے ھٰذَا ھَنٌ۔ رَأَیْتُ ھَنًا، وَمَرَرْتُ بِھَنٍ

جیسا کہ تم کہتے ہو یُعْجِبُنِی غدٌ واصومُ غدًا واعتکفتُ فی غدٍ

اور جب مضاف ہو تو جمہور نحات عدم اضافت ہی کا اعراب دیتے ہیں، جیسے ھذا ھنٌک (حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ ہے) ورأیتُ ھنَاك (حالت نصبی میں فتحہ کے ساتھ ہے) ومررتُ بِھنِك (حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہے) جیسا کہ تم غدك میں پڑھتے ہو۔

لیکن بعض نحات اخٌ، ابٌ کی طرح اعراب بالحروف کے قائل ہیں۔ جیسے ھذا ھنُوك، رأیتُ ھناك، ومررتُ بِھنِیك لیکن یہ قلیل الاستعمال لغت ہے جو سیبویہ کا قول ہے۔

امام فراء اور امام زجاجی کے نزدیک ھنٌ اسمائے ستہ میں سے نہیں ہے، کیوں کہ یہ دونوں حضرات اس کے قلیل الاستعمال ہونے کی وجہ سے اس پر مطلع نہ ہو سکے اس وجہ سے انہوں نے دعویٰ کیا کہ اعراب بالحروف قبول کرنے والے اسماء چھ نہیں بلکہ پانچ ہیں۔

وَالْمُثَنّٰی کَـ"الزَّیْدَانِ" فَیُرْفَعُ بِالْاَلِفِ، وَجَمْعُ الْمُذَکَّرِ السَّالِمِ، کَـ"الزَّیْدُوْنَ"۔ فَیُرْفَعُ بِالْوَاوِ، وَیُجَرَّانِ وَیُنْصَبَانِ بِالْیَاءِ وَ "کِلَا" وَ "کِلْتَا" مَعَ الضَّمِیْرِ کَالْمُثَنّٰی، وَکَذَا "اِثْنَانِ" وَ"اِثْنَتَانِ" مُطْلَقًا وَاِنْ رُکِّبَا وَ "اُوْلُوْا" وَ "عِشْرُوْنَ" وَ "اَخَوَاتُہٗ" وَعَالَمُوْنَ، وَاَھْلُوْنَ، وَ وَابِلُوْنَ، وَاَرَضُوْنَ، وَ "سِنُوْنَ" وَبَابُہٗ وَ "بَنُوْنَ" وَ "عِلِّیُّوْنَ" وَشِبْھُہٗ. کَالْجَمْعِ.

ترجمہ:۔ اور مثنیٰ جیسے زیدان، اس کو رفع بشکل الف دیا جاتا ہے، اور جمع مذکر سالم جیسے زیدون، اس کو رفع بشکل واؤ دیا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں جر اور نصب بشکل یاء دیے جاتے ہیں۔ اور کلا وکلتا ضمیر کے ساتھ مثنیٰ کی طرح ہے۔ اور اسی طرح "اثنان، واثنتان" بغیر کسی قید کے اگرچہ یہ دونوں مرکب ہوں۔ اور "اولو، وعشرون" اور ان دونوں کی نظیریں۔ اور عالمون، واھلون، اور وابلون، اور ارضون، اور سنون، اور اس کا باب اور بنون، وعلیون اور اس کے مشابہ جمع کی طرح ہیں۔

وضاحت:۔ دوسرا اور تیسرا باب جو اصل سے مشتق ہے مثنیٰ ہے، جیسے زیدان، اور جمع مذکر سالم ہے جیسے زیدون، پہلے ہم مثنیٰ کی بحث لا رہے ہیں اس کے بعد جمع مذکر سالم کی بحث بیان کریں گے، تا کہ علاحدہ علاحدہ مستقل بیان ہو جائے۔

مثنیٰ کی تعریف:

مثنیٰ ایسا اسم ہے جو دو پر دلالت کرے۔ (یہ در اصل باہم معطوف و معطوف علیہ بننے والے کلموں

کا انحصار ہے) عربی زبان میں اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ صیغہ واحد کے آخر میں حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور حالت نصبی وجری میں یا ماقبل مفتوح اور دونوں کے بعد نون مکسور بڑھانے سے بنتا ہے جیسے زید سے زَیدانِ، اور زَیدَینِ۔

تثنیہ کا اعراب:

اس باب کا اعراب حالت رفع میں ضمہ کے بجائے الف کے ساتھ۔ اور حالت جر ونصب میں کسرہ وفتحہ کے بجائے یا ماقبل مفتوح، مابعد مکسور کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسے جَاءَنِیْ الزَّیْدَانِ (حالت رفعی میں ضمہ کے بجائے الف کے ساتھ ہے) ورَأَیتُ الزَّیْدَیْنِ. وَمَرَرْتُ بِالزَّیْدَیْنِ (یہ حالت نصبی وجری میں فتحہ وکسرہ کے بجائے یا ماقبل مفتوح اور نون مکسور ہے۔)

کِلَا، وَکِلْتَا. اِثْنَانِ وَاِثْنَتَانِ کی تحقیق:

جس طرح کلام عرب میں تثنیہ کو مذکورہ بالا اعراب دیا جاتا ہے، اسی طرح چار الفاظ اور ہیں جنہیں بھی تثنیہ کا اعراب دیا جاتا ہے۔ ان میں سے دو الفاظ ایسے ہیں جن کو شرائط کے ساتھ یہ اعراب دیا جاتا ہے۔ اور دو الفاظ ایسے ہیں جن کو بغیر شرائط کے یہ اعراب دیا جاتا ہے۔

کِلَا وکِلْتَا. یہ دو الفاظ ہیں جنہیں ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی شرط پر تثنیہ کا اعراب دیا جاتا ہے جیسے جاءَنِی کلاھُما وکِلْتَاھُمَا (یہ دونوں حالت رفعی میں ضمہ کے بجائے الف کے ساتھ ہیں) رأیتُ کلیھما وکلتیھما. ومررتُ کِلَیْھِمَا وَکِلْتَیْھِمَا. (یہ دونوں حالت نصبی وجری میں فتحہ وکسرہ کے بجائے یا، ماقبل مفتوح ہیں)

اگر یہ دونوں اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں تو ہر حال میں یہ دونوں الف کے ساتھ رہیں گے. عصی و فتی کی طرح اسم مقصور ہوکر، جیسے جَاءَنِیْ کِلَا اَخَوَیْكَ، وَرَاَیتُ کِلَا اَخَوَیْكَ ومررتُ بِکِلَا اَخَوَیكَ اسی طرح کلتا کی مثال لے آئیے۔

اِثْنَانِ واِثْنَتَانِ: یہ دو الفاظ ہیں جن پر بلا شرط تثنیہ کا اعراب داخل ہوتا ہے، چاہے یہ دونوں مفرد ہوں جیسے جاءَنِی اِثْنَانِ وَاثْنَتَانِ، وَرَاَیْتُ اِثْنَیْنِ وَاثْنَتَیْنِ، وَمَرَرْتُ بِاثْنَیْنِ وَاثْنَتَیْنِ یا یہ دونوں ضمیر کی طرف مضاف ہوں جیسے اِثْنَاھُمْ. یا یہ دونوں اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوں جیسے اثنا اخویك. یا یہ لفظ عَشَرَ کے ساتھ مرکب ہوں جیسے جَاءَنِیْ اِثْنَا عَشَرَ، وَرَاَیْتُ اثْنَی عَشَرَ، وَمَرَرْتُ بِاثْنَیْ عَشَرَ. (ہر حال میں حالت رفعی میں الف کے ساتھ، اور حالت نصبی وجری میں یا، ماقبل مفتوح ہوگا۔)

جمع مذکر سالم کی تعریف:

اس جمع صحیح کو کہتے ہیں جس کے آخر میں واؤ ما قبل مضموم اور نون مفتوح ہو۔ یا یاء ما قبل مکسور اور نون مفتوح ہو، جیسے زیدون، زیدین۔

جمع مذکر سالم کا اعراب:

جمع مذکر سالم حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ اور حالت نصبی و جری میں یاء کے ساتھ، جیسے جاء نی الزیدون (حالت رفعی کی مثال ہے) ورأیت الزیدین۔ ومررت بالزیدین۔ (حالت نصبی وجری کی مثال ہے۔)

نوٹ۔ مصنف نے "مذکر" کی قید لگا کر مؤنث سے احتراز کیا ہے جیسے ھندات۔ اور "سالم" کی قید لگا کر جمع تکسیر سے احتراز کیا ہے جیسے غلمان، زیود۔

جمع مذکر سالم سے ملحق کچھ الفاظ کا اعراب:

جس طرح کلام عرب میں جمع مذکر سالم کو مذکورہ بالا اعراب دیا جاتا ہے۔ اسی طرح کچھ الفاظ ہیں (مثلاً۔ أولوا، عالمون، أرضون، سنون، اور عشرون وغیرہ) جنہیں یہی اعراب دیا جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا لفظ "أولو" ہے۔

أولوا کی تحقیق۔ یہ جمع نہیں، بلکہ اسم جمع ہے اس کا کوئی واحد لفظی نہیں ہے۔ لیکن اس کا واحد معنوی یعنی "ذو" ہے۔

جمع سے مراد وہ اسم ہے جو تین یا زائد افراد کو بتائے اور اس کا کوئی واحد لفظی ہو۔

اسم جمع سے مراد وہ اسم ہے۔ جس میں جمع کا معنی ہو مگر اس کا واحد لفظی نہ ہو ہاں واحد معنوی ہو، جیسے جندی کی جمع جیش۔ یا رجل کی جمع قوم۔

"أولوا" کو وہی اعراب دیا جائے گا جو جمع مذکر سالم پر آتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "ولا یأتل أولوا الفضل منکم والسعة أن یؤتوا أولی القربی" (اور جو لوگ تم میں سے بزرگی اور وسعت والے ہیں اہل قرابت کو دینے سے قسم نہ کھائیں۔ پارہ ۱۸ رکوع ۱۹) اس آیت میں محل استشہاد "أولوا" ہے۔ اور وجہ استدلال یہ ہے کہ "أولو" "یأتل" کا فاعل ہے، علامت رفع واؤ ہے، کیوں کہ حالت رفع میں جمع مذکر سالم کو بھی بجائے ضمہ کے واؤ دیا جاتا ہے۔ اور "أولی" "یؤتوا" کا مفعول ہے۔ اس کی علامت نصب یاء ہے کیوں کہ جمع مذکر سالم کو حالت نصب میں فتحہ کے بجائے یاء ما قبل مکسور دیا جاتا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "إن فی ذالك لذکری لأولی الألباب" (بے شک اس میں

اہل عقل کے لیے بڑی عبرت ہے۔ پارہ ۲۳، رکوع ۱۰) میں محل استشہاد "لاُولی" ہے اور وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ اُولوا المجرور کی مثال ہے اور اس کی علامت جر یاء ہے۔

اور انہی الفاظ میں سے عِشرون، عشرون اور تسعون تک اس کے اخوات ہیں، یہ بھی اسمائے جمع ہیں (جمع نہیں) ان کا کوئی واحد لفظی نہیں ہے جیسے جاء نی عشرون، ورأیت عشرین ومررت بعشرین۔ اسی پر دوسرے نظیر اس کی مثال لے سکتے ہیں۔

اَھلُونَ کی تحقیق: اور انہی الفاظ میں سے "اَھلُونَ" ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول: شغلتنا اَموالُنا واَھلُونا (ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے اور گھر والوں کے۔ پارہ ۲۶، سورۃ فتح، آیت ۱۱) اس مثال میں "اھلونا" "شغلت" فعل کا فاعل ہے، علامت رفع واؤ ہے، کیوں کہ حالت رفع میں جمع مذکر سالم کو بھی بجائے ضمہ کے واؤ دیا جاتا ہے۔

دوسری آیت:- مِن اَوسَطِ مَا تُطعِمُونَ اَھلِیکُم (اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو۔ پارہ ۷، سورۃ مائدہ، آیت ۸۹) اس آیت میں "اَھلِیکُم" "تُطعِمُونَ" فعل کا مفعول ہے۔ اس کی علامت نصب یاء ہے، کیوں کہ جمع مذکر سالم کو حالت نصب میں فتحہ کے بجائے یاء ماقبل مکسور دیا جاتا ہے۔

تیسری آیت:- "اِلٰی اَھلِیھِم اَبَدًا" اس آیت میں "اَھلِی" اِلٰی حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے اس کی علامت جر یاء ہے۔

وَابِلُون کی تحقیق:- انہی میں سے "وَابِلُونَ" ہے، یہ وَابِلٌ کی جمع ہے (بمعنی موسلا دھار بارش)

اَرَضُونَ کی تحقیق:- اور انہیں الفاظ میں سے "اَرَضُونَ" بفتح الراء ہے، یہ مؤنث غیر عاقل کی جمع تکسیر ہے، کیوں کہ اس کا واحد "اَرْض" بسکون الراء آتا ہے، اَرض مؤنث ہے "واَخرَجَتِ الاَرضُ اَثقَالَھَا (اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی۔ پارہ ۳۰، رکوع ۲۳) کی دلیل سے یہ قطعی طور پر غیر عاقل ہے، لیکن اس پر جمع مذکر سالم کا اعراب آتا ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ اس معرب (یعنی جس کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے) کو مذکر عاقل کی جمع سالم کے حکم میں رکھا جاتا ہے۔ جیسے ھذہ اَرَضُونَ وغیرہ۔ اور ضرورۃً کبھی راء کو ساکن کر دیا جاتا ہے جیسے حدیث میں ہے۔ "وَمَن غَصَبَ قِیدَ شِبرٍ مِنَ اَرضٍ طُوِّقَهُ مِن سَبعِ اَرْضِینَ یَومَ القِیٰمَةِ (جس شخص نے ایک بالشت زمین غصب کر لی، قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈالا جائے گا) اس میں اَرْضِین بسکون الراء مستعمل ہے۔

سِنُونَ کی تحقیق:- انہیں الفاظ میں سے سِنُونَ ہے۔ سِنُونَ کی طرح ہر وہ اسم ثلاثی

جس کا لام کلمہ حذف کر کے تاء تانیث کو بدل میں لائی گئی ہو تو اس کو بھی جمع لاتے وقت جمع مذکر سالم کا اعراب دیا جاتا ہے۔ لام کلمہ کے حذف کو اُبھار کرنے کے لیے، کیوں کہ یہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ جمع جس کے مفرد میں تین شرائط پائی جائیں اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ آئے گی۔ (۱) مفرد ثلاثی ہو، لہٰذا جعفر رباعی جیسے کی جمع واؤ نون کے ساتھ نہیں آئے گی۔ (۲) لام کلمہ حذف کر دیا گیا ہو، لہٰذا عِدَةٌ، زِنَةٌ صِفَةٌ نکل گئے، کیوں کہ ان سب میں فاء کلمہ حذف ہے نہ کہ لام۔ (۳) لام محذوف کے عوض تاء تانیث لائی گئی ہو، لہٰذا یَدٌ، دَمٌ، اِسْمٌ وغیرہ نکل گئے۔ نیز اس کی جمع تکسیر بھی نہ آتی ہو تب واؤ نون کا اعراب دیا جائے گا، چنانچہ "سِنُوْنَ" یہ بھی اَرَضُوْنَ کی مانند ہوگا، کیوں کہ یہ سَنَةٌ کی جمع ہے اور سَنَةٌ کا پہلا حرف مفتوح ہے اور سِنُوْنَ کا پہلا حرف مکسور ہے، سَنَةٌ مؤنث غیر عاقل ہے، اس کی اصل سَنَوٌ یا سَنَهٌ ہے۔ اس کی دلیل عربوں کا اس کی جمع الف تاء کے ساتھ لاتے وقت سَنَوَاتٌ اور سَنَهَاتٌ کہنا ہے۔ جب اہل عرب نے مفرد سے لام کلمہ واؤ یا ہاء کو حذف کر دیا اور اس کے عوض میں تاء تانیث لے آئے تو سَنَةٌ ہو گیا۔ اسی طرح عِضَةٌ اور عِضُوْنَ، عِزَةٌ اور عِزُوْنَ، ثُبَةٌ اور ثُبُوْنَ، قُلَةٌ اور قُلُوْنَ میں اہل عرب کا قول ہے۔

اہل عرب فرماتے ہیں کہ جو ثلاثی کلمہ کی جمع ہونے میں سنین کی طرح ہو، جس کا لام کلمہ حذف کر دیا گیا ہو اور اس کے عوض تاء تانیث (مدورہ) لائی گئی ہو۔ تو اس کو یہی اعراب دیا جاتا ہے۔ جیسے قُلَةٌ (گلی) قُلِیْنَ، عِزَةٌ (گروہ) عِزِیْنَ، عِضَةٌ (فرقہ، ٹکڑا) عِضِیْنَ، وغیرہ۔ اور باری تعالیٰ کا قول "الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ" (جنھوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے۔ پارہ۱۴، رکوع ۶) میں "عِضِیْنَ" جَعَلُوا کا مفعول ثانی ہے۔ لہٰذا یاء منصوب ہے۔ یہ عِضَةٌ کی جمع ہے۔ اس کی اصل عِضْوٌ ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ" (یعنی داہنے اور بائیں سے دوڑتے چلے آ رہے ہیں آپ کی طرف مختلف گروہ بن کر۔) اس آیت میں "عِزِیْنَ" کا منصوب ہونا مُهْطِعِیْنَ کی صفت ہونے کی وجہ سے اور مُهْطِعِیْنَ کا منصوب ہونا حال ہونے کی وجہ سے ہے۔

بَنُوْنَ کی تحقیق:- اور انہیں الفاظ میں سے "بَنُوْنَ" اور "عِلِّیُّوْنَ" ہے، یعنی ان دونوں کو بھی جمع مذکر سالم کا اعراب دیا جاتا ہے، اسی طرح وہ نام جو جمع کے صیغہ سے بنایا گیا ہو جیسے "عِلِّیِّیْنَ" عِلِّیٌّ کی جمع ہے۔ اس معنی سے نقل کر کے جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام رکھ دیا اور اس کے اصل کی طرف نظر کرتے ہوئے جمع مذکر سالم کا اعراب دیا گیا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "كَلَّا اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ، وَمَا اَدْرٰىكَ مَا عِلِّیُّوْنَ" میں جنت کے اعلیٰ مقام کا نام مراد ہے۔ اور حرف جر "فی" کی وجہ

ہے علِیّین حالت جری میں یاء کے ساتھ ہے اور علِیّون حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح اگر آپ کسی شخص کا نام "زیدون" رکھ دیں تو اسے بھی وہی اعراب دیا جائے گا جو جمع مذکر سالم کا ہوتا ہے۔ جیسے ھذا زیدونَ و رأیتُ زیدینَ، ومررتُ بزیدینَ۔

الباب الرابع:- الجمع بالالف والتاء الزائدتین

وَ "اُولاتُ" وَمَا جُمِعَ بِأَلِفٍ وَتَاءٍ مَزِيدَتَيْنِ، وَمَا سُمِّيَ بِهِ مِنْهُمَا، فَيُنْصَبُ بِالْكَسْرِ نَحْوُ (خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ) وَاصْطَفَى الْبَنَاتِ۔

ترجمہ:- اور "اولات" اور وہ اسماء جو الف، تاء زائدہ کے ساتھ جمع بنائے گئے ہوں، اور وہ اسماء جو ان دونوں (یعنی الف تاء زائدہ) کی وجہ سے اس کے نام (یعنی جمع کے نام) کے ساتھ موسوم ہوں تو وہ نصب دیے جائیں گے کسرہ کی شکل میں جیسے خلق اللّٰہ السمٰوات اور اصطفی البنات۔

وضاحت:- چوتھا باب جو علامات اصول سے مستثنیٰ ہے وہ جمع ہے جو الف تاء زائدتین کے ساتھ ہو۔ جیسے ھندات، اور زینبات۔ ھند اور زینب کی جمع ہے جو الف تاء زائدتین کے ساتھ جمع بنائے گئے ہیں۔

حکم:- جمع مؤنث، اور ہر وہ جمع جو الف تاء زائدہ کے ساتھ بنائی گئی ہو خواہ اس کا مفرد مذکر ہو یا مؤنث، اسی طرح وہ جمع جو اس کے صیغے کے وزن پر ہو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ حالت نصب میں بجائے فتحہ کے بشکل کسرہ اعراب دیا جاتا ہے۔ جیسے رأیتُ الھنداتِ والزینباتِ، اس مثال میں لفظ ھندات اور زینبات رأیتُ فعل کا مفعول واقع ہے جو حالت نصبی میں ہے اور حالت نصبی میں بجائے فتحہ کے بشکل کسرہ اعراب آتا ہے اسی وجہ سے یہاں فتحہ کے بجائے بشکل کسرہ اعراب آیا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "خلق اللّٰہ السمٰوات" میں لفظ "السمٰوات" خلق فعل کا مفعول ہے جو بربنائے مفعولیت حالت نصبی میں ہے لہٰذا اسے بھی بجائے فتحہ کے بشکل کسرہ اعراب آیا ہے۔ اسی طرح ارشاد خداوندی "واصطفی البنات" میں لفظ "البنات" اصطفی فعل کا مفعول ہے جس پر حالت نصبی میں بجائے فتحہ کے کسرہ آیا ہے۔ لیکن حالت رفعی اور جری میں اصلی اعراب آتا ہے یعنی حالت رفع میں ضمہ کے ساتھ اور حالت جر میں کسرہ کے ساتھ جیسے ھُنَّ بَنٰتُکَ، ومررتُ ببناتٍ۔

جمع مؤنث کہلانے کی وجہ:

لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جمع کے جمع مؤنث کہلانے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کے کئی وجوہات ہیں۔ اور ان وجوہات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔

وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) کبھی لفظ کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے جمع مؤنث کہتے ہیں جیسے لفظ هِنْدٌ معنوی طور پر مؤنث ہے لہٰذا اس کی جمع هندات لاتے جو عورتوں کے لیے مستعمل ہے۔

(۲) کبھی لفظ تا کی رعایت کرتے ہوئے جمع مؤنث کہتے ہیں جیسے طَلْحَةٌ سے طلحات، لفظ طلحة میں تا، تانیث لفظی ہے اس کی وجہ کر اس کی جمع طلحات لاتے ہیں۔

(۳) کبھی لفظ تا اور معنی دونوں کے مجموعہ کی رعایت کرتے ہوئے جمع مؤنث کہتے ہیں، جیسے فاطمة سے فاطمات، لفظ فاطمة معنوی طور سے بھی مؤنث ہے اور تا، تانیث بھی موجود ہے۔

(۴) کبھی الف مقصورہ کی وجہ سے جمع مؤنث کہتے ہیں، جیسے حُبلی سے حُبلیات کیوں کہ الف مقصورہ تانیث کی علامت ہے لہٰذا اس کی جمع بھی مؤنث آئے گی۔

(۵) کبھی الف ممدودہ کی وجہ سے جمع مؤنث لائی جاتی ہے جیسے صحراء سے صحراوات، کیوں کہ الف ممدودہ بھی تانیث کی علامت ہے اس وجہ سے اس کی جمع، جمع مؤنث آئے گی۔

(۶) اور کبھی تو مفرد مذکر کی جمع بھی جمع مؤنث آتی ہے۔ جیسے اصطبل سے اصطبلات اور حمام سے حمامات۔

اسی طرح جمع مؤنث میں یہ شرط بھی ملحوظ نہیں ہے کہ اس جمع کے واحد کا وزن سلامت رہے جیسے ضَخْمَةٌ سے ضَخَمات جمع آتی ہے اس میں واحد کا وزن سلامت ہے۔ یا واحد کا وزن سلامت نہ رہے جیسے سَجْدَةٌ سے سَجَدَاتٌ اور حُبْلی سے حُبْلَیاتٌ اور صَحْراء سے صَحْراواتٌ ان تینوں مثالوں میں غور کرو کہ کسی میں بھی واحد کا وزن جمع میں جانے کے بعد سلامت نہیں ہے، جیسے پہلی مثال کے واحد میں درمیانی حرف جیم مجزوم ہے، لیکن جمع مؤنث کی صورت میں متحرک ہے، دوسری مثال کے صیغہ واحد کا الف جمع میں یا سے بدلا ہوا ہے۔ اور تیسری مثال میں واحد کا ہمزہ جمع میں جانے کے بعد واؤ سے بدل دیا گیا ہے۔

چند اصطلاحات:

جمع مؤنث ایسی جمع کو کہتے ہیں جس کے آخر میں الف تا، زائد تین ہوں۔ اس کا اعراب بھی حرکت کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسم مقصور ایسا اسم ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے حُبلی، مُوسیٰ وغیرہ۔

اس کا اعراب تقدیری ہوگا یعنی حالت رفعی میں ضمہ تقدیری، حالت نصبی میں فتحہ تقدیری، حالت جرّی میں کسرہ تقدیری ہوگا جیسے هٰذِه حُبلی، رَأَیْتُ حُبلی، وَمَرَرْتُ بِحُبلی۔

اسم ممدود ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کے آخر میں الف ممدودہ ہو جیسے حمراء۔

وما جُمع بالف وتاء مزیدتین کی قید سے احتراز:

مصنف کی عبارت "وما جُمع بالف وتاء مزیدتین" پر اشکال ہوتا ہے کہ جمع کی تعریف میں الف اور تاء کے زائد ہونے کی قید کیوں لگائی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ الف تاء مزائدتین ہونے کی قید لگا کر "بیت وابیات" اور "میت واموات" جیسی مثالوں کو خارج کیا ہے، کیوں کہ ان دونوں مثالوں میں تاء زائدہ نہیں ہے، بلکہ اصلی ہے، اس وجہ سے یہ دونوں الفاظ حالت نصب میں فتحہ دیئے جاتے ہیں اور یہی اعراب اصلی ہے۔ جیسے "سکنتُ ابیاتًا" اور "حضر امواتًا" اور باری تعالیٰ کے قول "وکنتم امواتًا فاحیاکم" ان تینوں مثالوں میں لفظ "ابیاتًا" اور "امواتًا" حالت نصبی میں فتحہ کے ساتھ مذکور ہے۔ اور تاء اصلی ہے زائدہ نہیں۔

اسی طرح قضاة اور غزاة بھی "وما جُمع بالف وتاء مزیدتین" کی قید سے خارج ہوں گے، کیوں کہ ان دونوں میں تاء اگرچہ زائدہ ہے مگر الف اصلی ہے، اس لیے کہ یہ الف دراصل یاء سے اور واؤ سے بدل کر آیا ہے، اس طور پر کہ قضاة کی اصل قضیة اور غزاة کی اصل غزوة ہے، ان دونوں میں تعلیل اس طرح ہوتی ہے۔ واؤ اور یاء متحرک، ماقبل ساکن، واؤ اور یاء کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دے دیا، اب ماقبل کے فتحہ کی مناسبت سے واؤ اور یاء کو الف سے بدل دیا۔ قضاة اور غزاة ہو گیا، لہٰذا ان دونوں کو حالت نصبی میں فتحہ دیا جاتا ہے اور یہی اصل ہے جیسے رَأیتُ قُضَاةً وغُزَاةً بربنائے مفعولیت منصوب ہے۔

وَمَا لا ینصرِفُ، فیُجَرُّ بِالفَتحةِ نحوُ (بِأفضَلَ مِنهُ) اِلّا مَعَ أل نَحوُ (بِالأفضَلِ) أوِ الاِضَافَةِ نَحوُ (بِأفضَلِكُم)

ترجمہ:- اور غیر منصرف تو وہ جر میں فتحہ دیا جاتا ہے جیسے بِأفضَلَ مِنهُ. ہاں یہ کہ اس پر ال داخل ہو جائے جیسے بِالأفضَلِ. یا اس کو مضاف بنا دیا جائے جیسے بِأفضَلِكُم.

وضاحت:- پانچواں باب جو اصل اعراب سے مستثنیٰ ہے وہ غیر منصرف کا باب ہے۔

غیر منصرف کی تعریف:

غیر منصرف وہ ایسا اسم معرب ہے جس میں منع صرف کی نو علتوں (اسباب) میں سے دو علت فرعیہ یا ایک ایسی علت جو ان نو علتوں میں سے دو کے قائم مقام ہو پائی جائیں۔ جز اول کی مثال جیسے فاطمة اس میں تعریف و تانیث دو علتیں پائی جا رہی ہیں جو تذکیر و تنکیر کی فرع ہے۔ جز ثانی کی مثال

جیسے مساجد اور مصابیح۔ یہ دونوں جمع ہیں اور جمع واحد کی فرع ہے اور ان دونوں کے صیغے جمع منتہی الجموع ہیں ان کی اب جمع نہیں آسکتی۔ یہی اصول افاعل، مفاعل اور مفاعیل کے وزن پر آنے والے اسم کا ہے کہ پھر ان کی جمع نہیں آسکتی، کیوں کہ یہ جمع کے دوسرے صیغوں کے بعد بطور جمع الجمع کے مستعمل ہیں، گویا جمع کی تکرار ان میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ دو جمع کے قائم مقام ہو جاتے ہیں، بر خلاف دوسرے جمع کے صیغوں کے کہ ان کی پھر جمع الجمع بھی آتی ہے جیسے کَلْبٌ کی جمع اَکْلُبٌ اور جمع الجمع اَکَالِبُ آتی ہے۔ اور فَلْسٌ کی جمع فُلُوْسٌ اور جمع الجمع اَفَالِسُ آتی ہے۔ اسی طرح عَوْنٌ کی جمع اَعْوَانٌ اور جمع الجمع اَعَاوِنُ آتی ہے۔

جز ثانی کی مزید مثالیں صحراء و حبلی کے وزن پر آنے والے صیغہ تانیث کی ہیں، اس میں تانیث تذکیر کی فرع ہے جو تانیث لازم ہے۔ تانیث اور لزوم تانیث گویا دو علتیں ہو گئیں، اس لیے یہ صیغے بھی غیر منصرف ہوتے ہیں۔

ماحصل کلام یہ نکلا کہ جو تانیث الف مقصورہ جیسے حبلی۔ یا الف ممدودہ جیسے صحراء کے ساتھ ہو اس کے غیر منصرف بننے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دو سبب کے قائم مقام ہے ایک تانیث اور دوسرا لزوم تانیث۔ ان دو علتوں کی وجہ سے یہ دونوں غیر منصرف ہوتے ہیں۔

غیر منصرف کا پہلا حکم:

فَیُجَرُّ بِالْفَتْحَۃِ نَحْوُ بِاَفْضَلَ مِنْہُ سے مصنف علیہ الرحمہ نے غیر منصرف کا پہلا حکم بیان فرمایا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر رفع بشکل ضمہ اور نصب بشکل فتحہ اور جر بھی بشکل فتحہ ہی آتا ہے۔ جیسے مَرَرْتُ بِفَاطِمَۃَ وَمَسَاجِدَ وَمَصَابِیْحَ وَصَحْرَاءَ اس مثال میں تمام اسماء کو حالت جر میں بشکل فتحہ اعراب دیا گیا ہے جیسا کہ ان تمام اسماء کو مفعول ہونے کی صورت میں فتحہ دیا جاتا ہے۔ جیسے رَاَیْتُ فَاطِمَۃَ وَمَسَاجِدَ وَمَصَابِیْحَ وَصَحْرَاءَ۔

قرآن کریم میں بھی غیر منصرف کو حالت جر میں بجائے کسرہ کے فتحہ اعراب آیا ہے جیسا کہ باری تعالی کا قول "وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ" (اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب کے پاس وحی بھیجی تھی۔ پارہ ۶، سورۃ النساء آیت ۱۶۳) میں لفظ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب حالت جر میں بشکل فتحہ اعراب دیا گیا ہے، حالاں کہ یہ سب الی حرف جر کی وجہ سے مجرور ہیں۔

اسی طرح دوسری آیت میں بھی غیر منصرف کو حالت جر میں بشکل فتحہ اعراب دیا گیا ہے۔ جیسے

باری تعالیٰ کا قول "یعملون له ما یشآء من محاریب وتماثیل" (وہ جنات ان کے لیے وہ چیزیں بناتے ہیں جو ان کو منظور ہوتا۔ بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں۔ پارہ ۲۲، سورۃ سبا آیت ۱۳) اس آیت میں لفظ محاریب اور تماثیل غیر منصرف ہیں، اور من حرف جر کی وجہ سے حالت جر میں ہیں، اس کے باوجود بشکل فتحہ اعراب دیا گیا ہے۔

غیر منصرف کا دوسرا حکم

الا مع أل نحو بالافضل الخ سے مصنف نے غیر منصرف کا دوسرا حکم بیان فرمایا ہے جو مذکورہ بالا حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اس حکم کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اس پر الف لام آجائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو مضاف کر دیا جائے، تو ان دونوں صورتوں میں حالت جر میں اصل کے مطابق بشکل کسرہ اعراب آتا ہے۔ پہلی صورت کی مثال جیسے "وانتم عٰکفون فی المساجد" اس میں لفظ اَلْمَسَاجِد غیر منصرف ہے، لیکن الف لام کے دخول کی وجہ سے اصل کے مطابق حالت جر میں بشکل کسرہ اعراب آیا ہے، اسی طرح بالافضل میں ہوا ہے۔

دوسری صورت کی مثال جیسے فی احسن تقویم میں اَحْسَن غیر منصرف ہے جو مضاف ہے اور اس کی اضافت لفظ تقویم کی طرف ہو رہی ہے لہٰذا یہ بھی اصل کے مطابق حالت جر میں بشکل کسرہ اعراب دیا گیا ہے، اسی طرح بافضلکم کو جان لو۔

نوٹ:- جو الفاظ علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہوتے ہیں اگر انہیں مضاف بنا دیا جائے تو منصرف بن جائیں گے، کیوں کہ مضاف نکرہ ہوتا ہے۔ یہ اضافت کی وجہ سے علمیت سے نکل جاتے ہیں جیسے عثمان غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس میں دو سبب ایک علم اور دوسرا الف نون زائدتان پائے جاتے ہیں، لیکن عثمان کو مضاف بنا دیا جائے تو اضافت کے وقت یہ علمیت سے خارج ہو کر نکرہ ہو جائے گا، لہٰذا اس میں صرف ایک سبب باقی رہا جو دو کے قائم مقام نہیں ہے، چنانچہ یہ غیر منصرف نہیں پڑھا جائے گا۔ برخلاف افضل کے کہ اگر اس کی اضافت کسی کی طرف کر دی جائے تو بھی یہ غیر منصرف ہی رہے گا، کیوں کہ اس میں ابھی بھی دو سبب ایک تو صفت اور دوسرا وزن فعل پایا جا رہا ہے۔ اور جب دو سبب موجود ہے تو اب غیر منصرف بننے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔

نوٹ:- غیر منصرف پر اگر الف لام داخل کر دیا جائے تو پھر اصل کے مطابق حالت جر میں بشکل کسرہ اعراب آئے گا، اس کی مثال مصنف کا قول "بالافضل" شاعر کے قول:

"رأیتُ الولیدَ بنَ الیزیدِ مبارکًا   شدیدًا باعباءِ الخلافةِ کاھلُهٗ"

(ترجمہ: میں نے ولید بن الیزید کو برکت والا، بہادر، عظیم الشان حکومت کا عظیم مالک اور

شوکت (قوت والا پایا) سے بہتر ہے۔ یہ شعر ابن میادہ رماح بن ابرد بن ثوبان کا ہے جو شعراء محدثین میں سے یکتاو یگانہ روزگار ہے۔

شعر میں لفظ الیزید غیر منصرف ہے، لیکن الف لام کے دخول کی وجہ سے حالت جر میں اعراب اصلی یعنی کسرہ آیا ہے، لیکن احتمال ہے کہ شاعر "یزید" کے بعد لفظ الشباع کو مقدر مانتا ہو، تو ایسی صورت میں یزید مضاف ہونے کی وجہ سے علمیت سے خارج ہو کر نکرہ ہو جائے گا۔ پس اس بناء پر اس میں صرف وزن فعل باقی رہے گا۔ جو اکیلا غیر منصرف نہیں بنا سکتا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ علمیت باقی رہے اور الف لام زائد ہو، لیکن مصنف علیہ الرحمۃ کا قول "بالافضل" میں ایسا احتمال نہیں ہے۔ لہذا مصنف کا قول بالافضل شاعر کے قول سے بہتر ہوا۔

اَلْبَابُ السَّادِسُ: اَلْاَفْعَالُ الْخَمْسَةُ حُكْمُ هٰذِهِ الْاَفْعَالِ

وَالْاَمْثِلَةُ الْخَمْسَةُ، وَهِيَ: تَفْعَلَانِ، وَتَفْعَلُوْنَ، بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيْهِمَا، وَتَفْعَلِيْنَ، فَتُرْفَعُ بِثُبُوْتِ النُّوْنِ، وَتُجْزَمُ وَتُنْصَبُ بِحَذْفِهَا نَحْوُ: (فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا)

ترجمہ:- اور پانچ مثالیں۔ اور وہ تفعلان، وتفعلون. ان دونوں میں یا اور تاء کے ساتھ۔ اور تفعلین تو ان کو نون کے ذکر کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے۔ اور نون کے حذف کے ساتھ جزم و نصب دیا جاتا ہے۔ جیسے فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا۔

وضاحت:- چھٹا باب جو علامات اصول سے مستثنیٰ ہے وہ یہ پانچ مثالیں ہیں۔ یفعلان، تفعلان، یفعلون، تفعلون اور تفعلین۔

اَلْاَمْثِلَةُ الْخَمْسَةُ کی تعریف:

اس سے مراد ہر وہ فعل مضارع ہے جس میں تثنیہ کا الف ملا ہوا ہو۔ جیسے تثنیہ غائب کی مثال یقومان، اور تثنیہ حاضر کی مثال تقومان. ان دونوں مثالوں میں تثنیہ کا الف فعل مضارع کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یا جمع کا واؤ ملا ہوا ہو جیسے جمع غائب کی مثال یَقُوْمُوْنَ. اور جمع حاضر کی مثال تَقُوْمُوْنَ. ان دونوں مثالوں میں جمع کا واؤ فعل مضارع کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یا واحد مؤنث حاضر کی یاء لگی ہوئی ہو جیسے تَقُوْمِیْنَ اس مثال میں واحد مؤنث حاضر کی یا فعل مضارع کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

حکم: ان پانچ مثالوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو رفع، ضمہ کے بجائے نون کے ذکر کے ساتھ۔ اور نصب و جزم، فتحہ و سکون کے بجائے نون کے حذف کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ جیسے "اَنْتُمْ تَقُوْمُوْنَ" رفع

کی مثال ہے، یہ ناصب وجازم سے خالی ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے علامت رفع نون کا ذکر ہے۔ اور لَمْ تَقُومُوْا جازم ومجزوم ہے، علامت جزم وسکون کے بجائے نون کے حذف کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔ اور لَنْ تَقُومُوْا ناصب ومنصوب ہے، علامت نصب فتحہ کے بجائے نون کے حذف کے ساتھ مذکور ہوتا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول: "فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا، وَلَنْ تَفْعَلُوا" ہے کہ لَمْ تَفْعَلُوا جازم ومجزوم ہے اور لَنْ تَفْعَلُوا ناصب ومنصوب ہے۔ اور جزم ونصب کی علامت بجائے فتحہ وسکون کے نون کا حذف ہوتا ہے۔

اَلْبَابُ السَّابِعُ: اَلْفِعْلُ الْمُضَارِعُ الْمُعْتَلُّ الْآخِرِ

وَالْفِعْلُ الْمُضَارِعُ الْمُعْتَلُّ الْآخِرِ، فَيُجْزَمُ بِحَذْفِ آخِرِهِ، نَحْوُ لَمْ يَغْزُ، وَ لَمْ يَخْشَ، وَ لَمْ يَرْمِ.

ترجمہ:- اور وہ فعل مضارع جس کے آخر میں حرف علت ہو تو اس کو جزم اس کے آخر (حرف علت) کے حذف کی شکل میں دیا جاتا ہے۔ جیسے لَمْ يَغْزُ، اور لَمْ يَخْشَ اور لَمْ يَرْمِ۔

وضاحت:- یہ ان سات ابواب میں سے آخری باب ہے جو علامات اصول سے مستثنیٰ ہیں یعنی وہ فعل مضارع جس کے آخر میں حرف علت واؤ، الف اور یاء ہو جیسے يَغْزُوا، وَيَخْشَى اور يَرْمِي۔

حکم: اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو حرکت کے حذف کے بجائے آخری حرف حذف کر کے جزم دیا جاتا ہے۔ جیسے لَمْ يَغْزُ فعل مضارع مجزوم ہے اور علامت جزم واؤ کا حذف ہوتا ہے۔ وَلَمْ يَخْشَ فعل مضارع مجزوم ہے اور علامت جزم الف کا حذف ہوتا ہے اور وَلَمْ يَرْمِ بھی فعل مضارع مجزوم ہے اور علامت جزم یاء کا حذف ہوتا ہے۔

اَلْفَصْلُ فِي عَلَامَةِ الْإِعْرَابِ ظَاهِرَةً أَوْ مُقَدَّرَةً

فَصْلٌ: تُقَدَّرُ جَمِيعُ الْحَرَكَاتِ فِي نَحْوِ غُلَامِي وَالْفَتَى، وَيُسَمَّى الثَّانِي مَقْصُورًا، وَالضَّمَّةُ وَالْكَسْرَةُ فِي نَحْوِ: الْقَاضِي، وَيُسَمَّى مَنْقُوصًا، وَالضَّمَّةُ وَالْفَتْحَةُ فِي نَحْوِ: يَخْشَى، وَالضَّمَّةُ فِي نَحْوِ: يَدْعُو وَيَقْضِي، وَتَظْهَرُ الْفَتْحَةُ فِي نَحْوِ: "إِنَّ الْقَاضِيَ، لَنْ يَقْضِيَ، وَلَنْ يَدْعُوَ".

ترجمہ:- فصل، غُلَامِي اور الْفَتَى جیسی مثالوں میں تمام حرکات تقدیری ہوتی ہیں۔ اور دوسرے (الْفَتَى) کا نام اسم مقصور رکھا جاتا ہے۔ اور الْقَاضِي جیسی مثال میں ضمہ اور کسرہ تقدیری

ہوتے ہیں۔ اس کا نام منقوص رکھا جاتا ہے۔ اور یَخشٰی میں ضمہ اور فتحہ تقدیری ہوتے ہیں۔ اور یدعُو وَیقضِی میں ضمہ تقدیری ہوتا ہے۔ اور اِنَّ القَاضِیَ، لَنْ یَقضِیَ، وَلَنْ یَدْعُوَ جیسے میں فتحہ ظاہری ہوتا ہے۔

وضاحت:۔ علامات اعراب کی دو قسمیں ہیں، اعراب ظاہری، اعراب تقدیری، مذکورہ بالا سات اقسام جو علامات اصول سے مشتق ہیں وہ اعراب ظاہری کے اقسام تھے لیکن اعراب کبھی مقدر بھی ہوتا ہے اس کی پانچ صورتیں ہیں۔

اعراب تقدیری کی صورتیں:

اعراب تقدیری کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) کبھی اعراب کی تمام ہی حرکات مقدر ہوتی ہیں، جب کہ کلمہ کے آخر میں الف لازم ہو، چوں کہ یہ ذاتی طور پر کوئی حرکت قبول ہی نہیں کرتا، اسے اسم مقصور کہتے ہیں جیسے اَلْفَتٰی، آپ کہیں گے، جَاءَ الْفَتٰی رَاَیْتُ الْفَتٰی، وَمَرَرْتُ بِالْفَتٰی، پہلی مثال میں ضمہ تقدیری، دوسری میں فتحہ تقدیری اور تیسری میں کسرہ تقدیری ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کے آخر میں ایسا الف ہے جو ذاتی طور پر کسی حرکت کو قبول ہی نہیں کرتا ہے لہٰذا اس پر حرکت کے متعذر ہونے کی وجہ سے تینوں حرکات تقدیری ہوں گی۔

(۲) کبھی اعراب کی تمام حرکات مقدر ہوتی ہیں۔ کلمہ سے کسی حرف کے متصل ہوجانے کی وجہ سے جیسے کسی اسم کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہوجائے تو یاء ہر حال میں اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ لہٰذا یہاں تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا۔ جیسے غُلَامِیْ اَخِیْ، اَبِیْ، وغیرہ۔ ان مثالوں کو ماقبل یاء پر تقدیری حرکتوں کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے۔ کیوں کہ اسم کا آخر یاء متکلم اپنے مناسب حرکت کسرہ کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے دوسرے اعراب کے ظاہر ہونے سے روک دے گی۔ اس لیے اس وقت یاء سے پہلے اعرابی حرکات کا آنا محال ہوگا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ محل واحد، آن واحد میں دو حرکتوں کو قبول نہیں کرتا ہے لہٰذا جب آپ "جَاءَ غُلَامِیْ" کہیں گے تو علامت رفع ماقبل یاء (میم) پر ضمہ تقدیری ہوگا، اور "رَاَیْتُ غُلَامِیْ" کہیں گے تو علامت نصب ماقبل یاء پر فتحہ تقدیری ہوگا، اور "مَرَرْتُ بِغُلَامِیْ" کہیں گے تو علامت جر ماقبل یاء پر کسرہ تقدیری ہوگا نہ کہ یہ موجودہ کسرہ۔

(۳) جس اسم کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو اس میں ضمہ اور کسرہ کا اعراب تقدیری ہوتا ہے۔ ایسے اسم کو اسم منقوص کہتے ہیں۔ جیسے قَاضِی اور دَاعِی۔ لہٰذا جب آپ "جَاءَ الْقَاضِی وَالدَّاعِی" کہیں گے تو علامت رفع ماقبل یاء پر ضمہ تقدیری ہوگا۔ اور "مَرَرْتُ بِالْقَاضِی وَالدَّاعِی" کہیں گے تو

علامت جر ماقبل یاء کسرہ تقدیری ہوگا، لیکن رَأَیْتُ الْقَاضِیَ وَالدَّاعِیَ " میں علامت نصب ماقبل یاء پر فتحہ ظاہری ہوگا۔

(۴) وہ فعل جس کا آخری حرف الف ہو (معتل الف) اس میں ضمہ فتحہ تقدیری وجہ سے تقدیری ہوتے ہیں کیوں کہ الف پر حرکت متعذر ہوتی ہے، اس فعل کو معتل الف کہتے ہیں، جیسے یَخْشٰی لہٰذا جب آپ "یَخْشٰی زَیْدٌ" کہیں گے تو علامت رفع الف پر ضمہ تقدیری ہوگا۔ اور "لَنْ یَخْشٰی عَمْرٌو" کہیں گے تو علامت نصب الف پر فتحہ تقدیری ہوگا۔ اور "لَمْ یَخْشَ" کہیں گے تو اس پر جزم آئے گا جو حرف آخر (الف) کے حذف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۵) اگر فعل مضارع معتل واوی یا معتل یائی (یعنی لام کلمہ واو یا یاء) ہے تو ضمہ تقدیری رہے گا۔ معتل واوی جیسے "یَدْعُوْ" اور معتل یائی جیسے "یَرْمِیْ" ان دونوں میں اعراب ثقیل ہونے کی وجہ سے صرف ضمہ تقدیری ہوتا ہے۔ آپ کہیں "زَیْدٌ یَدْعُوْ" اور "زَیْدٌ یَرْمِیْ" تو ان دونوں میں علامت رفع ضمہ تقدیری ہوگا اور دو حرکتیں ان میں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک نصب فتحہ کے ساتھ اور یہ اس کے خفیف ہونے کی وجہ سے ہے۔ نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوگا معتل یائی میں۔ خواہ وہ اسماء ہوں یا افعال۔ جیسے اِنَّ الْقَاضِیَ اسم ہے اس کے یاء پر نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہے۔ لَنْ یَقْضِیَ فعل ہے، اس کے یاء پر بھی نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، لیکن معتل واوی پر نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوگا فقط افعال میں اسماء میں نہیں۔ جیسے لَنْ یَدْعُوَ فعل ہے اس کے واو پر نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ" (اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی پکار کو قبول کرو) میں دَاعِیَ اسم ہے معتل یائی ہے اس کے یاء پر بربنائے مفعولیت نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہے اور "لَنْ یُؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا" (اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو ثواب نہ دے گا۔ پارہ ۱۲، رکوع ۳) میں "لَنْ یُؤْتِیَ" فعل ہے اور معتل یائی ہے، اس کے یاء پر لن حرف ناصب کی وجہ سے نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔ اور "لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُوْنِهٖ اِلٰهًا" (ہم اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں۔ پارہ ۱۵ رکوع ۱۳) میں لَنْ نَدْعُوَ فعل ہے اور معتل واوی ہے اس کے واو پر لن حرف ناصب کی وجہ سے نصب فتحہ کے ساتھ ظاہر ہوا ہے۔

بَابُ رَفْعِ الْفِعْلِ الْمُضَارِعِ

فَصْلٌ: یُرْفَعُ الْمُضَارِعُ خَالِیًا مِنْ نَاصِبٍ وَجَازِمٍ، نَحْوُ "یَقُوْمُ زَیْدٌ"

ترجمہ:- فصل: مضارع کو رفع دیا جائے گا (عامل) ناصب و جازم سے خالی ہونے کی

وجہ سے جیسے "یقومُ زیدٌ"۔

وضاحت:- تمام نحویوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب فعل مضارع عامل ناصب وجازم سے خالی ہو تو مرفوع ہوگا جیسے یقومُ زیدٌ اور یقعُدُ عمروٌ. لیکن فعل مضارع کا عامل رفع کیا ہے تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام فرّاء اور اُن کے ہمنواؤں کا مذہب یہ ہے کہ فعل مضارع کا عامل ناصب وجازم سے خالی ہونا اس کے رفع ہونے کا عامل ہے۔

امام کسائی کا مذہب ہے کہ فعل مضارع کا عامل حروف مضارع ہے۔ اور حروف مضارع چار ہیں، الف، تاء، یاء، نون، جن کا مجموعہ "أتین" ہے۔

امام ثعلب کا مذہب یہ ہے کہ مضارع کا اسم کے مشابہ ہونا رفع کا عامل ہے جیسے یقوم معنی میں قائم کے مشابہ ہوتا ہے۔

نحات بصرہ کہتے ہیں کہ فعل مضارع کا اسم کی جگہ میں ہونا اس کے رفع کا عامل ہے پس "زیدٌ یضرِبُ" چوں کہ زیدٌ ضاربٌ کی جگہ میں ہے، لہٰذا اس کو وہ اعراب دیا گیا جو اسبق اور اقویٰ ہے، لیکن جب اس پر "أن لن، لم، لمّا" داخل ہو تو اس کا مرفوع ہونا ممتنع ہو جائے گا، کیوں کہ ان حروف کے بعد اسم واقع نہیں ہوتا لہٰذا اب یہ اسم کی جگہ میں نہیں ہوگا۔

مصنف فرماتے ہیں کہ سب سے اصح اور درست قول پہلا قول ہے کہ فعل مضارع کا عامل ناصب وجازم سے خالی ہونا اس کے رفع کا عامل ہے۔ اور یہی اہل عرب کا بھی مشہور قول ہے۔ رہا امام کسائی کا مذہب کہ فعل مضارع کا عامل حروف مضارع ہے، تو یہ درست نہیں، کیوں کہ شی کا جزء اسی شی میں عمل نہیں کرتا ہے، لہٰذا یہ حروف مضارع بھی عامل نہیں ہوسکتا۔

اور امام ثعلب کا مذہب یہ ہے کہ فعل مضارع کا اسم کے مشابہ ہونا رفع کا عامل ہے، کیوں کہ مشابہت من حیث الجملۃ اسم کے اعراب کا تقاضہ کرتا ہے یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ اس وقت اعراب کے اقسام میں سے ہر ایک قسم ایک ایسے عامل کا محتاج ہوگا جو اس کا تقاضہ کرے، لہٰذا اس وقت فعل مضارع کا دائمی مرفوع ہونا لازم آئے گا، حالاں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اور بصریین کا مذہب کہ مضارع کا اسم کی جگہ میں ہونا اس کے رفع کا عامل ہے یہ بھی درست نہیں، کیوں کہ "ھلّا یقومُ" جیسی میں "ھلّا" حرف تحضیض کے بعد فعل واقع ہوا ہے۔ اور حرف تحضیض کے بعد اسم نہیں آتا ہے، اگر فعل مضارع کا اسم کی جگہ میں آنا عامل رفع ہے تو پھر "ھلّا یقومُ" میں یقومُ کو اسم کی جگہ میں ہونا چاہیے، حالاں کہ "ھلّا" کے بعد اسم نہیں آتا ہے، لہٰذا یہاں یقوم فعل اسم کی جگہ میں نہیں آیا، اور جب فعل کا اسم کی جگہ میں واقع ہونا درست نہیں تو اب اس کا عامل رفع بھی ہونا درست نہیں۔

باب نواصب المضارع ــــ الكلام على "لَن"

وَيُنْصَبُ بِلَنْ، نَحْوُ لَنْ نَبْرَحَ.

ترجمہ:۔ اور فعل مضارع نصب دیا جاتا ہے لن کی وجہ سے جیسے لن نبرح۔

وضاحت:۔ جب مصنف فعل مضارع کے عامل رفع کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب عامل نصب کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ جب "لَنْ، كَيْ، إِذَنْ اور أَنْ" ان چاروں حروف میں سے کوئی ایک فعل مضارع کے شروع میں آئے تو مضارع پر نصب آئے گا۔

سوال: یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ جب فعل مضارع کو نصب دینے والے عامل چار ہیں لَنْ، كَيْ، إِذَنْ اور أَنْ، تو ان میں "لَنْ" کو بقیہ عوامل ناصبہ پر مقدم اور "أَنْ" کو مؤخر کیوں کیا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ لَنْ مطلقاً نصب کے لیے آتا ہے برخلاف دوسرے عوامل ناصبہ کے کہ وہ مطلقاً نصب کے لیے نہیں آتے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ مطلق مقید پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا لَنْ بھی مقدم ہوگا۔ اسی بناء پر لَنْ کو مقدم فرمایا۔ اور أَنْ کو مؤخر اس لیے کیا چوں کہ اس کی بحث طویل ہے، جس کے لیے مستقل وقت اور خالی الذہن ہونا درکار ہے، تا کہ بعد میں اطمینان سے بیان کیا جائے۔

لَنْ کی تحقیق:

"لَنْ" بالاتفاق فعل مضارع کو نفی مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے، لیکن دوام کا تقاضہ کرتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ امام زمخشریؒ کے نزدیک یہ دوام کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک تقاضہ نہیں کرتا، اسی طرح یہ تاکید کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یا نہیں؟ تو جمہور کا کہنا ہے کہ یہ تاکید کے لیے نہیں آتا، لیکن امام کشاف فرماتے ہیں کہ تاکید کے معنی پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا اس اختلاف کی بنیاد پر "لَنْ يَقُومَ" جیسی مثال میں آپ "أَنَّكَ لَا تَقُومُ أَبَدًا" کا معنی بھی مراد لے سکتے ہیں اور "إِنَّكَ لَا تَقُومُ بَعْضَ أَزْمِنَةِ الْمُسْتَقْبَلِ" کا معنی بھی مراد لے سکتے ہیں، لہٰذا یہ "لَا أَقُومُ" کی طرح ہو جائے گا، تاکید کا فائدہ دینے میں۔

ایک اختلاف یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ "لَنْ" دعاء کے لیے آتا ہے یا نہیں، تو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ دعاء کے لیے نہیں آتا، لیکن ابن السراج کا کہنا ہے کہ یہ دعاء کے لیے آتا ہے۔ اور استدلال میں باری تعالیٰ کا قول: "قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِلْمُجْرِمِينَ" (ترجمہ: کہنے لگے اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ پر یہ کرم فرمایا، میں بھی اب ہرگز کسی گنہگار کا مددگار نہ ہوں گا۔ پارہ ۲۰، سورۃ القصص آیت ۱۷) پیش کیا ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اس میں لَنْ دعاء کے لیے استعمال کیا

لہٰذا یہاں لَنْ ابداء کے لیے آئے گا۔

جمہور فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال کرنا درست نہیں، کیوں کہ یہاں "لَنْ اَکُوْنَ" "لا اَکُوْنَ" کے معنی میں ہے۔ اور یہ نفی محض پر محمول ہے اور اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کر رہا ہے کہ وہ مجرمین کی مدد نہیں کرے گا، اس فضل اور انعام کے سبب جو خدا نے اس پر کیا ہے، لہٰذا یہ نفی محض کے لیے ہے ابداء کے لیے نہیں ہے۔

لَنْ کی اصلیت:

"لَنْ" کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں ائمہ نحو کا باہم اختلاف ہے۔ امام خلیل کا مذہب یہ ہے کہ اس کی اصل "لَا اَنْ" ہے، ہمزہ کو بغرض تخفیف اور الف کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، جیسے "اَیُّ شَیْءٍ" کو مخفف کر کے "اَیْش" کرتے ہیں۔ امام فراء کا مذہب یہ ہے کہ اس کی اصل "لا" ہے، الف کو نون سے بدل دیا ہے، لیکن امام سیبویہ اور مصنف کا مذہب یہ ہے کہ یہ مستقل کلمہ ہے، کسی کی اصل سے بدلا ہوا نہیں ہے، اور نہ "لَا اَنْ" سے مرکب ہے۔

وَبِكَيْ الْمَصْدَرِيَّةِ، نَحْوُ: "لِكَيْلَا تَأْسَوْا"

ترجمہ:- اور فعل مضارع کو نصب دیا جاتا ہے کَیْ مصدریہ کی وجہ سے جیسے لِكَيْلَا تَأْسَوْا۔

وضاحت:- فعل مضارع کے عوامل نصبہ میں سے دوسرا عامل ناصب حرف "کَیْ" ہے۔ حرف کَیْ اَنْ مصدریہ کے قائم مقام ہو کر مضارع کو نصب دیتا ہے۔ یہی عمل یہ اس وقت بھی کرتا ہے جب اس پر لفظاً لام داخل ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: "لِكَيْلَا تَأْسَوْا" اور "لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ" ان دونوں مثالوں میں لام لفظاً کَیْ پر داخل ہے، لہٰذا اپنے بعد آنے والے فعل مضارع کو کَیْ نے نصب دیا ہے۔

یا تقدیراً لام داخل ہو جیسے جِئْتُكَ كَيْ تُكْرِمَنِيْ میں کَیْ دراصل لِکَیْ ہے، لام حذف کر دیا گیا اور اس کے موجود ہونے کی نیت کر لی گئی۔ اگر لام مقدر نہ مانیں تو کَیْ حرف جر بنے گا، لام تعلیل کے قائم مقام ہو کر اور اس کے بعد لازماً اَنْ مقدر ہوگا، جس کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب دیا جائیگا۔

وَبِاِذَنْ مُصَدَّرَةً وَهُوَ مُسْتَقْبَلٌ مُتَّصِلٌ اَوْ مُنْفَصِلٌ بِقَسَمٍ نَحْوُ "اِذَنْ اُكْرِمَكَ" وَ "اِذَنْ وَاللّٰهِ نَرْمِيَهُمْ بِحَرْبٍ"۔

ترجمہ:- اور فعل مضارع کو نصب دیا جاتا ہے اِذَنْ مُصَدَّرَہ (یعنی صدر کلام میں آنے والا اِذَن) کی وجہ سے اور وہ مستقبل متصل ہوتا ہے یا منفصل ہوتا ہے قسم کے بعد، جیسے اِذَنْ

أُكْرِمَكَ (تب میں تیری تعظیم کروں گا) اور إِذَنْ وَاللهِ نَرْمِيَهُمْ بِحَرْبٍ (تب تو خدا کی قسم ہم ان سے ایسی جنگ کریں گے)۔

وضاحت:- تیسرا عامل ناصب "إِذَنْ" ہے، اسے امام سیبویہ کے نزدیک جواب اور جزاء کا حرف کہا جاتا ہے۔ یہی قول امام شلوبین کا ہے۔ کیوں کہ یہ جواب اور جزاء میں ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور امام فارسیؒ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ جواب اور جزاء میں کثیر الاستعمال ہے۔ اور بعض نے صرف حرف جواب کہا ہے۔ اور استدلال کیا ہے اہل عرب کے قول "أُحِبُّكَ" سے، وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کوئی آپ سے "أُحِبُّكَ" کہے تو آپ اس کے جواب میں "إِذًا أَظُنُّكَ صَادِقًا" کہیں گے۔ اور یہ جواب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جواب کا حرف ہے۔

إِذَنْ کے عامل ناصب بننے کی شرطیں:

إِذَنْ فعل مضارع کو تین شرطوں کے ساتھ نصب دیتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ یہ صدارت کلام میں ہو، اگر صدارت کلام میں نہ ہو تو پھر اس وقت وہ فعل مضارع کو نصب دے گا، بلکہ اس وقت اس کا مابعد مرفوع ہوگا، جیسے "زَيْدٌ إِذَنْ أُكْرِمُهُ" میں فعل مضارع کو رفع کے ساتھ پڑھا جائے گا، کیوں کہ إِذَنْ صدارت کلام میں نہیں ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ إِذَنْ کے بعد فعل زمانہ مستقبل کے ساتھ خاص ہو نہ کہ حال کے۔ اگر حال کا معنی پایا جا رہا ہو تو پھر اس فعل مضارع کو نصب نہیں دے گا، بلکہ رفع آئے گا۔ جیسے تم سے کوئی بات کہے تو تم "إِذَنْ تَصْدُقُ" (تب تم سچ کہتے ہو) کہو تو اس وقت حال کا معنی پایا جا رہا ہے اس کی وجہ سے إِذَنْ، تَصْدُقُ کو نصب نہیں دے گا۔

تیسری شرط:- إِذَنْ اور فعل مضارع کے درمیان قسم کے علاوہ اور کوئی فاصل نہ ہو جیسے "إِذَنْ وَاللهِ أُكْرِمَكَ" اسی طرح شاعر کا قول:

إِذَنْ وَاللهِ نَرْمِيَهُمْ بِحَرْبٍ   تُشِيبُ الطِّفْلَ مِنْ قَبْلِ الْمَشِيبِ

(ترجمہ: تب تو خدا کی قسم ہم ان سے ایسی جنگ کریں گے جو بچوں کو جوانی سے بوڑھا کر دے گی۔)

یہ حسان بن ثابتؓ کا شعر ہے جیسا کہ تکمیل الہدیٰ ص۵۹ پر مرقوم ہے۔

اس شعر میں "إِذَنْ" فعل مضارع پر داخل ہو کر نصب دے رہا ہے، حرف قسم فاصل ہے، لیکن یہ فاصل إِذَنْ کے عمل کرنے سے مانع نہیں ہے، اگر حرف قسم کے علاوہ دوسرا فاصل ہو تو پھر یہ فعل مضارع کو نصب نہیں دے گا، مثلاً اگر تم "إِذَنْ يَا زَيْدُ" کہو تو اس کے بعد آنے والے فعل "أُكْرِمُكَ" کو رفع کے ساتھ پڑھو گے۔ اسی طرح جب إِذَنْ فِي الدَّارِ کہو گے تو اس کے بعد آنے والے فعل کو "أُكْرِمُكَ" رفع

کے ساتھ پڑھیں گے۔ اسی طرح "اِذن یوم الجمعة اُکرمُکَ" کو رفع کے ساتھ پڑھیں گے، کیوں کہ اِذن اور فعل کے درمیان میں حرف قسم کے علاوہ دوسرا حرف فاصل ہے جو کہ اِذن شرط کے خلاف ہے لہٰذا رفع آئے گا نصب نہیں۔

وَبِانَ المَصدرِيَّة، ظَاهِرَةً، نَحْوُ (أَنْ يَغْفِرَلِي) مَالَمْ تُسْبَقْ بِعِلْمٍ، نَحْوُ (عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنكُمْ مَرْضَى) فَإِنْ سُبِقَتْ بِظَنٍّ فَوَجْهَانِ، نَحْو (وَحَسِبُوا أَنْ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ) وَمُضْمَرَةً جَوَازًا بَعْدَ عَاطِفٍ مَسْبُوْق بِاسْمٍ خَالِصٍ، نَحْوُ "وَلُبْسُ عَبَاءَةٍ وَتَقَرَّ عَيْنِي" وَبَعْدَ اللامِ، نَحْوُ (لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ)، الاَّ فِي نَحْو (لِئَلاَّ يَعْلَم)، و (لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ) فَتَظْهَرُ لاَ غَيْرُ، وَنَحْوُ (وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ) فَتُضْمَرُ لاَ غَيْرُ، كَإِضْمَارِهَا بَعْدَ "حَتَّى" إذَا كَانَ مُسْتَقْبِلاً، نَحْوُ (حَتَّى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوْسَى).

ترجمہ:۔ اور (فعل مضارع کو نصب دیا جاتا ہے) اَنْ مصدریہ کی وجہ سے، کبھی اَنْ ظاہر ہوتا ہے (لفظوں میں) جیسے "اَنْ یَغْفِرَلِی" (وہ مجھے بخش دے) جب تک اس سے پہلے مادہ علم نہ لایا گیا ہو، جیسے "عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَرْضٰی" (اللہ نے جانا کہ عنقریب تم میں بیمار ہوں گے) پس اگر مادہ ظن (اَنْ سے) پہلے لایا گیا ہو تو (اَنْ کی) دو صورتیں ہیں۔ جیسے "وَحَسِبُوْا اَنْ لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ" (اور ان لوگوں نے خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی) اور اَنْ کا پوشیدہ لایا جانا جائز ہوتا ہے ایسے حرف عاطف کے بعد جو اسم خالص کے ساتھ لایا گیا ہو، جیسے "وَلُبْسُ عَبَاءَةٍ وَتَقَرَّ عَیْنِیْ" (عباء پہننا اور یہ کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہو) اور لام کَیْ کے بعد (اَنْ پوشیدہ لایا جاتا ہے) جیسے "لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ" (یہ کہ تو واضح کر دے لوگوں کے سامنے) مگر "لِئَلَّا یَعْلَمَ" (تا کہ وہ نہ جانے) اور "لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ" (تا کہ نہ رہے لوگوں کو) جیسی مثالوں میں۔ تو وہ (یعنی اَنْ) ظاہر ہوگا۔ اس کے علاوہ نہیں۔ (یعنی پوشیدہ نہ ہوگا) اور "وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ" (اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان پر) جیسی مثال میں تو وہ (یعنی اَنْ) پوشیدہ لایا جاتا ہے، اس کے علاوہ نہیں، جیسا کہ اس کا (یعنی اَنْ کا) پوشیدہ ہونا حتّٰی کے بعد (لازم ہے) جب کہ وہ صیغہ مستقبل ہو، جیسے "حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی" (جب تک لوٹ کر آئے موسیٰ ہمارے پاس)۔

وضاحت:۔ فعل مضارع کا چوتھا اور آخری عامل ناصب "اَنْ" ہے۔ اَنْ حروف میں

میں اصل اور اُمّ الباب کہلاتا ہے، اور اس کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اس "الف" کے ساتھ لفظاً اور معنی مشابہت رکھتا ہے جو مشدّدہ سے مخفف ہے لفظاً تو ظاہر ہے اور معنی اس وجہ سے کہ دونوں مصدریہ ہیں۔ اور باقی حروف ناصبہ عمل میں اس پر محمول ہیں، کیوں کہ وہ استقبال کے لیے آتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مُظہَر اور مُضمَر دونوں صورتوں میں فعل مضارع کو نصب دیتا ہے برخلاف بقیہ نواصب کے کہ وہ فقط مُظہَر ہونے کی صورت میں عمل کرتے ہیں۔ حالت اضمار میں نہیں۔

مصنفؒ نے "اَنْ" کی بحث کو بقیہ عوامل ناصبہ سے اس لیے موٴخر فرمایا کہ اس کی بحث طویل ہے، اور بقیہ عوامل ناصبہ کی بحثیں زیادہ طویل نہیں لہٰذا مصنفؒ نے یہ بہتر سمجھا کہ آسان اور چھوٹی بحثیں پہلے ذکر کر دی جائیں اور طویل بحث بعد میں اطمینان سے بیان کیا جائے، تاکہ مبتدی طلبہ کے لیے اکتاہٹ نہ ہو۔

اَنْ ناصبہ ظاہرہ کا عمل:

وَبِاَنِ الْمَصْدَرِيَّةِ ظَاهِرَةً کی وضاحت: "اَنْ" فعل مضارع کے شروع میں لفظوں میں ظاہر ہوتا ہے اور مضارع کو مصدر کے معنی میں کرتے ہوئے آخر کو نصب دیتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَالَّذِي أَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِي خَطِيْئَتِي" (اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر، پارہ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۸۲) اور "يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ" (اللہ چاہتا ہے تم سے بوجھ کا ہلکا کر دینا) ان دونوں آیتوں میں "اَنْ" لفظوں میں ظاہر ہے اور فعل مضارع کو مصدر کے معنی میں کرتے ہوئے آخر کو نصب دیا ہے، مصنفؒ نے پہلی آیت میں "اَنْ يَّغْفِرَلِيْ" ثلاثی کی مثال دی ہے اور دوسری آیت میں "اَنْ يُّخَفِّفَ" رباعی کی مثال دی ہے، تاکہ یہ اشکال نہ ہو سکے کہ "اَنْ" صرف ثلاثی ماضی سے آنے والے فعل مضارع میں عمل کرتا ہے اور رباعی ماضی سے آنے والے فعل مضارع میں نہیں۔

اَنْ مصدریہ سے احتراز:

مصنفؒ نے "اَنْ" کو مصدر کے ساتھ مقید فرما کر اَنْ مفسرہ اور اَنْ زائدہ سے احتراز کیا ہے کیوں کہ ان دونوں کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب نہیں دیا جاتا۔

اَنْ مفسرہ کی تعریف:

اَنْ مفسرہ ایسے حرف کو کہتے ہیں جس سے پہلے قول کے معنی پر دلالت کرنے والا کوئی فعل لایا گیا ہو اور وہی معنی مراد لیا گیا ہو جیسے كَتَبْتُ اِلَيْهِ اَنْ يَّفْعَلُ كَذَا اس مثال میں اَنْ فعل مضارع يَفْعَلُ کو نصب نہیں دیا، کیوں کہ اَنْ مفسرہ ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے ایسا فعل لایا گیا ہے، جو قول کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور وہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ اَنْ سے پہلے قول کے معنی پر

دلالت کرنے والا کوئی فعل ہو تو وہ اَن مفسرہ ہوگا فعل پر عمل نہیں کرے گا۔

اَنْ زائدہ کی تعریف:

اَنْ زائدہ ایسے حرف کو کہتے ہیں جو قسم اور لَو کے درمیان واقع ہو جیسے "اُقسِمُ بِاللّٰہِ لَو یأتِیْنِیْ زَیْدٌ لَاُکرِمَنَّہٗ" (خدا کی قسم اگر میرے پاس زید آئے گا تو میں اس کی ضرور عزت کروں گا) اس مثال میں اَنْ نے فعل مضارع یأتِیْنِیْ کو نصب نہیں دیا ہے، کیوں کہ یہ اَنْ زائدہ ہے جو قسم اور لَو کے درمیان واقع ہے۔

عَلِمَ اور ظَنَّ کے بعد اَنْ کا واقع ہونا:

مالَمْ تُسْبَقْ بِعِلْمٍ الخ کی وضاحت:- مصنفؒ نے مالَمْ تُسْبَقْ بِعِلْمٍ کی قید لگا کر اَنْ مخففہ من المثقلہ سے احتراز کیا ہے۔ وہ اس طور پر کہ اَن مصدریہ کی اپنے ماقبل کے اعتبار سے تین حالتیں ہوتی ہیں۔

پہلی حالت:- اگر اَنْ سے پہلے عَلِمَ یا اس کے مشتقات پر دلالت کرنے والا کوئی فعل واقع ہو تو اَنْ مخففہ من المثقلہ ہی ہوگا، ناصبہ نہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عَلِمَ کے بعد آنے والا اَنْ مخففہ من المثقلہ ہوتا ہے، ناصبہ نہیں، ایسا کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے نہ کہ اَن مصدریہ ناصبہ۔ یہی وجہ ہے کہ "عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ" میں نحوی حضرات کہتے ہیں کہ یہ دراصل "اَنَّہٗ سَیَکُوْنُ" تھا، چنانچہ اب قاعدہ کلیہ مذکورہ بالا قاعدہ کلیہ ہی رہا، اس کلیہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

فعل علم سے مراد:

علم سے مراد وہ فعل ہے جو مفید یقین ہو، خواہ لفظ علم یا اس کے علاوہ رُؤیَتْ اور وجدان اور یقین، تحقیق اور انکشاف وغیرہ ہو، جو مفید یقین ہوتے ہیں۔

اب جاننا چاہیے کہ جب علم کے بعد فعل مضارع پر اَنْ مخففہ من المثقلہ آیا ہے، تو اس وقت فعل مضارع میں دو امر واجب ہوں گے، ایک تو فعل مضارع مرفوع ہوگا، دوسرا اَن کے بعد فعل مضارع پر چار چیزوں یعنی حرف تنفیس (سین، سوف) یا قد، یا لَو، یا حرف نفی میں سے بطور فصل کے ایک کا ہونا ضروری ہے، تا کہ شروع ہی سے اَنْ مخففہ من المثقلہ اور مصدریہ میں فرق ظاہر ہو جاوے ورنہ آخر میں فرق ظاہر ہوگا، کیوں کہ اَنْ مصدریہ اور اس فعل کے درمیان جس پر داخل ہوا ہے حروف مذکورہ میں سے کوئی فاصل نہیں آتا ہے۔

حرف تنفیس کی مثال: جیسے "عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَرْضٰی" (اللہ نے جانا کہ عنقریب تم

میں بیمار ہوں گے۔ پارہ ۲۹، سورۃ مزمل آیت ۲۰) اس مثال میں ان مخففہ اور فعل کے درمیان حرف تنفیس سین داخل ہے، جو حد فاصل اور یہی مخففہ ہونے کی علامت ہے۔

حرف نفی کی مثال: "اَفَلَا يَرَوْنَ اَنْ لَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا" (بھلا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ جواب تک نہیں دیتا ان کو کسی بات کا۔ پارہ ۱۶، سورۃ طٰہٰ، آیت ۸۹) اس میں اَنْ مخففہ اور فعل کے درمیان حرف نفی لا، فاصل ہے اور یہی مخففہ ہونے کی علامت ہے۔

حرف قد کی مثال: "عَلِمْتُ اَنْ قَدْ يَقُوْمُ زَيْدٌ" (میں نے جانا کہ بے شک زید کھڑا ہے) اس مثال میں اَنْ مخففہ اور فعل کے درمیان قد فاصل ہے اور یہی مخففہ ہونے کی علامت ہے۔

حرف لو کی مثال: "اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا" (اگر چاہے اللہ تو راہ پر لائے سب لوگوں کو۔ پارہ ۱۳، سورۃ رعد، آیت ۳۱) اس مثال میں اَنْ اور فعل مضارع کے درمیان لَوْ آیا ہے، جو فاصل ہے اور اس اَنْ سے پہلے "اَفَلَمْ يَيْاَسِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا" ہے جو اَفَلَمْ يَعْلَمْ کے معنی میں ہے اور مفسرین نے یہی تفسیر مراد لیا ہے، نیز قبیلہ نخع وہوازن کی لغت میں بھی "اَفَلَمْ يَعْلَمْ" کے معنی میں مستعمل ہے۔

اسی طرح سحیم نامی شاعر نے بھی اپنے شعر:

اَقُوْلُ لَهُمْ بِالشِّعْبِ اِذْ يَاْسِرُوْنَنِيْ اَلَمْ تَيْاَسُوْا اَنِّيْ ابْنُ فَارِسِ زَهْدَمِ

(ترجمہ: میں ان سے گھاٹی میں کہہ رہا تھا جب وہ مجھے گرفتار کر رہے تھے کیا تمہیں نہیں معلوم میں فارس زہدم کا بیٹا ہوں۔) میں اَلَمْ تَيْاَسُوْا کو اَلَمْ تَعْلَمُوْا کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

نیز حضرت ابن عباسؓ کی قراءت میں اَفَلَمْ يَيْاَسْ کا ترجمہ اَفَلَمْ يَتَبَيَّنْ سے کیا گیا ہے، اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ يَيْاَسْ، يَعْلَمْ کے معنی میں ہے۔ لیکن امام فراء نے يَيْاَسْ کا يَعْلَمْ کے معنی میں ہونے سے انکار کیا ہے، ان کا یہ قول ضعیف ہے۔

دوسری حالت:- اگر اَنْ سے پہلے ظن پر دلالت کرنے والا کوئی فعل ہو تو اس میں دو وجہ جائز ہیں، وہ اِنْ مخففہ من المثقلہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اَنْ مصدریہ ناصبہ بھی، لیکن اَنْ مصدریہ کا ہونا زیادہ راجح ہے اور یہی قیاس کے مطابق ہے، کیوں کہ یہی کثیر الاستعمال ہے۔ اسی بناء پر علمائے نحو نے باری تعالیٰ کے قول "الٓمّٓ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا" (کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ چھوٹ جائیں گے۔ پارہ ۲۰، سورۃ عنکبوت آیت ۱،۲) میں اَنْ کو ناصبہ ہونے پر اتفاق کیا ہے، چنانچہ اَنْ ناصبہ نے فعل مضارع کے آخر سے نون جمع کو گرا کر نصب دیا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول: "وَحَسِبُوْٓا اَنْ لَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ" (اور خیال کیا کہ کچھ خرابی نہ ہوگی۔

پارہ ۶ سورۃ مائدہ آیت ۷۱) میں علمائے نحو کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں ان مخففہ من المثقلہ ہے لہٰذا فعل مضارع پر رفع آئے گا۔ اور "وَحَسِبُوا اَنْ لَّا تَكُوْنُ فِتْنَةٌ" پڑھا جائے گا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اَنْ مصدریہ ناصبہ ہے لہٰذا فعل مضارع پر نصب آئے گا اور اَنْ لَّا تَكُوْنَ پڑھا جائے گا، ماحصل یہ کہ ان ناصبہ کی صورت میں نصب آئے گا اور ان مخففہ کی صورت میں رفع ہوگا۔

تیسری حالت:- اور جب اَنْ سے پہلے علم اور ظن نہ ہو تو فعل مضارع کو وجوباً نصب دیتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ" (اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر۔ پارہ ۱۹ سورۃ الشعراء آیت ۸۲)

اَنْ مضمر کا عمل:

وَمُضْمَرَةً جَوَازًا بَعْدَ عَاطِفٍ مَسْبُوْقٍ بِاسْمٍ خَالِصٍ کی وضاحت:- جس طرح اَنْ ناصبہ ملفوظہ کے بعد فعل مضارع منصوب ہوتا ہے، اسی طرح اَنْ مُضْمَرَۃ (مقدرہ) کے مابعد بھی فعل مضارع پر نصب آتا ہے۔

ان کے پوشیدہ رکھنے کی دو صورتیں ہیں (۱) اَنْ کا پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔ (۲) ان کا پوشیدہ رکھنا واجب ولازم ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اَنْ کا کہاں پوشیدہ رکھنا جائز ہے؟ اور کہاں واجب؟ تو آپ پہلے بالترتیب جائز ہونے کے مقامات کو ملاحظہ فرمائیں پھر واجب ہونے کے مقامات کو ملاحظہ فرمائیں گے۔

(۱) اگر اَنْ کسی ایسے حرف عاطف کے بعد واقع ہو جس سے پہلے اسم خالص ہے جو فعل کی جگہ استعمال نہیں ہوتا ہے تو اس وقت ان کا اظہار واضمار دونوں جائز ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا" (اور کسی انسان کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے روبرو گفتگو کرے، مگر الہام کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا فرشتہ بھیج کر۔ پارہ ۲۵ سورۃ زخرف آیت ۵۱) میں يُرْسِلَ فعل مضارع کو قراء سبعہ میں سے بعض نے اَنْ پوشیدہ مان کر نصب کے ساتھ پڑھا ہے لہٰذا تقدیری عبارت یوں ہوگی "اَوْ اَنْ يُّرْسِلَ" اور وَحْيًا ایسا اسم خالص ہے جو فعل کی جگہ میں استعمال نہیں ہوتا ہے۔

اور اگر آپ يُرْسِلَ سے پہلے ان ظاہر کرنا چاہیں تو یہ بھی جائز ہے، اسی طرح شاعر نے اپنے کلام میں اَنْ کے اظہار واضمار دونوں کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ میسون بنت بحدل زوجہ معاویہ بن سفیان نامی شاعرہ نے کہا:

ولبس عباءة وتقر عيني احب الی من لبس الشفوف

(ترجمہ: عباء پہننا اور یہ کہ میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں مجھے نرم لباس پہننے سے زیادہ محبوب ہے۔)

اس شعر میں "وتقر عيني" فعل مضارع اس عاطف کے بعد آیا ہے جس کا معطوف سے پہلے ایک ایسا اسم خالص ہے جو فعل کی جگہ استعمال نہیں ہوتا ہے وہ لُبس ہے، لہٰذا یہاں واو عطف کے بعد اَن مصدریہ پوشیدہ ہوگا۔ جو فعل مضارع کو تاویل مصدر میں لے کر اسم بنائے گا اور اس طرح اس کا لبس پر عطف درست ہوگا۔ اب تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ ولبس عباءة وان تقر عيني۔

(۲) دوسری صورت:۔ لام جر کے بعد بھی اَن ناصبہ کا اظہار و اضمار جائز ہے۔ خواہ وہ لام جر تعلیل کے لیے ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاَنزَلنَا اِلَيكَ الذِّكرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ" (اور ہم نے نازل کیا آپ پر ذکر تاکہ آپ لوگوں کے سامنے واضح کردیں۔ پارہ ۱۴، سورۃ نحل، آیت ۴۴) اس آیت میں لِتُبَيِّنَ محل استشہاد ہے، لام جر تعلیل کے لیے ہے، لہٰذا اَن ناصبہ کا ظاہر کرکے لِاَن تُبَيِّنَ لِلنَّاسِ پڑھنا اور پوشیدہ کرکے پڑھنا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول: "اِنَّا فَتَحنَا لَكَ فَتحًا مُبِينًا لِيَغفِرَ لَكَ اللّٰهُ" (بے شک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے تاکہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے ہوئے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ پارہ ۲۶، سورۃ فتح آیت ۱،۲) میں لِيَغفِرَ فعل مضارع میں لام جر تعلیل کے لیے ہے اور فعل مضارع منصوب ہے، کیوں کہ لام تعلیل کے بعد اَن کا پوشیدہ رکھنا جائز ہے۔ اور ظاہر کرنا بھی جائز ہے۔ تقدیری عبارت یوں ہوگی لِاَن يَغفِرَ لَكَ اللّٰهُ۔

یا لام جر عاقبت کے لیے ہو تو بھی اس کے بعد اَن کا پوشیدہ ہونا جائز ہے اور ظاہر ہونا بھی جائز ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَالتَقَطَهُ آلُ فِرعَونَ لِيَكُونَ لَهُم عَدُوًّا وَحَزَنًا" (آخر فرعون کے لوگوں نے اس بچے کو اٹھالیا کہ آخر کار یہی بچہ ان کا دشمن ہوا اور ان کے رنج کا باعث بنا۔ سورۃ قصص آیت ۸، پارہ ۲۰) میں لام تعلیل کے لیے نہیں ہے، بلکہ لام جر عاقبت کے لیے ہے، جس کے بعد اَن پوشیدہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے فعل مضارع کو نصب آیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ لِيَكُونَ میں لام جر تعلیل کے لیے ہے تو درست نہیں، کیوں کہ ان لوگوں نے نہیں اٹھایا ان کو اس وجہ سے بلکہ اٹھایا تاکہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جائے، لیکن اس کا بدلہ یہ ہوا کہ ان کے لیے باعث غم وعداوت ہوگیا۔

اسی طرح اگر لام جر زائدہ ہو تو اس کے بعد بھی اَن کا اظہار و اضمار دونوں صورتیں جائز ہیں اور لام جر زائدہ کے بعد آنے والے فعل مضارع پر اَن مضمرہ کی وجہ سے نصب آئے گا جیسے "اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذهِبَ عَنكُمُ الرِّجسَ اَهلَ البَيتِ" (اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو! تم سے دور

تم پر گندگی کو دور کردے۔ پارہ ۲۲، سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳) اس آیت میں لیذهب فعل مضارع میں لام جر زائدہ ہے جس کے بعد اَن کو پوشیدہ مانا جاتا ہے اس اَن ناصبہ مقدرہ کی وجہ سے فعل مضارع پر نصب آیا ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے "لأن یذهب عنکم" اور اَن کا اظہار بھی جائز ہے، اسی طرح کی جارہ کے بعد بھی اَن پوشیدہ ہوتا ہے۔

الا فی نحو لئلا یعلم الخ کی وضاحت:

یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر اَن کسی ایسے حرف عطف کے بعد ہو جس سے پہلے اسم خالص ہے جو فعل کی جگہ استعمال نہیں ہوتا ہے تو اس کا اظہار و اضمار دونوں جائز ہے۔ اسی طرح لام جر اگر تعلیل یا عاقبت کے لیے ہو یا زائدہ ہو اور فعل مضارع پر داخل ہو تو اس کے بعد اَن کا اظہار و اضمار جائز ہے، لیکن کچھ صورتیں ایسی ہیں جہاں اَن کا اظہار کرنا واجب ہے اور کچھ صورتیں ایسی بھی ہیں جہاں اَن کا اضمار کرنا واجب ہے۔

جہاں اَن ناصبہ کا ظاہر کرنا واجب ہے:

جس فعل مضارع پر لام داخل ہو اور وہ لا کے ساتھ ملا ہوا ہو تو اس صورت میں لام کے بعد اَن ناصبہ کا ظاہر کرنا واجب ہوگا تاکہ اجتماع دو لام لازم نہ آئے، خواہ وہ لا نافیہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: لئلا یکون للناس علی الله حجة (تاکہ لوگوں کی کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے۔ پارہ ۲، سورۃ بقرہ، آیت ۱۵۰) میں لام ایسے فعل مضارع پر داخل ہوا جو لا نافیہ کے ساتھ ملا ہوا ہے لہذا اس وقت لام کے بعد اَن کا ظاہر کرنا واجب ہوگا تاکہ لام اور لا نافیہ کے درمیان اجتماع لازم نہ آئے، چنانچہ اسی اَن کی وجہ سے یکون فعل مضارع کو نصب آیا ہے۔ یا وہ لا زائدہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: "لئلا یعلم اهل الکتاب" اس مثال میں بھی دو لام کے درمیان اَن کا ظاہر کرنا واجب ہے تاکہ دو لام کا اجتماع لازم نہ آئے، اس آیت میں لا زائدہ ہے لہذا آیت کا ترجمہ ہوگا "تاکہ اہل کتاب جان لے" حاصل یہ کہ مذکورہ بالا مثالوں میں لام کے بعد اَن ناصبہ کا ظاہر کرنا واجب ہے۔

جہاں اَن ناصبہ کا پوشیدہ رکھنا واجب ہے:

فتضمر لا غیر کاضمارها بعد حتی الخ کی وضاحت۔ اگر لام سے پہلے کان کا لفظاً یا معنی ماضی آیا ہو تو اَن کا اضمار (پوشیدہ کرنا) لازم ہے اظہار جائز نہیں۔ جیسے "وما کان الله لیعذبهم وانت فیهم" (اور اللہ ہرگز نہ عذاب دیتا ان پر جب تک تو رہتا ان میں۔ پارہ ۹، سورۃ انفال، آیت ۳۳) اس آیت میں لام سے پہلے کان لفظاً ماضی آیا ہے۔ لہذا قاعدہ کے مطابق لام کے بعد اَن کا

اضمار لازم ہو، جس کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب آیا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "کان یعذبھم" یا لام سے پہلے کان کا معنی ماضی آیا ہو تو اس وقت بھی لام کے بعد ان کا اضمار لازم ہے۔ جیسے "لم یکن اللہ لیغفرلھم" اس مثال میں "یکن" لَمْ حرف جازم کی وجہ سے فعل ماضی منفی کے معنی میں ہے لفظاً تو فعل مضارع ہے، لیکن معنی ماضی ہے، اس لیے "لیغفرلھم" میں لام کے بعد ان کا اضمار لازم ہے، جس نے فعل مضارع کو نصب دیا ہے۔ اس لام کو لام جحود کہتے ہیں۔

لام جحود کی تعریف

لام جحود وہ لام کہلاتا ہے جو کہ کان منفی کی خبر پر داخل ہو کر تاکید نفی کے لیے آتا ہے۔ جیسے "ما کان اللہ لیعذبھم" اور چوں کہ یہ حرف جارہ ہے، اور قاعدہ ہے کہ حرف جار فعل پر داخل نہیں ہوتا لہٰذا اس کے بعد اَنْ مصدریہ ناصبہ مقدر ہوگا تاکہ فعل مضارع بتاویل مصدر ہو کر داخل خبر ہو سکے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لام کے بعد اَن کی تین حالتیں ہوتی ہیں (۱) وجوب اضمار، اور یہ لام جحود کے بعد ہوتا ہے۔

(۲) وجوب اظہار۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ فعل مضارع لا، کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

(۳) جواز الوجہین دونوں صورتیں یعنی اضمار اور اظہار دونوں جائز ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ" میں لِنُسْلِمَ فعل مضارع کے لام کے بعد اَن کا اظہار و اضمار دونوں جائز ہیں اور اسی وجہ سے نصب آیا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "لِأَنْ نُسْلِمَ" اور دوسری آیت "وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ" میں لام کے بعد اَن کا اضمار جائز ہے، چنانچہ بحذف اضمار "لِأَكُونَ" پڑھا جائے گا۔

مزید چار مسائل میں اَنْ کا اضمار لازم؟

جس طرح لام جحود کے بعد اَنْ کا اضمار لازم ہوتا ہے، اسی طرح مزید چار مسائل اور ہیں جن میں اَن کا اضمار لازم ہوتا ہے۔

پہلا مسئلہ۔ حتّٰی کے بعد اَنْ ناصبہ لازمی مضمر ہوتا ہے اور فعل مضارع کو نصب دیتا ہے، جب کہ حتّٰی کا مدخول اس کے ماقبل کے لحاظ سے زمانہ مستقبل میں ہو تو حتّٰی معنی میں کَیْ یا اِلٰی کے ہوگا۔ پھر ماقبل کے اس کا مابعد مترقب الحصول ہو۔ عام اس سے کہ بوقت زمانہ تکلم اس کا مابعد ماضی میں ہو یا حال میں یا استقبال میں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ" (ہم برابر اس پر لگے بیٹھے رہیں گے جب تک لوٹ کر آئے ہمارے پاس موسیٰ۔ پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۹۱) یہ حتّٰی بمعنی اِلٰی کی مثال ہے، اور حتّٰی بمعنی اِلٰی اس وقت ہوگا جب کہ حتّٰی کا مابعد اس

کے ماقبل کے لیے غایت ہو۔ اس مثال میں حتّی بمعنی اِلٰی ہے، اس لیے کہ موسیٰ کا لوٹ کر آنا متکلم کے برابر بیٹھے رہنے کی غایت اور انتہاء ہے۔ اس کے لیے سبب نہیں ہے کہ بمعنی کَیْ ہو۔ نیز مثال مذکور میں حتّی کا مابعد اس کے ماقبل کے لحاظ سے بھی زمانہ مستقبل میں ہے۔ اور زمانہ تکلم کے لحاظ سے بھی جیسا کہ ظاہر ہے کہ کَنْ نَبْرَحَ فعل مضارع کا صیغہ ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول: "وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ" (اور جھڑجھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول۔ پارہ۲، سورۂ بقرہ آیت ۲۱۴) اس مثال میں حتّی بمعنی الٰی ہے اور اس میں حتّی کا مابعد یعنی قول رسول، تکلم کے زمانہ کے لحاظ سے اگرچہ زمانہ ماضی میں ہے، لیکن اپنے ماقبل یعنی زلزال کے لحاظ سے مستقبل میں ہے۔ اور "اَسْلِمْ حَتّٰى تَدْخُلَ الْجَنَّةَ" یہ حتّی بمعنی کَیْ کی مثال ہے، (حتّی بمعنی کَیْ اس وقت ہوگا جب کہ حتّی کا ماقبل حتّی کے مابعد کے لیے علت ہو) اس میں حتّی کا مابعد یعنی دخول جنت اس کے ماقبل یعنی اسلام لانے کے لحاظ سے بھی مستقبل میں ہے اور تکلم کے زمانہ کے لحاظ سے بھی زمانہ مستقبل میں ہے۔

اور "لَاَسِيْرَنَّ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ" یہ مثال حتّی بمعنی کَیْ کی بھی ہو سکتی ہے اور حتّی بمعنی اِلٰی کی بھی ہو سکتی ہے۔ حتّی بمعنی کَیْ کی مثال اس وقت ہوگی جب کہ اس سے متکلم کا قصد سیرت کا ہو اور اس صورت میں یہ معنی ہوگا کہ میں ضرور سیر کرتا رہوں گا تا کہ سورج طلوع ہو جائے۔ اور حتّی بمعنی اِلٰی کی مثال اس وقت ہوگی جب کہ مقصود متکلم کا غایت اور انتہا ہو، اور اس صورت میں اس کے یہ معنی ہوں گے، میں ضرور سیر کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ اب مثال مذکور میں حتّی کا مابعد یعنی طلوع شمس ماقبل حتّی کے لحاظ سے زمانہ مستقبل میں ہے۔

اور باری تعالیٰ قول "فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ" (تو تم سب لڑو اس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر پارہ ۲۶، سورۂ حجرات آیت ۹) اس آیت میں دو صورتیں جائز ہیں، اگر چاہیں تو حتّی تَفِيْءَ کے بجائے کَیْ تَفِيْءَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور چاہیں تو اِلٰی تَفِيْءَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اس آیت میں حتّی کا مابعد یعنی اللہ کے حکم پر آنا اس کے ماقبل یعنی لڑائی کرنے کے لحاظ سے بھی مستقبل میں ہے اور تکلم کے زمانہ کے لحاظ سے بھی زمانہ مستقبل میں ہے۔

مذکورہ بالا تمام مثالوں اور ان سے مشابہت رکھنے والی نظیروں میں وجوبی طور پر حتّی کے بعد اَنْ پوشیدہ ہوگا، یہاں ایک بات دھیان رہے کہ حتّی کے بعد آنے والا فعل مضارع اَنْ مضمرہ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے نفس حتّی کی وجہ سے نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چوں کہ حتّی جارہ ہے اور ایک ہی حرف اسم کے لیے جار اور فعل کے لیے ناصب ہو، کلام عرب میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ لہٰذا یہ اپنے مابعد اسم کو جر دے گا جیسے باری تعالیٰ کا قول: "حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ" میں مطلع اسم ظرف ہے اور حتّی کی وجہ سے

جر آیا ہے۔ اسی طرح حتّٰی حِیْنٍ میں بھی حتّٰی کی وجہ سے جر آیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حتّٰی حرف جار ہے۔ علمائے کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ حتّٰی کی وجہ سے فعل مضارع کو نصب آتا ہے۔

حتّٰی کے بعد فعل مضارع کا مرفوع ہونا!

حتّٰی کے بعد فعل مضارع کو رفع آئے گا، لیکن تین شرطوں کے ساتھ۔

پہلی شرط:- حتّٰی کا مابعد اس کے ماقبل سے مسبب ہو، اگر یہ شرط موجود نہ ہوگی تو پھر حتّٰی کے بعد فعل مضارع کو نصب آئے گا رفع نہیں، جیسا کہ سِرْتُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ میں حتّٰی کے بعد فعل کو نصب پڑھا گیا ہے۔ کیوں کہ اس مثال میں حتّٰی بمعنی اِلٰی ہے، اس لیے کہ طلوع شمس سیر متکلم کی غایت اور انتہاء ہے، اس کے لیے سبب نہیں کہ حتّٰی کا مابعد ماقبل سے مسبب ہو۔

دوسری شرط:- یہ کہ جب حتّٰی کے مابعد سے حال کا ارادہ کریں حقیقتاً یا تقدیراً تو اس وقت حتّٰی ابتدائیہ اور استینافیہ ہوگا نہ کہ جارہ اور عاطفہ۔ اور حتّٰی کا مابعد کلام مستقل مرفوع ہوگا، چوں کہ اس صورت میں حتّٰی کے مابعد کا ماقبل سے ارتباط لفظی فوت ہو چکا ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ حتّٰی کا ماقبل کلام مابعد کے لیے سبب ہوتا کہ ارتباط معنوی فوت نہ ہو۔

حقیقتاً کی مثال جیسے سِرْتُ حَتّٰی اَدْخُلُهَا اس مثال میں مابعد حتّٰی یعنی دخول شہر سے حال حقیقتاً مراد ہے جیسا کہ ظاہری ہے۔ اور زمانہ حال بعینہٖ زمانہ تکلم کا ہے، اس لیے دخول شہر زمانہ تکلم میں پایا جاتا ہے، اور مثال مذکور میں حتّٰی کا مابعد مرفوع اور اس کا ماقبل یعنی سیر مابعد حتّٰی یعنی دخول شہر کا سبب ہے۔

تقدیراً کی مثال:- تقدیراً کی مثال وہی ہے جو حقیقتاً کی ہے۔ بشرطیکہ عبارت مذکورہ کو متکلم نے اس وقت کہا ہو جب کہ وہ زمانہ تکلم سے پہلے شہر میں داخل ہو چکا ہو۔ پس ظاہر ہے کہ اس جگہ فعل مذکور حال گذشتہ سے حکایت ہے، اس لیے کہ اصل عبارت شہر میں داخل ہوتے وقت متکلم کو بولنی چاہیے تھی، لیکن اب وہ زمانہ تکلم میں اپنے شہر میں داخل ہونے کی حکایت کرتا ہے کہ گویا اس وقت داخل ہو رہا ہے۔ پس حال بطریق حکایت ہوگا اور جب مابعد حتّٰی سے حال کا ارادہ کیا گیا تو اس مثال میں بھی حتّٰی کا مابعد مرفوع ہوگا۔ اسی بناء پر باری تعالیٰ کا قول حَتّٰی یَقُوْلُ الرَّسُوْلُ پر رفع پڑھنا جائز ہے، کیوں کہ زلزال اور قول رسول دونوں ماضی ہیں، لیکن حتّٰی کے بعد قول رسول سے حال کا ارادہ کیا گیا ہے۔

تیسری شرط:- یہ ہے کہ حتّٰی کا ماقبل تام ہو، یعنی کان تامہ ہونے کی صورت میں حتّٰی کے مابعد کو رفع دینا جائز ہے۔ جیسے کَانَ سَیْرِیْ حَتّٰی اَدْخُلُهَا (میری سیر یہاں تک ہوئی کہ میں اب داخل ہوتا ہوں) اس مثال میں کَانَ کو تامہ اور حتّٰی کو حرف ابتداء مانا گیا ہے، اس لیے کہ کَانَ تامہ

خبر نہیں بن جاتا ہے۔ لہٰذا حتی کے بعد فعل مضارع کو رفع پڑھنا جائز ہے، کیوں کہ اس وقت معنی میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ ہاں اگر حتی کا ماقبل تام نہ ہو جیسے سیری حتی ادخلها یا حتی کا ماقبل کان ناقصہ ہو جیسے کان سیری حتی ادخلها تو مابعد حتی میں رفع ممتنع ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے مرفوع ہونے کی صورت میں حتی ابتدائیہ ہوگا اور مابعد حتی کا ماقبل سے انقطاع ہوگا۔ اور اس وقت کان ناقصہ بلا خبر رہ جائے گا۔ پس لامحالہ حتی کو جارہ کہیں گے، تا کہ اس کے بعد ان مقدر ہو اور جار مجرور مل کر کان کی خبر ہو جائے۔

وبعد او التی بمعنی الی، نحو "لَأَسْتَسْهِلَنَّ الصَّعْبَ أَوْ أُدْرِكَ الْمُنَى" او التی بمعنی الا نحو:- وَكُنْتُ إِذَا غَمَزْتُ قَنَاةَ قَوْمٍ كَسَرْتُ كُعُوبَهَا أَوْ تَسْتَقِيمَا. وبعد فاء السببیة او واو المعیة مسبوقتین بنفی محض او طلب بالفعل، نحو (لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا) (وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ) (وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ) و "لا تأكل السمك وتشرب اللبن".

ترجمہ:- اور اس او کے بعد (ان پوشیدہ لایا جاتا ہے) جو الی کے معنی میں ہو جیسے او ادرك المنی (میں کوشش کرتا رہوں گا آرزو کے پانے تک) یا وہ او الا کے معنی میں ہو جیسے وكنت اذا غمزت الخ (جب میں کسی قوم کا نیزہ آزمانے کے لیے لیتا ہوں تو اس کے ابھار کو توڑ دیتا ہوں الا یہ کہ وہ درست ہو جائے) اور (ان پوشیدہ لایا جاتا ہے) فاء سببیہ کے بعد یا ایسے واو معیت کے بعد جو نفی محض یا طلب بالفعل (یعنی امر) کے ساتھ لائے گئے ہوں جیسے "لَا يُقْضَى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا" (نہ ان پر حکم پہنچے کہ وہ مر جائیں) وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو) "وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ" (اور نہ گڑ بڑ کرو اس میں زیادتی پھر تو اترے گا) اور وَلَا تَأْكُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبَنَ (دودھ پینے کے ساتھ مچھلی مت کھاؤ)

وضاحت

دوسرا مسئلہ - وبعد او التی بمعنی الی کی وضاحت۔ یہ عبارت بعد حتی پر معطوف ہے۔ یعنی کہ او کے بعد مضارع بتقدیر ان اس وقت منصوب ہوتا ہے جب کہ وہ معنی میں الی ان، یا الا ان کے ہوتا ہے۔ اور دراصل او کے معنی الی یا الا کے ہیں، ان او کے مفہوم سے خارج ہے۔ ورنہ اگر ان کو بھی مفہوم او میں داخل کیا جاوے گا تو تکرار ان لازم آئے گا۔

او بمعنی الی کی مثال: جیسے "لألزمنك او تقضيني حقي ای الی ان تقضيني حقي

ہے۔ (میں تیرے لازم رہوں گا یعنی ہمیشہ ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ تو میرا حق مجھ کو دیدے) اس مثال میں اَوْ کے بعد مضارع بتقدیر اَنْ منصوب ہو رہا ہے اور یہ اَوْ اِلٰی اَنْ کے معنی میں مستعمل ہے۔

اسی طرح شاعر کے قول سے بھی استدلال ہو رہا ہے۔ شاعر کا قول:

لَاَسْتَسْهِلَنَّ الصَّعْبَ اَوْ اُدْرِكَ الْمُنٰى   فَمَا انْقَادَتِ الْآمَالُ اِلَّا لِصَابِرٍ

ای اِلٰی اَنْ اُدْرِكَ الْمُنٰى (میں ضرور دشواریوں کو آسان بناؤں گا حتی کہ اپنی آرزوئیں پالوں امیدیں صبر کرنے والوں کے لیے ہی پوری ہوتی ہیں) اس شعر میں محل استشہاد اَوْ اُدْرِكَ الْمُنٰى ہے، کیوں کہ اَوْ بمعنی اِلٰی ہے، جس کے بعد مضارع بتقدیر ان منصوب ہو رہا ہے۔ (اس شعر کا قائل معلوم نہ ہو سکا)

اَوْ بمعنی الا کی مثال:- جیسے "لَاَقْتُلَنَّ الْكَافِرَ اَوْ يُسْلِمَ ای اِلَّا اَنْ يُسْلِمَ" (میں کافر کو ضرور قتل کروں گا الا یہ کہ وہ اسلام لے آئے) اس مثال میں اَوْ بمعنی اِلَّا ہے کہ جس کے بعد مضارع يُسْلِمَ بتقدیر ان منصوب ہو رہا ہے۔ اسی طرح زیاد اعجم نامی شاعر کا شعر

وَكُنْتُ اِذَا غَمَزْتُ قَنَاةَ قَوْمٍ   كَسَرْتُ كُعُوْبَهَا اَوْ تَسْتَقِيْمَا

(جب میں کسی قوم کا نیزہ آزمانے کے لیے لیتا ہوں تو اس کے ابھار کو توڑ دیتا ہوں الا یہ کہ وہ درست ہو جائے۔)

اس شعر میں محل استشہاد كُعُوْبَهَا اَوْ تَسْتَقِيْمَا ہے کیوں کہ اَوْ اِلَّا اَنْ کے معنی میں ہے، جس کے بعد مضارع بتقدیر ان منصوب ہو رہا ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہوگی، ای اِلَّا اَنْ تَسْتَقِيْمَ فَلَا اَكْسِرُ كُعُوْبَهَا یہاں اَوْ کو اِلٰی کے معنی میں مراد لینا درست نہیں، کیوں کہ استقامت کسر کے لیے انتہا نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ:- وَبَعْدَ فَاءِ السَّبَبِيَّةِ کی وضاحت: یہ عبارت بَعْدَ حَتّٰى پر معطوف ہے، یعنی فاء سببیہ کے بعد فعل مضارع بتقدیر اَنْ اس وقت منصوب ہوگا جب کہ دو شرطیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ فاء کا ماقبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہو۔ دوسرے یہ کہ فاء کے ماقبل اشیاء متسعہ میں سے ایک شئ ہو، اشیاء متسعہ یہ ہیں (۱) نفی محض (۲) طلب فعل (۳) نہی (۴) تحضیض (۵) تمنی (۶) ترجی (۷) دعاء (۸) استفہام (۹) عرض۔

شرط اول کی تفصیل:- پہلی شرط یہ ہے کہ فاء کا ماقبل اس کے مابعد کے لیے سبب ہو، کیوں کہ رفع سے نصب کی طرف عدول سببیت پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے کہ تغیر لفظ تغیر معنی پر دلالت کرتا ہے پس اگر سببیت مقصود نہ ہو تو رفع سے نصب کی طرف عدول کرنے کی حاجت نہ ہوگی۔

شرط دوم کی تفصیل:- دوسری شرط یہ ہے کہ فاء کے ما قبل اشیاء ستہ میں سے ایک ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فاء سے پہلے اشیاء ستہ مذکورہ میں سے ایک نہیں ہوگی تو سننے والے کو یہ وہم ہوگا کہ ما بعد جملہ سابقہ پر معطوف ہے اس لیے کہ یہ اشیاء از قبیل انشاء ہیں اور خبر کا عطف انشاء پر درست نہیں۔ ہر ایک کی مثال ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) نفی محض کی مثال:- جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا" ای فلن يَمُوْتُوْا اس مثال میں فاء سببیہ کے بعد اَن پوشیدہ ہے جس نے فعل مضارع يَمُوْتُوْا سے نون اعرابی گرانے کی شکل میں نصب دیا ہے۔ اور یہ لا نافیہ کی مثال ہے۔

اسی طرح اہل عرب کا قول "مَا تَأْتِيْنَا فَتُحَدِّثَنَا" ای فلن تُحَدِّثَنَا (تو ہمارے پاس نہیں آیا کہ ہم تجھ سے بات نہ کریں) اس مثال میں فاء سببیہ کے بعد اَن پوشیدہ ہے جس نے فعل مضارع تُحَدِّثَ کو نصب بشکل فتحہ دیا ہے اور یہ ما نافیہ کی مثال ہے۔

سوال: یہاں ایک طالبعلمانہ اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے نفی کے ساتھ محض کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب: مصنفؒ محض کی قید لگا کر "مَا تَزَالُ تَأْتِيْنَا فَتُحَدِّثُنَا" اور "وَمَا تَأْتِيْنَا اِلَّا فَتُحَدِّثُنَا" جیسی مثالوں کو نفی کی بحث سے خارج کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں مثالوں میں اثبات کے معنی ہیں نفی محض نہیں۔ وہ اس طور پر کہ پہلی مثال میں "زال" نفی کے لیے آتا ہے، لیکن جب حرف نفی ما داخل ہوا تو اب نفی نفی مل کر اثبات ہوگئی، اسی طرح دوسری مثال میں "ما تأتینا" فعل منفی ہے لیکن الا حرف استثنیٰ کے ذریعہ معنی نفی ٹوٹ کر اثبات میں بدل گیا لہٰذا نفی محض کی علامت نہ ہونے کی وجہ سے ان دونوں مثالوں میں فاء کے بعد اَن پوشیدہ نہ ہوگا اور فعل مضارع کو نصب بھی نہیں پڑھا جائے گا بلکہ رفع پڑھا جائے گا۔

(۲) طلب فعل کی مثال:- (طلب فعل سے مراد امر ہے) جیسے شاعر کا قول:

يَا نَاقُ سِيْرِيْ عَنَقًا فَسِيْحَا   اِلٰى سُلَيْمَانَ فَنَسْتَرِيْحَا

(ترجمہ: اے اونٹنی سلیمان تک تیز رفتار سے چلو ہم آرام کریں گے۔) یہ ابو نجم عجلی فضل بن قدامہ کا شعر ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد "فَنَسْتَرِيْحَا" ہے اصل عبارت فَاَنْ نَسْتَرِيْحَا ہے چوں کہ فَنَسْتَرِيْحَا میں فاء سببیہ ہے جو سیری امر یا فعل کے بعد واقع ہے، لہٰذا فاء کے بعد ان مصدریہ کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے فعل مضارع نَسْتَرِيْحَا منصوب ہے۔

سوال: یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے طلب میں فعل کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب: دراصل اس قید سے اہل عرب کا قول "نَزَالِ فَنُكْرِمَكَ" اور "صَهٍ فَنُحَدِّثَكَ"

جیسی مثالوں کو خارج کرنا چاہتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں مثالوں میں "نَزَالِ اور صَهْ" مختلف فیہ ہیں، بعض نے فعل امر کہا ہے اور بعض نے اسم فعل کہا ہے لہٰذا اس کی وجہ سے فاء سببیہ کے بعد اَنْ پوشیدہ ہو کر فعل مضارع کو نصب نہیں دے سکے، بلکہ رفع ہی آئے گا۔

(۳) نہی کی مثال:- جیسے باری تعالیٰ کا قول: "وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي" اَيْ فَاَنْ يَحِلَّ (تم سرکشی نہ کرو کہ میرا غضب تم پہ نازل ہو) اس مثال میں "لَا تَطْغَوْا" فعل نہی ہے لہٰذا فاء سببیہ کے بعد اَنْ پوشیدہ ہو کر یَحِلَّ فعل مضارع کو نصب دیا ہے۔

(۴) تحضیض کی مثال:- جیسے باری تعالیٰ کا قول: "لَوْلَا اَخَّرْتَنِيْ اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ" اَيْ فَاَنْ اَصَّدَّقَ. (اے رب کیوں نہ ڈھیل دی تو نے مجھ کو ایک تھوڑی سی مدت کہ میں خیرات کرتا۔ پارہ ۲۸، سورۃ منافقون آیت ۱۰) اس مثال میں لَوْلَا اَخَّرْتَنِيْ فعل تحضیض ہے، اس لیے فَاَصَّدَّقَ فعل مضارع فاء سببیہ کے بعد بتقدیر اَنْ منصوب ہے۔

(۵) تمنی کی مثال:- جیسے "يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ" اَيْ فَاَنْ اَفُوْزَ" (کاش کہ میں ان کے ساتھ ہوتا تو میں کامیاب ہوتا) اس مثال میں يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ فعل تمنی ہے لہٰذا فاء سببیہ کے بعد بتقدیر اَنْ مضارع فَاَفُوْزَ منصوب ہے۔

(۶) ترجی کی مثال:- جیسے "لَعَلِّيْ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ، اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ" اَيْ فَاَنْ اَطَّلِعَ (شاید میں جا پہنچوں رستوں میں، رستوں میں آسمانوں کے، پھر جھانک کر دیکھوں۔ پارہ ۲۴، سورۃ المؤمن آیت ۳۶، ۳۷) اس مثال میں لَعَلِّيْ اَبْلُغُ فعل ترجی ہے جس کی وجہ سے فعل مضارع فَاَطَّلِعَ، فاء سببیہ کے بعد بتقدیر اَنْ منصوب ہوا ہے۔

(۷) دعاء کی مثال:- جیسے شاعر کا قول:

رَبِّ وَفِّقْنِيْ فَلَا اَعْدِلَ عَنْ   سَنَنِ السَّاعِيْنَ فِيْ خَيْرِ سَنَنْ

(ترجمہ: اے میرے رب مجھے اس بات کی توفیق دے کہ خیر طریق میں کوشش کرنے والے کے طریق سے عدول نہ کروں) شاعر کے نام کا پتہ نہیں چل سکا۔ اس شعر میں محل استشہاد "فَلَا اَعْدِلَ" ہے جس کو فاء سببیہ کے بعد بتقدیر اَنْ نصب دیا گیا ہے اور یہ فاء سببیہ دعاء رَبِّ وَفِّقْنِيْ کے بعد ہے۔

(۸) استفہام کی مثال:- جیسے شاعر کا قول:

هَلْ تَعْرِفُوْنَ لُبَانَاتِيْ فَاَرْجُوَ اَنْ   تُقْضٰى فَيَرْتَدَّ بَعْضُ الرُّوْحِ لِلْجَسَدِ

(ترجمہ: تم میری ضروریات سے واقف ہو مجھے ان کے پورا کرنے کی امید ہے، چاہے بعض روح دوبارہ جسم میں لوٹ آئے) قائل کا پتہ نہیں چل سکا۔ اس شعر میں محل استشہاد فَاَرْجُوَ اور فَيَرْتَدَّ

ہے، جس میں فاء سببیہ کے بعد بتقدیر آن نصب آیا ہے، جو فاء هَلْ تَعْرِفُونَ استفہام کے بعد واقع ہے۔

(۹) عرض کی مثال:- جیسے شاعر کا قول:

يَابْنَ الْكِرَامِ أَلَا تَدْنُوا فَتُبْصِرَ مَا ۔۔۔ قَدْ حَدَّثُوكَ، فَمَا رَاءٍ كَمَنْ سَمِعَا

(ترجمہ: اے شریفوں کی اولاد! قریب ہو جاؤ، پھر تم ان چیزوں کو دیکھ لو گے جسے ان لوگوں نے تمہارے سامنے بیان کیا اور یہ مسلم ہے کہ دیکھنے والا سننے والے کی طرح نہیں ہوتا) اس شعر میں محل استشہاد "فَتُبْصِرَ" ہے جو أَلَا تَدْنُوا (عرض) کے بعد واقع ہے اور فاء سببیہ کے بعد بتقدیر أنْ منصوب ہے۔

چوتھا مسئلہ:- أَوْ وَاوِ الْمَعِيَّةِ کی وضاحت: واؤ کے بعد بھی مضارع بتقدیر أنْ منصوب ہوتا ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ، ایک جمعیت ومعیت، کہ جس کا معنی ہے کہ واؤ کا ماقبل اس کے مابعد کا مصاحب ہو یعنی دونوں کے حصول کا زمانہ ایک ہو۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ واؤ سے ماقبل فاء سببیہ کی طرح اشیاء تسعہ مذکورہ میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہو۔ باقی رہی واؤ کی مثالیں تو وہ اسی طرح ہیں جس طرح فاء کی مثالیں ہیں، صرف واؤ کو فاء کی جگہ استعمال کریں۔ مزید کسی تصرف کی ضرورت نہیں۔

مثلاً باری تعالیٰ کا قول: "وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ. أي وَأَنْ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (ترجمہ: حالاں کہ اب تک اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔ پارہ۴ سورۃ آل عمران آیت ۱۴۲) اس مثال میں وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ محل استشہاد ہے، جس میں واؤ معیت کے بعد بتقدیر أن نصب آیا ہے، چوں کہ یہ واؤ معیت نفی محض کے بعد واقع ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" أي وَأَنْ لَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا، وَأَنْ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (ترجمہ: ہائے کیا اچھی بات ہو کہ ہم پھر واپس بھیج دیے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم اپنے رب کی آیات کو جھوٹا نہ بتلائیں اور ہم ایمان والوں میں سے ہو جائیں۔ پارہ۷ سورۃ الانعام آیت ۲۷) اس آیت میں محل استشہاد "وَلَا نُكَذِّبَ" اور "وَنَكُوْنَ" ہے جو واؤ معیت کے بعد بتقدیر أنْ منصوب ہے اور یہ واؤ معیت "يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ" تمنی کے جواب میں واقع ہے۔

اسی طرح شاعر کا قول: أَلَمْ أَكُ جَارَكُمْ وَيَكُوْنَ بَيْنِيْ ۔۔۔ وَبَيْنَكُمُ الْمَوَدَّةُ وَالْإِخَاءُ

(کیا میں تمہارا پڑوسی نہیں رہا اور تمہارے درمیان بھائی چارگی اور محبت تھی۔) یہ زبرقان بن بدر نامی شاعر کا شعر ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد "وَيَكُوْنَ" ہے جو واؤ معیت کے بعد بتقدیر أنْ

منصوب ہے چوں کہ واؤ سے پہلے نفی بھی ہے۔

دوسرے شاعر کا قول: لَاتَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَتَاتِيَ مِثْلَهُ ــــ عَارٌ عَلَيْكَ. إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمٌ (ایسے اخلاق سے مت روکو جن کو تم خود کرتے ہو، اگر ایسا کرو گے تو تمہارے لے بڑی شرم کی بات ہے۔) یہ ابوالاسود دوئلی نامی امام نحو کا شعر ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد "وَتَاتِيَ مِثْلَهُ" ہے جس کو واؤ معیت کے بعد مقدر ہر اَنْ نصب آیا ہے، چوں کہ واؤ سے پہلے فعل نہی لَاتَنْهَ آیا ہے۔

اہل عرب کا قول: لَاتَاكُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبَنَ (مچھلی مت کھاؤ دودھ پینے کے ساتھ) اس مثال میں تَشْرَبَ فعل مضارع واؤ معیت کے بعد ان پوشیدہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے چوں کہ یہ واؤ فعل نہی کے بعد واقع ہے۔ اور اگر آپ ان دونوں فعلوں میں سے ہر ایک کو فعل نہی مانیں تو اس وقت لاء نہی کی وجہ سے ہر ایک کو جزم آئے گا جیسے لَاتَاكُلِ السَّمَكَ وَلَا تَشْرَبِ اللَّبَنَ اور اگر پہلے فعل کو نہی اور دوسرے کو مستقل علاحدہ جملہ مانیں تو دوسرے فعل کو رفع آئے گا جیسے لَاتَاكُلِ السَّمَكَ وَلَكَ شُرْبُ اللَّبَنِ. (از مؤلف)

بَابُ جَوَازِمِ الْفِعْلِ الْمُضَارِعِ

فَإِنْ سَقَطَتِ الْفَاءُ بَعْدَ الطَّلَبِ وَقُصِدَ الْجَزَاءُ جُزِمَ، نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى (قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ). وَشَرْطُ الْجَزْمِ بَعْدَ النَّهْيِ صِحَّةُ حُلُوْلِ "إِنْ لَا" مَحَلَّهُ، نَحْوُ "لَاتَدْنُ مِنَ الْاَسَدِ تَسْلَمْ" بِخِلَافِ "يَأْكُلْكَ" وَيُجْزَمُ أَيْضًا بِلَمْ نَحْوُ (لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ) وَلَمَّا، نَحْوُ (وَلَمَّا يَقْضِ) وَبِاللَّامِ وَ "لَا" الطَّلَبِيَّتَيْنِ نَحْوُ (لِيُنْفِقْ، لِيَقْضِ، لَا تُشْرِكْ، لَا تُؤَاخِذْنَا).

ترجمہ:۔ پس اگر طلب (یعنی فعل امر) کے بعد فاء ساقط ہو جائے۔ اور (فعل مضارع سے) جزاء کا قصد کیا جائے تو وہ (یعنی مضارع) مجزوم ہوگا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ" (آپ کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں) اور فعل نہی کے بعد (مضارع کو) جزم آنے کی شرط یہ ہے کہ اس لاء نہی کی جگہ "إِنْ لَا" کا آنا درست ہو جیسے "لَاتَدْنُ مِنَ الْاَسَدِ تَسْلَمْ" (شیر کے قریب مت جاؤ محفوظ رہو گے) برخلاف يَأْكُلْكَ کے۔ اور (مضارع کو) لَمْ کی وجہ سے بھی جزم دیا جاتا ہے جیسے "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ" (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) اور لَمَّا کی وجہ سے بھی جزم دیا جاتا ہے جیسے "وَلَمَّا يَقْضِ" (اس نے ابھی تک پورا نہیں کیا۔) اور لام (یعنی لام امر) اور لاء (یعنی لاء نہی) طلبیہ کے ذریعہ جزم دیا جاتا ہے جیسے لِيُنْفِقْ (چاہیے کہ وہ خرچ کرے) لِيَقْضِ (چاہیے

کہ وہ پورا کرے) "لَاتُشْرِكْ" (تو شرک مت کر) "لَاتُؤْخِذْنَا" (تو ہمیں نہ پکڑنا)

وضاحت:- جب مصنفؒ عوامل جمہ کی بحث کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے عوامل جازمہ کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا۔

عوامل جازمہ کی تعریف:

عوامل جازمہ وہ حروف ہیں جو فعل مضارع پر داخل ہوکر چار تثنیہ، دو جمع مذکر غائب و حاضر اور ایک واحد مؤنث حاضر کے صیغے سے نون اعرابی کو گراتے ہیں۔ اور پانچ صیغوں میں جزم کرتے ہیں۔ یعنی واحد مذکر غائب و حاضر، واحد مؤنث غائب، واحد متکلم، جمع متکلم اور دو صیغوں میں کوئی عمل نہیں کرتے اور وہ جمع مؤنث غائب و حاضر ہیں۔

عوامل جازمہ کی قسمیں:

فعل مضارع کو جزم دینے والے عوامل دو قسم کے ہیں۔ بعض ایک فعل کو جزم دیتے ہیں۔ بعض دو فعلوں کو جزم دیتے ہیں۔

ایک فعل کو جزم دینے والے عوامل:

ایک فعل کو جزم دینے والے عوامل پانچ ہیں (۱) طَلَبْ (۲) لَمْ (۳) لَمَّا (۴) لام طلبیہ (۵) لام نہی۔

جازم اول طلب کی وضاحت:

فَاِنْ سَقَطَتِ الْفَاءُ بَعْدَ الطَّلَبِ الخ کی وضاحت: جب امر، نہی، استفہام، دعاء، عرض وغیرہ انواع طلب پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ مقدم ہو اور اس کے بعد فعل مضارع ہو جو فاء سے خالی ہو اور اس سے جواب طلب مراد لیا گیا ہو تو وہ فعل مضارع اس طلب کی وجہ سے مجزوم ہوگا، کیوں کہ اس میں شرط کا معنی موجود ہے۔ اور اصلاً شرط و جزاء مجزوم ہوتا ہے اور اس طلب و جزاء میں بھی شرط و جزاء بننے کی صلاحیت ہوتی ہے، اس طرح کہ طلب سبب حقیقی ہے اور جواب طلب مسبب ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول: "قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ" (آپ کہیے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں۔ پارہ۸، سورہ انعام آیت ۱۵۱) اس آیت میں تَعَالَوْا فعل طلب امر پر دلالت کرتا ہے جو مقدم ہے۔ اور اَتْلُ فعل مضارع فاء سے خالی ہے جو مؤخر ہے اور اس سے جزاء یعنی جواب طلب کا قصد کیا گیا ہے، کیوں کہ اس آیت کا مفہوم ہے کہ آؤ اگر تم آؤ گے تو میں تمہارے سامنے پڑھوں گا۔ لہٰذا ان کے سامنے پڑھنا مسبب ہوا ان کے آنے کا۔ اسی وجہ سے اَتْلُ فعل مضارع کو جزم آیا ہے اور علامت جزم حرف آخر (واؤ) کے حذف کی صورت میں

ظاہر ہوا ہے، شاعر کے قول سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ شاعر کا قول:

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيْبٍ وَمَنْزِلِ ۔۔۔ بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُوْلِ فَحَوْمَلِ

(تم دونوں ٹھہر جاؤ کہ ہم روئیں اپنے محبوب اور اس کی منزل کو یاد کرتے ہوئے جو ریت کے تودے کے پاس ہے دخول اور حومل کے درمیان) یہ امرؤ القیس نامی شاعر کا قول ہے جو زمانہ جاہلیت کا یکتہ روزگار شاعر تھا۔ اس شعر میں محل استشہاد "قِفَانَبْكِ" ہے، قِفَا فعل طلب امر پر دلالت کرتا ہے جو مقدم ہے اور نَبْكِ فعل مضارع کا فاء سے خالی ہے۔ جو مؤخر ہے اور اس سے جزا یعنی جواب طلب کا قصد کیا گیا ہے اور اسے جزم دیا گیا ہے علامت جزم حرف آخر (ی) کے حذف کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

اور اہل عرب کا قول "اِئْتِنِي أُكْرِمْكَ" (تو میرے پاس آ میں تیری عزت کروں گا) یہ فعل امر کی مثال ہے، کیوں کہ اس قول میں ائتنی صیغہ امر ہے۔ اور "أُكْرِمْكَ" فاء سے خالی ہونے اور جواب امر واقع ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

اور "هَلْ تَأْتِيْنِي أُحَدِّثْكَ" (کیا تو میرے پاس آئے گا تو میں تجھ سے گفتگو کروں گا) میں هَلْ تَأْتِيْنِي فعل طلب استفہام پر دلالت کرتا ہے اور أُحَدِّثْكَ سے جواب طلب کا قصد کیا گیا ہے، اسی لیے مجزوم ہے۔

اور "وَلَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ" (تو کفر مت کر جنت میں داخل ہوگا) یہ فعل نہی کی مثال ہے۔ اس مثال "وَلَا تَكْفُرْ" میں فعل طلب نہی پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کے بعد آنے والے فعل "تَدْخُلْ" سے جواب طلب کا قصد کیا گیا ہے اور فاء سے خالی ہے اس لیے مجزوم ہے۔

ماحصل یہ نکلا کہ جواب امر مجزوم ہوتا ہے، لیکن امر و نہی کے بعد مضارع پر فاء داخل ہو جائے تو پھر مجزوم نہ ہوگا، جیسے كُنْ فَيَكُوْنُ کہ اصل عبارت كُنْ فَهُوَ يَكُوْنُ ہے اور مضارع مجزوم نہیں بلکہ مرفوع ہے۔

فعل مضارع کب مجزوم نہ ہوگا:

اگر طلب کے بجائے فعل مضارع سے پہلے مثبت یا منفی یا خبر ہو تو فعل مضارع مجزوم نہ ہوگا، جیسے "مَا تَأْتِيْنَا تُحَدِّثُنَا" اس مثال میں تُحَدِّثُنَا فعل مضارع سے پہلے مَا تَأْتِيْنَا فعل منفی آیا ہے، اس وجہ سے کہ باتفاق علمائے نحو فعل مضارع کو مرفوع پڑھا گیا ہے، اسے مجزوم پڑھنا جائز نہیں، لیکن اس بحث میں صاحب جمل سے تسامح ہو گیا کہ انہوں نے اس صورت میں بھی جزم دینا جائز قرار دیا ہے۔ اور أَنْتَ تَأْتِيْنَا تُحَدِّثُنَا میں أَنْتَ تَأْتِيْنَا فعل مثبت ہے اور اس کے بعد آنے والا مضارع تُحَدِّثُنَا

باتفاق علمائے نحو مرفوع پڑھا گیا ہے۔

سوال: یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ اہل عرب کا قول "اِتَّقَى اللّٰهَ امْرُؤٌ فَعَلَ خَيْرًا يُثَبْ عَلَيْهِ" مجزوم ہے جب کہ اس سے پہلے اِتَّقَى اللّٰهَ اور فَعَلَ ماضی ہے گرچہ قانون کی رو سے یہ دعویٰ غلط ہے، لیکن ظاہر میں فعل ماضی ہے صیغہ امر نہیں تو پھر يُثَبْ عَلَيْهِ پر جزم کیوں آیا جب کہ یہ جواب طلب نہیں بن رہا ہے۔

جواب: اِتَّقَى اللّٰهَ اور فَعَلَ درحقیقت امر ہیں اور يُثَبْ عَلَيْهِ جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، کیوں کہ یہ دونوں لِيَتَّقِ اللّٰهَ امْرُؤٌ وَلْيَفْعَلْ خَيْرًا ہے، ایسا نہیں جیسا کہ آپ نے خیال فرمایا ہے۔ یہی حال باری تعالیٰ کے قول "هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ، تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ، ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، يَغْفِرْ لَكُمْ" (اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتلا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم میں علم ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ پارہ ۲۸، سورہ صف آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲) میں "تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ" کے بعد يَغْفِرْ لَكُمْ کے مجزوم ہونے کا ہے، کیوں کہ یہ افعال طلب ہیں۔ اور يَغْفِرْ لَكُمْ جواب طلب ہے۔ اس طور کہ اللہ تعالیٰ کا قول: "تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ورسوله وتجاهدون" . آمِنُوْا وَجَاهِدُوْا کے معنی میں ہے، استفہام کے لیے جواب نہیں ہے لہٰذا اس کے بعد آنے والا فعل يَغْفِرْ لَكُمْ جواب طلب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا، کیوں کہ گناہ معاف کرنے کا سبب ایمان اور جہاد ہے اور سبب و مسبب دونوں موجود ہیں لہٰذا جزم آئے گا۔

طلب کے بعد آنے والے فعل مضارع کی تین حالتیں:

طلب کے بعد آنے والے فعل مضارع کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں (۱) یا تو وہ جواب طلب ہی بنے گا تو اس وقت لازماً مجزوم ہوگا۔

(۲) جواب طلب بھی بن سکتا ہے اور صفت بھی بن سکتا ہے تو صفت مان کر مرفوع اور جواب طلب مان کر مجزوم دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں جیسے باری تعالیٰ کا قول: "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ" (آپ ان کے مالوں میں صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں۔ پارہ ۱۱، سورہ توبہ آیت ۱۰۳) میں "تُطَهِّرُهُمْ" کو تمام قراء نے مرفوع پڑھا ہے، اگرچہ فعل طلب

(یعنی خُذْ) کے ساتھ لایا گیا ہے، لیکن اس سے جواب طلب کا قصد نہیں کیا گیا ہے یعنی اِنْ تَأْخُذْ مِنْهُمْ صدقةً تُطَهِّرْهُمْ کا معنی مراد نہیں لیا گیا، بلکہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صدقةً مُطَهِّرةً کا معنی مراد لیا گیا اور تُطَهِّرُهُمْ کو صَدَقَةً کی صفت مان لیا گیا ہے۔

اور تُطَهِّرْهُمْ کو جزم کے ساتھ بھی پڑھنا درست ہے، جب کہ اس سے جزاء اور جواب طلب کا قصد کیا جائے، کیوں کہ خُذْ فعل طلب ہے اور تُطَهِّرْهُمْ فاء سے خالی ہونے کے ساتھ ساتھ جواب طلب بن رہا ہے، لہٰذا مجزوم پڑھا جائے گا۔ اور یہ جائز ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول: "فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَرِثُنِیْ" (پس تو مجھے اپنے پاس سے وارث عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو۔ پارہ ۱۶ سورہ مریم آیت ۶،۵) میں یَرِثُنِیْ کو وَلِیًّا کی صفت مان کر رفع پڑھنا درست ہے، کیوں کہ اس صورت میں جملہ اول سبب نہیں ہے اور فعل طلب (یعنی فَهَبْ لِیْ) کا جواب طلب مان کر مجزوم پڑھنا درست ہے کیوں کہ جملہ اول سبب بن رہا ہے۔

(۳) اگر طلب سے سبب کا اور مابعد طلب سے مسبّب کا قصد نہیں کیا ہے تو پھر فعل مضارع کو ماقبل کی صفت مان کر مرفوع ہی پڑھنا ہوگا۔ مجزوم نہیں۔ جیسے اِئْتِنِیْ بِرَجُلٍ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (میرے پاس ایسے ایک آدمی کو لاؤ جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو۔) اس مثال میں اِئْتِنِیْ فعل طلب ہے، لیکن اس سے سببیت کا قصد نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا اس کے بعد آنے والا فعل مضارع یُحِبُّ اور اَنْ مَحَبَّةُ الرَّجُلِ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کو آنے کے لیے مسبّب نہیں مانا گیا ہے، بلکہ ترکیب میں حال واقع ہے، لہٰذا شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھنا واجب ہوگا، مجزوم جائز نہیں۔ ہاں اس کے برخلاف "اِئْتِنِیْ اُكْرِمْكَ" میں اُكْرِمْكَ فعل مضارع اِئْتِنِیْ فعل طلب کا مسبّب بھی ہے اور جواب طلب بھی، لہٰذا اُكْرِمْكَ کو مجزوم پڑھا جائے گا۔

جواب نہی بھی مجزوم ہوتا ہے:

وَشَرْطُ الْجَزْمِ بَعْدَ النَّهْیِ الخ کی وضاحت:- صاحب قطر الندیٰ نے اس عبارت میں یہ فرمایا کہ جواب نہی بھی جواب امر کی طرح مجزوم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ نہی پر اِنْ لَا لگانا درست ہو سکے۔ یعنی نہی کو شرط بنایا جا سکے معنی کی درستگی کے ساتھ۔ جیسے "لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ" ای اِنْ لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (اگر تو کفر نہ کرے گا تو تو جنت میں داخل ہوگا) یہاں پر اِنْ کا مقدر بنانا اور نہی کو شرط قرار دینا درست ہے بغیر فساد معنی کے۔ اور "لَا تَدْنُ مِنَ الْاَسَدِ تَسْلَمْ" ای اِنْ لَا تَدْنُ مِنَ الْاَسَدِ تَسْلَمْ. (اگر تو شیر کے قریب نہ ہوگا تو تو محفوظ رہے گا) یہاں بھی اِنْ کا مقدر ماننا درست ہے۔

اس کے برخلاف "لاتکفر تدخل النار" اور "لا تدن من الاسد یاکلک" میں اِنْ شرطیہ کا مقدر ماننا درست نہیں، کیوں کہ تقدیر اِنْ کی صورت میں فسادِ معنی لازم آرہا ہے اور جب اِنْ شرطیہ کو مقدر ماننا درست نہیں تو پھر شرط مفقود ہونے کی وجہ سے بالعد فعل مضارع پر جزم نہیں آسکتا بلکہ وہ مرفوع ہی پڑھا جائے گا، اسی وجہ سے قراءِ سبعہ نے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ" (اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کرو۔ پارہ ۲۹ سورۃ مدثر آیت ۶) کو مرفوع پڑھا ہے مجزوم نہیں، چوں کہ اس پر اِنْ لا کو شرط نہیں بنایا جاسکتا اور اِنْ لا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ نہیں پڑھا جاسکتا۔ یہ ابن ہشام کا دعویٰ ہے۔

لیکن پھر اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حق تو یہ ہے کہ تَسْتَكْثِرُ حال ہے لاتمنن کی ضمیر سے، اس لیے محلاً منصوب ہے مجزوم نہیں۔ اب عبارت اس طرح ہوگی "لاتمنن مستکثرا" (اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی چیز دیں اور زیادہ معاوضہ کی توقع رکھیں۔)

سوال: لیکن یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ حسن بصریؒ نے تو تَسْتَكْثِرْ کو مجزوم پڑھا ہے، کیوں؟

جواب: حضرت حسن بصریؒ کی قراءت میں تَسْتَكْثِرْ کو مجزوم پڑھا گیا ہے، اس کی تین توجیہات ہیں۔ (۱) تَمْنُنْ سے بدل ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، لاتمنن لا تستکثر یعنی احسان مت جتاؤ اور جو دیا ہے زیادہ مت سمجھو۔ (۲) ہوسکتا ہے راس آیات کی وجہ سے وقف کیا ہو اور وقف کی وجہ سے اسے ساکن پڑھا ہو۔ پھر وقف کی نیت سے وصل کی ہو۔ (۳) مجارع یعنی آیات کے اوزان فَكَبِّرْ، فَطَهِّرْ، فَاهْجُرْ، کی رعایت میں مجزوم پڑھا ہو۔

ایک فعل کو جزم دینے والے امور خمسہ میں کا دوسرا عامل:

وَيَجْزِمُ اَيْضًا بِلَمْ الخ کی وضاحت:- ایک فعل کو جزم دینے والے امور خمسہ میں دوسرا عامل "لَمْ" ہے، جو فعل مضارع کو نفی کرتا ہے اور زمانہ ماضی میں بدل دیتا ہے۔ جیسے "لَمْ يَقُمْ" اور "لَمْ يَقْعُدْ" اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ پارہ ۳۰ سورۃ اخلاص آیت ۳) ان تمام مثالوں میں لَمْ فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے جزم دیا ہے اور ماضی منفی کے معنی میں کر دیا ہے۔

تیسرا عامل جازم:

تیسرا عامل "لَمَّا" ہے، یہ چار چیزوں میں لَمْ کا شریک ہے۔ (۱) حرف ہونے میں (۲) مضارع کے ساتھ مخصوص ہونے میں (۳) مضارع کو جزم دینے میں (۴) مضارع کو زمانہ ماضی میں بدل دینے میں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ" (اس نے اب تک اللہ کے حکم کی

بجا آوری نہیں کی۔ پارہ ۳۰، سورۂ عبس آیت ۲۳) اسی طرح باری تعالیٰ کا دوسرا قول "بَلْ لَمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ" (بلکہ انہوں نے اب تک میرا عذاب چکھا نہیں۔ پارہ ۲۳، سورۂ ص، آیت ۸) ان دونوں آیتوں میں لَمَّا چاروں چیزوں میں لم کے ساتھ شریک ہے، حرف ہونے میں، مضارع کے ساتھ مخصوص ہونے میں مضارع کو جزم دینے میں، کیوں کہ پہلی آیت میں يَقْضِ سے حرف علت گرانے کی شکل میں جزم دیا ہے اور دوسری آیت میں يَذُوقُوا سے نون اعرابی کو گرا کر جزم دیا ہے اور مضارع کو زمانہ ماضی میں بدل دینے میں شریک ہے۔

لمّا اور لَمْ میں فرق:

لَمْ اور لمّا میں چار چیزوں کے درمیان فرق ہے یعنی لمّا، لَمْ سے علاحدہ ہوتا ہے۔ (۱) لمّا کی نفی زمانہ حال تک مستمر رہتی ہے یعنی ماضی کے تمام زمانوں کو گھیر لیتی ہے۔ اور تکلم کے زمانے تک اس کی نفی ہوتی ہے جیسے "لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ" (اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی) جب کہ لَمْ کی نفی کبھی مستمر رہتی ہے جیسے "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ" (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) اور کبھی منقطع ہو جاتی ہے جیسے "هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا" (یقیناً گذرا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ پارہ ۲۹، سورۂ دھر، آیت ۱) اسی وجہ سے لمّا يَقُمْ ثُمَّ قَامَ کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہاں معنی میں تناقض پیدا ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ جب لمّا يَقُمْ کہا تو تکلم کے زمانہ تک کی نفی ہو رہی ہے پھر ثُمَّ قَامَ کا اثبات کیسے ہوگا، لیکن لَمْ يَقُمْ ثُمَّ قَامَ کہنا درست ہے، کیوں کہ اس میں زمانہ ماضی کی نفی ہو رہی ہے تکلم کے زمانہ کی نہیں۔ اور ثُمَّ قَامَ کا اثبات تکلم کے زمانہ میں ہو رہا ہے۔

(۲) لمّا اکثر و بیشتر اپنے مابعد کے واقع ہونے کی توقع بتلاتا ہے جیسے "بَلْ لَمَّا يَذُوقُوا عَذَابِ" (بلکہ انہوں نے اب تک میرا عذاب چکھا نہیں۔ تھوڑی مدت کے بعد وہ ضرور چکھیں گے) اس مثال میں آئندہ زمانہ میں عذاب کے چکھنے کی امید و توقع بتلاتا ہے۔ اور لَمْ اس کا تقاضہ نہیں کرتا۔ علامہ زمخشری نے اپنی کتاب میں اس کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے، فَلْيُرَاجِعْ۔

(۳) لمّا کے بعد کبھی فعل مضارع حذف بھی کر دیا جاتا ہے، لیکن لَمْ کے بعد نہیں۔ جیسے آپ سے کوئی شخص کہے هَلْ دَخَلْتَ الدَّارَ، تو آپ اس کے جواب میں کہیں گے قَارَبْتُهَا وَلَمَّا اور مراد لیں گے وَلَمَّا أَدْخُلْهَا لیکن هَلْ دَخَلْتَ الدَّارَ کے جواب میں قَارَبْتُهَا وَلَمْ کہنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ لَمْ کا مدخول جائز الحذف نہیں ہوتا۔

(۳) لمّا سے حرف شرط متعلق نہیں ہوتا، لیکن لم کے اوپر حرف شرط داخل ہوتا ہے۔ جیسے اِنْ لَمْ تَقُمْ قُمْتُ کہنا درست ہے، لیکن اِنْ لَمَّا تَقُمْ قُمْتُ کہنا درست نہیں۔

چوتھا عامل جازم:

چوتھا عامل جو ایک فعل کو جزم دے لام طلب ہے۔ چاہے امر پر دلالت کرے جیسے "لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ" (کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے۔ پارہ ۲۸، سورۃ طلاق آیت ۷) میں "لِيُنْفِقْ" پر لام طلب داخل ہے جس نے اسے جزم دیا ہے یا دعاء پر دلالت کرے جیسے "لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ" (دعاء کرو کہ تیرا پروردگار ہم پر فیصلہ کر دے) میں "لِيَقْضِ" پر لام طلب داخل ہے جو دعاء پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس نے فعل سے حرف علت گرانے کی شکل میں جزم دیا ہے۔

پانچواں عامل جازم:

پانچواں عامل جو ایک فعل کو جزم دے وہ لا طلبیہ ہے چاہے نہی پر دلالت کرے جیسے "لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ" یا دعاء پر دلالت کرے" جیسے "لَا تُؤَاخِذْنَا" (ہمیں نہ پکڑنا) ان دونوں مثالوں میں لا طلبیہ نے فعل مضارع پر داخل ہو کر اسے جزم دیا ہے۔

وَيَجْزِمُ فِعْلَيْنِ إِنْ، وَإِذْمَا، وَأَيْنَ، وَأَنَّى، وَأَيَّانَ، وَمَتَى، وَمَهْمَا، وَمَنْ، وَمَا، وَحَيْثُمَا، نَحْوُ (إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ، مَنْ يَعْمَلْ سُوْءًا يُجْزَ بِهِ، مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا) وَيُسَمَّى الْأَوَّلُ شَرْطًا وَالثَّانِي جَوَابًا وَجَزَاءً، وَإِذَا لَمْ يَصْلُحْ لِمُبَاشَرَةِ الْأَدَاةِ قُرِنَ بِالْفَاءِ، نَحْوُ (وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ) أَوْ بِإِذَا الْفُجَائِيَّةِ نَحْوُ (وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ)۔

ترجمہ:- اور دو فعلوں کو اِنْ، اِذْمَا، اَيْنَ، اَنّٰى، اَيَّانَ، مَتٰى، مَهْمَا، مَنْ، مَا، حَيْثُمَا الخ، جزم دیتے ہیں، جیسے "اِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ" (اگر وہ چاہے تو تم سب کو اٹھا لے) "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهٖ" (جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا) "مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا" (جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں۔) پہلا فعل شرط اور دوسرا جواب و جزاء کہلاتا ہے۔ اور جب وہ اَدَاۃ کے بعد آنے والا جملہ جواب بننے کی صلاحیت نہ رکھے تو فاء کے ساتھ لایا جائے گا جیسے "وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (اور اگر تجھ کو

اللہ تعالیٰ نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے) یا اِذَا فجائیہ کے ساتھ لایا گیا ہو جیسے "وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ" (اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض نا اُمید ہو جاتے ہیں۔)

وہ عوامل جو دو فعلوں کو جزم دیتے ہیں:

وَيَجْزِمُ فِعْلَيْنِ اِنْ، وَاِذْمَا، الخ کی وضاحت: جب مصنفؒ ان عوامل جازمہ کی بحث کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے جو فقط ایک فعل کو جزم دیتے ہیں تو اب یہاں سے ان عوامل کو بیان کرنا شروع کیا جو دو فعلوں کو جزم دیتے ہیں، چنانچہ فرمایا وہ گیارہ ادوات ہیں، جنہیں ادوات شرط بھی کہتے ہیں۔(۱) اِنْ (اگر) (۲) اَيْنَ (جہاں) (۳) اَيٌّ (کونسا، جب بھی، جو بھی) (۴) مَنْ (جو بھی، جو شخص) (۵) مَا (جو کچھ بھی، جو چیز، جو) (۶) مَهْمَا (جب، جس وقت) (۷) مَتٰى (جس وقت) (۸) اَيَّانَ (جب بھی) (۹) حَيْثُمَا (جہاں کہیں) (۱۰) اِذْمَا (اگر) (۱۱) اَنّٰى (کہاں)۔

(۱) اِنْ شرطیہ کی وضاحت:- یہ حرف دو فعلوں پر آتا ہے جن میں سے پہلا فعل دوسرے فعل کا سبب ہوتا ہے۔ جیسے "اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ" (اگر اسے منظور ہو تو تم سب کو لے جائے۔ پارہ۵، سورۃ نساء، آیت ۱۳۳) پہلے فعل کو شرط اور دوسرے فعل کو جزا اور جواب شرط کہتے ہیں اور دونوں فعل "اِنْ" شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

(۲) اَيْنَ کی وضاحت:- جیسے باری تعالیٰ کا قول: "اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ" (موت تم کو پکڑے گی جہاں بھی تم رہو۔ پارہ۵، سورۃ النساء، آیت ۷۸) تَكُوْنُوْا اور يُدْرِكْ دونوں فعل "اَيْنَ" کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

(۳) اَيٌّ کی وضاحت:- اس کا استعمال اضافت کے ساتھ ہوتا ہے اور ذوی العقول اور غیر ذوی العقول دونوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" (جس نام کے ساتھ چاہو خدا کو پکارو، اس کے لیے اچھے اچھے نام ہیں۔ پارہ۱۵، سورۃ بنی اسرائیل، آیت ۱۱۰)

(۴) مَنْ کی وضاحت:- اس کا استعمال ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے "مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ" (جو برا کرے گا اس کو اس کام کی سزا دی جائے گی۔ پارہ۵، سورۃ نساء، آیت ۱۲۳) اس میں يَعْمَلْ اور يُجْزَ دونوں "مَنْ" کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

(۵) مَا کی وضاحت:- اس کا استعمال غیر ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ

کا قول "وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ" (جو بھی اچھا کام تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔ پارہ۲، سورۃ بقرۃ آیت ١٩٧) اس میں تَفْعَلُوا اور يَعْلَمْهُ دونوں مَا شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہیں۔

(٦) مَهْمَا کی وضاحت:- یہ غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے، جیسے امرئ القیس کا شعر:

أَغَرَّكِ مِنِّي أَنَّ حُبَّكِ قَاتِلِي   وَأَنَّكِ مَهْمَا تَأْمُرِي الْقَلْبَ يَفْعَلِ

(ترجمہ: کیا تجھے میرے بارے میں دھوکہ ہو گیا ہے کہ تیری محبت میرا قاتل ہے۔ اور تو جو کچھ دل کو کہے گی کر ڈالے گا۔) یہ امرء القیس بن حجر الکندی کا شعر ہے۔ (تکمیل الہدی ص ٥٦)

اس شعر میں محل استشہاد "مهما تأمري القلب يفعل" ہے، اس طور پر کہ مهما نے دونوں فعلوں کو جزم دیا ہے جن میں اول فعل دوسرے فعل کا سبب بن رہا ہے۔

(٧) مَتَى کی وضاحت:- یہ ظرف زمان کے لیے آتا ہے جیسے شاعر کا قول: "مَتَى أَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُونِي" (جب میں عمامہ اتار دوں گا تب تم لوگ مجھے پہچان لو گے) اس شعر میں مَتَى حرف شرط ہے جس کی وجہ سے أَضَعِ اور تَعْرِفُوا دونوں مجزوم ہیں۔ (یہ سحیم بن وثیل ریاحی کا شعر ہے۔ پورا شعر اس طرح ہے: أَنَا ابْنُ جَلَا وَطَلَّاعُ الثَّنَايَا ــــ مَتَى أَضَعِ الْعِمَامَةَ تَعْرِفُونِي

(٨) أَيَّانَ کی وضاحت:- یہ بھی ظرف زمان کے لیے آتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول "فَأَيَّانَ مَا تَعْدِلْ بِهِ الرِّيحُ تَنْزِلِ" (جب ہوا معتدل ہو جائے گی پانی برسے گا) اس شعر میں أَيَّانَ حرف شرط ہے تَعْدِلْ اور تَنْزِلِ دونوں اس کی وجہ سے مجزوم ہیں۔ پورا شعر اس طرح ہے:

إِذَا النَّعْجَةُ الْعَجْفَاءُ كَانَتْ بِقَفْرَةٍ ــــ فَأَيَّانَ مَا تَعْدِلْ بِهِ الرِّيحُ تَنْزِلِ

(٩) حَيْثُمَا کی وضاحت:- یہ ظرف مکان کے لیے آتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول: حَيْثُمَا تَسْتَقِمْ يُقَدِّرْ لَكَ اللّٰهُ نَجَاحًا فِي غَابِرِ الْأَزْمَانِ. (تو جہاں ٹھہرے گا اللہ تعالیٰ تیرے لیے بقیہ زمانے میں کامیابی مقدر کر دے گا۔) اس مثال میں حَيْثُمَا حرف شرط ہے جو ظرف مکان کے لیے ہے اس نے تَسْتَقِمْ اور يُقَدِّرْ دونوں فعل کو جزم دیا ہے۔

(١٠) إِذْمَا کی وضاحت:- جیسے شاعر کا قول:

وَإِنَّكَ إِذْمَا تَأْتِ مَا أَنْتَ آمِرٌ   بِهِ تُلْفِ مَنْ إِيَّاهُ تَأْمُرُ آتِيَا

(اور بے شک اگر تو کسی چیز کا حکم کرے تو وہ لے آئے گا جس کا تو حکم کرتی ہے) اس میں إِذْمَا حرف شرط ہے جس نے تَأْتِ اور تُلْفِ سے حرف علت کو گرا کر جزم دیا ہے۔ (البيت التي لم نعثر لها على قائل معين)

(١١) أَنَّى کی وضاحت:- یہ ظرف مکان کے لیے آتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول: فَأَصْبَحْتَ

اَنّٰی تَاْتِهَا تَشْتَجِرْ بِهَا تَجِدْ (جس جگہ بھی تو صبح کرے گا تو وہاں باہم اختلاف پائے گا) اس شعر میں اَنّٰی حرف شرط ہے جس نے تَشْتَجِرْ اور تَجِدْ دونوں فعل کو جزم دیا ہے۔ (یہ لبید ابن ربیعہ عامر کا شعر ہے، جس کا دوسرا مصرعہ علامہ جامی نے مکمل فرمایا۔ شعر اس طرح ہے:

(فَاَصْبَحَتْ اَنّٰی تَاْتِهَا تَشْتَجِرْ بِهَا تَجِدْ ـــ حَطَبًا جَزْلًا وَنَارًا تَاَجَّجَا)

مذکورہ بالا تمام ادوات شرط دو افعال یعنی شرط و جزاء کو جزم دیتے ہیں۔ پہلے فعل کا نام شرط اور دوسرے کا جزاء رکھا جاتا ہے۔

دوسرے فعل میں جزاء بننے کی صلاحیت نہ ہو تو؟

وَاِذَا لَمْ تَصْلُحْ لِمُبَاشَرَةِ الْاَدَاةِ اِلخ کی وضاحت: اور اگر دوسرے فعل میں جزاء بننے کی صلاحیت نہ ہو کہ اس پر حرف شرط آسکے تو فاء داخل کی جائے گی جب کہ بعد والا جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ انشائیہ ہو یا ماضی ہو یا بِلَنْ ہو یا بِمَا ہو یا قد، یا سین وسوف اس پر داخل ہو۔ فاء کی مثال جیسے "وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" (اور اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نفع پہنچائے تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ پارہ ۷، سورہ انعام آیت ۱۷) اس مثال میں شرط کی جزاء جملہ اسمیہ ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کہ اس پر حرف شرط آسکے تو فاء داخل کی گئی ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ" (اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۳۱) اس آیت میں شرط کی جزاء جملہ فعلیہ انشائیہ بشکل امر ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس پر حرف شرط آسکے تو فاء داخل کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا فَعَسٰى رَبِّيْ" (اگر تو مجھے مال واولاد میں اپنے سے کم دیکھ رہا ہے بہت ممکن ہے کہ میرا رب مجھے۔ پارہ ۱۵، سورۂ کہف آیت ۳۹، ۴۰) اس آیت میں شرط کی جزاء اسم جامد ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس پر حرف شرط آسکے تو فاء داخل کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ" (یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں ان کی ناقدری نہ کی جائے گی۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران آیت ۱۱۵) اس آیت میں شرط کی جزاء فعل مضارع يُكْفَرُوْهُ ہے جو لَنْ کے ساتھ ہے اور یہ جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے اس لیے اس پر فاء داخل کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَا اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا

رِکَابٍ" (اوران کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ہاتھ لگایا ہے، جس پر نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ پارہ۲۸، سورۂ حشر، آیت۶) اس آیت میں شرط کی جزاء فَمَا أَوْجَفْتُمْ ایسی ماضی ہے جس پر مَا داخل ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، لہٰذا فاء داخل کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ" (اگر اس نے چوری کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تحقیق کہ اس کا بھائی بھی پہلے چوری کر چکا ہے۔ پارہ۱۳، سورۂ یوسف، آیت۷۷) اس آیت میں شرط کی جزاء فَقَدْ سَرَقَ ایسی ماضی ہے جس پر قد لفظاً داخل ہے جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، لہٰذا فاء داخل کی گئی ہے۔ فَقَدْ سَرَقَ۔

باری تعالیٰ کا قول "مَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا" (جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آجائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے۔ پارہ۵، سورۂ نساء، آیت۷۴) اس آیت میں شرط کی جزاء فسوف نؤتیہ مضارع مثبت ہے جس کے شروع میں حرف تنفیس "سوف" ہے، جو جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، اس لیے اس پر فاء داخل کی گئی ہے۔

فاء کی جگہ إذا فجائیہ کا استعمال:

جب دوسرے جملہ میں جزاء بننے کی صلاحیت نہ ہو کہ اس پر حرف شرط آسکے تو کبھی فاء کی جگہ اذا فجائیہ بھی آجاتا ہے بشرطیکہ وہ جملہ اسمیہ ہو۔ فاء کی جگہ اذا فجائیہ کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ دونوں کے اندر قربت معنی ہے یعنی دونوں کسی شئ کے بعد دوسری شئ کے حدوث وظہور کی خبر دیتے ہیں، لیکن اذا فجائیہ اسم کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ" (اور اگر انہیں ان کے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے کوئی برائی پہنچے تو ایک دم وہ محض ناامید ہوجاتے ہیں۔ پارہ۲۱، سورۂ روم، آیت۳۶) اس آیت میں شرط کی جزاء إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ہے جو جملہ اسمیہ ہے اور جزاء بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، لہٰذا إذا فجائیہ داخل کیا گیا ہے۔

نوٹ:- جملہ اسمیہ پر اذا فجائیہ داخل ہوسکتا ہے۔ اصل یعنی متن میں اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے، چوں کہ یہ حرف جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہے، اسی لیے اس کی شرط لگانے سے میں نے بے نیازی اختیار کی ہے۔

بابُ النَّكرة والمعرفة

فَصْلٌ: اَلاِسْمُ ضَرْبَانِ: نَكِرَةٌ، وَهُوَ مَا شَاعَ فِي جِنْسٍ: مَوْجُوْدٍ، كَرَجُلٍ، أَوْ مُقَدَّرٍ كَشَمْسٍ، وَمَعْرِفَةٌ، وَهِيَ سِتَّةٌ: اَلضَّمِيْرُ، وَهُوَ مَا دَلَّ عَلٰى مُتَكَلِّمٍ أَوْ مُخَاطَبٍ أَوْ غَائِبٍ، وَهُوَ إِمَّا مُسْتَتِرٌ كَالْمُقَدَّرِ وُجُوْبًا فِي نَحْوِ "أَقُوْمُ" وَ "نَقُوْمُ". أَوْ جَوَازًا فِي نَحْوِ "زَيْدٌ يَقُوْمُ" أَوْ بَارِزٌ، وَهُوَ إِمَّا مُتَّصِلٌ كَتَاءِ "قُمْتُ" وَكَافِ "أَكْرَمَكَ" وَهَاءِ "غُلَامِهِ". أَوْ مُنْفَصِلٌ كَـ "أَنَا" وَ "هُوَ" وَ "إِيَّايَ" وَلَا فَصْلَ مَعَ إِمْكَانِ الْوَصْلِ، إِلَّا فِي نَحْوِ الْهَاءِ مِنْ "سَلْنِيْهِ" بِمَرْجُوْحِيَّةٍ، وَ "ظَنَنْتُكَهُ" وَ "كُنْتَهُ" بِرُجْحَانٍ.

ترجمہ:۔ فصل: اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نکرہ۔ اور وہ ایسا اسم ہے جو پوری جنس میں مشترک ہوتا ہے، چاہے ظاہر میں اس کے افراد موجود ہوں جیسے رَجُلٌ (آدمی)۔ یا مقدر ہوں (یعنی ظاہر میں افراد موجود نہ ہوں) جیسے شَمْسٌ (سورج) (۲) اور معرفہ تو وہ چھ ہیں۔ ضمیر۔ اور وہ وہ اسم ہے جو متکلم یا مخاطب یا غائب پر دلالت کرے اور وہ (یعنی ضمیر) مستتر ہوگی۔ جیسے "أَقُوْمُ" اور "نَقُوْمُ" جیسی مثالوں میں وجوباً مقدر ہوتی ہے یا متصل ہوگی جیسے "قُمْتُ" کی تاء اور "أَكْرَمَكَ" کی کاف اور "غُلَامَهُ" کی ہاء یا وہ منفصل ہوگی جیسے "أَنَا" اور "هُوَ" اور "إِيَّايَ"۔ اور ضمیر متصل لانا ممکن ہونے کے ساتھ ضمیر منفصل لانا جائز نہیں مگر "سَلْنِيْهِ، بِمَرْجُوْحِيَّه" اور "ظَنَنْتُكَهُ" اور "كُنْتَهُ" جیسی مثالوں میں هاء کی صورت میں رجحان کے ساتھ۔

وضاحت:۔ فصل: الاسم ضربان نكرة کی وضاحت: تعریف و تنکیر کے اعتبار سے اسم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) نکرہ (۲) معرفہ۔

سوال: لیکن یہاں طالب علم کا ایک اعتراض ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے نکرہ کو معرفہ پر کیوں مقدم فرمایا؟

جواب: چوں کہ نکرہ اصل ہے اور معرفہ فرع ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے، اس لیے مصنفؒ نے بربنائے اصلیت نکرہ کو معرفہ پر مقدم فرمایا۔

نکرہ کی تعریف:

نکرہ ایسا اسم ہے جو پوری جنس میں مشترک ہوتا ہے، چاہے اس کے افراد خارج میں موجود ہوں جیسے رَجُلٌ یہ حیوان ناطق مذکر کے لیے موضوع ہے، جب بھی اس جنس کا کوئی فرد پایا جائے گا اس پر اسی لفظ کا اطلاق ہوگا، یا اس کے افراد خارج میں موجود نہ ہوں، بلکہ مقدر ہوں جیسے شمس یہ دن کے ایسے ستارہ

کے لیے موضوع ہے، جس کا ظہور رات کی تاریکی کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ خارج میں پائے جانے کے اعتبار سے یہ تنہا ہے۔ اگر رَجُلٌ کی طرح خارج میں مزید افراد ہوتے تو یہ لفظ اس کے بھی قابل تھا، جیسا کہ رَجُلٌ متعدد افراد پر بولا جاتا ہے اور اس کے افراد خارج میں موجود ہوتے ہیں۔ یہ زید، عمرو، بکر کی طرح ذات معین کے لیے موضوع نہیں ہے۔

معرفہ کی تعریف اور اس کی قسمیں:

وَمَعْرِفَةٌ وَهِيَ سِتَّةٌ الخ کی وضاحت:۔ معرفہ وہ اسم ہے جو معین شیٔ کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے زید، عمرو، بکر وغیرہ۔

اسم معرفہ کی چھ قسمیں ہیں، ان میں سب سے پہلی قسم ضمیر ہے، چوں کہ وہ اعرف المعارف ہے اسی لیے اس کو تمام اقسام پر مقدم فرمایا ہے اور بقیہ اقسام معرفہ کو ثُمَّ کے ذریعہ اس پر عطف کیا ہے۔

ضمیر کی تعریف:

ضمیر وہ اسم ہے جو متکلم یا مخاطب یا غائب پر دلالت کرے جس کا ذکر لفظاً یا معنًی یا حکمًا پہلے آ چکا ہو۔ متکلم کی مثال "أنَا" مخاطب کی مثال "أنْتَ" اور غائب کی مثال "هُوَ" ہے۔

ضمیر کی قسمیں:

اولاً ضمیر کی دو قسمیں ہیں۔(۱) مستتر۔(۲) بارز۔

اگر لفظوں میں کوئی ظاہری صورت ہے تو بارز ہے ورنہ مستتر۔ بارز کی مثال جیسے قُمْتُ میں تاء ضمیر بارز ہے اور مستتر کی مثال جیسے قُمْ میں أنْتَ ضمیر پوشیدہ ہے۔

مستتر کی قسمیں:

مستتر کی دو قسمیں ہیں(۱) واجب الاستتار (۲) جائز الاستتار۔

واجب الاستتار سے مراد یہ ہے کہ اس کی جگہ اسم ظاہر لانا درست نہ ہو جیسے فعل مضارع کے پانچ صیغے ایک وہ جن کی ابتداء ہمزہ کے ذریعہ ہو مثلاً واحد متکلم أقُوْمُ، یا نون کے ذریعہ ہو مثلاً جمع متکلم نَقُوْمُ، یا تاء کے ذریعہ ہو مثلاً واحد مؤنث غائب، واحد مذکر حاضر تَقُوْمُ۔ ان تمام میں ضمیر مرفوع واجب الاستتار ہے، اسی وجہ سے أقُوْمُ زَيْدٌ اور نقول عمرو کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ اس کی مثال میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے جو قاعدہ کے برخلاف ہے۔

جائز الاستتار سے مراد یہ جس کی جگہ اسم ظاہر لایا جاسکے مثلاً فعل مضارع کے غائب کا صیغہ جیسے زید

یقوم اے زید یقوم غلامہ پڑھنا درست ہے۔ یقوم فعل میں ضمیر مرفوع ہے جو جائز الاستتار ہے۔

ضمیر بارز کی قسمیں:

اتصال اور انفصال کے اعتبار سے ضمیر بارز کی دو قسمیں ہیں (۱) متصل (۲) منفصل۔

متصل: وہ ضمیر ہے جو غیر مستقل بالذات ہو تنہا استعمال نہ ہو سکتی ہو جیسے قُمْتُ کی تاء۔

منفصل: وہ ضمیر ہے جو مستقل بالذات ہو جیسے اَنَا، اَنْتَ اور ھُوَ۔

متصل کی قسمیں:

مواقع اعراب کے اعتبار سے ضمیر متصل کی تین قسمیں ہیں (مرفوع المحل (۲) منصوب المحل (۳) مجرور المحل۔

مرفوع سے مراد فاعل کی وہ ضمیر جو فعل سے ملی ہوئی ہو جیسے قُمْتُ کی تاء۔ حالت رفعی میں ہے کیوں کہ یہ فاعل کی ضمیر ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے البذا یہ بھی مرفوع ہے۔

منصوب سے مراد مفعول کی وہ ضمیر جو اپنے عامل سے ملی ہوئی ہو جیسے اَکْرَمَکَ کا کاف حالت نصبی میں ہے، کیوں کہ یہ مفعول کی ضمیر ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے البذا یہ بھی منصوب ہے۔

مجرور سے مراد وہ ضمیر ہے جس پر حرف جر داخل ہو یا جس سے پہلے مضاف ہو جیسے غُلَامِیْ کی یاء، حالت جری میں ہے کیوں کہ ترکیب میں مضاف الیہ واقع ہے اور مضاف الیہ مجرور ہوتا ہے البذا یہ بھی مجرور ہے۔

منفصل کی قسمیں:

مواقع اعراب کے اعتبار سے منفصل کی دو قسمیں ہیں (۱) مرفوع المحل (۲) منصوب المحل۔ (یہ مجرور المحل نہیں ہوتی ہے۔)

مرفوع المحل سے مراد فاعل کی ضمیر جو فعل سے جدا ہو اور حالت رفعی میں ہو۔

منصوب المحل سے مراد مفعول کی وہ ضمیر جو فعل سے جدا ہو اور محل نصب میں ہو۔

ضمیر مرفوع منفصل کے بارہ کلمے ہیں۔ اَنَا، نَحْنُ، اَنْتَ، اَنْتُمَا، اَنْتُمْ، اَنْتِ، اَنْتُنَّ، ھُوَ، ھِیَ، ھُمَا، ھُمْ، ھُنَّ۔

ضمیر منصوب منفصل کے بھی بارہ کلمیں ہیں۔ اِیَّایَ، اِیَّانَا، اِیَّاكَ، اِیَّاكِ، اِیَّاکُمَا، اِیَّاکُمْ، اِیَّاکُنَّ، اِیَّاہُ، اِیَّاھَا، اِیَّاھُمَا، اِیَّاھُمْ، اِیَّاھُنَّ۔

نوٹ:۔ جس طرح ضمیر مرفوع منفصل کے بارہ کے محل رفع میں واقع ہوتے ہیں، اسی طرح ضمیر منصوب متصل کے بارہ کے محل نصب میں واقع ہوں گے۔

مرفوع منفصل کی مثال: أنَا مُؤمِنٌ میں أنَا مبتداء ہے اور مبتداء کا اعراب رفع آتا ہے۔

منصوب منفصل کی مثال: إيَّاكَ أكْرَمْتُ میں إيَّاكَ مفعول مقدم ہے اور مفعول کا اعراب نصب آتا ہے۔ اس کے برعکس جائز نہیں ہے یعنی إيَّايَ مُؤمِنٌ اور أنتَ أكْرَمْتُ کہنا درست نہیں ہے۔

ضمیر منفصل کا استعمال کب درست نہیں؟

ولا فصل مع امكان الوصل الخ کی وضاحت: یہاں سے مصنفؒ ایک دوسرا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب تک ضمیر کو متصل لانا ممکن ہو، منفصل نہیں لایا جاسکتا۔ ہاں جہاں جہاں متصل لانا دشوار ہو وہاں منفصل ذکر کیا جائے گا۔ جیسے قَامَ أنَا، اور أكْرَمْتُ إيَّاكَ کہنا درست نہیں، کیوں کہ یہاں ضمیر کو متصل لانا اور قُمْتُ اور أكْرَمْتُكَ پڑھنا ممکن ہے۔ برخلاف مَاقَامَ إلاَّ أنَا اور مَا أكْرَمْتُ إلاَّ إيَّاكَ کی صورت میں ضمیر منفصل لانا درست ہے، کیوں کہ یہاں متصل لانا دشوار اور محذور ہے۔ اس لیے کہ إلاَّ اتصال سے مانع ہے۔ اسی لیے یہاں منفصل لائی گئی ہے، لیکن دو مقامات ایسے ہیں جہاں اتصال ممکن ہونے کے باوجود انفصال جائز ہے۔

(۱) دو ضمیریں جمع ہوں۔ پہلی دوسری کے مقابلہ میں زیادہ معرفت رکھتی ہو اور ضمیر مرفوع نہ ہو تو متصل و منفصل دونوں طرح لاسکتے ہیں۔ جیسے "سَلْنِيهِ اور سَلْنِي إيَّاهُ، خِلْتُكَهُ اور خِلْتُكَ إيَّاهُ"۔ حماز کے متعلق ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ حماز میں متکلم کی ضمیر اعرف ہے مخاطب سے۔ اور مخاطب کی ضمیر اعرف ہے غائب کے مقابلہ میں۔

(۲) ضمیر كَانَ یا اس کے اخوات کی خبر ہو، چاہے كَانَ خبر سے پہلے آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ كَانَ کی خبر بننے کی مثال "الصَّدِيقُ كُنْتُهُ" اور "الصَّدِيقُ كَانَهُ زَيْدٌ" ان میں كُنْتُ إيَّاهُ اور كَانَ إيَّاهُ زَيْدٌ پڑھنا درست ہے۔

ضمیر کی پہلی صورت یعنی "سَلْنِيهِ" والے قاعدہ میں نحاۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ضمیر متصل لانا اولیٰ ہے۔ الا یہ کہ فعل قلبی ہو جیسے سَلْنِيهِ اور أعْطَيْتُكَهُ۔ یہی ضابطہ قرآن کریم کی آیت "أنُلْزِمُكُمُوهَا، إنْ يَسْأَلْكُمُوهَا اور فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ" پر صادق آتا ہے اور وہاں ضمیر متصل لانا اولیٰ ہے۔ لیکن افعال قلوب مثلاً خِلْتُكَهُ اور ظَنَنْتُكَهُ میں اور كَانَ کے باب مثلاً كُنْتَهُ اور كَانَهُ زَيْدٌ میں جمہور نحاۃ اور ابن مالک کے مابین اختلاف ہے۔ جمہور نحاۃ کے یہاں ضمیر منفصل لانا راجح اور

مولی ہے۔ اور ابن مالک نے کَانَ کے باب میں تو اتصال کو راجح قرار دیا ہے، لیکن افعال قلوبیہ میں کبھی جمہور کی موافقت کرتے ہیں اور کبھی ان کی مخالفت۔

ثُمَّ الْعَلَمُ، وَهُوَ: إِمَّا شَخْصِيٌّ كَزَيْدٍ، أَوْ جِنْسِيٌّ، كَأُسَامَةَ، وَإِمَّا اِسْمٌ كَمَا مَثَّلْنَا، أَوْ لَقَبٌ، كَزَيْنِ الْعَابِدِينَ وَقُفَّةَ، أَوْ كُنْيَةٌ كَأَبِي عَمْرٍو وَأُمِّ كُلْثُوْمٍ، وَيُؤَخَّرُ اللَّقَبُ عَنِ الْاِسْمِ تَابِعًا لَهُ مُطْلَقًا، أَوْ مَخْفُوْضًا بِإِضَافَتِهِ إِنْ أُفْرِدَا كَسَعِيْدِ كُرْزٍ۔

ترجمہ:- پھر عَلَمْ، اور وہ یا تو شخصی ہوگا جیسے زید، یا جنسی ہوگا جیسے اُسامہ اور یا اسم ہوگا جیسا کہ ہم نے اس کی مثالیں پیش کی ہیں، یا لقب ہوگا جیسے زین العابدین وقُفّہ، یا کنیت ہوگا جیسے ابوعمرو اور ام کلثوم۔ اور لقب اسم سے مؤخر کیا جائے گا مطلقاً نام کے تابع ہوکر یا اگر دونوں (نام ولقب) مفرد ہوں تو اضافت کی وجہ سے مجرور ہوکر جیسے سعید کُرز۔

وضاحت:- ثُمَّ الْعَلَمُ وَهُوَ إِمَّا شَخْصِيٌّ الخ کی وضاحت: معرفہ کی دوسری قسم علم ہے۔ اور وہ وہ اسم معرفہ ہے جس سے کسی چیز کو اس طرح متعلق کر دیا گیا ہو کہ لفظاً معین شئ کے مشابہات کو شامل نہ ہے۔

علم کی قسمیں:

اس کی مختلف اعتبار سے مختلف اقسام ہیں۔ اپنے مُسمّٰی کے مشخص اور غیر مشخص ہونے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں (۱) علم شخصی (۲) علم جنسی۔

علم شخصی کی تعریف:

اس سے مراد وہ علم ہے جو کسی معین ذات کے ساتھ متعلق کر دیا جائے جیسے زید، عمرو وغیرہ۔

علم جنسی کی تعریف:

اس سے مراد وہ اسم ہے جو ایک قسم کی چیزوں کے لیے وضع کیا گیا ہو جیسے اُسامہ شیر کے لیے ثعالہ لومڑی کے لیے اور ذؤالہ بھیڑیا کے لیے۔

مذکورہ بالا الفاظ میں سے ہر ایک ان اجناس کے افراد میں سے ہر ایک فرد پر صادق آئے گا یعنی ہر شیر کے لیے اسامہ اور ہر لومڑی کے لیے ثعالہ اور ہر بھیڑیا کے لیے ذؤالہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ مثلاً جس شیر کو بھی آپ دیکھیں تو آپ کے لیے "هٰذَا أُسَامَةُ مُقْبِلًا" کہنا درست ہوگا۔ اسی طرح باقی کو قیاس کر لیجئے۔

باعتبارِ ذات کے علَم کی قسمیں:

باعتبارِ ذات کے علَم کی دو قسمیں ہیں (۱) مفرد (۲) مرکب۔ مفرد جیسے زید اور اسامہ مرکب دو سے زیادہ کلموں سے مل کر بنتا ہو جیسے عبداللہ۔

مرکب کی قسمیں:

مرکب کی تین قسمیں ہیں (۱) مرکب اضافی (۲) مرکب امتزاجی (۳) مرکب اسنادی۔ مرکب ترکیب اضافی سے مراد وہ مرکب غیر مفید ہے جس میں پہلا جز مضاف ہو اور دوسرا جز مضاف الیہ ہو جیسے عبداللہ اس میں عبد مضاف ہے اور اللہ مضاف الیہ ہے۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ جز اول کو عوامل کے اعتبار سے اعراب آئے گا۔ اور جز ودم ہمیشہ اضافت کی وجہ سے مکسور ہوگا۔

مرکب ترکیب امتزاجی سے مراد یہ ہے کہ دو اسموں کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور وہ عدد نہ ہو جیسے بعل بکّ دو اسم ملا کر ایک بنائے گئے ہیں، یہ شام کے ایک شہر کا نام ہے اس میں بَعْل ایک بت کا اور بکّ اس شہر کے بانی کا نام ہے۔ پس ان دونوں کلموں کو ایک کیا اور ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا بَعْلَبَكُّ اسے رفع کی حالت میں ضمہ اور نصب و جر کی حالت میں غیر منصرف کی طرح فتح دیا جاتا ہے۔ اور اگر پہلے اسم کے آخر میں "وَیْہِ" آئے تو مبنی علی الکسر ہوگا۔

مرکب ترکیب اسنادی سے مراد وہ ہے جو در اصل جملہ ہو پھر دو لفظوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا ہو اس پر عوامل کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ نقل سے پہلے جو حالت رہی ہے اسے بیان کرنے کے لیے آتا ہے۔ جیسے شَابَ قَرْنَاهَا ایک عورت کا نام ہے جس کے دونوں گیسو سفید ہو گئے تھے۔ شَابَ بمعنی سفید ہونا۔ اور قَرْنَاهَا تثنیہ قرن بمعنی گیسو۔ شَابَ قَرْنَاهَا مبنی ہے، کیوں کہ یہ مرکب اسنادی ہے۔ لہذا اس پر کوئی بھی عامل مؤثر نہیں ہوگا۔

علَم شخصی کی تعریف:

واما اسم کما مثلنا او لقب الخ کی وضاحت: علَم شخصی کی تین قسمیں ہیں (۱) اسم (۲) کنیت (۳) لقب۔

کنیت سے مراد وہ اسم ہے جس کے شروع میں اَبٌ یا اُمٌّ ہو۔ جیسے ابوبکر، ام بکر، ابو عمرو، ام عمرو۔

لقب سے مراد وہ ایسا اسم ہے جو کسی کی رفعت شان اور عظمت کو ظاہر کرے جیسے زین العابدین یا رذالت کو بتلائے جیسے قُفّۃ (کمنگا) اور بَطّۃ (بطخ) اور انف الناقۃ (اونٹنی کی ناک)

اسم سے مراد وہ نام ہے جو صرف کسی ذات پر دلالت کرے۔ مذکورہ بالا معانی میں سے کوئی معنی اس میں نہ ہو جیسے زید، عمرو، حذیفہ، بکر وغیرہ۔

اسم اور لقب دونوں کے اجتماع کا بیان:

وَيُؤَخَّرُ اللَّقَبُ عَنِ الْاِسْمِ تابعًا له مُطْلَقًا الخ کی وضاحت: جب اسم و لقب دونوں جمع ہوں تو اسم کو لقب پر وجوباً مقدم رکھیں گے۔ اس صورت میں اس کی چار شکلیں ہوں گی۔ (۱) اسم و لقب دونوں مرکب اضافی ہوں۔ جیسے عبداللہ زین العابدین۔ اس مثال میں عبداللہ اسم اور زین العابدین لقب ہے۔ اور دونوں مرکب اضافی ہیں۔

(۲) اسم مفرد ہوں اور لقب مرکب اضافی ہو جیسے زید زین العابدین میں زید اسم ہے جو مفرد ہے اور زین العابدین لقب ہے جو مرکب اضافی ہے۔ (۳) یا اسم مرکب اضافی ہو اور لقب مفرد ہوں جیسے عبداللہ قفہ۔ عبداللہ کرز۔ تو اس وقت اعراب کے لیے دوسرے (یعنی لقب) کو پہلے یعنی اسم کے تابع بنانا واجب و لازم ہوگا۔ اس طور پر کہ یہ لقب اسم کا بدل واقع ہوگا یا عطف بیان۔

(۴) اسم و لقب دونوں مفرد ہوں جیسے زید قفہ، سعید کرز۔ تو اس صورت میں کوفی حضرات عدم امتناع جواز دو صورتیں جائز قرار دیتے ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ لقب اسم کے تابع رہے گا اعراب میں مذکورہ بالا اقسام کی طرح۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اسم کی اضافت لقب کی طرف کی جائے گی۔ جمہور بصریین اضافت کو لازم سمجھتے ہیں۔ لیکن تابع قرار دیا گیا ہے۔ اور زیادہ قرین قیاس ہے لیکن اضافت زیادہ مستعمل ہے۔

ثُمَّ الْإِشَارَةُ، وَهِيَ: ذَا لِلْمُذَكَّرِ، وَذِي وَذِهِ، وَتِي وَتِهِ، وَتَا لِلْمُؤَنَّثِ، وَذَانِ وَتَانِ لِلْمُثَنَّى، بِالْأَلِفِ رَفْعًا، وَبِالْيَاءِ جَرًّا وَنَصْبًا، وَأُولَاءِ لِجَمْعِهِمَا، وَالْبَعِيدُ بِالْكَافِ مُجَرَّدَةً مِنَ اللَّامِ مُطْلَقًا، أَوْ مَقْرُونَةً بِهَا إِلَّا فِي الْمُثَنَّى مُطْلَقًا وَفِي الْجَمْعِ فِي لُغَةِ مَنْ مَدَّهُ، وَفِيمَا تَقَدَّمَتْهُ هَا التَّنْبِيهِ۔

ترجمہ:- پھر اشارہ، اور وہ ذا مذکر کے لیے ہے۔ اور ذی و ذِہ، اور تی، وتِہ، اور تا مؤنث کے لیے ہے۔ اور ذانِ اور تانِ تثنیہ کے لیے ہے حالت رفع میں الف کے ساتھ اور حالت نصب وجر میں یاء کے ساتھ۔ اور اولاء دونوں (یعنی مذکر و مؤنث کی) جمع کے لیے ہے۔ اور اسمائے اشارہ کا کاف کے ساتھ خالی عن اللام مستعمل ہونا مطلقاً بعید کے لیے ہے۔ یا اسمائے اشارہ لام کے

ساتھ ملا ہوا ہو گا سوائے تثنیہ کے اور سوائے جمع کے ،ان لوگوں کی لغت کے مطابق جو اس کو مد دیتے ہیں یا کسی قید کے ۔اور سوائے ان اسماء کے جن کے شروع میں ھاء تنبیہ کی ہو۔

وضاحت:- ثُمَّ الْاِشَارَۃُ کی وضاحت: معرفہ کی تیسری قسم اسم اشارہ ہے۔

اسم اشارہ کی تعریف:

اسم اشارہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو اس چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو جس کی طرف اشارہ کیا جائے۔ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اسے مشار الیہ کہتے ہیں۔

اسم اشارہ کی قسمیں:

مشار الیہ کی مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے کے اعتبار سے اسمائے اشارات کی تین قسمیں ہیں۔ پھر مفرد، تثنیہ، جمع میں سے ہر ایک مذکر، مؤنث کی طرف منقسم ہوتا ہے۔

(۱) مفرد مذکر کے لیے ایک ہی لفظ وضع ہوا ہے اور وہ ذا ہے۔

(۲) مفرد مؤنث کے لیے دس کلمات ہیں۔ پانچ ذال سے شروع ہوتے ہیں جیسے ذِی، ذِھی اشباع کے ساتھ۔ ذِہِ کسرہ کے ساتھ، ذِہْ سکون کے ساتھ اور ذات (اس کا استعمال اشارہ میں نادر ہے) درحقیقت اس کا استعمال صَاحِبَۃٌ کے معنی میں معروف و مشہور ہے۔ جیسے ذَاتُ جَمَالٍ (بمعنی صاحب حسن) یا بعض قبیلہ طئی کی لغت میں اَلَّتِی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، چنانچہ فراء نے لکھا ہے "بِالْفَضْلِ ذُوْفَضَّلَکُمُ اللّٰہُ بِہٖ، وَالْکَرَامَۃُ ذَاتُ اَکْرَمَکُمُ اللّٰہُ بِھَا اَیْ اَلَّتِی اَکْرَمَکُمُ اللّٰہُ بِھَا" (فضل وہ جس کے ذریعہ اللہ نے تمہیں فضیلت دی، بزرگی وہ جس کی وجہ سے اللہ نے تمہیں مکرم بنایا)

اس طرح ذَاتُ اشارہ بمعنی صاحب ہے اور اَلَّتِیْ بمعنی کے لیے آتا ہے۔

(۱) مفرد مؤنث کی طرف اس سے اشارہ کرنا (۲) صاحب کے معنی میں استعمال ہونا (۳) اسم موصول بمعنی اَلَّتِی کے معنی میں مستعمل ہونا۔

(۵) دو کلمات جو تاء سے شروع ہوتے ہیں۔ مفرد مؤنث کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتے ہیں وہ تِی، تِھی اشباع کے ساتھ، اور تِہِ کسرہ کے ساتھ، اور تِہْ سکون کے ساتھ اور تَا ہیں، اور تثنیہ مذکر کے لیے ذَانِ حالت رفع میں الف کے ساتھ آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَذَانِکَ بُرْھَانَانِ" میں ذَانِ تثنیہ مذکر کے لیے ہے جو حالت رفعی میں الف کے ساتھ ہے۔ اور حالت نصبی و جری میں یاء کے ساتھ ذَیْنِ آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "رَبَّنَا اَرِنَا الَّذَیْنِ" (اے رب ہمارے ہم کو دکھلا دے وہ دونوں جنوں نے۔ پارہ ۲۴، سورہ حم سجدہ، آیت ۲۹) میں ذَیْنِ تثنیہ مذکر کے لیے

ہے جو حالت نصبی وجری میں یاء کے ساتھ ہے۔

اور تثنیہ مؤنث کے لیے حالت رفعی میں تانِ الف کے ساتھ جیسے جَاءَ تَیْنِ هٰتَانِ اور نصبی وجری میں یاء کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے جَاءَ تَیْنِ هٰتَیْنِ۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول اِحْدَی ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ" (ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے۔ پارہ ۲۰ سورہ قصص آیت ۲۷) میں تَیْنِ یاء کے ساتھ ہے۔

وَأُولَاءِ لِجَمْعِهِمَا کی وضاحت: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جمع مذکر ومؤنث دونوں کے لیے "أُولَاءِ" مد کے ساتھ آتا ہے حجازیین کی لغت میں۔ اور اسی کے مطابق قرآن مجید میں آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" اور "هٰؤُلَاءِ بَنَاتِیْ" اور بنو تمیم اُولٰی بالقصر استعمال کرتے ہیں۔

مشارٌ الیہ کی صورتیں:

والبعید بالکاف مجردة من اللام مطلقاً کی وضاحت: پھر مشارٌ الیہ قریب ہوگا یا بعید اگر مشارٌ الیہ قریب ہے تو ایسا اسم اشارہ لایا جائے جو جو یا کاف سے خالی ہو۔ اور ھاء تنبیہ جوازاً لائی ہوئی ہو جیسے جاء نی ھذا۔ اور جاءنی ذاك، لیکن یہاں ایک بات یاد رہے کہ جس پر ھاء تنبیہ آتی ہے اس اسم اشارہ پر لام بعد نہیں آسکتا، چوں کہ ھاء قریب کے لیے ہے۔ اور لام بعد بعید کو بتلاتا ہے۔ اور اگر مشارٌ الیہ بعید ہو تو کاف خطاب کا الحاق واجب ہوگا، خواہ الف لام متصل ہو جیسے ذالك یا نہ ہو جیسے ذاك

سوال: اسمائے اشارہ کے آخر میں کاف خطاب کیوں بڑھا دیتے ہیں؟

جواب: اسم اشارہ کے آخر میں کاف خطاب کا بڑھا دیتے ہیں جو مخاطب کے حال پر دلالت کرتا ہے کہ مخاطب واحد ہے، یا تثنیہ یا جمع، مذکر ہے یا مؤنث۔ جیسے ذا سے ذَاكَ اور اگر مشارٌ الیہ بعید ہے تو اس میں لزوماً کاف پایا جائے گا اور لام بعد جوازاً آئے گا، کبھی رہے گا جیسے ذَالِكَ اور کبھی نہیں رہے گا جیسے ذَاكَ۔

لام بعد کا استعمال چند مقامات پر ممتنع ہے:

الّا فی الْمُثَنّٰی مطلقًا وفی الجمع الخ کی وضاحت: تین مقامات ایسے ہیں جن میں لام بعد کا آنا جائز نہیں۔

(۱) مثنیٰ:۔ یعنی اسم اشارہ تثنیہ کے لیے ہو تو اس پر لام بعد نہیں آئے گا خواہ تثنیہ مذکر کے لیے ہو یا مؤنث کے لیے۔ جیسے ذَانِكَ تثنیہ مذکر کے لیے اور تانِكَ تثنیہ مؤنث کے لیے ہے۔ تم اسے ذَانِ لَكَ اور تَانِ لَكَ نہیں پڑھ سکتے۔

(۲) جمع:- یعنی اسم اشارہ جمع کے لیے ہو ان لوگوں کی لغت کے مطابق جو اس کو مد دیتے ہیں جیسے "أُولَائِكَ" مد کے ساتھ بغیر لام کے۔ لہٰذا "أُولَا، لِكَ" پڑھنا جائز نہ ہوگا اور جو لوگ اسے قصر پڑھتے ہیں تو ان کے نزدیک لانے اور نہ لانے دونوں کا اختیار ہے "أُولٰئِكَ" پڑھنا بھی درست ہے اور "أُولَا لِكَ" بھی پڑھنا درست ہے۔

(۳) ہر وہ اسم اشارہ جس کے شروع میں ہائے تنبیہ لگی ہو اس اسم اشارہ پر لام بعد نہیں آسکتا۔ جیسے هٰذَاكَ (برائے واحد مذکر) هَاتَاكَ، هَاتِيكَ (برائے واحد مؤنث) لیکن اگر اس سے ہائے تنبیہ ہٹالی جائے تو اس وقت لام بعد کا آنا اور نہ آنا دونوں درست ہے۔

ثُمَّ الْمَوْصُولُ، وَهُوَ: الَّذِيْ، وَالَّتِيْ، وَاللَّذَانِ، وَاللَّتَانِ، بِالْأَلِفِ رَفْعًا، وَبِالْيَاءِ جَرًّا وَنَصْبًا. وَلِجَمْعِ الْمُذَكَّرِ الَّذِيْنَ. بِالْيَاءِ مُطْلَقًا. وَالْأُلٰى، وَلِجَمْعِ الْمُؤَنَّثِ اللَّائِيْ، وَاللَّاتِيْ. وَبِمَعْنَى الْجَمِيْعِ: مَنْ، وَمَا، وَأَيٌّ، وَأَلْ فِيْ وَصْفٍ صَرِيْحٍ لِغَيْرِ تَفْضِيْلٍ كَالضَّارِبِ وَالْمَضْرُوْبِ، وَذُوْ فِيْ لُغَةِ طَيٍّ، وَذَا بَعْدَ مَا أَوْمَنْ الْاِسْتِفْهَامِيَّتَيْنِ. وَصِلَةُ أَلِ الْوَصْفُ، وَصِلَةُ غَيْرِهَا إِمَّا جُمْلَةٌ خَبَرِيَّةٌ ذَاتُ ضَمِيْرٍ مُطَابِقٍ لِلْمَوْصُوْلِ يُسَمّٰى عَائِدًا، وَقَدْ يُحْذَفُ نَحْوُ: (أَيُّهُمْ أَشَدُّ) وَمَا عَمِلَتْ أَيْدِيْهِمْ، (فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ) (وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ) أَوْ ظَرْفٌ أَوْ جَارٌّ، مَجْرُوْرٌ تَامَّانِ مُتَعَلِّقَانِ بِاسْتَقَرَّ مَحْذُوْفًا.

ترجمہ:- پھر موصول۔ اور وہ اَلَّذِيْ اور اَلَّتِيْ، اَللَّذَانِ اور اَللَّتَانِ ہے۔ حالت رفع میں الف کے ساتھ اور حالت نصب وجر میں یاء کے ساتھ اور جمع مذکر کے لیے اَلَّذِيْنَ مطلقاً یاء کے ساتھ ہے۔ اور اُولٰی بھی جمع مذکر ہی کے لیے ہے۔ اور جمع مؤنث کے لیے اَللَّائِيْ اور اَللَّاتِيْ ہے اور مَنْ، مَا، اَيٌّ، تمام موصولات سے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور الف لام وصف صریح میں داخل ہوگا بغیر تفضیل کے جیسے اَلضَّارِبُ اَلْمَضْرُوْبُ اور ذُوْ طی کی لغت میں (اسم موصول ہے) اور مَا یا مَنْ استفہام کے بعد ذا ہو (تو اسم موصول ہوگا) اور الف لام کا صلہ وصف صریح ہوگا اور اس کے علاوہ کا صلہ یا تو ضمیر والا جملہ خبریہ ہوگا۔ جو کہ موصول کے مطابق ہو اس کا نام عائد رکھا جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی حذف کر دیا جاتا ہے جیسے "أَيُّهُمْ أَشَدُّ" اور "وَمَا عَمِلَتْ أَيْدِيْهِمْ" اور "فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ" "وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ" یا ظرف یا جار مجرور بشرطیکہ دونوں تام ہوں۔ اور "اِسْتَقَرَّ" محذوف کے ساتھ متعلق ہوں۔

وضاحت:۔ ثُمَّ الْمَوْصُوْلُ کی وضاحت: چوتھا معرفہ اسم موصول ہے۔
اسم موصول کی تعریف: موصول اس اسم کو کہتے ہیں جو بغیر صلہ کے جملہ کا جزء تام نہ بن سکے۔
بالفاظ دیگر: اسمائے موصولہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو صلہ اور عائد کا محتاج ہو۔

اسمائے موصولہ کی قسمیں:

اسمائے موصولہ کی دو قسمیں ہیں (۱) بعض مخصوص ہیں دو اعتبار سے اسم موصولہ ہونے میں بھی، اور مفرد، تثنیہ جمع مذکر ومؤنث میں بھی کسی خاص قسم کے ساتھ۔ جیسے اَلَّذِیْ مفرد مذکر کے لیے۔ اَلَّتِیْ مفرد مؤنث کے لیے، اَللَّذَانِ تثنیہ مذکر کے لیے، اَللَّتَانِ تثنیہ مؤنث کے لیے، یہ دونوں کے دونوں حالت رفع میں الف کے ساتھ اور حالت نصب وجر میں یاء کے ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اَلْاُوْلٰی اور اَلَّذِیْنَ جمع مذکر کے لیے ہیں، اَلَّذِیْنَ تمام حالتوں میں یاء کے ساتھ ہی مستعمل ہوتے ہیں جمہور کے نزدیک، لیکن قبیلہ ہذیل اور عقیل حالت رفع میں اَللَّذُوْنَ اور حالت نصب وجر میں اَلَّذِیْنَ پڑھتے ہیں۔ اور اَللَّائِیْ اور اَللَّاتِیْ اثبات یاء اور بغیر یاء کے جمع مؤنث کے لیے ہے۔

(۲) اسم موصول کی دوسری قسم مشترک کی ہے یہ دو اعتبار سے مشترک ہیں، اسم موصول بن کر بھی آتے ہیں اور کبھی دوسرے معانی مثلاً شرط یا استفہام کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور دوسری وجہ اشتراک یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک مفرد، تثنیہ جمع، مذکر ومؤنث سب کے لیے آتا ہے۔ اور وہ مَنْ، مَا، اَیّ، ذُو اور ذَا ہیں۔ چنانچہ آپ مَنْ کو بھی یُعْجِبُنِیْ مَنْ جَاءَ كَ، مَنْ جَاءَ تْكَ، مَنْ جَاءَ اكَ، وَمَنْ جَاءَ تَاكَ، وَمَنْ جَاؤُوكَ اور مَنْ جِئْنَكَ کی شکل میں استعمال کرسکتے ہیں۔ اور یہ استعمال کرنا درست ہے۔ اسی طرح جو شخص اِشْتَرَیْتُ حِمَارًا اَوْ اَتَانًا، یا حِمَارَیْنِ اَوْ اَتَانَیْنِ، یا حُمُرًا اَوْ اُتُنًا کہے تو اس کے جواب میں کہنا درست ہے۔ مثلاً اَعْجَبَنِیْ مَا اشْتَرَیْتَهٗ، وَمَا اشْتَرَیْتَهَا، وَمَا اشْتَرَیْتَهُمَا، مَا اشْتَرَیْتَهُمْ اور مَا اشْتَرَیْتَهُنَّ کہنا درست ہے، اسی طرح باقی کو اس پر قیاس کرلیجیے۔

اَلْ موصول کی وضاحت:

وَاَلْ فِیْ وَصْفٍ صَرِیْحٍ بغیر تفضیل کی وضاحت: اَلْ کے موصول بنانے کے لیے اس کا وصف صریح پر داخل ہونا شرط ہے، وہ وصف صریح اسم تفضیل نہ ہو بلکہ اسم فاعل ہو جیسے اَلضَّارِبُ پر الف لام بمعنی اَلَّذِیْ ضَارِبٌ ہے۔ اور اسم مفعول ہو جیسے اَلْمَضْرُوْبُ پر الف لام بمعنی اَلَّذِیْ مَضْرُوْبٌ کے معنی میں ہے اور صیغہ صفت مشبہ ہو جیسے اَلْحَسَنُ پر الف لام بمعنی اَلَّذِیْ حَسَنٌ کے

معنی میں ہے۔ اگر اسم تفضیل (الاعلیٰ) یا مبالغہ (العلام) یا اسم جامد (الرجل) یا صفت مشبہ بالجامد (الصاحب) پر الف لام داخل ہو تو وہ الف لام تعریف کے لیے ہوگا موصول نہیں بنے گا۔

ذو اسم موصول کی وضاحت:

ذو فی لغۃ طی کی وضاحت: ذو خاص طور پر بنو طی کے یہاں الذی اسم موصول کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے جاءنی ذوقام ای جاءنی الذی قام۔ چنانچہ بعض اہل عرب سے "لا وذو فی السماء عرشہ" جیسا قول سنا گیا ہے جس میں ذو بمعنی الذی اسم موصول مستعمل ہوا ہے۔ اسی طرح شاعر نے بھی اپنے شعر میں ذو کو الذی کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ شاعر کا قول

فانّ الماءَ ماءُ ابی وجدّی —— وبئری ذو حفرتُ وذو طویتُ

ای الذی حفرتُ والذی طویتُ۔ (ترجمہ: بے شک پانی میرے آباء و اجداد کا پانی ہے اور میرا کنواں وہ ہے جس کو میں نے کھودا ہے اور جس کی منی میں نے بنائی ہے۔)

اس شعر کا قائل سنان بن فحل ہے جو قبیلہ طی کا ہے۔ ماء بمعنی پانی، جمع میاہ اور امواہ آتی ہے۔ اب باپ جمع آباء، جد دادا جمع اجداد۔ بئر کنواں جمع آبار۔ حفرتُ واحد متکلم من الحفر بمعنی کھودنا۔ اور طویتُ طوی سے بمعنی منی باندھنا۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانی جس میں نزاع ہے میرے آباء و اجداد کا پانی ہے یعنی میں اس کا باپ سے وارث ہوں اور میرا کنواں وہ ہے جس کو میں نے کھودا ہے اور میں نے اس کی منی باندھی ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد ذو ہے جو الذی اسم موصول کے معنی میں مستعمل ہے۔

ذا اسم موصول کی وضاحت:

ذا کے موصول بننے کے لیے اس سے پہلے ما اور مَن استفہامیہ کا ہونا شرط ہے۔

ما کی مثال: جیسے "ماذا انزل ربکم" (یعنی کیا ہے وہ جو تمہارے رب نے نازل کی ہے)

اس آیت میں ذا سے پہلے ما استفہامیہ پایا گیا ہے اور یہ ما الذی انزل ربکم کے معنی میں ہے۔

مَن کی مثال: جیسے شاعر کا قول "وقصیدۃ تاتی الملوک غریبۃ۔ قد قلتھا لیقال من ذا قالھا؟" ای من الذی قالھا؟ (بہت سے نادر قصیدے جو بادشاہوں کے پاس پہنچتے ہیں وہ میں نے اس لیے کہے ہیں تاکہ کہا جائے یہ کس نے کہے ہیں۔) اس شعر میں مَن ذا محل استشہاد ہے جو مَن الذی قالھا کے معنی میں ہے۔ اس شعر کا قائل اعشیٰ ابو بصیر میمون بن قیس بن جندل ہے۔

اگر ما یا مَن استفہامیہ ذا سے پہلے نہ ہو تو وہ اسم اشارہ ہوگا، لیکن کوفیین کے نزدیک پھر بھی

موصول ہی رہے گا، اسی لیے کوفیوں نے یہ شرط نہیں لگائی ہے۔ کوفیوں نے استدلال میں ایک شعر پیش کیا ہے جس میں ذا بغیر ما اور مَن استفہامیہ کے مذکور ہے پھر بھی وہ موصولہ ہے۔ اسم اشارہ نہیں۔

شاعر کا قول: عَدَسْ، مَا لِعَبَّادٍ عَلَيْكِ إِمَارَةٌ ـــــ أَمِنْتِ، وَهٰذَا تَحْمِلِيْنَ طَلِيْقُ

(ترجمہ: عباد کی اب تیرے اوپر امارت نہیں ہے تو مامون ہو گئی اور جسے تو اپنے اوپر سوار کیے ہوئے ہے وہ (جیل) سے آزاد ہے۔) یہ شعر یزید بن مفرغ الحمیری کا ہے جو اس نے قید سے چھوٹنے پر امیر سجستان عباد بن زیاد کے دائرہ امارت سے باہر آ کر اپنی گھوڑی کو مخاطب کر کے کہا ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد "وهذا تحملين طليق" ہے کہ شاعر نے ذا بلا شرط استعمال کیا ہے اور وهٰذا تحملين طليق ہے۔ هذا کو کوفیین حضرات موصول مبتداء مان رہے ہیں اور تحملين کو اس کا صلہ مانتے ہیں اور عائد محذوف ہے اور طليق اس کی خبر ہے اور تقدیری عبارت ہے والذي تحملينه طليق، لیکن دوسرے حضرات اسے اسم اشارہ مانتے ہیں اور اس شعر کے ذریعہ استدلال کرنے کو درست قرار نہیں دیتے ہیں، کیوں کہ ذا اسم اشارہ اور مبتداء ہے اور طليق اس کی خبر ہے اور تحملين جملہ حالیہ ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے: وهذا طليق في حالة كونه محمولا لك

دوسری بات یہ کہ اس پر حرف تنبیہ کا داخل ہونا اس کے اسم اشارہ ہونے کے قوی دلیل ہے کیوں کہ ہاء تنبیہ اسم موصول پر داخل نہیں ہوتی ہے۔

اصطلاحات:- وصف صریح سے مراد وہ اسم مشتق ہے جو تجدد و حدوث میں فعل سے ایسی قوی مشابہت رکھتا ہو کہ وہ فعل کی جگہ رکھا جا سکے۔ قوی مشابہت سے مراد یہ ہے کہ اسم مشتق معنی، عمل، زمانہ پر دلالت اور حرکات و سکنات میں فعل مضارع کا شریک ہو۔ یہ اشتراک اسم فاعل، مفعول کو پورے طور پر حاصل ہے، لہٰذا وصف صریح کا مصداق یہی دونوں قرار پائے۔ جیسے قائم یقوم کے اور مکرم یکرم کے مشابہ ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مشتقات اسم آلہ، تفضیل، زمان و مکان وغیرہ بھی فعل مضارع سے مشابہت رکھتے ہیں، مگر جزوی طور پر، اسی وجہ سے یہ وصف صریح سے خارج ہیں۔
(مستفاد النحو الوافی ص ۳۴۸، ج۱)

صلہ کی تعریف و تقسیم:

أمّا جملة خبرية ذات ضمير مُطابق للموصول کی وضاحت: صلہ وہ جملہ خبریہ ہے جو موصول کے ابہام و اجمال کو دور کرے اور اس کے اندر ایک عائد ہو جو موصول کی طرف لوٹے۔ جیسے جاءني الذي ضرب۔ ضرب کے اندر ایک ضمیر ہے جو الذي کی طرف لوٹ رہی ہے، لہٰذا الذي اسم موصول ہے اور ضرب جملہ ہو کر اس کا صلہ ہے۔

صلہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) جملہ (۲) شبہ جملہ

جملہ کے صلہ بننے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ جملہ خبریہ ہو یعنی اس میں صدق وکذب کا احتمال ہو، چنانچہ جاء الذی اِضْرِبْهُ کہنا درست نہیں۔ اسی طرح جاء الذی بِعْتُكَهُ کہنا درست نہیں جب تم اس سے انشاء کا قصد کرو۔ کیوں کہ یہ دونوں انشاء کی مثال ہو جائیں گی اور انشاء میں صدق وکذب کا احتمال نہیں ہوتا لہٰذا وہ جملہ خبریہ بھی نہیں بن سکتا۔ اس کے برخلاف جاء الذی ابوهُ قائمٌ (آیا وہ شخص جس کا باپ کھڑا ہے) اور جاء الذی ضَرَبْتُهُ (آیا وہ شخص جس کو میں نے مارا) کہنا درست ہے، کیوں کہ پہلی مثال میں جاء فعل الذی اسم موصول ابو مضاف ہ ضمیر مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، قائم خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا، موصول اپنے صلہ سے مل کر جاء کا فاعل ہوا۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس میں صلہ ابوهُ قائم جملہ اسمیہ خبریہ ہے، جس میں ہ ضمیر الذی اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے۔ اور دوسری مثال میں جاء فعل۔ الذی اسم موصول۔ ضَرَبْتُ فعل با فاعل۔ ہ ضمیر مفعول ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا۔ صلہ موصول مل کر جاء کا فاعل۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اس میں صلہ ضَرَبْتُهُ جملہ فعلیہ خبریہ ہے جس میں ضمیر مفعول کی اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے۔

جملہ کے صلہ بننے کی دوسری شرط یہ ہے کہ جملہ میں ایسی ضمیر ہو جو مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث ہونے میں موصول کے مطابق ہو۔ جیسے جاء الذی اکرمتُهُ (آیا وہ شخص جس کا میں نے اکرام کیا) میں ہ ضمیر واحد مذکر جو الذی اسم موصول واحد مذکر کی طرح ہے، اور جاءت التی اکرمتُها (آئی وہ عورت جس کا میں نے اکرام کیا) میں ھا ضمیر واحد مؤنث ہے جو کہ التی واحد مؤنث کے مطابق ہے جاء اللذانِ اکرمتُهما میں هُما ضمیر تثنیہ مذکر کے لیے ہے، اور اللذان اسم موصول بھی تثنیہ مذکر کے لیے ہے۔ جاءت اللتانِ اکرمتُهما میں هما ضمیر تثنیہ مذکر کے لیے ہے اور اللتان اسم موصول بھی تثنیہ مذکر کے لیے ہے۔ جاءت اللتانِ اکرمتُهما میں هما ضمیر تثنیہ اللتان اسم موصول کے مطابق ہے جاء الذینَ اکرمتُهم میں هُم ضمیر جمع مذکر الذینَ اسم موصول جمع مذکر کے مطابق ہے اور جاءت اللاتی اکرمتُهنّ میں هُنّ ضمیر جمع مؤنث ہے جو اللاتی اسم موصول جمع مؤنث کے مطابق ہے۔ مذکورہ بالا تمام مثالوں میں ضمائر اسم موصول کے مطابق ہیں اور اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ اسی کو عائد بھی کہتے ہیں۔ یہ ضمیر کبھی مرفوع، کبھی منصوب، کبھی مجرور یا مجرور بالاضافت ہوتی ہے۔

عائد کا محذوف ہونا:

وقد یحذف نحو "أیّھم أشدّ" کی وضاحت: وہ ضمیر جو موصول کی طرف لوٹتی ہے کبھی حذف بھی کر دی جاتی ہے چاہے مرفوع ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَۃٍ اَیُّھُمْ اَشَدُّ" (پھر البتہ ضرور کھینچیں گے ہم ہر جماعت سے اس کو جو وہ زیادہ سخت ہے رحمن پر باعتبار سرکشی کرنے کے) ای الذی ھو اشدُّ. اس آیت میں اَیُّ اسم موصول اور اشدُّ محل ہے جس میں ضمیر پوشیدہ ہے، جو عائد ہے اسم موصول کی طرف۔ اور وہ اسم موصول کے مطابق ہے مرفوع ہونے میں یا منصوب ہو جیسے "وَمَا عَمِلَتْ اَیْدِیْھِمْ" کو حمزہ، کسائی اور شعبہ کے علاوہ قراء نے عملتْہُ ھا کے ساتھ اصل پر قیاس کر کے پڑھا۔ اور ان حضرات نے ھا کے محذوف ہونے کی صورت میں پڑھا ہے۔ اور یہ مفعول کی ضمیر ہے، اس لیے بربنائے مفعولیت منصوب ہے۔ یا مجرور بالاضافت ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ" ای ما انت قاضیہ. میں قاضٍ مضاف اور ہ ضمیر مضاف الیہ ہے، لہٰذا یہ اضافت کی وجہ سے حالت جر میں ہے۔

اور شاعر نے بھی ضمیر عائد کو حذف کی صورت میں استعمال فرمایا ہے جیسے شاعر کا قول:

سَتُبْدِیْ لَکَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاھِلًا ——— وَیَاْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ

ای ما کنت جاھلَہٗ. (عنقریب زمانہ تجھے وہ بہت کچھ بتلا دے گا جس سے تم ناواقف تھے۔ تمہارے پاس وہ لوگ خبریں لائیں گے جنہیں تم نے مقرر بھی نہیں کیا تھا) اس شعر میں محل استشہاد ما کُنْتَ جَاھِلًا ہے جس کی اصل جَاھِلَہٗ ہے کہ اس سے ضمیر عائد کو محذوف کر کے استعمال کیا گیا ہے جو اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (یہ طرفہ بن عبد بکری کا شعر ہے۔) یا مجرور بحرف جر ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول: "یَاْکُلُ مِمَّا تَاْکُلُوْنَ مِنْہُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ" ای منہ (جس سے تم لوگ کھاتے ہو اس سے وہ کھاتا ہے اور اس سے وہ پیتا ہے جس سے تم لوگ پیتے ہو۔) اس آیت میں مِنْہُ محذوف ہے جو محل استشہاد ہے، جس میں ہ ضمیر حرف جر کی وجہ سے مجرور ہے جو کہ ما اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔

اسی طرح شاعر نے بھی ضمیر عائد کو مجرور بحرف جر محذوف کر کے استعمال کیا ہے۔ شاعر کا قول:

نُصَلِّیْ لِلَّذِیْ صَلَّتْ قُرَیْشٌ ——— وَنَعْبُدُہٗ وَاِنْ جَحَدَ الْعُمُوْمُ

(ترجمہ:- ہم اس کے لیے نماز پڑھتے ہیں جس کے لیے قریش نے نماز پڑھی، اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں اگرچہ عامۃ الناس انکار کریں) اس شعر میں محل استشہاد صَلَّتْ قُرَیْشٌ ہے جس کی اصل عبارت صَلَّتْ لَہٗ قُرَیْشٌ ہے، اس میں لَہٗ کی ضمیر لام جر کی وجہ سے مجرور ہے اور وہ محذوف ہے، لیکن اَلَّذِیْ اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (شاعر نامعلوم شخص ہے۔)

کبھی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھ دیا جاتا ہے جو موصول کی طرف لوٹتا ہے جیسے شاعر کا قول:

سُعَادُ الَّتِي أَضْنَاكَ حُبُّ سُعَادَا وَإِعْرَاضُهَا عَنْكَ اِسْتَمَرَّ وَزَادَا

(ترجمہ: سعاد جس کی محبت نے تم کو کمزور کر دیا اور اس کی بے رخی برابر بڑھتی چلی گئی) وضع الظاہر موضع المضمر عائد کے قائم مقام ہو جاتا ہے اسی لیے حُبُّهَا کی هـاء کی جگہ حُبُّ سُعَـادُ اسم ظاہر ذکور ہے۔ (مستفاد اشرف الوافی ص ۳۶ تا ۳۷ جلد ۱)

کبھی اسم موصول کا صلہ شبہ جملہ ہوگا:

کبھی اسم موصول کا صلہ شبہ جملہ کی صورت میں ہوتا ہے شبہ جملہ تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) ظرف ہو (۲) جار مجرور ہو (۳) صفت صریحہ ہو، جس پر الف لام ہوتا ہے۔ ظرف کی مثال جیسے اَلَّذِي عِنْدَكَ جار مجرور کی مثال جیسے اَلَّذِي فِي الدَّارِ اور صفت صریحہ الضَّارِبُ ای اَلَّذِي الضَّارِبُہ۔

ظرف اور جار مجرور کے خبر بننے کی شرط یہ ہے کہ وہ دونوں تام ہوں یعنی ان کے آنے سے بات پوری ہو جاتی ہو۔ اسی لیے جَاءَ الَّذِي بِكَ اور جَاءَ الَّذِي اَمْسِ جیسے جملے درست نہیں ہیں، کیوں کہ بِكَ گرچہ جار مجرور ہے اور اَمْسِ ظرف ہے، لیکن دونوں تامہ نہیں ہیں، بلکہ ناقصہ ہیں، اس لیے اسے صلہ بنانا درست نہیں۔

اور امام کسائیؒ نے جو نقل کیا ہے نَزَلْنَا الْمَنْزِلَ الَّذِي الْبَارِحَةَ ای الَّذِي نَزَلْنَاهُ الْبَارِحَةَ تو یہ شاذ ہے۔ جب ظرف یا جار مجرور صلہ نہیں تو لا محالہ فعل محذوف سے متعلق ہوں گے۔ اِسْتَقَرَّ مقدر ماننا پڑے گا۔ اور جو ضمیر فعل میں پوشیدہ ہے۔ وہ اس سے منتقل ہو کر ظرف یا جار مجرور کی طرف لوٹے گی۔

ثُمَّ ذُو الْأَدَاةِ وَهِيَ اَلْ عِنْدَ الْخَلِيْلِ وَسِيْبَوَيْهِ. لَا اللَّامُ وَحْدَهَا خِلَافًا لِلْأَخْفَشِ، وَتَكُوْنُ لِلْعَهْدِ نَحْوُ (فِي زُجَاجَةٍ، الزُّجَاجَةُ) وَ "جَاءَ الْقَاضِي" أَوْ لِلْجِنْسِ كَ "أَهْلَكَ النَّاسَ الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ، (وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ) أَوْ لِاسْتِغْرَاقِ أَفْرَادِهِ نَحْوُ (وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفًا) أَوْ صِفَاتِهِ نحوُ "زَيْدٌ الرَّجُلُ"۔

ترجمہ:۔ پھر ذوالاداة (یعنی الف لام والا اسم) ہے اور وہ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک الف لام (معرف) ہے صرف لام نہیں۔ برخلاف امام اخفش کے (کہ ان کے نزدیک صرف لام معرف ہے) اور وہ (یعنی الف لام) عہد کے لیے ہوگا جیسے "فِي زُجَاجَةٍ، الزُّجَاجَةُ" اور جَاءَ الْقَاضِي۔

یا الف لام جنس کے لیے ہوگا جیسے "اَهْلَكَ النَّاسَ الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ" (دینار اور درہم نے لوگوں کو ہلاک کردیا) اور "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا) یا اس کے افراد کے استغراق کے لیے ہوگا۔ جیسے "وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا" (اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے) یا اس کی صفات کے لیے ہوگا جیسے "زَيْدٌ الرَّجُلُ" (یعنی زید ایسا آدمی ہے جس میں اچھے لوگوں کی صفات مجتمع ہیں۔)

وضاحت:۔ ثُمَّ ذُو الْاَدَاةِ کی وضاحت: معرفہ کی پانچویں قسم ذو الاداۃ ہے یعنی وہ اسم جو الف لام کے ذریعہ معرفہ بنایا گیا ہو۔ اسے معرف باللام بھی کہتے ہیں۔ جیسے اَلْفَرَسُ، اور اَلْغُلَامُ کہ فَرَسٌ اور غُلَامٌ دونوں نکرہ تھا اور عموم کے معنی پر دلالت کرتا تھا لیکن الف لام داخل کر کے معرف باللام بنایا گیا ہے۔

اسم کو معرف باللام بنانے میں اختلاف:

وَهِيَ اَلْ عِنْدَ الْخَلِيْلِ وَسِيْبَوَيْهِ الخ کی وضاحت: یہ بات تو معلوم ہو گئی کہ معرفہ کی پانچویں قسم معرف باللام اور ذو الاداۃ ہے، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ الف لام دونوں مل کر نکرہ کو معرفہ بناتے ہیں یا صرف لام بناتا ہے۔ تو امام خلیل ابن احمد کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ دونوں مُعَرِّف ہیں (یعنی یہ دونوں کلمہ کو معرفہ بناتے ہیں) جب کہ سیبویہ صرف لام کو معرف مانتے ہیں۔ لیکن ابن مالک کا خیال یہ ہے کہ سیبویہ اور خلیل دونوں ہی الف لام کو معرف مانتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ خلیل دونوں کو اصل مانتے ہیں، جبکہ سیبویہ الف کو زائدہ قرار دیتے ہیں۔ ابن عصفور کا کہنا ہے کہ الف لام دونوں کلمہ کو معرفہ بناتے ہیں یہی ابن کیسان کا قول ہے اور امام اخفش نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں تین مذاہب ہیں (۱) الف لام دونوں معرف ہیں اور الف اصل ہے۔ (۲) الف لام دونوں معرف ہیں اور الف زائد ہے (۳) صرف لام معرف ہے۔

الف لام تعریف کی قسمیں:

وَتَكُوْنُ لِلْعَهْدِ نَحْوُ فِيْ زُجَاجَةٍ، اَلزُّجَاجَةُ کی وضاحت: الف لام تعریف کی تین قسمیں ہیں (۱) الف لام عہدی (۲) الف لام جنسی (۳) الف لام استغراقی جو الف لام عہدی ہوتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ذکری (۲) ذہنی۔

الف لام عہد ذکری سے مراد یہ ہے کہ کسی اسم کو ذکر کیا گیا ہو پھر دوبارہ الف لام کے ساتھ اسے ذکر کیا جائے جیسے تیرا قول "اِشْتَرَيْتُ فَرَسًا بِعْتُ الْفَرَسَ" اس مثال میں اَلْفَرَسُ پر الف لام

اس فرس کی تعیین کے لیے ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اگر یہاں بعث الفرس کے بجائے بعث فرسا کہا جائے تو اس صورت میں مذکورہ فرس کے علاوہ کا بیچا سمجھا جائے گا۔

الف لام عہد ذکری کی دوسری مثال باری تعالیٰ کا قول "مَثَلُ نُورِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ، اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ، اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ" ہے۔ (اس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق کے ہے جس میں چراغ ہو اور چراغ شیشہ کی قندیل میں ہو، اور شیشہ جیسے چمکتے ہوئے روشن ستارے کے ہو۔ پارہ ۱۸، سورۂ نور آیت ۳۵) اس آیت میں محل استشہاد "المصباح اور الزُّجَاجَةُ" ہے، جس پر الف لام عہد ذکری ہے، کیوں کہ المصباح اور الزجاجة پر الف لام اس مصباح اور زجاجة کی تعیین کے لیے ہے جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

الف لام عہد ذہنی سے مراد یہ ہے کہ متکلم و مخاطب کے درمیان کوئی عہد ہو پھر کسی اسم عام پر الف لام داخل کر کے استعمال کیا جائے جیسے "جَاءَ الْقَاضِیْ" پر الف لام عہد ذہنی ہے، کیوں کہ یہ اس وقت کہا جائے گا جب کہ تمہارے اور تمہارے مخاطب کے درمیان کسی خاص قاضی کی تعیین ہو۔

الف لام جنسی سے مراد یہ ہے کہ ذہن میں ایک چیز کا جو مفہوم کلی ہے اس پر من حیث المجموع اور حقیقت پر دلالت کرنے کے لیے کسی لفظ پر الف لام داخل کرتے ہیں اسے الف لام جنسی کہا جاتا ہے جیسے "اَلرَّجُلُ اَفْضَلُ مِنَ الْمَرْاَةِ" جب کہ کوئی مخصوص مرد اور عورت مراد نہ ہو۔ معنی ہوں گے کہ جنس مرد اپنی حقیقت کے اعتبار سے عورتوں کی حقیقت سے افضل ہیں۔ قطع نظر خارج میں موجود افراد کے کہ ان میں بعض عورتیں مردوں سے بڑھ جاتی ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ اسی طرح لفظ کا استعمال الف لام کی جگہ درست نہیں ہوگا، لہٰذا "کُلُّ واحدٍ من الرِّجَالِ افضل من کل واحدة من النساء" کہنا درست نہیں، کیوں کہ یہ حقیقت واقعہ کے خلاف ہے۔ یہ الف لام کل افراد کا استیعاب اور احاطہ کرتا ہے۔ اس لیے اس کو جنسی کہتے ہیں۔ اور حقیقت بیان کرنے والا یا ماہیت بیان کرنے والا بھی کہتے ہیں۔ جیسے "اَهْلَكَ النَّاسَ الدِّيْنَارُ وَالدِّرْهَمُ" میں الدینار والدرہم پر الف لام جنس کے لیے ہے جو ماہیت بیان کرنے کے لیے ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز کو بنایا۔ پارہ ۱۷، سورۃ الانبیاء، آیت ۳۰) اس میں الماء پر الف لام جنس کے لیے ہے جو حقیقت بیان کرنے کے لیے ہے یعنی اس حقیقت سے بنایا کہ ہر اس چیز سے جس کا نام پانی ہو۔

الف لام استغراقی کی قسمیں:

الف لام استغراقی کی دو قسمیں ہیں کبھی تو استغراق افراد کی حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور

کبھی استغراق افراد کی صفات کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ پہلے کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا" (اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ پارہ ۵، سورۃ نساء آیت ۲۸) یعنی جنس انسان کا ہر فرد ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔

دوسرے کی مثال "اَنْتَ الرَّجُلُ" یعنی تو ایسا آدمی ہے جس میں اچھے لوگوں کی صفات مجتمع ہیں۔

الف لام استغراق کی پہلی قسم کا ضابطہ:

الف لام کی جگہ کل کا استعمال باعتبار حقیقت کے درست ہوگا، لہٰذا خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا کی جگہ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ ضَعِيْفًا کہیں تو کل اپنے حقیقی معنی میں ہوگا۔

دوسری قسم کا ضابطہ:

یعنی صفات کے استغراق کے لیے الف لام آتا ہے اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کی جگہ لفظ کل کالانا مجازاً صحیح ہو۔ لہٰذا "اَنْتَ الرَّجُلُ" کی جگہ اَنْتَ كُلُّ الرَّجُلِ (آپ تو کل آدمی ہیں یعنی مردانیت کی تمام صفات آپ میں جمع ہیں) تو درست ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا كُلُّ الصَّيْدِ فِي جَوْفِ الْفَرَاءِ (تمام شکار جنگلی گدھوں کے پیٹ میں ہے) اس میں الف لام کی جگہ کل لایا گیا ہے جو مجازاً صحیح ہے۔

نوٹ:- كل الصيد في جوف الفراء، یہ جملہ وہ شخص کہتا ہے جس کی بہت سی حاجتیں ہوں اور ان میں سے بڑی حاجت پوری ہو جائے اور اس مقصد کے لیے بھی بولا جاتا ہے کہ وہ باقی حاجتوں کے فوت ہونے کی پرواہ نہیں کرتا۔ (مصباح اللغات ص ۶۲۳) شاعر کا قول

لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ   اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ

(اللہ تعالیٰ کے لیے یہ امر کوئی بعید (دشوار) نہیں ہے کہ وہ عالم کو ایک ذات میں جمع کر دے۔)

اس شعر میں محل استشہاد "الْعَالَمَ" ہے جس میں الف لام کی جگہ لفظ کل کالانا مجازاً صحیح ہے۔ اَيِ الْعَالَمَ بمعنی ای كُلَّ صفات العالم۔ (یہ ابو نواس حسن بن ہانی کا شعر ہے)

وَاِبْدَالُ اللَّامِ مِيْمًا لُغَةٌ حِمْيَرِيَّةٌ .

ترجمہ:- قبیلہ حمیر کی لغت میں لام کو میم سے بدل دیا جاتا ہے۔

وضاحت:- قبیلہ حمیر کی لغت میں لام کو میم سے بدل دیا جاتا ہے، اور یہ میم بھی معرفہ کا معنی دیتا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی لغت میں کلام فرمایا ہے۔ حضور کا قول

"لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِى امْسَفَرِ" (سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے) یہ قبیلہ حمیر کی لغت ہے ورنہ اہل عرب کی لغت "لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِى السَّفَرِ" ہے شاعر نے بھی لام کو میم سے بدل کر پڑھا ہے۔ جیسے شاعر کا قول

ذَاكَ خَلِيْلِىْ وَذُوْ يُوَاصِلُنِىْ يَرْمِىْ وَرَائِىْ بِامْسَهْمِ وَامْسَلِمَةْ

(وہ میرا خلیل ہے وہ مجھ سے مواصلت رکھتا ہے، میرے پیچھے تیر اور پتھر پھینکتا ہے۔)

اس شعر میں محل استشہاد "بِامْسَهْمِ اور امْسَلِمَةْ" ہے، کیوں کہ اس میں قبیلہ حمیر کی لغت کے مطابق الف لام کو میم سے بدل کر پڑھا گیا ہے، اس کی اصل "بِالسَّهْمِ اور السَّلِمَةْ" ہے۔ (یہ بجیر بن عنمہ طائی کا شعر ہے۔)

کچھ مفید اصطلاحات:

جس کلمہ پر الف لام داخل ہوتا ہے اس کلمہ پر کبھی بھی تنوین نہیں آتی۔ مندرجہ ذیل اسماء پر دخول الف لام ممتنع ومحال ہے (۱) منادیٰ پر جیسے یا غلامُ البتہ اللّٰہ اور آیۃ کے فصل کے ساتھ دخول الف لام درست ہے (۲) اسم مضاف باضافت معنویہ پر۔ البتہ اضافت لفظی میں مضاف پر الف لام داخل ہوسکتا ہے جیسے الضَّارِبُ الْوَلَدِ (۳) علم پر البتہ جن ناموں پر الف لام شروع سے ہی داخل ہو تو وہ اس سے منفک نہیں ہے۔ جیسے اَلْمَدِيْنَةُ (۴) غیر منصرف (۵) اسم اشارہ پر جب الف لام داخل ہو تو وہ اسم موصول بن جاتا ہے جیسے ذِی سے اَلَّذِی۔ (لسان العرب ص ۸)

وَالْمُضَافُ اِلٰى وَاحِدٍ مِمَّ ذُكِرَ، وَهُوَ بِحَسَبِ مَا يُضَافُ اِلَيْهِ، اِلَّا الْمُضَافَ اِلَى الضَّمِيْرِ فَكَالْعَلَمِ۔

ترجمه:- اور ایسا اسم جو معرفہ کی مذکورہ قسموں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو اور وہ مضاف الیہ کے اعتبار سے ہوگا، مگر مضاف ہوگا ضمیر کی طرف، جیسے علم۔

وضاحت:- معرفہ کی چھٹی قسم مضاف ہے، یعنی ایسا اسم جو معرفہ کی مذکورہ قسموں میں سے کسی ایک طرف مضاف ہو۔ جیسے غُلَامِی میں غلام ضمیر متکلم کی طرف مضاف ہے اور غُلَامُ هٰذَا میں غلام اسم اشارہ هٰذَا کی طرف مضاف ہے۔ اور غلام الَّذِی فِی الدَّارِ میں اسم موصول الَّذِی کی طرف مضاف ہے۔ اور غلامُ الْقَاضِی میں علم کی طرف مضاف ہے۔

معرفہ میں مضاف کا رتبہ:

معرفہ میں اس مضاف کا رتبہ اور مقام اس کے مضاف الیہ کے مطابق ہوگا جو رتبہ مضاف الیہ کا

ہے وہی مضاف کا ہوگا۔ سوائے ضمیر کے۔ اگر ضمیر مضاف الیہ ہو تو اس کے مضاف کا درجہ علم کا ہے کیونکہ ضمیر کا درجہ نہیں ہوگا۔ اس پر دلیل یہ مقولہ ہے "مَرَرْتُ بِزَيْدٍ صَاحِبِكَ" زید موصوف ہے صَاحِبِكَ صفت ہے۔ صفت معرفت میں موصوف سے کم تر ہونی چاہیے۔ اگر ضمیر کی طرف اضافت کی وجہ سے صاحب ضمیر کے برابر کا معرفہ ہو جائے تو زید کو علم کی صفت بنانا درست نہ ہوگا۔

باب المبتداء والخبر

بَابٌ: اَلْمُبْتَدَأُ وَالْخَبَرُ مَرْفُوعَانِ: كَـ "اَللّٰهُ رَبُّنَا" وَ "مُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا".

ترجمہ:- یہ باب ہے۔ مبتداء اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں۔ جیسے اَللّٰهُ رَبُّنَا (اللہ ہمارا رب ہے) اور مُحَمَّدٌ نَبِيُّنَا (محمدؐ ہمارے نبی ہیں)

وضاحت:- جب مصنف علیہ الرحمہ تعریف وتنکیر کے اعتبار سے اسم کی اقسام کو تفصیلی طور پر بیان کر چکے تو اب یہاں سے مبتداء اور خبر کی تعریف اور ان کے احکام کو بیان کرنا شروع کیا۔

اشکال: لیکن یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ مصنفؒ نے ان دونوں کو ایک باب میں ذکر کیا ہے، جب کہ یہ مرفوعات کی مستقل دو قسمیں ہیں۔ ایسا کیوں؟

جواب: چوں کہ یہ دونوں متلازم ہیں، جب ایک مذکور ہوتا ہے تو دوسرا بھی مذکور ہوتا ہے دوسرے اس وجہ سے جمع کیا کہ دونوں عامل میں شریک ہیں، کیوں کہ ان دونوں کا عامل معنوی ہے۔

مبتداء کی تعریف:

اسناد کے لیے آنے والا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو ـــــ لفظ "اسم" جنس ہے جو صریح اور مؤول دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ صریح کی مثال جیسے "زَيْدٌ قَائِمٌ" میں زید ـــــ مؤول کی مثال اور تعریف: فعل مضارع پر اَنْ داخل کر کے بتاویل مصدر اسم بن جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ" (لیکن تمہارے حق میں بہتر کام روزے رکھنا ہے۔ پارہ۲ سورہ بقرہ آیت ۱۸۴) میں وَاَنْ تَصُوْمُوْا بتاویل مصدر اسم ہے، جو مبتداء ہے، جس کی طرف سے خبر کی خبر دی جاری ہے ـــــ یہ دونوں صورتیں مبتداء بنتی ہیں، اب مبتداء کی تعریف ان الفاظ میں ہوگی۔ اسناد کے لیے آنے والا وہ اسم صریح یا اسم تاویل ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو ـــــ عوامل لفظیہ سے خالی ہونا یعنی کوئی عامل اس اسم سے پہلے موجود نہ ہوں، چنانچہ اس سے كَانَ زَيْدٌ عَالِمًا جیسی مثال خارج ہوگی۔ اس لیے کہ زید عوامل لفظیہ سے خالی نہیں ہے، بلکہ کان عامل موجود ہے، جس کی وجہ سے زَيْدٌ کو رفع اور عَالِمًا کو نصب آرہا ہے ـــــ اسم اسناد کے لیے ہو اگر اسناد موجود نہ ہوگی تو پھر وہ مبتداء نہیں بن سکتا

جیسے گنتی کے وقت میں اعداد یا معدودات کو ذکر کرنا مثلاً واحد، اثنان، ثلاثہ، اگرچہ یہ عوامل لفظیہ سے خالی ہیں، لیکن ان میں اسناد موجود نہیں ہے لہٰذا یہ مبتداء نہیں بن سکتے۔ اسناد کی قید لگانے سے مبتداء کی اس تعریف میں دونوں قسم کے اسماء داخل ہوں گے چاہے وہ مابعد کے لیے مسند الیہ ہوں جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ. یا وہ اپنے مابعد کی طرف مسند ہو جیسے أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ.

خبر کی تعریف:

خبر وہ مسند ہے جو مبتداء کے ساتھ مل کر جملہ مفیدہ بناتا ہو۔

خبر کی تعریف میں مسند کی قید لگانے سے أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ جیسی مثال خارج ہوگی، کیوں کہ اس میں الزَّيْدَانِ خبر ہونے سے قاصر ہے اور وجہ قصور یہ ہے کہ چوں کہ یہ فاعل ہے اور فاعل مسند الیہ ہوتا ہے مسند نہیں۔ اور جو مبتداء کے ساتھ مل کر جملہ مفیدہ بناتا ہو اس قید سے قَامَ زَيْدٌ جیسی مثال خارج ہوگی، کیوں کہ اس میں زید مسند بن سکتا ہے لیکن جملہ میں مبتداء نہیں ہے بلکہ فاعل ہے۔

مبتداء خبر کا حکم:

مبتداء اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ.

وَيَقَعُ الْمُبْتَدَأُ نَكِرَةً إِنْ عَمَّ أَوْ خَصَّ، نَحْوُ: "مَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ" "أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ" وَ "لَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ" وَ "خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ".

ترجمہ:۔ اور مبتداء نکرہ ہوتا ہے، جب کہ اس میں غایت درجہ کا عموم پایا جائے، یا کسی طرح کی تخصیص پیدا ہو جائے، جیسے مَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ (گھر میں کوئی مرد نہیں ہے) أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ (کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے) اور لَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ (اور البتہ مومن بندہ بہتر ہے مشرک بندے سے) اور خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ (پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر فرض کی ہیں)

وضاحت:۔ مبتداء کی اصل معرفہ ہوتا ہے نکرہ نہیں۔ چوں کہ نکرہ بالعموم مجہول ہوتا ہے اور مجہول پر مفید کا حکم نہیں لگتا۔ لیکن کبھی مبتداء نکرہ بھی ہوتا ہے، جب کہ اس میں غایت درجہ کا عموم پایا جائے۔ یا کسی طرح کی تخصیص پیدا ہو جائے۔ اول کی مثال جیسے تیرا قول "مَا رَجُلٌ فِي الدَّارِ" نکرہ تحت النفی ہونے کی وجہ سے غایت درجہ کا عموم رکھتا ہے اور مبتداء ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول "أَإِلٰهٌ مَعَ اللّٰهِ" (کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ پارہ ۲۰ سورۂ نمل آیت ۶۰) اس آیت میں إِلٰهٌ نکرہ ہے جو

تحت الاستفہام ہونے کی وجہ سے عمایت درجے کا عموم رکھتا ہے اور مبتداء ہے۔

دوسری قسم کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ" (ایمان والا غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے۔ پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۲۱) میں عبد نکرہ ہے مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے لہٰذا اس کا مبتداء ہونا صحیح نہ تھا مگر جب اس کی صفت لائے اور لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ کہا تو بذریعہ صفت کے تخصیص ہو گئی یعنی تقلیل اشتراک ہو کر اس کا مبتداء ہونا صحیح ہو گیا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللّٰهُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ" (پانچ نمازیں اللہ نے بندوں پر فرض کی ہیں) میں خَمْسُ نکرہ ہے جو صلوات کی طرف مضاف ہے لہٰذا اضافت کی وجہ سے نکرہ میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے اور جب تخصیص پیدا ہو گئی تو مبتداء کی اصل معرفہ ہونا پایا گیا لہٰذا خَمْسُ مبتداء ہوا۔

سوال: مبتداء کی اصل معرفہ ہونا اور خبر کی اصل نکرہ ہونا ہے۔ اور یہی جمہور نحاۃ کا مذہب ہے لیکن اگر مبتداء نکرہ ہو تو بذریعہ تخصیص اس کو معرفہ کے قریب کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے چار شکلیں بیان کی ہیں (۱) نکرہ تحت النفی ہونا (۲) نکرہ تحت الاستفہام ہونا (۳) بذریعہ صفت موصوف کی تخصیص کرنا (۴) بذریعہ اضافت تخصیص کرنا۔ کیا آپ کی نگاہ میں اس کے علاوہ بھی صورتیں ہیں جن میں مبتداء نکرہ کو معرفہ بنالیا جاتا ہے۔

جواب: مبتداء کے لیے معرفہ یا نکرہ ہونا ضروری ہے، کیوں کہ نکرہ بذریعہ تخصیص کے اس معرفہ کے قریب ہو جاتا ہے جس کا محکوم علیہ میں دلیل سے ہونا ثابت ہے، لیکن وجوہ تخصیص کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا وجوہات اربعہ کے علاوہ مزید کوئی وجہ نہیں۔ بعض نے تیس سے زائد تک پہنچایا ہے۔ اور کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ سب خاص و عام دو قسموں میں جمع ہو جائیں گی۔

ناچیز شارح کی رائے میں وجوہ تخصیص میں سے ایک مصغر ہونا ہے جیسے رُجَيْلٌ جَاءَنِي۔ اس لیے کہ تصغیر درحقیقت (مادہ) مصغر سے صفت لاتا ہے۔ گویا کہ آپ نے رجل صغیر جاءنی کہا۔ وجوہ تخصیص میں سے ایک یہ ہے کہ نکرہ سے اس کا کوئی معمول متعلق ہو۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "أمر بالمعروف صدقة ونهيٌ عن المنكر صدقة" (اچھی بات کا حکم کرنا صدقہ ہے، بری باتوں سے روکنا صدقہ ہے) کہ اس میں امر و نہی مبتداء نکرہ ہیں اور ان دونوں (یعنی امر و نہی) مبتداء بننے کو جائز قرار دینے والے وہ جار مجرور ہیں جو ان سے متعلق ہیں۔ وجوہ تخصیص میں سے ایک خبر کا مبتداء پر مقدم ہونا ہے جیسے فی الدار رجلٌ۔ اسی طرح یہی متکلم کی طرف نسبت کی وجہ سے تخصیص

پیدا ہو جاتی ہے جیسے سلامٌ علیکَ کہ دراصل سَلَّمْتُ سلامًا علیکَ تھی۔ فعل کو حذف کر کے سلامًا کو نصب سے رفع کی طرف پھیر دیا بقصد دوام و استمرار۔ (شرح جامی ص ۷۲)

ان کے علاوہ مزید جو تحسین ہیں جن کا احصار یہاں مناسب نہیں۔

وَالْخَبَرُ جُمْلَةٌ لَهَا رَابِطٌ، کَـ "زَيْدٌ أَبُوهُ قَائِمٌ" وَ "لِبَاسُ التَّقْوَى ذٰلِكَ خَيْرٌ" وَ "اَلْحَاقَّةُ مَا الْحَاقَّةُ" وَ "زَيْدٌ نِعْمَ الرَّجُلُ" إِلَّا فِي نَحْوِ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ"۔

ترجمہ:- اور خبر جملہ ہو تو اس کے لیے ایک رابطہ ہوگا۔ جیسے زیدٌ ابوہٗ قائمٌ (زید اس کا باپ کھڑا ہونے والا ہے) اور لِباسُ التقوی ذٰلكَ خیرٌ" (اور تقوے کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے) اور "الحاقّةُ ما الحاقّةُ" (ثابت ہونے والی، ثابت ہونے والی کیا ہے) اور "زیدٌ نِعْمَ الرَّجُلُ" (زید کیا ہی اچھا آدمی ہے) مگر "قُلْ هُوَ اللّٰهُ احد" جیسی مثال میں۔

وضاحت:- خبر کی اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو اس لیے کہ مفرد ہی کے لیے یہ مناسب ہے کہ دوسرے اسم کے ساتھ وابستہ ہو تا کہ دونوں کے درمیان نسبت حاصل ہو جاوے۔ بخلاف جملے کے کہ وہ خود ہی کامل اور تام ہوتا ہے۔ اس کو دوسرے کی حاجت نہیں، مگر بایں ہمہ خبر کبھی جملہ بھی ہوتا ہے خواہ وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ اس میں ایک رابطہ کا ہونا ضروری ہے۔ جو اسے مبتداء سے جوڑ سکے، نحاۃ نے چار قسم کے روابط کا ذکر کیا ہے جس میں کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) ان میں سے ایک ضمیر ہے جو اس باب ربط میں اصل ہے جیسے "زیدٌ ابوہٗ قائمٌ" زید مبتداء اول اور ابوہٗ مبتداء ثانی ہے۔ اور ہٗ ضمیر مضاف الیہ اور قائمٌ مبتدائے ثانی کی خبر، اب مبتدائے ثانی اپنی خبر سے مل کر مبتدائے اول کی خبر ہے اور ان دونوں کے درمیان ہٗ ضمیر رابطہ ہے جو زید کی طرف لوٹتی ہے، یہ جملہ اسمیہ خبریہ کی مثال ہے۔

(۲) دوسرا رابطہ اسم اشارہ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ" (اور تقوے کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے۔ پارہ۸، سورہ اعراف آیت ۲۶) میں لِبَاس مبتداء اول ہے اور تقوی مضاف الیہ مبتداء ثانی اور خیر مبتداء ثانی کی خبر۔ مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر مبتداء اول کی خبر۔ اور مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہاں مبتداء و خبر کے درمیان اسم اشارہ ذٰلِكَ رابطہ ہے۔

(۳) تیسرا رابطہ مبتداء کے لفظ کا خبر کے جملہ میں اعادہ ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "اَلْحَاقَّةُ مَا

الْحَاقَّةُ" (ثابت ہونے والی، ثابت ہونے والی کیا ہے۔ پارہ ۲۹ سورۃ الحاقہ آیت ۱،۲) الْحَاقَّةُ مبتداء اول، ما اسم استفہام مبنی علی السکون مبتداء ثانی اور دوسری الْحَاقَّةُ مبتداء ثانی کی خبر۔ مبتداء ثانی اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتداء اول کی۔ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہاں دونوں کے درمیان مبتداء کے لفظ کا خبر کے جملہ میں اعادہ ہونا رابط ہے اور جملہ اسمیہ خبریہ کی مثال ہے۔

(۴) چوتھا رابطہ عموم یعنی خبر کے جملے میں اتنا عموم ہو جو مبتداء کو بھی شامل ہو جائے۔ جیسے "زَيْدٌ نِعْمَ الرَّجُلُ" زید مبتداء اور نِعْمَ الرَّجُلُ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے۔ اور الرَّجُلُ میں الف لام جنسی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا اس کے عموم میں زید بھی داخل ہوگا، کیوں کہ زید افراد رجل میں سے ایک فرد ہے لہٰذا مبتداء اور خبر کے درمیان ربط پایا گیا۔

یہ تمام روابط اس وقت ضروری ہیں جب کہ خبر کا جملہ نفس مبتداء نہ ہو اگر ایسا ہوگا تو ربط کی ضرورت نہ ہے گی۔ جیسے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" (آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ایک ہے۔ پارہ ۳۰ سورۃ الاخلاص آیت ۱) هو مبتداء اور اللّٰه احد مبتداء ثانی اور اس کی خبر۔ مبتداء خبر سے مل کر جملہ خبریہ ہو کر مبتداء اول کی خبر۔ اور یہی جملہ مبتداء کے ساتھ مرتبط ہو گیا۔ اس لیے کہ یہ جملہ خبریہ فی نفسہ مبتداء کے معنی میں ہے۔ اور هُوَ ضمیر شان ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "أَفْضَلُ مَا قُلْتُهُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" (سب سے افضل کلام وہ ہے جس کو میں اور مجھ سے پہلے سارے نبیوں نے کہا یعنی لا إلٰه إلا اللّٰه ہے) اس میں ما قلتهٗ کی ہٗ ضمیر ضمیر شان ہے اور جب مبتداء ضمیر شان ہو اور پھر اس کی خبر لائی جائے تو اس کے اندر عائد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ضمیر شان اور ضمیر قصہ:

کبھی جملہ سے پہلے ضمیر غائب بغیر مرجع کے واقع ہوتی ہے تو اگر وہ ضمیر مذکر کی ہو تو اس کو ضمیر شان کہتے ہیں، اور اگر ضمیر مؤنث کی ہو تو اس کو ضمیر قصہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو جملہ ہوتا ہے وہ اس ضمیر کی تفسیر کرتا ہے۔

وَظَرْفًا مَنْصُوْبًا نَحْوُ: وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ" وَجَارًّا وَمَجْرُوْرًا كَـ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" وَتَعَلُّقُهُمَا بِمُسْتَقِرٍّ أَوْ إِسْتَقَرَّ مَحْذُوْفَيْنِ۔

ترجمہ:- اور کبھی خبر ظرف منصوب ہوتی ہے جیسے "وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ" (اور قافلہ تم سے نیچے تھا) اور (کبھی خبر) جار مجرور ہوتی ہے۔ جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے) اور اس وقت یہ دونوں مستقر یا استقر محذوف کے ساتھ متعلق ہوں گے۔

وضاحت:۔ مبتداء کی خبر کبھی ظرف منصوب ہوتی ہے اور کبھی جار مجرور، تو اس وقت ایک متعلق "مُسْتَقِرٌّ، یا اِسْتَقَرَّ" لازمۃً مقدر ماننا جائے گا۔ جمہور بصریین مستقر مقدر مانتے ہیں، چوں کہ خبر ہی مقدر ہے اور خبر میں اصل تو اسم مفرد ہوتا ہے لہٰذا باری تعالیٰ کا قول "اَلرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔ پارہ ۱۰ سورہ انفال، آیت ۴۲) میں اَلرَّكْبُ مبتداء اور اَسْفَلَ ظرف منصوب خبر ہے اور اس سے پہلے مُستقر مقدر ہے اور یہ اسم مفرد ہے اور خبر میں اصل تو اسم مفرد ہی ہوتا ہے۔ اب اصل عبارت ہوگی "اَلرَّكْبُ مُسْتَقِرٌّ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" اور باری تعالیٰ کا قول "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنہار ہے) میں اَلْحَمْدُ مبتداء اور اللّٰه جار مجرور سے مل کر خبر اس سے پہلے مُستقر اسم مفرد مقدر ہے جس سے متعلق ہے۔ اب اصل عبارت ہوگی "اَلْحَمْدُ مُسْتَقِرٌّ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"

جب کہ امام اخفشؒ، فارسیؒ، زمخشریؒ، اِسْتَقَرَّ فعل مقدر مانتے ہیں، کیوں کہ ظرف کے لیے کوئی عامل ہونا چاہیے جس کے وہ متعلق ہو پس چوں کہ فعل عمل میں اصل ہے، اس لیے اس کو مقدر کریں گے۔ اور جب فعل مقدر ہوا تو ظرف فعل کے متعلق ہوگا۔ اور خبر جملہ ہوگی۔ چنانچہ ان حضرات کے مذہب کے مطابق باری تعالیٰ کا قول "اَلرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ" میں اَسْفَلَ ظرف سے پہلے اِسْتَقَرَّ فعل مقدر ہوگا اور اسی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" میں لِلّٰهِ جار مجرور سے پہلے اِسْتَقَرَّ فعل مقدر ہوگا، کیوں کہ عامل تو اصلاً فعل ہی ہوتا ہے۔

وَلَا يُخْبَرُ بِالزَّمَانِ عَنِ الذَّاتِ، وَ "اَللَّيْلَةَ الْهِلَالُ" مُتَاَوَّلٌ۔

ترجمہ:۔ اور (مبتداء) اسم ذات کی خبر ظرف زمان کے ساتھ نہیں لائی جاتی۔ اور اَللَّيْلَةَ الْهِلَالُ۔ تاویل شدہ ہے۔

وضاحت:۔ ظرف کی دو قسمیں ہیں (۱) ظرف زمان (۲) ظرف مکان۔

مبتداء کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) ذاتی جسے جوہر کہا جاتا ہے جیسے زید، عمرو وغیرہ۔

(۲) عرضی۔ جسے وصف کہا جاتا ہے جیسے قیام، قعود وغیرہ۔

مبتداء اسم ذات ہو یا عرض۔ ظرف مکان کو اس کی خبر بنانا درست ہے، جوہر کی مثال جیسے زَيْدٌ اَمَامَكَ زید مبتداء، امام مضاف، کاف خطاب مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر ظرف مکان ہوا ثَبَتَ یا مُسْتَقِرٌّ یا ثابتٌ شبہ فعل کا۔ فعل یا شبہ فعل اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر مبتداء کی خبر۔ مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔

عرض کی مثال: وَالْخَيْرُ أَمَامَكَ کی بھی ترکیب اسی طرح ہوگی، لیکن اگر مبتداء اسم ذات ہو تو اس کی خبر ظرف زمان نہیں ہو سکتی، لیکن اس کو اسمائے اعراض کی خبر بنایا جا سکتا ہے، لہٰذا آپ "الشمس الیوم" کہہ سکتے ہیں، لیکن زیدٌ الیوم نہیں کہہ سکتے۔ اور کہیں کلام عرب میں ایسی کوئی نظیر ہو تو وہاں تاویل کرنا واجب ہوگا۔ جیسے عربوں کا قول "اللَّيْلَةَ الْهِلَالُ" (اللَّيْلَةَ کے نصب کے ساتھ کیوں کہ ظرف ہے۔ الْهِلَالُ کی خبر مقدم ہے) تاویل شدہ ہے اور تاویل اس طور پر ہے کہ اس کی تقدیر "اللَّيْلَةَ طُلُوعُ الْهِلَالِ" ہے۔ اور طلوع عرض ہے نہ کہ ذات پھر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

وَيُغْنِي عَنِ الْخَبَرِ مَرْفُوعُ وَصْفٍ مُعْتَمِدٍ عَلَى اِسْتِفْهَامٍ أَوْ نَفْيٍ نَحْوُ "أَقَاطِنٌ قَوْمُ سَلْمَى" وَ "مَا مَضْرُوبٌ الْعَمْرَانِ"۔

ترجمه:- اور مبتدا اپنے مرفوع سے مل کر خبر سے بے نیاز ہو جاتا ہے جب کہ مبتدا صیغہ صفت ہو۔ اور نفی یا استفہام پر اعتماد کرتا ہو۔ جیسے "أَقَاطِنٌ قَوْمُ سَلْمَى" (کیا قوم سلمیٰ قیام کرنے والی ہے) اور "مَا مَضْرُوبٌ الْعَمْرَانِ"

وضاحت:- اگر مبتدا صیغہ صفت ہو اور نفی یا استفہام پر اعتماد کرتا ہو (اعتماد کا مفہوم یہ ہے کہ نفی و استفہام اس مبتداء سے پہلے واقع ہو) تو وہ اپنے مرفوع کے ساتھ مل کر خبر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ جیسے استفہام کی مثال "أَقَائِمٌ الزَّيْدَانِ" اور نفی کی مثال "مَا قَائِمٌ الزَّيْدَانِ" ان دونوں مثالوں میں زیدانِ وصف کے ساتھ فاعل ہے اور خبر سے مستغنی ہے، اس لیے کہ یہاں صیغہ صفت فعل کی تاویل میں ہے۔ اور مرفوع اس کا فاعل بن گیا ہے لہٰذا اب یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے أَيَقُومُ الزَّيْدَانِ اور مَا يَقُومُ الزَّيْدَانِ کہنا درست ہے۔ فعل کو خبر کی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح اسے بھی نہیں ہوتی۔

صاحب کتاب نے اشعار کے ذریعہ بھی استدلال کیا ہے جیسا کہ نفی کی استشہاد میں شاعر کا قول

خَلِيلَيَّ مَا وَافٍ بِعَهْدِيَ أَنْتُمَا   إِذَا لَمْ تَكُونَا لِي عَلَى مَنْ أُقَاطِعُ

(اے میرے دوست! تم دونوں میرے پیمان (محبت) کو پورا کرنے والے نہ ہو سکو گے، جب تک کہ تم ان لوگوں کی مخالف ہو کر میرے (ہمدرد) نہ ہو جاؤ جن سے میں قطع تعلق رکھتا ہوں۔)

اس شعر میں محل استشہاد "مَا وَافٍ أَنْتُمَا" ہے کہ وَافٍ صیغہ صفت لائے نفی پر اعتماد کی شرط کے ساتھ أَنْتُمَا کو رفع دے رہا ہے۔ خبر کی کوئی ضرورت نہیں۔ واضح رہے کہ وافٍ کو خبر مقدم اور أنتما کو مبتداء مؤخر نہیں بنایا جا سکتا۔ ورنہ تو خبر کا مفرد اور مبتداء کا تثنیہ ہونا لازم آئے گا۔ نیز اس شعر میں ان

لوگوں پر رد ہے جو مبتداء کی قسم ثانی میں ضمیر منفصل کو صیغہ صفت کا فاعل بنانے کے حق میں نہیں ہیں۔

استفہام کی استشہاد میں شاعر کا قول

أَقَاطِنٌ قَوْمُ سَلْمٰى أَمْ نَوَوْا ظَعَنًا؟ إِنْ يَظْعَنُوا فَعَجِيْبٌ عَيْشُ مَنْ قَطَنَا

(کیا سلمٰی کی قوم قیام کرنے والی ہے یا اس نے کوچ کا ارادہ کرلیا ہے؟ اگر کوچ کرے گی تو اس شخص (یعنی شاعر) کا جینا عجیب ہو جائے گا جو یہاں مقیم رہے گا) اس شعر میں محل استشہاد "أَقَاطِنٌ قَوْمُ سَلْمٰى" ہے کہ قَاطِنٌ صیغہ صفت استفہام پر اعتماد کے ساتھ قَوْم کو رفع دے رہا ہے۔ قَوْمُ سَلْمٰى فاعل ہے اور خبر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح "ما مضروبٌ العَمْرَانِ" نفی کی استشہاد میں پیش کیا گیا ہے کہ مضروبٌ صیغہ صفت نفی پر اعتماد کے ساتھ مبتداء ہے اور العَمْرَانِ اس کا فاعل ہے، خبر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبَرُ، نَحْوُ "وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ"

ترجمہ:- اور کبھی کبھی ایک مبتداء کی خبر متعدد ہوتی ہیں جیسے "وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ" (وہ بڑا بخشش کرنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔)

وضاحت:- ایک مبتداء کی ایک خبر تو آنا اصل ہے جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، کبھی کبھی ایک مبتداء کی متعدد اور ایک سے زائد خبریں بھی آتی ہیں حرف عطف کے ساتھ ہو یا بلا حرف عطف کے۔ جیسے "هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" (وہ بڑا بخشش کرنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک، عظمت والا ہے۔ جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے۔ پارہ ۳۰ سورہ بروج آیت ۱۶،۱۵،۱۴) هو مبتداء ہے، چار خبریں ہیں۔ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ ایک مبتداء کی ایک ہی خبر ہوگی، تعدد خبر کو ناجائز کہتے ہیں، لہٰذا وہ حضرات ہر خبر سے پہلے مبتداء مقدر مانتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں چند خبروں کے ساتھ چند مبتداء ہوں گے اور اصل عبارت ہوگی "وهو الغفورُ، وهو الْوَدُوْدُ، وهو ذو العرش المجيد، وهو فعال لِّمَا يُرِيْدُ. ہاں زَيْدٌ شَاعِرٌ وكَاتِبٌ اور الزَّيْدَانِ شَاعِرٌ وكَاتِبٌ، اور هذا حلوٌ حامِضٌ جیسی مثالوں میں نحاۃ کا خبر ایک ہونے پر اتفاق ہے، چوں کہ پہلی مثال میں زيد مبتداء اور شاعرٌ خبر ہے اور كَاتِبٌ کا شاعر پر عطف ہو رہا ہے۔ اور دوسری مثال میں الزَّيْدَانِ میں تو ہر ایک الگ الگ صفت ہے، جس کے ذریعہ ہر ایک کی خبر دی جا رہی ہے۔ اور تیسری مثال میں دو خبریں خبر واحد کے حکم میں ہے، چوں کہ اس کے معنی هذا مُزٌّ یعنی دونوں ذائقوں کا مرکب کے ہیں اور یہ تمام کے تمام حقیقت میں ایک ہیں متعدد نہیں۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ، نَحْوُ "فِي الدَّارِ زَيْدٌ، وَ"أَيْنَ زَيْدٌ"؟

ترجمہ:- اور کبھی خبر مبتداء پر مقدم ہوتی ہے۔ جیسے فِي الدَّارِ زَيْدٌ (گھر میں ہے زید) اور أَيْنَ زَيْدٌ (کہاں ہے زید)۔

وضاحت:- یعنی کبھی خبر مبتداء پر مقدم ہوتی ہے۔ اس لفظ قد جو تقلیل کے واسطے آتا ہے اس سے اشارہ کر دیا کہ خبر میں اصل یہ ہے کہ وہ مبتداء سے متاخر ہو، کیوں کہ قلت تقدیم اصالۃً تاخیر کو مستلزم ہے گویا کہ مصنف نے کہا "والاصل فی الخبر اَنْ يَتَأَخَّرَ وقد يتقدم على المبتداء" یعنی اصل خبر میں یہ ہے کہ مبتداء کے بعد آئے اور کبھی مبتداء پر مقدم بھی ہوتی ہے۔ اس سے بطور کنایہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مبتداء میں اصل یہ ہے کہ وہ خبر سے مقدم ہو۔ بشرطیکہ تقدیم سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ اس لیے کہ مبتداء ذات ہے اور خبر اس کے احوال میں سے ایک حال ہے اور ذات اپنے حال پر مقدم ہوتی ہے۔ اب مذکور الصدر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ خبر کبھی مبتداء سے پہلے آتی ہے، کبھی جوازاً اور کبھی وجوباً، جوازاً مقدم ہو جیسے فِي الدَّارِ زَيْدٌ (گھر میں ہے زید) اور باری تعالیٰ کا قول "سَلَامٌ هِيَ" یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے۔ پارہ ۳۰ سورۃ القدر آیت ۵) اور "وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ" اور ان کے لیے ایک نشانی رات ہے۔ پارہ ۲۳ سورۃ یٰسین آیت ۳۷) ان تینوں مثالوں میں خبر مقدم ہے۔ مبتداء مؤخر ہے۔ پہلے اسم کو مبتداء نہیں بنا سکتے۔ ورنہ نکرہ کی خبر معرفہ سے لانا لازم آئے گا خبر وجوباً مقدم ہو۔ جیسے فِي الدَّارِ رَجُلٌ (گھر میں ہے مرد) اور أَيْنَ زَيْدٌ (کہاں ہے زید) اور اہل عرب کا قول "عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا" (کھجور پر اس کے مثل مکھن ہے) ان تینوں مثالوں میں خبر کو مبتداء پر مقدم کرنا لازم ہے۔ کیوں کہ پہلی مثال میں خبر کو مؤخر کرنا صفت کے ساتھ التباس کا تقاضہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ نکرہ تخصیص کے لیے صفت کی طلب زیادہ کرتا ہے بہ نسبت خبر کے۔ تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے رَجُلٌ نکرہ کی صفت نہیں ہے، بلکہ خبر ہی ہے۔ اسے مقدم کر دیا چوں کہ صفت کبھی مقدم نہیں ہوتی، لہٰذا ترکیب ہوگی۔ فِي الدَّارِ خبر مقدم اور رَجُلٌ مبتداء مؤخر ہے۔ دوسری مثال میں خبر کو مقدم کرنا لازم ہے، کیوں کہ خبر مفرد صدر کلام چاہتی ہے۔ اگر مؤخر کریں گے تو جس کا حق صدارت کلام ہے اسے صدریت سے مؤخر کرنا لازم آئے گا جیسے أَيْنَ زَيْدٌ مبتداء۔ تیسری مثال میں ضمیر کو اسم کی طرف لوٹانا لازم آئے گا جو لفظاً وحکماً مؤخر ہے۔ اور یہ ناجائز ہے، لہٰذا عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلُهَا زُبْدًا میں عَلَى التَّمْرَةِ خبر مقدم ہے۔ اور مِثْلُهَا مع تمیز کے مبتداء مؤخر ہے۔ اور مِثْلُهَا کی ضمیر التَّمْرَةِ کی طرف راجع ہے، کھجور پر اس کے مثل مکھن ہے۔

وَقَدْ يُحْذَفُ كُلٌّ مِنَ الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ، نَحْوُ: سَلَامٌ، قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ" اَیْ عَلَيْكُمْ، اَنْتُمْ۔

ترجمہ:- اور کبھی مبتداء وخبر میں سے ہر ایک حذف کیا جاتا ہے (کسی قرینہ کی وجہ سے) جیسے سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ (کہا سلامتی ہو (اور کہا یہ تو) اجنبی ہیں) یعنی تم پر، تم لوگ۔

وضاحت

حذف مبتداء وخبر کی صورتیں:

مبتداءاور خبر سے ہر ایک کا حذف کرنا کبھی جائز ہوتا ہے اور کبھی واجب۔ جائز تو اس وقت ہے جب کہ قرینہ موجود ہو جو اس کے محذوف ہونے پر دلالت کرتا ہو چاہے لفظیہ ہو یا عقلیہ، حالیہ ہو یا مقالیہ۔ پس مبتداء محذوف کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول: "قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمُ النَّارُ" ای هی النَّارُ (کہہ دیجیے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ بدتر خبر دوں۔ وہ آگ ہے۔ پارہ ۱۷ سورہ حج آیت ۷۲) اس آیت میں هِیَ مبتداء محذوف ہے اور بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ قرینہ ہے اور یہ قرینہ لفظیہ ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا ای هذه سورةٌ (یہ ہے وہ سورت جو ہم نے نازل فرمائی ہے۔ پارہ ۱۸ سورہ نور آیت ۱) اس آیت میں هِیَ مبتداء محذوف ہے اور قرینہ عقلیہ وحالیہ ہے، اس لیے کہ سورۃ نازل کرنے کا مقصد ایک شیٔ کو متعین کرکے اس پر عملیت کا حکم کرنا ہوتا ہے، تاکہ اس کی طرح دوسرے حضرات بھی عمل کریں۔

خبر محذوف کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "اُكُلُهَا دَائِمٌ وَّظِلُّهَا" ای ظِلُّهَا دَائِمٌ (اس کا میوہ ہیشگی والا ہے اور اس کا سایہ بھی۔ پارہ ۱۳ سورۂ رعد آیت ۳۵) اس آیت میں لفظ دَائِمٌ خبر محذوف ہے، پہلا دَائِمٌ قرینہ ہے اور یہ قرینہ لفظیہ کی مثال ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ، ای اَمِ اللّٰهُ اَعْلَمُ (کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ پارہ ۱ سورہ بقرہ آیت ۱۴۰) اس آیت میں اللہ مبتداء ہے اور اس کی خبر اَعْلَمُ محذوف ہے، پہلا اَعْلَمُ قرینہ ہے جو دلالت کر رہا ہے، یہ قرینہ لفظیہ کی مثال ہے۔

دو مبتداء وخبر کا اجتماع اور ان کے محذوف ہونے کا حکم:

کبھی دو مبتداء وخبر اس طرح جمع ہو جاتے ہیں کہ ایک کا مبتداء محذوف ہو جاتا ہے اور دوسرے کی خبر۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "سَلَامٌ، قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ" (ابراہیم علیہ السلام نے جواب سلام دیا (اور کہا یہ تو) اجنبی لوگ ہیں۔ پارہ ۲۶ سورۃ الذاریات آیت ۲۵) اس آیت میں سَلَامٌ مبتداء ہے اور اس

کے بعد عَلَيْكُمْ خبر محذوف ہے۔ اصل عبارت ہے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ. اور قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے اَنْتُمْ مبتداء ہے جو محذوف ہے۔ اصل عبارت ہے اَنْتُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ. اب پوری عبارت اس طرح ہوگی سَلَامٌ عَلَيْكُمْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُوْنَ.

وَيَجِبُ حَذْفُ الْخَبَرِ قَبْلَ جَوَابَيْ "لَوْلَا" وَالْقَسَمِ الصَّرِيْحِ. وَالْحَالِ الْمُمْتَنِعِ كَوْنُهَا خَبَرًا، وَبَعْدَ وَاوِ الْمُصَاحَبَةِ الصَّرِيْحَةِ، نَحْوُ: لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ" "لَعَمْرُكَ لَاَفْعَلَنَّ" وَ "ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا" وَ كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهٗ.

ترجمہ:- اور لَوْلَا اور قسم صریح کے جواب سے پہلے خبر کو حذف کرنا لازم ہوتا ہے اور اس حال سے پہلے جس کا خبر بننا ممتنع ہو۔ اور واؤ مصاحبت صریحہ کے بعد بھی (خبر کو حذف کرنا لازم ہے) جیسے "لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ" (اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے) لَعَمْرُكَ لَاَفْعَلَنَّ (تیری عمر کی قسم میں ضرور بالضرور کروں گا) اور "ضَرْبِي زَيْدًا قَائِمًا" (میرا مارنا زید کو اس حال میں ہوا کہ وہ کھڑا تھا) "وَكُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهٗ" (اور ہر آدمی اپنی جاگیرداری کے ساتھ ہوگا)

وضاحت

خبر کو وجوباً حذف کرنا:

خبر کا حذف کرنا اس وقت واجب ہے جب کہ قرینہ اور خبر کی قائم مقامی کرنے والا دونوں موجود ہوں۔ لہٰذا چار مسائل میں خبر کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے۔

مسئلہ اولیٰ: لَوْلَا کے جواب سے پہلے خبر کو حذف کرنا لازم ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ" (اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مومن ہوتے۔ پارہ ۲۲، سورہ سبا، آیت ۳۱) اس آیت میں لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ لَوْلَا کا جواب ہے۔ اور اس سے پہلے صَدَدْتُمُوْنَا عَنِ الْهُدٰى خبر محذوف ہے وجوباً اس پر قرینہ بعد کی آیت "اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى" ہے۔

مسئلہ ثانیہ: قسم صریح کے جواب سے پہلے خبر کو حذف کرنا لازم ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ" (تیری عمر کی قسم وہ تو اپنی بدمستی میں سرگرداں تھے۔ پارہ ۱۴، سورہ حجر، آیت ۷۲) اس آیت میں خبر وجوباً محذوف ہے۔ دراصل "لَعَمْرُكَ يَمِيْنِيْ، يا لَعَمْرُكَ قَسَمِيْ" ہے۔ لَعَمْرُكَ مبتداء مقسم بہ ہے اور اس کا لام قسم پر دلالت کرتا ہے، کیوں کہ مقسم بہ بغیر قسم نہیں ہوسکتا، لہٰذا قَسَمِيْ محذوف ہے۔ لام قسم داخل ہوتے وقت عُمر کی عین کا ضمہ فتحہ (عَمر) سے بدل گیا۔ اور

حالت نصبی میں عمرًا ہو گیا الخیر واؤ کے۔

سوال: مصنفؒ نے قسم کے ساتھ صریح کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب: صریح کہہ کر عَهْدُ اللّٰهِ جیسے کلمات جو کبھی قسم اور کبھی مطلق عہد کے لیے استعمال ہوتے ہیں سے احتراز کیا ہے۔ مثلاً عَهْدُ اللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا. قسم کے معنی میں ہے۔ لیکن عَهْدُ اللّٰهِ يَجِبُ الْوَفَاءُ بِهٖ مطلق عہد کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے اس خبر کو ذکر کرنا درست ہے، لہٰذا آپ عَلَيَّ عَهْدُ اللّٰهِ کہہ سکتے ہیں۔

مسئلہ ثالثہ:- اس حال سے پہلے جس کا مبتداء کے لیے خبر بننا ممتنع ہو خبر کو محذوف کرنا لازم ہوتا ہے جیسے اہل عرب کا قول ضَرْبِيْ زَيْدًا قَائِمًا. اصل میں ضَرْبِيْ زَيْدًا حَاصِلٌ إِذَا كَانَ قَائِمًا ہے، قائمًا حال سے پہلے حَاصِلٌ اذا كان محذوف نکلے گا۔ اور یہ حَاصِلٌ محذوف خبر ہوگا۔ اذا خبر کے لیے ظرف ہوگا جو كان جملہ کی طرف مضاف ہے كَانَ کا فاعل اسی میں مستتر ہے جس کا مرجع ضَرْبِيْ مصدر کا مفعول ہے۔ اور قائمًا اس سے حال ہے۔ اور یہ قائمًا ایسا حال ہے جو ضربی مبتداء کی خبر نہیں بن سکے گا۔ آپ ضربی قائم نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ ضَرْبٌ کی صفت قائمٌ نہیں آیا کرتی۔ اور اسی طرح "اَكْثَرُ شُرْبِيَ السَّوِيْقَ مَلْتُوْتًا" دراصل اكثرُ شُرْبِي السَّوِيْقِ حاصل اذا كانَ ملتوتًا" ہے اور اَخْطَبُ ما يكون الاميرُ قائمًا. دراصل اَخْطَبُ ما يكونُ الاميرُ حاصلٌ اذا كان قائمًا ہے۔ (اس تیسری حالت کا ضابطہ یہ ہے کہ مثال اول کی طرح مبتداء مصدر صریح ہو یا مثال ثانی کی طرح افعل التفضیل مصدر صریح کے لیے مضاف ہو۔ یا مثال ثالث کی طرح افعل التفضیل مصدر مؤول کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد مصدر کے لیے معمول ہو۔ پھر بعد ازاں حال شرح کے ساتھ اسم منصوب ہوگا اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ حال خبر واقع ہو۔)

مسئلہ رابعہ: واؤ معاجبت صریحہ کے بعد مبتداء کی خبر وجوبًا محذوف ہوتی ہے۔ جیسے كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهٗ، اَیْ كُلُّ رَجُلٍ مَعَ ضَيْعَتِهٖ مَقْرُوْنَانِ. میں مَقْرُوْنَانِ کو حذف کیا ہے، کیوں کہ اس پر دلیل واؤ معیت موجود ہے۔

باب النّواسخ للمبتداء والخبر

بَابٌ: اَلنَّوَاسِخُ لِحُكْمِ الْمُبْتَدَاِ وَالْخَبَرِ ثَلَاثَةُ اَنْوَاعٍ، اَحَدُهَا كَانَ، وَاَمْسٰى، وَاَصْبَحَ، وَاَضْحٰى، وَظَلَّ، وَبَاتَ، وَصَارَ، وَلَيْسَ، وَمَا زَالَ، وَمَا فَتِئَ، وَمَا انْفَكَّ، وَمَا بَرِحَ وَمَادَامَ، فَيَرْفَعْنَ الْمُبْتَدَاَ اِسْمًا لَهُنَّ

وَيَنْصِبْنَ الْخَبَرَ خَبَرًا لَهُنَّ، نَحْوُ (وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا).

ترجمہ:۔ یہ باب ہے، مبتداء اور خبر کے حکم کے لیے نواسخ تین قسم کے ہیں، ان میں ایک قسم كَانَ، أَمْسٰى، أَصْبَحَ، أَضْحٰى، ظَلَّ، بَاتَ، صَارَ، لَيْسَ، مَازَالَ، مَا فَتِئَ، مَا انْفَكَّ، مَا بَرِحَ اور مَادَامَ ہیں۔ پس یہ سب مبتداء کو رفع دیتے ہیں اپنے لیے اسم بنا کر، اور خبر کو نصب دیتے ہیں اپنے لیے خبر ہونے کی حیثیت سے جیسے وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا۔ (بلاشبہ آپ کا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے)

وضاحت:۔ نواسخ ناسخ کی جمع ہے۔ لغوی معنی زائل کرنے کے ہیں۔ چنانچہ جب سورج سایہ کو زائل کر دے تو اس وقت کہا جاتا ہے نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ (کہ سورج نے سایہ کو زائل کر دیا)۔

نواسخ کی اصطلاحی تعریف:

جو عوامل مبتداء وخبر کے حکم کو ختم کر دیں اصطلاح نحو میں نواسخ کہلاتے ہیں۔

نواسخ کی وجہ تسمیہ:

یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور مبتداء وخبر کا اعراب بدل دیتے ہیں، اسی لیے ان کو نواسخ جملہ (جملہ کو منسوخ کرنے والے) کہتے ہیں۔ یہ حروف جملہ اسمیہ پر جب داخل ہوتے ہیں تو مبتداء کا نام اسم ہو جاتا ہے۔

نواسخ کی قسمیں:

نواسخ کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) وہ عوامل جو مبتداء کو اپنا اسم بنا کر رفع دیتے ہیں اور خبر کو اپنی خبر بنا کر نصب دیتے ہیں یہ كَانَ اور اس کے اخوات ہیں۔

(۲) وہ عوامل جو مبتداء کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں۔ یہ إِنَّ اور اس کے اخوات ہیں۔

(۳) وہ عوامل جو مبتداء اور خبر دونوں کو نصب دیتے ہیں۔ وہ ظَنَّ اور اس کے اخوات یعنی افعال قلوب ہیں۔

نواسخ کے اعتبار سے مبتداء وخبر کا نام:

باب كَانَ کے پہلے اسم کو ان کا اسم یا فاعل اور دوسرے کو ان کی خبر یا مفعول کہا جاتا ہے۔ باب إِنَّ کے پہلے اسم کو ان کا اسم اور دوسرے کو ان کی خبر کہتے ہیں، باب ظَنَّ کے پہلے اسم کو مفعول اول اور دوسرے کو مفعول ثانی کہتے ہیں۔

کان اور اس کے اخوات کا بیان:

افعال ناقصہ کی تعریف:- افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو فاعل کو کسی صفت پر مقرر کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہوں۔

افعال ناقصہ کی تعداد:- افعال ناقصہ تیرہ ہیں۔ کَانَ، اَمْسٰی، اَصْبَحَ، اَضْحٰی، ظَلَّ، بَاتَ، صَارَ، لَیْسَ، مَازَالَ، مَافَتِیَٔ، مَا انْفَكَّ، مَا بَرِحَ، مَادَامَ۔

افعال ناقصہ کی وجہ تسمیہ:- دیگر افعال کی طرح یہ افعال حدوث پر دلالت نہیں کرتے۔ نیز فاعل (اسم) پر تام نہیں ہوتے بلکہ خبر کے محتاج رہتے ہیں۔

افعال ناقصہ کا عمل:- یہ افعال جملہ اسمیہ (مبتداء وخبر) پر داخل ہوتے ہیں۔ مبتداء جس کا نام اسم ہو جاتا ہے رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا (بلاشبہ آپ کا پروردگار (ہر چیز پر) قادر ہے۔ پارہ ۱۹، سورۃ فرقان آیت ۵۴)

مذکورہ عمل کے اعتبار سے افعال ناقصہ کی تقسیم:

مذکورہ بالا عمل کے اعتبار سے افعال ناقصہ کی تین قسمیں ہیں (۱) جو مبتداء کو رفع اور خبر کو نصب بلاشرط دیتے ہیں۔ یہ آٹھ ہیں۔ کَانَ، اَمْسٰی، اَصْبَحَ، ظَلَّ، بَاتَ، صَارَ، لَیْسَ، اَضْحٰی۔

(۲) جو یہی عمل اس شرط کے ساتھ کرتے ہیں کہ ان سے پہلے نفی یا شبہ نفی ہو یہ چار ہیں۔ زَالَ، بَرِحَ، فَتِیَٔ، اِنْفَكَّ۔ نفی کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ" (اور ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ پارہ ۱۲، سورہ ہود، آیت ۱۱۸) اس آیت میں يَزَالُوْنَ سے پہلے لا نفی موجود ہے۔ شبہ نفی سے مراد نہی اور دعا ہے۔ نہی کی مثال جیسے شاعر کا قول

صَاحِ شَمِّرْ، وَلَا تَزَلْ ذَاكِرَ الْمَوْتِ، فَنِسْيَانُهٗ ضَلَالٌ مُّبِيْنٌ

(بے ہوشی سے افاقہ پانے والے تیار رہ اور مسلسل موت کو یاد کر یہ ہو، اسے بھول جانا بڑی گمراہی ہے)

محل استشہاد:- اس شعر میں محل استشہاد "لَاتَزَلْ ذَاكِرًا الْمَوْتَ" ہے جو فعل نہی ہے، اَنْتَ اسم ہے مَا زَالَ کا اور ذَاكِرَ الْمَوْتِ خبر ہے، چوں کہ زَالَ پر حرف نفی داخل ہے، اس لیے کہ یہ فعل ناقص بنا ہے۔

دعا کی مثال: جیسے شاعر کا قول

اَلَا يَا اَسْلَمِيْ يَا دَارَ مَيَّ عَلَى الْبِلٰى ... وَلَا زَالَ مُنْهَلًّا بِجَرْعَائِكِ الْقَطْرُ

(اے خبردار! تو سلامت رہ، اے مَیّ کے گھر جو کھنڈر بن رہے ہو، ہمیشہ تمہارے آنگن میں

قطرے برستے رہیں) یہ غیلان بن عتبہ کا شعر ہے۔

محل استشہاد:۔ اس شعر میں محل استشہاد "لَاتَزَلْ مُنْهَلًا" دعاء ہے اس لیے لازال فعل ناقص بنا ہے۔

(۳) تیسری قسم فعل ناقص کی جو اس شرط کے ساتھ یہ عمل کرتی ہے کہ اس سے پہلے ماصدریہ ظرفیہ ہو، اور یہ دَامَ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاَوْصَانِی بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا" (اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ پارہ ۱۶، سورہ مریم آیت ۳۱) اس آیت میں محل استشہاد "مَادُمْتُ" ہے، جو مُدَّةَ دَوَامِی کے معنی میں ہے، اس کو ما مصدریہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی تقدیر "اَلدَّوَامُ" مصدر ہی بنتی ہے۔ اور ظرفیہ اس لیے کہتے ہیں کہ چوں کہ تقدیراً ظرف نکالا جاتا ہے، مُدَّةَ۔

وَقَدْ يَتَوَسَّطُ الْخَبَرُ، نَحْوُ فَلَيْسَ سَوَاءٌ عَالِمٌ وَجَهُوْلٌ۔

ترجمہ:۔ اور کبھی خبر فعل ناقص اور اس کے اسم کے درمیان ہوتی ہے۔ جیسے فَلَيْسَ سَوَاءٌ عَالِمٌ وَجَهُوْلٌ۔ (پس عالم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے)

وضاحت

خبر کا فعل ناقص اور اسم کے درمیان آنا:

کبھی خبر فعل ناقص اور اس کے اسم کے درمیان یعنی اسم پر مقدم ہو جاتی ہے، جیسے کبھی مفعول فاعل پر مقدم ہو جاتا ہے۔

مثلاً باری تعالیٰ کا قول "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔ پارہ ۲۱، سورہ روم، آیت ۴۷) اس آیت میں "نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" کان کا اسم اور "حَقًّا عَلَيْنَا" کان کی خبر ہے۔ اور خبر فعل ناقص کے اسم پر مقدم ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا" (کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس وحی بھیجی۔ پارہ ۱۱، سورہ یونس، آیت ۲) اس آیت میں اَنْ اَوْحَيْنَا كَانَ کا اسم مؤخر ہے اور لِلنَّاسِ عَجَبًا خبر مقدم ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ" (ساری اچھائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں۔ پارہ ۲، سورہ بقرہ آیت ۱۷۷) اس آیت میں "اَنْ تُوَلُّوْا" لیس کا اسم مؤخر ہے اور "اَلْبِرَّ" نصب کے ساتھ خبر مقدم ہے۔

شاعر کا قول سَلِی اِنْ جَهِلْتِ النَّاسَ عَنَّا وَعَنْهُمْ ـــــ فَلَيْسَ سَوَاءٌ عَالِمٌ وَجَهُولٌ
(تو اگر ناواقف ہو تو لوگوں سے ہمارے بارے میں اور اُن کے بارے میں پوچھ لے۔ عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے) اس شعر میں عَالِمٌ وَجَهُولٌ لَيْسَ کا اسم مؤخر اور سَوَاءٌ خبر مقدم ہے۔ (یہ سموال بن عادیا یہودی کا شعر ہے جو زمانہ جاہلیت میں شہرہ آفاق انسان تھا۔) اور دوسرے شاعر کا قول

لَا طِيبَ لِلْعَيْشِ مَا دَامَتْ مُنَغَّصَةً ـــــ لَذَّاتُهُ بِادِّكَارِ الْمَوْتِ وَالْهَرَمِ

(زندگی میں کوئی مزہ نہیں ہے جب تک کہ اس کی لذتیں موت اور بڑھاپے کی یاد میں اٹکی رہیں)
اس شعر میں "لَذَّاتُهُ" مَادَامَتْ کا اسم مؤخر اور "مُنَغَّصَةً" خبر مقدم ہے۔
نوٹ:- ابن درستویہ فارسی کی ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ لیس کی خبر کا اسم پر مقدم کرنا جائز ہے۔ اور ابن معط کا الفیہ میں یہ قول منقول ہے کہ دام کی خبر کا اسم پر مقدم کرنا ناجائز ہے۔ اور یہ دونوں قول ہمارے مذکورہ شواہدات دلائل سے مغلوب ہیں۔

وَقَدْ يَتَقَدَّمُ الْخَبَرُ، اِلَّا خَبَرَ دَامَ وَلَيْسَ۔

ترجمہ:- اور کبھی (فعل ناقص کی) خبر (فعل ناقص اور اسم دونوں پر) مقدم ہوتی ہے بجز دَامَ وَلَيْسَ کی خبر کے

وضاحت

خبر کی فعل ناقص و اسم پر تقدیم:

خبر کے مجموعی طور پر تین احوال ہیں۔ (۱) فعل ناقص اور اس کے اسم کے بعد ہو جو اس کا اصل محل ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا" (بلاشبہ آپ کا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے۔ پارہ ۱۹ سورۃ فرقان، آیت ۵۴) اس آیت میں كَانَ فعل ناقص اور رَبُّكَ اس کا اسم اور قَدِيرًا خبر ہے۔ اور یہ تمام کے تمام اصل محل میں ہیں
(۲) فعل ناقص اور اسم کے درمیان آجائے جیسے "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" (ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے۔ پارہ ۲۱ سورۃ روم آیت ۴۷) اس آیت میں "نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" كَانَ کا اسم مؤخر اور حَقًّا عَلَيْنَا خبر مقدم ہے۔
(۳) فعل ناقص اور اس کے اسم دونوں پر خبر مقدم ہو جیسے "عَالِمًا كَانَ زَيْدٌ" اس مثال میں "عَالِمًا" فعل ناقص کی خبر ہے جو فعل ناقص اور اس کے اسم دونوں پر مقدم ہے۔
اس پر باری تعالیٰ کے قول "اَهٰؤُلَاءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ" (کیا یہ لوگ تمہاری عبادت

کرتے تھے۔ پارہ۲۲،سورہ سبا آیت۴۰) کے ذریعہ دلالت ہو رہی ہے۔ اس آیت میں کَانَ فعل ناقص ہُمْ ضمیر اس کا اسم، یَعْبُدُوْنَ خبر اور اِیَّاکُمْ، یَعْبُدُوْنَ کا مفعول ہے جو کَان پر مقدم ہے اور معمول کا مقدم ہونا عامل ہونے کو جائز قرار دیتا ہے۔

مادام اور لَیْسَ کی خبر کے بارے میں مختلف رائے:

اِلَّا خَبَرَ دَامَ وَلَیْسَ کی وضاحت: مادام اور لیس کی خبر ان افعال پر مقدم نہیں ہوتی۔ جیسے "لَا اُصَحِبُکَ مَا دَامَ زَیْدٌ صَدِیْقَکَ" (میں تجھ سے دوستی نہیں کروں گا جب تک زید تیرا دوست ہے) میں خبر اپنی حالت پر برقرار ہے۔ مادام کی خبر کے بارے میں نحاۃ کا اتفاق ہے، چوں کہ اس میں ما موصولہ ہے جس کی تقدیر صدر یا آتی ہے۔ اگر خبر اس سے پہلے آئے گی تو صلہ کو موصول پر مقدم کرنا لازم آئے گا اسی طرح ایسا بھی نہیں کر سکتے کہ خبر کو ما کے بعد دام سے پہلے ذکر کریں، کیوں کہ یہ موصول حرفی ہے، اس لیے اس کے اور صلہ کے درمیان کوئی فاصل نہیں ہونا چاہیے، چوں کہ یہ حروف شرطیہ، استفہامیہ وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لیے اس کی تعیین کے لیے کہ یہاں موصول بن کر آئے ہیں صلہ کا متصل رہنا ضروری ہے۔ جیسے "عَجِبْتُ مِمَّا زَیْدًا تَضْحَبُ" جیسی مثال درست نہیں ہے جن میں ما موصولہ اور صلہ کے درمیان زیدًا فاصل ہے۔ ہاں موصول اسمی میں موصول وصلہ کے درمیان فاصلہ مضر نہیں ہوتا جیسے "جَاءَ الَّذِیْ زَیْدًا ضَرَبَ" الآیہ کہ الف لام موصول ہے تو پھر فصل جائز ہے چوں کہ الف لام داخل ہی اس صیغہ صفت پر ہوتا ہے جو اس کا صلہ بن رہا ہے۔ جیسے جَاءَ الضَّارِبُ زَیْدًا لیکن زیدًا کو الضَّارِبُ پر مقدم کیا جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

لَیْسَ کی خبر کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ لَیْسَ کی خبر لَیْسَ پر مقدم نہیں ہوتی۔ یہ کوفیین، مبرد اور ابن السراج وغیرہ کا مسلک ہے۔ اور یہی درست ہے۔ اس لیے کہ "ذَاھِبًا لَسْتُ" جیسی مثال غیر مسموع ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لیس فعل جامد ہونے کی وجہ سے عَسٰی کے مشابہ ہے۔ اور عَسٰی کی خبر کا عَسٰی پر مقدم ہونا بالاتفاق ممنوع ہے۔ امام فاری اور ابن جنی وغیرہ نے خبر کا تقدم لَیْسَ پر جائز قرار دیا ہے اور استدلال میں باری تعالیٰ کا قول "اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْہِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْہُمْ" (سنو! جس دن وہ ان کے پاس آئے گا پھر ان سے ٹلنے والا نہیں۔ پارہ۱۲،سورہ ہود، آیت۸) پیش کرتے ہوئے کہا کہ یَوْمَ مصروفًا سے متعلق ہے اور مصروفًا لیس کی خبر ہے تو خبر کا معمول لیس پر مقدم ہوا۔ اور معمول کا مقدم ہونا عامل کے مقدم ہونے کو جائز کر دیتا ہے، لیکن اس کا جواب دیا ہے کہ یَوْمَ ظرف ہے۔ اور ظرف کے باب میں بہت وسعتیں ہیں۔ اسے کہیں بھی ذکر کر سکتے ہیں۔

امام سیبویہ سے دو طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ ایک تو جواز کی اور دوسری ناجائز کی۔

وَتَخْتَصُّ الْخَمْسَةُ الْأَوَّلُ بِمُرَادِفَةِ صَارَ .

ترجمه:- اور شروع والے پانچوں صار کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔

وضاحت

وہ پانچ افعال ناقصہ جو صَارَ کے معنی میں ہیں:

كَانَ، أَمْسٰى، أَصْبَحَ، أَضْحٰى، ظَلَّ، یہ پانچ افعال ہیں جو صَارَ کے معنی میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا، فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًّا" (اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے، پھر وہ شکل پراگندہ غبار کے ہوجائیں گے۔ پارہ ۲۷، سورہ واقعہ آیت ۵،۶)

اس آیت میں كَانَتْ صَارَتْ کے معنی میں مستعمل ہے۔

باری تعالیٰ کا قول: "وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً" (اور تم تین جماعتوں میں ہوجاؤ گے۔ پارہ ۲۷، سورہ واقعہ آیت ۷) اس آیت میں کان، صار کے معنی میں مستعمل ہے۔

باری تعالیٰ کا قول: "فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا" (پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔ پارہ ۴، سورہ آل عمران آیت ۱۰۳) اس میں أَصْبَحَ صَارَ کے معنی میں ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول "ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا" (تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ پارہ ۲۵، سورہ زخرف آیت ۱۷) اس آیت میں ظل، صار کے معنی میں ہے۔

اور شاعر کا قول:

أَمْسَتْ خَلَاءً وَأَمْسٰى أَهْلُهَا احْتَمَلُوا ــــــ أَخْنٰى عَلَيْهَا الَّذِيْ أَخْنٰى عَلٰى لُبَدِ

(وہ اکیلی ہوگئی، اور اس کے گھر والوں نے صبر کیا۔ اس کے ساتھ اس نے بے وفائی کی جس نے بہاں رہنے والوں کے ساتھ بے وفائی کی۔) اس شعر میں أَمْسٰى بمعنی صَارَ مستعمل ہوا ہے۔ (یہ نابغہ ذبیانی کا قول ہے۔)

اسی طرح دوسرے شاعر کا قول:

أَضْحٰى يُمَزِّقُ أَثْوَابِيْ، وَيَضْرِبُنِيْ ــــــ أَبَعْدَ شَيْبِيْ يَبْغِيْ عِنْدِيَ الْأَدَبَا؟

(وہ میرے کپڑے پھاڑنے لگا اور مجھے مارنے لگا۔ کیا میرے بڑھاپے کے بعد میرے پاس ادب ڈھونڈتا ہے؟) اس شعر میں أَضْحٰى بمعنی صَارَ مستعمل ہے۔

وَغَيْرُ لَيْسَ، وَفَتِئَ، وَزَالَ بِجَوَازِ التَّمَامِ، أَيْ: اَلْإِسْتِغْنَاءِ عَنِ الْخَبَرِ، نَحْوُ: "وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ" "فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ" "خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ"۔

ترجمه:- لیس، فتئ اور زال کے علاوہ دیگر افعال تام ہونے کے جواز کے ساتھ مستعمل ہیں۔ یعنی خبر سے مستغنی ہوتے ہیں۔ جیسے "وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ" (اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے) "فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ" (پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور صبح کرو) "خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ" (وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک آسمان و زمین برقرار رہیں۔

وضاحت

چند افعال ناقصہ کا تام بن کر مستعمل ہونا:

فَتِئَ، زَالَ اور لَيْسَ کے علاوہ اس باب کے دیگر افعال تام بن کر بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ تام سے مراد یعنی اسم فاعل کے ساتھ مل کر خبر سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ" (اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو آسانی تک مہلت دینی چاہیے۔ پارہ۳ سورۃ بقرہ آیت۲۸۰) میں ذو عسرۃ کان کا اسم ہے۔ دونوں مل کر جملہ مکمل ہے خبر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ" (پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھا کرو جب کہ تم شام کرو اور جب صبح کرو۔ پارہ ۲۱ سورہ روم آیت۱۷) میں تُمْسُوْنَ، تُصْبِحُوْنَ فعل، هُمْ ضمیر مستتر فاعل، خبر کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ فعل تام ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ" (اور وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہیں، جب تک آسمان و زمین برقرار ہیں۔ پارہ۱۲ سورہ ہود آیت ۱۰۷) میں مَا دَامَتْ کا اسم السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ ہے۔ خبر کی ضرورت نہیں۔

اور شاعر کا قول: تَطَاوَلَ لَيْلُكَ بِالْإِثْمِدِ ـــــ وَبَاتَ الْخَلِيُّ وَلَمْ تَرْقُدِ

(اے میرے نفس مقام اثمد میں تیری شب غم دراز ہوگئی۔ اور جو شخص خالی من العشق ہے وہ سو گیا لیکن تجھے نیند نہیں آئی)

وَبَاتَ وَبَاتَتْ لَهُ لَيْلَةٌ ـــــ كَلَيْلَةِ ذِي الْعَائِرِ الْأَرْمَدِ

(اور تو نے رات گزار دی، اور رات گزر بھی گئی۔ اگرچہ اس کرب و بے چینی کے ساتھ کہ جس

طرح جلا تا شوب چشم کی رات گزرتی ہے)

وَذَالِكَ مِنْ نَبَاءٍ جَاءَ نِي ـــــ وَخُبِّرْتُهُ عَنْ بَنِي الْأَسْوَدِ

(اور یہ اضطراب و بیداری اس منحوس خبر کی وجہ سے تھی، جو مجھ تک پہنچی یعنی مجھ کو خبر دی گئی ابو الاسود کے موت کی)

ان اشعار میں بَاتَ تامّہ ہے خبر کی ضرورت نہیں۔ (یہ امرء القیس بن عانس کے اشعار ہیں جو شعراء جاہلیت میں سے ہے) ابن ہشامؒ (یعنی صاحب قطر الندی) نے تام کی تعریف کی جو فاعل یا اسم کے ساتھ مل کر پورا ہو جائے، خبر کی ضرورت نہ ہو۔ ناقص جسے خبر کی بھی ضرورت پیش آئے۔ اسی تعریف کو وہ درست بتاتے ہیں، جب کہ اکثر بصریین فعل تام کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ جو حدث و زمان دونوں پر دلالت کرے۔ ناقص وہ ہے جس میں سے حدوث کے معنی سلب کر لیے جائیں صرف زمان باقی رہے۔

وَكَانَ بِجَوَازِ زِيَادَتِهَا مُتَوَسِّطَةً، نَحْوُ: "مَا كَانَ أَحْسَنَ زَيْدًا"

ترجمہ:- اور کَانَ کا زائد ہونے اور درمیان میں لائے جانے کے جواز کے ساتھ جیسے مَا كَانَ أَحْسَنَ زَيْدًا۔

وضاحت:- عربی زبان میں کان تین طریقوں سے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) ناقصہ:- جسے ایک اسم مرفوع اور خبر منصوب کی ضرورت ہوتی ہے جیسے "وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا" (بلاشبہ آپ کا پروردگار ہر چیز پر قادر ہے)

(۲) تامّہ:- جو اسم مرفوع کے ساتھ مل کر تام ہو جائے خبر کی ضرورت نہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ (اور اگر کوئی تنگی والا ہو)

(۳) زائدہ:- کان زائدہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساقط کر دینے سے جملہ کے معنی میں کوئی اثر نہ پڑے، اسے نہ اسم کی ضرورت ہوگی نہ خبر کی۔

كَانَ کے زائد ہونے کی شرطیں:

كَانَ کے زائد ہونے کے لیے دو شرطیں خاص ہیں۔

(۱) كَانَ صیغہ ماضی ہو ـــــ (۲) دو ایسے لازم و ملزوم کے درمیان ہو جو جار مجرور نہ ہوں جیسے "مَا كَانَ احسن زيدًا" اصلاً ما احسن زیدًا تھا۔ ما اور أَحْسَنَ کے درمیان کان زائد آیا ہے۔ یہ كَانَ زائدہ زائدتی العمل ہوتا ہے جو اسناد کے لیے نہیں لایا جاتا، ہاں اپنا معنی ضرور دے گا۔

وَحَذْفُ نُونِ مُضَارِعِهَا الْمَجْزُوْمِ، وَصْلاً اِنْ لَمْ يَلْقَهَا سَاكِنٌ وَلا ضَمِيرُ نَصْبٍ مُتَّصِلٌ۔

ترجمہ:- اور اس (یعنی کَانَ) کے مضارع مجزوم کے نون کا حذف ہونا، وصل ہو (یعنی اس پر وقف نہ ہو رہا ہو) اس کے بعد کوئی ساکن نہ آ رہا ہو۔ اس کے ساتھ ضمیر منصوب متصل نہ ہو

وضاحت

کانَ کے آخری حرف کا حذف کرنا پانچ شرطوں کے ساتھ:

دوسرے افعال ناقصہ کے مقابلہ میں کان کی کچھ انفرادی خصوصیات ہیں، جن میں سے ایک اس کا زائدہ ہونا ہے، جیسا کہ ذکر پہلے آچکا۔ اسی طرح اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا آخری حرف حذف کرنا جائز ہے، اس کی پانچ شرطیں ہیں (۱) وہ صیغہ مضارع ہو (۲) صیغہ مضارع مجزوم ہو (۳) اس پر وقف نہ ہو رہا ہو بلکہ وصل ہو رہا ہو (۴) اس کے ساتھ ضمیر منصوب متصل نہ ہو (۵) اس کے بعد کوئی ساکن نہ آ رہا ہو۔ اس کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا" (اور نہ میں بدکار ہوں۔ پارہ ۱۶ سورہ مریم، آیت ۲۰) میں اَكُ اصلاً اَكُوْنُ تھا۔ لَمْ کی وجہ سے نون مجزوم ہوا۔ (اور ضمہ حذف کر دیا گیا) اجتماع ساکنین کی وجہ سے واؤ حذف ہو گیا۔ ان دونوں کو حذف کرنا لازم تھا۔ پھر بغرض تخفیف نون کو بھی حذف کر دیا اور یہ حذف کرنا جائز تھا، اب اَكُ رہ گیا۔

باری تعالیٰ کا قول "لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" (اہل کتاب کے کافر لوگ باز رہنے والے نہ تھے۔ پارہ ۳۰ سورۃ البینۃ آیت ۱) میں نون حذف نہیں ہوگا، چوں کہ اس کے بعد لام ساکن ہے جس کی وجہ سے نون پر حرکت آئی ہے اور حرکت کی وجہ سے قوت پا کر اب حذف سے بہت دور ہو گئی ہے ـــــ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اِنْ يَكُنْهُ فَلَنْ تُسَلَّطَ عليه" (اگر یہ وہی ہے تو اس پر تم کو ہرگز قابو نہیں دیا جائے گا۔ مشکوۃ شریف فی کتاب الفتن) میں يَكُنْ سے ضمیر منصوب متصل ہے، اس لیے حذف نہیں ہوگا، چوں کہ ضمیریں صیغے کو اپنی اصل شکل پر لے آتی ہیں۔

حدیث شریف کی توضیح:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مدینہ طیبہ کے اندر ابن صیاد نامی ایک قریب البلوغ یہودی تھا، جو کاہنوں کی طرح غیب دانی کا دعویٰ کرتا تھا۔ جھوٹی سچی باتوں سے لوگوں کو بہکایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کے ہمراہ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ابن صیاد میں مسیح دجال کی بو محسوس کی اور آپ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی

تو جواباً آپ نے کلمات ارشاد فرمائے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر یہ (ابن صیاد) وہی (مسیح دجال) ہے تو اس پر تم کو ہرگز قابو نہیں دیا جائے گا اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تم کو اس کے قتل میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(مستفاد از مشکوۃ ج ۲ ص و جامع الاداب)

وقف کی صورت میں یَکُنْ کا نون:

جس پر وقف کیا جائے اس یَکُنْ کا نون بھی حذف کرنا جائز ہے۔ ابن خروف نے اس کی صراحت کی ہے اور یہی زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ فعل موقوف علیہ جب کہ اس میں سے حرف کو حذف کر دیا جائے دو حرفی یا ایک حرفی باقی رہ جاتا ہے تو اس پر وقف ہائے سکتہ کے ساتھ لازم ہے جیسے عِهْ، لَمْ يَعِهْ، اس میں حرف اصلی صرف عین ہے اور ہائے سکتہ لگی ہے، اگر یَکُون کا نون بھی حذف کر دیں تو لَمْ يَكُ رہ جائے گا لَمْ يَعِ کی طرح۔

وقف کی دو شکلیں:

وقف کی دو شکلیں ہیں یا تو محذوف حرف کو واپس لے لیں، یا ہاء سکتہ بڑھا دیں۔ مصنفؒ کا کہنا ہے کہ اصلی حرف کا اعادہ کر لینا نئے حرف کو بڑھانے سے بہتر ہے، اس لیے لَمْ يَكُنْ رہ گیا، لیکن یہی منطق لَمْ يَعِهْ میں نہیں چل سکے گی کہ بجائے ہاء سکتہ کے یاء کا اعادہ کر لیں جو کلمہ کا اصلی حرف ہے، کیوں کہ یاء واپس لانے سے لَمْ جو جازم ہے اسے بے عمل کرنا لازم آئے گا، برخلاف لَمْ يَكُنْ کے کہ جازم تو وہاں ضمہ کے حذف کا مطالبہ کرتا ہے نہ کہ نون کے حذف کا، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

وَحَذْفُهَا وَحْدَهَا مُعَوَّضًا عَنْهَا "مَا" فِى مِثْلِ "أَمَّا أَنْتَ ذَا نَفَرٍ" وَمَعَ اِسْمِهَا فِى مِثْلِ "إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ" وَ "اَلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ"

ترجمہ:- اور اس کو تنہا حذف کر کے اس کے عوض میں ما لانا (کان کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے) أَمَّا أَنْتَ ذَا نَفَرٍ جیسی مثال میں۔ اور اس (یعنی کَانَ) کے اسم کے ساتھ حذف کرنا (جائز) ہے۔ إِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اور اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ جیسی مثالوں میں۔

وضاحت:- کَانَ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کَانَ لفظی کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔

کان کے محذوف ہونے کی دو صورتیں:

کَانَ کے محذوف ہونے کی دو صورتیں ہیں، کبھی تو صرف کَانَ حذف کیا جاتا ہے، اسم اور خبر

باقی رہتے ہیں اور کَانَ کے عوض میں مَا لایا جاتا ہے۔ کبھی کان اور اس کا اسم دونوں حذف کر دیے جاتے ہیں اور خبر باقی رہتی ہے۔ اور کوئی کلمہ عوض میں نہیں لایا جاتا۔

پہلی صورت کی وضاحت:

جہاں کان کو حذف کر کے عوض میں ما لایا جائے یہ أنْ مصدر کے بعد ہر اس جگہ ہوتا ہے جہاں ایک فعل کو دوسرے فعل کی علت بنایا گیا ہو جیسے "أمّا أنْتَ مُنْطَلِقًا إنْطَلَقْتُ" اس کی اصل "لِأنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا" تھی۔ لِأنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا کو اہتمام یا تخصیص کی وجہ سے مقدم کر دیا۔ "لِأنْ كُنْتَ مُنْطَلِقًا إنْطَلَقْتُ" ہو گیا۔

پھر لام جارہ کو بغرض اختصار حذف کر دیا جیسا کہ اکثر أنْ سے پہلے حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا" بیت اللہ کا حج وعمرہ کرنے والے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت ۱۵۸) اصلا فی أنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا تھا کَانَ کو بغرض اختصار جوازاً حذف کر دیا گیا، ضمیر منفصل ہوئی أنْتَ، مَا کو أنْ کے بعد کَانَ کے عوض میں بڑھا دیا اَنْ مَا أنْتَ مُنْطَلِقًا إنْطَلَقْتُ ہوا۔ پھر نون کا میم میں ادغام کر کے أمّا أنْتَ مُنْطَلِقًا إنْطَلَقْتُ ہو گیا۔

عباس بن مرداس نامی شاعر نے بھی کان کو حذف کر کے اس کے عوض میں ما کو استعمال کیا ہے

شاعر کا قول: أبَا خُرَاشَةَ أمّا أنْتَ ذَا نَفَرٍ ــــــ فَإنَّ قَوْمِي لَمْ تَأكُلْهُمُ الضَّبُعُ

(ابوخراشہ (کیا) اس وجہ سے کہ تو افراد والا ہے (فخر کرتا ہے) تجھے اس کا حق نہیں (کیوں کہ تیری قوم کا کوئی زمانہ نہیں ہے فخر کا حق تو مجھے ہے) کیوں کہ میری قوم کو قحط سالی نے نہیں کھایا ہے) بلکہ اس کی تعداد سرفروشی ومجاہدانہ کارناموں میں کمی ہے)

اس شعر میں محل استشہاد "أمّا أنْتَ ذَا نَفَرٍ" ہے اصلا أنْ كُنْتَ ذَا نَفَرٍ تھا، کان حذف ہوا۔ ضمیر منفصل آئی۔ أنْ کے بعد ما عوضاً لایا گیا۔ پھر نون کو ما میں ادغام کرنے کے بعد أمّا أنْتَ ہو گیا۔

دوسری صورت کی وضاحت:

یعنی کَانَ کو مع اسم کے حذف کرنا اور اس کی خبر کو باقی رکھنا۔ اور کوئی کلمہ عوضاً نہ لانا جائز ہے۔ یہ إنْ اور لَوْ شرطیہ کے بعد ہوتا ہے۔

إنْ کے بعد کی مثال: جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول "المَرْءُ مَقْتُولٌ بِمَا قَتَلَ بِهِ إنْ سَيْفٌ فَسَيْفٌ، وَإنْ خِنْجَرًا فَخِنْجَرٌ" (آدمی نے جس چیز سے قتل کیا ہے اسی سے قتل کیا جائے گا، اگر وہ آلہ تلوار تھا تو تلوار سے اور اگر وہ آلہ خنجر تھا تو اسے خنجر سے قتل کیا جائے گا)

اس حدیث میں إنْ سَيْفًا اصلاً إنْ كَانَ مَا قَتَلَ بِهِ سَيْفًا فَالَّذِي يُقْتَلُ بِهِ سَيْفٌ وَإنْ كَانَ مَا قَتَلَ بِهِ خَنْجرًا فَالَّذِي يُقْتَلُ بِهِ خَنْجرٌ ہے۔ كَانَ فعل اور قَتَلَ بِهِ صلہ موصول مل کر اس کا اسم تھا دونوں کو اِنْ کے بعد حذف کر دیا گیا ہے۔

دوسری مثال: وَالنَّاسُ مَجْزِيُّوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ، اِنْ خَيْرًا، فَخَيْرٌ، وَاِنْ شَرًّا فَشَرٌّ (لوگوں کو اپنے اعمال کی جزا دی جائے گی، اگر اعمال اچھے ہوں گے تو اچھی جزاء اور بُرے ہوں گے تو بُری جزاء دی جائے گی) اس حدیث میں اِنْ خَيْرًا فَخَيْرٌ اصلاً اِنْ كَانَ عَمَلُهُمْ خَيْرًا فَجَزَاؤُهُ خَيْرٌ، وَاِنْ كَانَ عَمَلُهُمْ شَرًّا فَشَرٌّ تھا۔ كَانَ فعل اور عَمَلُهُمْ، مضاف ومضاف الیہ سے مل کر اسم تھا دونوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

شاعر کا قول: لَاتَقْرَبَنَّ الدَّهْرَ آلَ مُطَرِّفٍ ـــــ اِنْ ظَالِمًا أَبَدًا وَاِنْ مَظْلُوْمًا

(زمانہ کی پکڑ آل مُطرف کو نہیں پہنچ گی۔ چاہے تو ہمیشہ ظالم رہے یا ہمیشہ مظلوم رہے) یہ لیلیٰ اخیلیہ کا شعر ہے۔

اس شعر میں "اِنْ ظَالِمًا أَبَدًا" اصلاً "وَاِنْ كُنْتَ ظَالِمًا ابدا وَاِنْ كُنْتَ مَظْلُوْمًا" ہے۔ كُنْتَ یعنی کان اپنے اسم کے ساتھ حذف کر دیا گیا ہے، کیوں کہ كَانَ فعل اور أنْتَ ضمیر مستتر فاعل ہے۔ اور آل مطرف سے مراد قبیلہ بنو عامر ہے۔ اور قبیلہ بنو عامر لیلیٰ کے خاندان والے ہیں۔

لَو کے بعد کان اور اس کے اسم کے حذف ہونے کی مثال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ" (تلاش اگر چہ لوہے کی انگوٹھی سے ہی کیوں نہ ہو) یہ اصل میں "اِلْتَمِسْ وَلَوْ كَانَ مَا تَلْتَمِسُ خَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ" ہے۔ كان فعل، ما تلتمس فاعل دونوں محذوف ہیں۔

شاعر کا قول:

لَا يَأْمَنِ الدَّهْرَ ذُوْ بَغْيٍ، وَلَوْ مَلِكًا ـــــ جُنُوْدُهُ ضَاقَ عَنْهَا السَّهْلُ وَالْجَبَلُ

(زمانے کی پکڑ سے کوئی ظالم مامون نہیں رہ سکتا۔ چاہے وہ ایسا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو جس کے لشکر سے وادیاں اور پہاڑ تنگ ہو جائیں۔) اس شعر میں محل استشہاد "وَلَوْ مَلِكًا" ہے، جس کی اصل "وَلَوْ كَانَ الْبَاغِي مَلِكًا" ہے۔ کان فعل ناقص، باغی اس کا اسم دونوں محذوف ہیں۔

وَمَا النَّافِيَةُ عِنْدَ الْحِجَازِيِّيْنَ كَلَيْسَ، اِنْ تَقَدَّمَ الْاِسْمُ، وَلَمْ يُسْبَقْ بِاِنْ، وَلَا بِمَعْمُوْلِ الْخَبَرِ اِلَّا ظَرْفًا اَوْ جَارًّا وَمَجْرُوْرًا، وَلَا اقْتَرَنَ الْخَبَرُ بِاِلَّا، نَحْوُ (مَا هٰذَا بَشَرًا).

ترجمہ:- اور حجازیوں کے نزدیک "ما" نافیہ عمل کرنے میں "لیس" کی طرح ہے جب
بشرطیکہ اسم (خبر پر) مقدم ہو۔ اور یہ کہ (اسم) اِنْ (زائدہ) کے ساتھ پہلے نہ لایا گیا ہو۔ اور یہ کہ "ما"
خبر کے معمول کے ساتھ نہ ہو۔ مگر (معمول) ظرف یا جار اور مجرور تو کوئی حرج نہیں۔ اور خبر اِلاَّ سے متصل
نہ ہو جیسے مَا هٰذَا بَشَرًا۔ (یہ شخص آدمی ہرگز نہیں)

وضاحت:- یہ بات جان لینی چاہیے کہ حروف نفی میں سے تین حروف ایسے ہیں جن کو
نحوی حضرات لَيْسَ کا عمل دیتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں۔ اور وہ "ما، لا،
لات" ہیں، ان میں سے ہر ایک کے عمل کی کچھ شرائط ہیں۔

ما: اہل حجاز کی لغت میں "ما" لَيْسَ کا عمل تین شرائط کے پائے جانے پر کرتا ہے اور اہل حجاز
کی لغت، لغت قویہ کہلاتی ہے، اسی لغت کے مطابق قرآن کریم نازل ہوا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول
"مَا هٰذَا بَشَرًا" (یہ شخص آدمی ہرگز نہیں۔ پارہ ۱۲ سورہ یوسف، آیت ۳۱) اور "مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ" (وہ ان
کی مائیں نہیں ہیں۔ پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ آیت ۲)

پہلی شرط: یہ کہ اس کا اسم اس کی خبر پر مقدم ہو۔
دوسری شرط: یہ کہ اسم اِنْ زائدہ سے متصل نہ ہو۔
تیسری شرط: یہ کہ اس کی خبر اِلاَّ سے متصل نہ ہو۔

پھر جب ما میں پورے طور پر یہ تینوں شرطیں پائی جائیں گی تو "ما" یہ مذکورہ عمل کرے گا، خواہ
اس کا اسم و خبر دونوں نکرہ ہوں یا معرفہ، یا اسم معرفہ اور خبر نکرہ، یا دونوں معرفہ ہوں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول
"مَا هٰذَا بَشَرًا" میں ما لیس کی طرح عمل کرتے ہوئے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیا ہے، کیوں کہ اس
میں پوری شرطیں پائی جارہی ہیں۔ اور هٰذَا ضمیر جو ما کا اسم ہے وہ معرفہ ہے اور خبر بَشَرًا نکرہ ہے۔ اور
مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ میں ما کا اسم اور خبر دونوں معرفہ ہیں۔ اگر ایک بھی شرط مفقود ہوگی تو پھر مَا لَيْسَ کی
طرح عمل نہیں کرے گا جیسے "مَا مُسِيْئٌ مَنْ اَعْتَبَ" (جو کوئی اچھا کام کر کے ناراضگی ختم کرادے وہ
خطا کار نہیں ہے۔) ترکیب اس طرح ہوگی مَنْ اَعْتَبَ مبتداء مؤخر اور مُسِيْئٌ خبر مقدم ہے، جو اسم سے
پہلے آئی ہے، اس لیے ما کا عمل جاری نہیں ہوا۔

اور شاعر کا قول: بَنِي غُدَانَةَ، مَا اِنْ اَنْتُمْ ذَهَبٌ ـ وَلَا صَرِيْفٌ وَلٰكِنْ اَنْتُمُ الْخَزَفُ
(بنو غدانہ تم نہ سونا ہو نہ چاندی بلکہ تم ٹھیکریا ہوں) اس شعر میں ما کے بعد اَنْتُمْ اسم پر اِنْ زائدہ کے واقع
ہو جانے کی وجہ سے ما کا عمل باطل ہو گیا۔ اسی وجہ سے اَنْتُمْ ذَهَبٌ مبتداء خبر بن گئے (لم اقف لهذا
البيت على نسبة الى قائل معين) اس شعر میں لفظ غدانہ سے مراد بنو یربوع کا قبیلہ ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" (اور حضرت محمدؐ صرف رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔ پارہ ۴، سورۂ آل عمران، آیت ۱۴۴) میں ما کی خبر رسول پر الاّ داخل ہے، اس لیے ما نے کچھ عمل نہیں کیا۔

باری تعالیٰ کا قول "وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ" (اور ہمارا حکم بس یکبارگی ہو جائے گا۔ پارہ ۲۷، سورۂ قمر، آیت ۵۰) میں بھی ما کی خبر واحدۃ پر الاّ داخل ہے، اس لیے ما کا کچھ عمل باقی نہیں ہوا۔

اہل تمیم کے یہاں ما کوئی عمل نہیں کرے گا چاہے تینوں شرطیں ہوں یا نہ ہوں۔ چنانچہ وہ لوگ "مَا زَيْدٌ قَائِمٌ" اور "مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ" خبر کو رفع کے ساتھ تلاوت کرتے ہیں۔

وَكَذَا "لَا النَّافِيَةُ" فِي الشِّعْرِ، بِشَرْطِ تَنْكِيْرِ مَعْمُوْلَيْهَا، نَحْوُ:

تَعَزَّ فَلَا شَيْءٌ عَلَى الْاَرْضِ بَاقِيَا ـــــ وَلَا وَزَرٌ مِمَّا قَضَى اللّٰهُ وَاقِيَا

ترجمہ:- اور اسی طرح لاء نافیہ (عمل کرنے میں لَیْسَ کی طرح) ہے (بشرطیکہ) شعر میں ہو، اپنے معمول کے نکرہ ہونے کی شرط کے ساتھ جیسے تَعَزَّ فَلَا شَيْءٌ عَلَى الْاَرْضِ بَاقِيَا الخ۔ صبر کر کیوں کہ روئے زمین پر کوئی چیز باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی پناہ گاہ اللہ کے فیصلوں سے بچانے والی ہے۔

وضاحت:- دوسرا حرف نفی جو لیس کا عمل کرتا ہے لاء ہے۔ اس کے عمل کرنے کی چار شرطیں ہیں (۱) لاء کا اسم پہلے ہو اور خبر بعد میں ہو (۲) خبر الاّ سے متصل نہ ہو (۳) اسم وخبر دونوں نکرہ ہوں (۴) لاء شعر میں آیا ہو نثر میں نہیں۔ جیسے شاعر کا قول

تَعَزَّ فَلَا شَيْءٌ عَلَى الْاَرْضِ بَاقِيَا ـــــ وَلَا وَزَرٌ مِمَّا قَضَى اللّٰهُ وَاقِيَا

(صبر کر روئے زمین پر کوئی چیز بھی باقی رہنے والی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی پناہ گاہ اللہ کے فیصلوں سے بچانے والی ہے) (لم اقف لهذا الشاهد على نسبة الى قائل معين)

اس شعر میں محل استشہاد "لَا شَيْءٌ بَاقِيَا اور لَا وَزَرٌ وَاقِيَا" ہے، چاروں شرطیں موجود ہونے کی وجہ سے لاء نے لیس کی طرح عمل کرتے ہوئے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیا ہے۔ اگر ان شرائط میں سے ایک بھی شرط مفقود ہوئی ہو تو لاء نافیہ قطعاً لیس کی طرح عمل نہیں کرے گا۔ اسی لیے "اَفْضَلُ مِنْكَ اَحَدٌ" میں عمل نہیں ہوا ہے نثر میں ہونے کی وجہ سے۔ اور "لَا اَحَدٌ اِلَّا اَفْضَلُ مِنْكَ" میں عمل نہیں ہوا ہے خبر پر الاّ داخل ہونے کی وجہ سے۔ اور "لَا زَيْدٌ قَائِمٌ وَلَا عَمْرٌو" میں عمل نہیں ہوا ہے زید وعمرو کے معرفہ ہونے کی وجہ سے۔ اسی تیسری شرط کی وجہ سے متن کے قول کی تقیید کی گئی ہے۔

ابو الطیب متنبی کا قول:

إِذَا الْجُوْدُ لَمْ يُرْزَقْ خَلَاصًا مِنَ الْأَذَى ـــــ فَلَا الْحَمْدُ مَكْسُوْبًا وَلَا الْمَالُ بَاقِيَا

(جب فیاضی کو ایذا اور سانی سے تحفظ نہ دیا جائے تو نہ تعریف حاصل ہوگی اور نہ ہی مال باقی رہے گا) اس شعر میں محل استشہاد "لَا الْحَمْدُ مَكْسُوْبًا" ہے، حمد معرفہ ہے جو لا کا اسم ہے پھر بھی لا کو عمل دے کر مکسوبا کو منصوب ذکر کر کے متنبی نے غلطی کی۔

مصنفؒ نے متنبی کے شعر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے متن میں لا کی صرف دو شرطیں ذکر کی ہیں باقی کو ما پر قیاس کرتے ہوئے چھوڑ دیا چوں کہ دونوں کا عمل ایک ہی ہے اور ما عام ہے، اس اعتبار سے کہ وہ نظم ونثر دونوں میں عامل ہے، جب کہ لا صرف نظم میں عمل کرتا ہے تو جو شرائط ما کے لیے ہوں گی وہ لا کے لیے بدرجہ اولیٰ رہیں گی۔

نوٹ:۔ صاحب کتاب نے ما کے لیس کی طرح عمل کرنے کے لیے یہ شرطیں لگائیں کہ اس کی خبر اسم پر مقدم نہ ہو اور نہ اس کی خبر الا سے متصل ہو یہ دونوں شرطیں تو ضروری تھیں لیکن یہ شرط لگانا کہ اسم ان زائدہ متصل نہ ہو اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ لا کا اسم ان زائدہ سے متصل نہیں ہوتا ہے۔

وَ "لَاتَ" لٰكِنْ فِي الْحِيْنِ، وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ جُزْءَيْهَا، وَالْغَالِبُ حَذْفُ الْمَرْفُوْعِ، نَحْوُ "وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ"۔

ترجمہ:۔ اور لات (لیس کی طرح عمل کرتا ہے) اور اس کے دونوں جزء (یعنی اسم وخبر) کے درمیان جمع نہیں کیا جائے گا۔ اور اکثر مرفوع (یعنی اسم) کا محذوف ہوتا ہے، جیسے وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ (اور وہ فرار و مہلت کا وقت نہ تھا)

وضاحت:۔ تیسرا حرف نفی لات ہے۔ (دراصل یہ لا نافیہ ہے صرف تا متانیثہ بڑھا دی گئی ہے) یہ لیس کی طرح عمل کرتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا اسم اور خبر دونوں لفظ حِيْنَ ہوں۔ اور دونوں جزء میں سے کوئی ایک محذوف ہو۔ عادۃً اس کا اسم محذوف رہتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ" اس کی تقدیری عبارت واللہ اعلم لات الحين حين فرار ہے۔ (سو انھوں نے بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا۔ پارہ ۲۳، سورۂ ص، آیت ۳) اس آیت میں الحين لات کا اسم ہے جو محذوف ہے اور حين مناص مضاف ومضاف الیہ سے مل کر خبر واقع ہے جو حالت نصبی میں ہے۔ اور کبھی خبر حذف کر دی جاتی ہے اور لات حين مَنَاصٍ رفع کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ تو اس وقت تقدیری عبارت اس طرح ہوگی۔ لات حين مناص حينا موجودا

لهم عند تناديهم ونزول ما نزل بهم من العذاب. (اور خلاصی کا وقت ایسا وقت نہیں ہے جو ان کو باہمی پکار اور اس عذاب کے نزول کے وقت حاصل رہا ہو جو ان پر نازل ہوا۔)

باب انّ واخواتها

الثّاني: اِنَّ و اَنَّ لِلتَّاكِيْدِ، وَلٰكِنَّ لِلْاِسْتِدْرَاكِ وَكَاَنَّ لِلتَّشْبِيْهِ، اَوِ الظَّنِّ، وَلَيْتَ لِلتَّمَنِّيْ، وَلَعَلَّ لِلتَّرَجِّيْ اَوِ الْاِشْفَاقِ اَوِ التَّعْلِيْلِ، فَيَنْصِبْنَ الْمُبْتَدَأَ اِسْمًا لَهُنَّ، وَيَرْفَعْنَ الْخَبَرَ خَبَرًا لَهُنَّ.

ترجمہ:- (مبتداء اور خبر کے نواسخ میں سے) دوسرے یہ ہیں۔ اِنَّ اور اَنَّ تاکید کے لیے، اور لٰکِنَّ استدراک کے لیے، اور کَاَنَّ تشبیہ کے لیے یا ظن کے لیے، اور لَیْتَ تمنّی (یعنی آرزو ظاہر کرنے) کے لیے، اور لَعَلَّ ترجّی (یعنی امید کرنے) کے لیے، یا اشفاق کے لیے یا علت بیان کرنے کے لیے۔ پس یہ حروف مبتداء کو اپنے لیے اسم بنا کر نصب دیتے ہیں اور خبر کو اپنے لیے خبر ہونے کی حیثیت سے رفع دیتے ہیں۔

وضاحت:- جب فاضل مصنفؒ مبتداء اور خبر کے نواسخ کی پہلی قسم کان اور اس کی اخوات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے نواسخ کی دوسری قسم اِنَّ اور اس کی اخوات کو بیان کرنا شروع کیا۔ اِنَّ اور اس کی اخوات چھ حروف ہیں جنہیں حروف مشبہ بالفعل کہتے ہیں۔ عبارت سمجھنے سے پہلے بطور مقدمہ کے چند باتیں ذہن نشین کر لیجئے۔

حروف مشبہ بالفعل کی تعداد:

حروف مشبہ بالفعل چھ ہیں اِنَّ، اَنَّ، کَاَنَّ، لٰکِنَّ، لَیْتَ، لَعَلَّ۔

حروف مشبہ بالفعل کی فعل متعدی سے مشابہت:

ان حروف کو فعل متعدی سے تین چیزوں میں مشابہت ہے (۱) وزن میں (۲) عمل میں (۳) معنی میں۔

وزن میں مشابہت یہ ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی، رباعی، خماسی اور مدغم ہوتا ہے اسی طرح حروف مشبہ بالفعل اور لَعَلَّ، کَاَنَّ رباعی مدغم، لٰکِنَّ خماسی مدغم ہیں۔

عمل میں مشابہت یہ ہے کہ جس طرح فعل متعدی کے لیے فاعل ومفعول بہ ہوتے ہیں اسی طرح حروف مشبہ بالفعل کے لیے اسم وخبر ہوتے ہیں۔

اور معنی میں مشابہت یہ ہے کہ اِنَّ وَاَنَّ حَقَّقْتُ کے معنی میں ہے۔ اور کَاَنَّ شَبَّهْتُ کے اور لٰكِنَّ اِسْتَدْرَكْتُ کے اور لَيْتَ تَمَنَّيْتُ کے اور لَعَلَّ تَرَجَّيْتُ کے معنی میں ہے اور جس طرح فعل ماضی مبنی برفتح ہوتا ہے، اسی طرح یہ حروف بھی مبنی برفتح ہوتے ہیں۔

حروف مشبہ بالفعل کا عمل:

یہ تمام حروف اس بات میں تو شریک ہیں کہ مبتداء کو اپنا اسم بنا کر نصب اور خبر کو خبر بنا کر رفع دیتے ہیں، لیکن ہر ایک کے معنی علاحدہ علاحدہ ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے۔

اِنَّ وَاَنَّ: یہ دونوں حروف تاکید و تحقیق کے معنی رکھتے ہیں مثلاً زَيْدٌ قَائِمٌ میں جب تاکید کے معنی پیدا کرنا ہو تو اِنَّ بڑھا دیتے ہیں، اب عبارت ہوگی اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ (بے شک زید کھڑا ہے) یعنی میں نے زید کے قیام کو ثابت کیا ہے۔

اسی طرح اَنَّ بھی خبر کی تاکید کے لیے آتا ہے، مگر وہ درمیان کلام میں آتا ہے اس سے پہلے کلام ہونا ضروری ہے، مثلاً بلغنی ہو یا اعجبنی ہو، یا اس کے علاوہ۔ اب عبارت ہوگی "بَلَغَنِي اَنَّ زَيْدًا مُنْطَلِقٌ" (مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ زید چلنے والا ہے) یعنی مجھ کو زید کے چلنے کا ثبوت پہنچا۔

لٰكِنَّ: یہ استدراک کے لیے آتا ہے، یعنی ماقبل کے کلام سے جس بات کے ثبوت یا نفی کا وہم ہو رہا ہو اسے دور کرنے کے لیے کلام لانا جیسے زَيْدٌ عَالِمٌ کہا جائے جس سے اس کے صالح ہونے کا وہم ہوتا ہے اسے دور کرنے کے لیے آپ کہیں "لٰكِنَّهُ فَاسِقٌ یا مثلاً مَا زَيْدٌ شُجَاعٌ" کہا جائے تو اس سے اس کے کریم نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے اسے دور کرنے کے لیے کہیں "لٰكِنَّهُ كَرِيْمٌ"۔

كَاَنَّ: یہ تشبیہ کے لیے آتا ہے۔ كَاَنَّ زَيْدًا اَسَدٌ (زید گویا شیر ہے)

اشکال: یہاں طالب علمانہ ایک اعتراض ہوتا ہے کہ كَاَنَّ تشبیہ کے لیے آتا ہے حالاں کہ كَاَنَّ زَيْدًا قَائِمٌ کے اندر کوئی تشبیہ نہیں ہے، ایسا کیوں؟۔

جواب: كَاَنَّ تشبیہ کے لیے اس وقت آئے گا جب اس کی خبر اسم جامد ہو اور جس وقت خبر فعل، یا اسم مشتق، یا ظرف، یا جار مجرور ہو تو اس وقت كَاَنَّ برائے شک و گمان ہوتا ہے نہ کہ برائے تشبیہ تو چوں کہ مثال مذکور میں خبر اسم مشتق ہے اس لیے جملہ میں كَاَنَّ تشبیہ کے لیے نہیں ہے۔

كَاَنَّ کبھی ظن اور گمان کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے كَاَنَّ زَيْدًا كَاتِبٌ (میرے گمان میں زید کاتب ہے)

لَيْتَ: تمنی کے لیے آتا ہے، یعنی ایسی چیز مانگنا جس کی طمع نہ رہی ہو جیسے بڑھاپے میں آدمی کا

لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ يَوْمًا" (کاش کہ ایک دن جوانی لوٹ آتی) کہنا۔ یا ایسی چیز کا مطالبہ کرنا جس کا ملنا دشوار ہو مثلاً کوئی محتاج فقیر یوں کہے "لَيْتَ لِيْ قِنْطَارًا مِنَ الذَّهَبِ"

لَعَلَّ: یہ ترجی کے لیے ہے۔ یعنی کوئی ایسی چیز طلب کرنا جس کا حصول ممکن ہو جیسے کوئی کہے "لَعَلَّ زَيْدًا هَالِكٌ" (امید ہے کہ زید ہلاک ہوگا) یا علت بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى" (سو کہو اس سے نرم بات شاید وہ سوچے یا ڈرے۔ پارہ ۱۶ سورۂ طٰہٰ آیت ۴۴) لَعَلَّ اى لِكَيْ يَتَذَكَّرَ. امام اخفش نے اس کی صراحت کی ہے۔

شرح سے الگ ہو کر کچھ ضروری اصطلاحات

لَيْتَ اور لَعَلَّ میں فرق:

لَيْتَ کے ذریعہ ممکن و محال دونوں کی آرزو کی جا سکتی ہے مگر لَعَلَّ سے صرف ممکنات کی امید کی جا سکتی ہے نہ کہ ممتنعات کی، لَعَلَّ کبھی تعلیل کے لیے بھی آتا ہے جیسے فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشٰى. اور کبھی یہ استفہام کے لیے بھی آتا ہے جیسے لَعَلَّ زَيْدًا قَائِمٌ اى هَلْ هُوَ كَذَالِكَ. اور لعل کبھی خوف کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے جیسے لَعَلَّ الشِّدَّةَ نَازِلَةٌ۔

دوسرا فرق: لَيْتَ امر محبوب اور لَعَلَّ امر محبوب و مکروہ دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(بحوالہ مشکل ترکیبوں کا آسان حل ص۲۰۲)

عرض و تمنی میں فرق:

دو فرق تو وہی ہیں جو ترجی و تمنی میں ہیں گویا عرض بمنزلہ ترجی کے ہے اور تیسرا فرق یہ ہے کہ عرض کا استعمال عموماً قریب الحصول شیٔ کے لیے ہوگا اور تمنی کا استعمال بعید الحصول شیٔ کے لیے۔

اِنْ لَمْ تَقْتَرِنْ بِهِنَّ "مَا" الْحَرْفِيَّةُ، كَقَوْلِهٖ "اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" اِلَّا "لَيْتَ" فَيَجُوْزُ الْاَمْرَانِ۔

ترجمہ:۔ (ان حروف کا یہ عمل اس وقت ہے) جب کہ ما حرفیہ ان کے ساتھ نہ لگا ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" مگر "لَيْتَ" میں تو دونوں امر جائز ہیں۔

وضاحت:۔ حروف مشبہ بالفعل کا یہ عمل کہ مبتداء و خبر پر داخل ہو کر مبتداء کو نصب اور خبر کو رفع دیتے ہیں۔ یہ عمل اس وقت ہے جب کہ "ما حرفیہ اِنَّ کے ساتھ نہ لگا ہو ورنہ "ما حرفیہ اِنَّ کے ساتھ لگ کر عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ اور پھر اِنَّ کا جملہ فعلیہ پر داخل ہونا بھی درست ہو جاتا ہے۔ ورنہ اصل

وضع میں یہ مبتداء و خبر پر ہی داخل ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" (کہہ دیجیے میرے پاس تو بس وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ پارہ ۱۷ سورہ انبیاء آیت ۱۰۸) اور "اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ" (اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے۔ پارہ ۶ سورہ نساء آیت ۱۷۱) ان دونوں آیتوں میں اِنَّ اور اَنَّ کے ساتھ ما نافیہ متصل ہے اس لیے اس کا عمل باطل ہو گیا۔ اور ان دونوں نے کچھ بھی عمل نہیں کیا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "كَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ" (گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لیے جاتا ہے۔ پارہ ۹ سورہ انفال آیت ۶) اس آیت میں كَاَنَّ کے ساتھ ما نافیہ متصل ہے لہٰذا اس کا عمل باطل ہو گیا۔

اسی طرح شاعر نے بھی اپنے شعر میں حروف مشبہ بالفعل کے ساتھ ما نافیہ کے ملانے کی صورت میں عمل کو لغو قرار دیا ہے۔ شاعر کا قول:

فَوَاللّٰهِ مَا فَارَقْتُكُمْ قَالِيًا لَكُمْ وَلٰكِنَّ مَا يُقْضٰى فَسَوْفَ يَكُوْنُ

(خدا کی قسم میں نے تم سے خفا ہو کر تمہیں چھوڑا، لیکن جو فیصلہ ہو جاتا ہے تو ہو کر ہی رہتا ہے) یہ افوہ اودی نامی شخص کا کلام ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد "وَلٰكِنَّ مَا يُقْضٰى" ہے کہ لٰكِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے، لیکن اس کے ساتھ ما نافیہ ملا ہوا ہے جس کی وجہ سے فعل مضارع پر داخل ہے اور عمل باطل ہو گیا ہے۔

شاعر کا قول: اَعِدْ نَظَرًا يَا عَبْدَ قَيْسٍ لَعَلَّمَا ــــــ اَضَاءَتْ لَكَ النَّارُ الْحِمَارَ الْمُقَيَّدَا

(عبد قیس پیچھے لوٹ کر تو دیکھ شاید آگ کی روشنی میں تجھے بندھا ہوا گدھا نظر آ جائے) یہ فرزدق کا شعر ہے جس کو جریر عبد قیس کی ہجو میں کہا ہے۔ (سبل الہدیٰ ص ۱۵۱)

اس شعر میں محل استشہاد "لَعَلَّمَا اَضَاءَتْ لَكَ" ہے ما کے داخل ہونے کی وجہ سے لَعَلَّ کا عمل باطل ہو گیا اور یہ فعل پر داخل ہوا۔

لَيْتَ کا بقیہ حروف مشبہ بالفعل کے اصول سے مستثنیٰ ہونا:

حروف مشبہ بالفعل کے اس اصول سے لَيْتَ مستثنیٰ ہے۔ وہ ما کے ساتھ بھی صرف جملہ اسمیہ پر ہی آیا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں دونوں وجہیں جائز ہیں یعنی دوسرے اخوات کی متابعت میں اسے بھی ما کی وجہ سے بے عمل کر دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ جملہ اسمیہ کے ساتھ اختصاص کی وجہ سے عمل برقرار رہے اور یہی اولیٰ ہے۔ لہٰذا "لَيْتَمَا قَامَ زَيْدٌ" کہنا درست نہیں ہوگا۔ اب یہاں ایک ایسا شعر پیش کیا جا رہا ہے جس میں دونوں صورتیں روایت کی گئی ہیں۔

شاعر کا قول: قَالَتْ: اَلَا لَيْتَمَا هٰذَا الْحَمَامُ لَنَا ـــــ اِلٰى حَمَامَتِنَا اَوْ نِصْفُهُ فَقَدِ
(اس نے کہا کاش یہ کبوتر ہماری کبوتری کے ساتھ ہمارا ہو جاتا یا اس کا نصف ہوتا۔) یہ نابغہ ذبیانی کا کلام ہے اس شعر میں محل استشہاد "لَيْتَمَا هٰذَا الْحَمَامُ" ہے۔
هذا الحمامُ کو مرفوع و منصوب دونوں پڑھا گیا ہے۔
سوال: مصنفؒ نے ما کے ساتھ حرفیہ کی قید کیوں لگائی؟
جواب: ما کے ساتھ حرفیہ کی قید لگا کر ما اسمیہ سے احتراز کیا ہے، چوں کہ ما حرفیہ حروف جب باتصل کے عمل کو باطل کرتا ہے، جب کہ ما اسمیہ ان حروف کے ساتھ آ کر خود ان کا اسم بن جاتا ہے عمل باطل نہیں کرتا جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ" (انھوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ صرف جادوگروں کے کرتب ہیں۔ پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ آیت ۶۹) اس آیت میں ما موصول صَنَعُوْا اصلہ ہے موصول صلہ مل کر اِنَّ کا اسم جو حالت نصبی میں ہے۔ اور عائد محذوف ہے۔ اور كَيْدُ سٰحِرٍ خبر واقع ہے اِنَّ کی۔ اصل عبارت یوں ہے۔ "اِنَّ الَّذِىْ صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ"۔

كَاِنِ الْمَكْسُوْرَةِ مُخَفَّفَةً۔

ترجمہ:۔ جیسے اِنْ مکسورہ مخففہ۔

اِنْ مکسورہ مخففہ کا عمل:

لَيْتَمَا میں جس طرح اعمال و اہمال یعنی عمل دینا اور بے عمل رکھنا دونوں درست ہیں، اسی طرح اِنْ اگر مخففہ من المثقلہ ہو تو اس میں بھی اعمال و اہمال دونوں جائز ہیں، جیسے اِنْ زَيْدٌ لَمُنْطَلِقٌ (بے شک زید چلنے والا ہے) اور اِنْ زَيْدًا لَمُنْطَلِقٌ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ہاں لَيْتَمَا میں لَيْتَ کا عمل برقرار رکھنا راجح تھا، جب کہ اِنْ مخففہ میں بے عمل رکھنا راجح ہے۔ قرآن مجید میں جابجا مہمل ہی استعمال ہوا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ" (کوئی ایسا نہیں جس پر نگہبان فرشتہ نہ ہو۔ پارہ ۳۰، سورہ طارق، آیت ۴) باری تعالیٰ کا قول "وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ" (اور نہیں ہے کوئی جماعت مگر یہ کہ وہ جمع ہو کر ہمارے سامنے حاضر کی جائے گی۔ پارہ ۲۳، سورہ یٰسین، آیت ۳۲) باری تعالیٰ قول "وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ" (اور یقیناً ان میں سے ہر ایک جب ان کے روبرو جائے تو آپ کا رب اسے اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پارہ ۱۲، سورہ ھود آیت ۱۱۱) ان تمام آیتوں میں اِنْ مخففہ من المثقلہ نے کچھ بھی عمل نہیں کیا ہے۔ اور یہی راجح ہے، لیکن حرمیان یعنی ابن کثیر مکی، امام نافع مدنی جو قرآء سبعہ میں سے ہیں انھوں نے "اِنْ كُلٌّ لَمَّا" یعنی تخفیف

کے باوجود اِنْ کو عمل دے کر پڑھا ہے۔

فَأَمَّا لٰكِنْ مُخَفَّفَةً فَتُهْمَلُ.

ترجمہ:۔ پس بہر حال لکِنْ مخففہ تو بے عمل رکھا جاتا ہے۔

لٰکِنْ مخففہ کا بیان:

"لکِنَّ" مشددہ چوں کہ جملہ اسمیہ کے ساتھ مختص ہوتا ہے، لیکن جب بجائے مشددہ کے "لکِنْ" مخففہ آئے تو جملہ اسمیہ کے ساتھ اختصاص والا حکم اور عمل ختم ہو گیا اور اسے مہمل قرار دے دیا گیا۔ لہذا اب اس کا جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں پر داخل ہونا درست ہو گیا، لیکن بغیر کسی عمل کے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ" (اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی ظالم تھے۔ پارہ ۲۵، سورہ زخرف آیت ۷۶) اس میں لکِنْ مخففہ جملہ فعلیہ پر داخل ہے اور کچھ بھی عمل نہیں کیا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول "لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ" (لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں۔ اور ایمان والے ہیں۔ پارہ ۶، سورہ نساء آیت ۱۶۲) میں لکِنْ مخففہ جملہ اسمیہ پر داخل ہے۔ اور کچھ بھی عمل نہیں کیا ہے۔

وَأَمَّا "أَنْ" فَتَعْمَلُ، وَيَجِبُ فِي غَيْرِ الضَّرُوْرَةِ. حَذْفُ اِسْمِهَا ضَمِيْرَ الشَّأْنِ، وَكَوْنُ خَبَرِهَا جُمْلَةً مَفْصُوْلَةً. اِنْ بُدِئَتْ بِفِعْلٍ مُتَصَرِّفٍ غَيْرِ دُعَاءٍ بِقَدْ، أَوْ تَنْفِيْسٍ، أَوْ نَفْيٍ أَوْ لَوْ.

ترجمہ:۔ اور بہر حال "أَنْ" (بفتح الہمزہ مخففہ من المثقلہ) ہو تو عمل کرے گا۔ اور ضرورت کے علاوہ میں اس کے اسم کا محذوف ہونا، ضمیر شان کا ہونا اور اس کی خبر کا جملہ مفصولہ ہونا واجب ہے، اگر فعل متصرف سے ابتداء کی جائے دعاء کے علاوہ تو قد یا تنفیس یا نفی یا لو کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔

أَنْ بفتح الہمزہ مخففہ من المثقلہ کے احکام اور اس کی پہچان:

"أَنْ" بفتح الہمزہ مخففہ من المثقلہ ہو تو واجب الاعمال باقی رہتا ہے، اسی طرح جس طرح تخفیف سے پہلے تھا، لیکن اس کے اسم میں تین شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

(۱) اس کا اسم ضمیر ہو، اسم ظاہر نہ ہو (۲) ضمیر بمعنی ضمیر شان ہو (۳) ضمیر محذوف ہو وقتاً فوقتاً ضرورت شعری کی بناء پر اس کا اسم، اسم صریح بھی آجاتا ہے۔

اَنْ مخففہ من المثقلہ کی خبر کے لیے یہ شرط لازم ہے خبر جملہ ہو مفرد نہ ہو، اگرچہ جملہ اسمیہ ہے یا ایسا جملہ فعلیہ جس کا فعل جامد ہے، یا فعل مشتق ہے، لیکن دعاء ہے تو اَنْ اور خبر کے درمیان کسی فاصل کی ضرورت نہیں ہے۔ مثالیں ترتیب وار دیکھو اس طرح ہیں۔

(۱) اَنْ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (اور ان کی اخیر بات یہ ہوگی تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہان کا رب ہے۔ پارہ ۱۱ سورہ یونس آیت ۱۰) میں اَنْ کا اسم محذوف اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ جملہ اسمیہ خبر، جو اَنْ مخففہ سے بلا کسی فاصل کے ملا ہوا ہے، اس کی اصل عبارت یوں ہے "اَنَّهُ الحمد للّٰه ربّ العالمين"

(۲) اَنْ ایسے جملہ فعلیہ پر داخل ہوتا ہے جس کا فعل جامد ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاَنْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ" (اور اس بات میں کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو۔ پارہ ۹ سورہ اعراف آیت ۱۸۵) اس آیت میں اَنْ کی خبر عَسٰى فعل جامد ہے جو بلا فاصل کے ہے اور اسم محذوف ہے۔ اصل عبارت "وَاَنَّهُ عَسٰى" ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى" (اور یہ کہ ہر انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی۔ پارہ ۲۷ سورہ نجم، آیت ۳۹) میں اَنْ کی خبر لَيْسَ فعل جامد ہے بلا فاصل کے ہے، اصل عبارت وَاَنَّهُ لَيْسَ ہے۔

(۳) اَنْ ایسے جملہ فعلیہ متصرفہ پر داخل ہوتا ہے جو جملہ دعائیہ ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَالْخَامِسَةَ اَنْ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهَا" (اور پانچویں دفعہ کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔ پارہ ۱۸، سورہ نور، آیت ۹) میں اَنْ کا اسم محذوف خبر دعا کی شکل میں غضب سے شروع بلا فاصل، ان قراء کے مطابق جو اَنْ مخففہ پڑھتے ہیں۔ اصل عبارت "وَالْخَامِسَةَ اَنَّهُ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهَا" ہے۔

(۴) اگر فعل مشتق غیر دعا خبر بن رہا ہو اَنْ مخففہ کی تو قَدْ، سوف، حرف نفی، یا لَوْ میں سے کسی ایک سے فصل کرنا ضروری ہے۔ قَدْ کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا" (اور ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے ہم سے سچ بولا ہے۔ پارہ ۷ سورہ مائدہ آیت ۱۱۳) اس آیت میں اَنْ مخففہ اور اس کی خبر کے درمیان قَدْ فاصل ہے ——— باری تعالیٰ کا قول "لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا" (تاکہ ان کے اپنے رب کے پیغام پہنچا دینے کا علم ہو جائے۔ پارہ ۲۹ سورہ جن آیت ۲۸) اس آیت میں بھی اَنْ مخففہ اور اس کی خبر کے درمیان قَدْ فاصل ہے ——— حرف تنفیس کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى" (وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے۔ پارہ ۲۹ سورہ مزمل، آیت ۲۰) اس آیت میں اَنْ مخففہ اور اس کی خبر کے درمیان حرف تنفیس (سین) کا فاصل ہے۔

حرفِ نفی کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا" (کیا یہ گمراہ لوگ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ پارہ ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت ۸۹) اس آیت میں لاء نافیہ فاصل ہے۔ لَوْ کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا" (اور اگر لوگ راہ راست پر سیدھے رہیں۔ پارہ ۲۹، سورہ جن آیت ۱۶) اس آیت کریمہ میں اَنْ مخففہ اور اس کی خبر کے درمیان حرف لو فاصل ہے۔ اور تمام آیتوں میں خبر ایسا جملہ فعلیہ متصرفہ ہے جو دعائیہ نہیں ہے۔

کبھی کبھی شعر میں ضرورت شعری کی بناء پر بغیر فصل کے ان کی خبر آتی ہے جیسے شاعر کا قول:

عَلِمُوا اَنْ يُؤَمَّلُوْنَ فَجَادُوْا قَبْلَ اَنْ يُسْاَلُوْا بِاَعْظَمِ سُؤْلِ

(انہیں معلوم تھا کہ ان سے امیدیں باندھی جائیں گی تو انہوں نے بڑا سوال ہونے سے پہلے سخاوت کی) (لم اقف لهذا الشاهد علی نسبة قائل معين)

کبھی ضرورت شعری کی وجہ سے اِنْ مخففہ من المثقلہ کا اسم محذوف کے بجائے ضمیر اسم صریح کی شکل میں بھی آتا ہے اور اس وقت اس کی خبر مفرد و جملہ دونوں آسکتی ہے جیسا کہ یہ دونوں امور اس شعر میں جمع ہیں۔ شاعر کا قول

بِاَنَّكَ رَبِيْعٌ وَغَيْثٌ مَرِيْعٌ وَاَنَّكَ هُنَاكَ تَكُوْنُ الثِّمَالَا

(آپ تو فصل بہار ہیں اور نفع کی بارش ہیں، اور یقیناً آپ تو وہاں فریادرس ہیں) یہ جنوب بنت عجلان بن عامر ہذلی کا کلام ہے جس کو اپنے بھائی عمرو ذوالکلب کے مرثیہ میں کہا ہے۔

وَاَمَّا كَاَنْ فَتَعْمَلُ، وَيَقِلُّ ذِكْرُ اسْمِهَا، وَيُفْصَلُ الْفِعْلُ مِنْهَا بِلَمْ، اَوْ قَدْ.

ترجمہ:- اور بہر حال كَاَنْ (مخففہ من المثقلہ) تو وہ عمل کرتا ہے اور اس کا اسم کبھی کبھی مذکور ہوتا ہے۔ اور فعل کو اس سے لَمْ یا قَدْ کے ذریعہ جدا کیا جاتا ہے۔

كَاَنْ مخففہ کے احکام اور اس کی پہچان:

جب كَاَنْ مخففہ من المثقلہ لایا جائے تو جس طرح اَنْ مخففہ واجب الاعمال ہوتا ہے، اسی طرح یہ بھی واجب الاعمال ہوگا۔ لیکن كَاَنْ کا اسم اَنْ کے اسم کے بالمقابل زیادہ مذکور ہوتا ہے۔ اور كَاَنْ کے اسم کا ضمیر کی شکل میں ہونا شرط نہیں ہے۔ جیسا کہ شاعر نے اپنے اس شعر کو اسی طرز پر کہا ہے۔

وَيَوْمًا تُوَافِيْنَا بِوَجْهٍ مُقَسَّمٍ كَاَنْ ظَبْيَةً تَعْطُوْا اِلَى وَارِقِ السَّلَمْ

(ایک دن تو اپنے خوبصورت چہرے کے ساتھ ہمارے پاس اس طرح آتی طالب بن کر جیسے ہرنی سلم کے پتے چھڑانے والی کی طرف گردن بلند کرتے ہوئے آتی ہے۔) یہ باعث بن صریم کا شعر

ہے اور بعض نے باعث بن صریم کہا ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد "کَأَنْ ظَبْیَةً" ہے، کَأَنْ ظَبْیَةً، کَأَنْ کا اسم مان کر منصوب پڑھا گیا ہے اور اس کے بعد والا جملہ تَعْطُوا إِلَى وَارِقِ السَّلَمِ ظَبْیَةً کی صفت ہے اور خبر محذوف ہوگی۔ اب اصل عبارت اس طرح ہوگی "کَأَنْ ظَبْیَةً عَاطِیَةً هٰذِهِ الْمَرْأَةُ" گردن بلند کرنے والی ہرنی یہ عورت ہے، پس تشبیہ معکوس ہوگی۔ یا کَأَنْ مَكَانَهَا ظَبْیَةٌ گویا اس کی جگہ ہرنی ہے، اصل تشبیہ ہرنی رہے گی۔

اور ظَبْیَةٌ کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس کو محذوف مان کر۔ عبارت یوں ہوگی "کَأَنَّهَا ظَبْیَةٌ" اس صورت میں ظَبْیَةٌ کَأَنْ کی خبر واقع ہوگی۔

اور جب خبر مفرد ہو یا جملہ اسمیہ ہو تو اس وقت کَأَنْ اور اس کی خبر کے درمیان فصل لانے کی ضرورت نہیں۔ مفرد کی مثال: جیسے کَأَنْ ظَبْیَةٌ۔ اس روایت کے مطابق جس میں ظَبْیَةٌ کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ جملہ اسمیہ کی مثال جیسے کَأَنْ ثَدْیَاهُ حُقَّانِ۔ (گویا اس کے دونوں پستان ابھری ہوئی زمین ہے) اور اگر خبر جملہ فعلیہ ہو تو کَأَنْ اور اس کی خبر کے درمیان لَمْ یا قَدْ کے ذریعہ فصل لانا واجب ہوگا۔ اوّل کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "کَأَنْ لَمْ تَغْنَ بِالْأَمْسِ" (گویا کل وہ موجود ہی نہ تھی۔ پارہ ١١، سورہ یونس آیت ٢٤) اس آیت میں کَأَنْ اور اس کی خبر کے درمیان لَمْ فاصل ہے۔ اور شاعر کا قول:

كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُوْنِ إِلَى الصَّفَا أَنِيْسٌ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرٌ

(گویا کہ حجوں سے صفا کے درمیان کوئی غمخوار نہیں تھا اور مکہ میں کسی قصہ گونے قصہ گوئی نہیں کی)

اس شعر میں کَأَنْ اور اس کی خبر کے درمیان لَمْ فاصل ہے۔ (یہ مضاض بن عمرو الجرہمی کا شعر ہے)

ثانی کی مثال: جیسے شاعر کا قول:

أَزِفَ التَّرَحُّلُ غَيْرَ أَنَّ رِكَابَنَا ـــــ لَمَّا تَزُلْ بِرِحَالِنَا وَكَأَنْ قَدْ

أَيْ وَكَأَنْ قَدْ زَالَتْ (کوچ کا وقت قریب ہو گیا سوائے اس کے کہ ہمارا قافلہ اپنی قیام گاہ سے ابھی ہٹا نہیں ہے، لیکن گویا ہٹ گیا ہے، یعنی پوری طرح تیار کھڑا ہے) یہ نابغہ ذبیانی کا کلام ہے جس کو نعمان بن منذر کی بیوی کی شان میں کہا ہے۔ اس شعر میں محل استشہاد فَكَأَنْ قَدْ زَالَتْ ہے۔ زَالَتْ خبر ہے جس پر قد داخل ہے ضرورت شعری کی وجہ سے زَالَتْ فعل حذف کر دیا گیا ہے۔

وَلَا يَتَوَسَّطُ خَبَرُهُنَّ، إِلَّا ظَرْفًا أَوْ مَجْرُوْرًا، نَحْوُ: "إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً" "إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا".

ترجمہ:- اور ان (یعنی حروف مشبہ بالفعل) کی خبر درمیان میں نہیں ہوں گی، مگر ظرف یا

مجرور ہونے کی حالت میں۔ جیسے "اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَعِبْرَةً" "اِنَّ لَدَیْنَا اَنْكَالًا"۔

حروف مشبہ بالفعل کی خبر کا درمیان میں آنا:

حروف مشبہ بالفعل کے باب میں خبر کو عامل اور اس کے اسم کے درمیان میں لانا، یا عامل پر مقدم کرنا درست نہیں ہے، ہاں کَانَ اور اس کے اخوات کی خبر میں یہ جائز ہے۔ چنانچہ اِنَّ قَائِمٌ زَیْدًا کہنا درست نہیں، لیکن کَانَ قَائِمًا زَیْدٌ کہنا درست ہے۔

دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ کَانَ فعل ہے اور اِنَّ، اَنَّ حروف ہے اور افعال حروف کے مقابلے میں عمل کرنے میں زیادہ قوی ہوتے ہیں، اس لیے اپنے معمول میں تصرفات کو زیادہ برداشت کر سکتے ہیں، لیکن حروف میں یہ قوت نہیں۔ اسی بناء پر کَانَ کی خبر کو وسط میں اور کان سے بھی پہلے لانا جائز ہے، لیکن حروف مشبہ کی خبر میں یہ جائز نہیں۔

اِنَّ کی خبر کے مؤخر ہونے کا حال اس شعر میں دیکھئے جس میں ابن مُعین نے اپنے پیچھے رہنے کی شکایت کتنے اچھے انداز میں کی ہے۔ شاعر کا قول

كَاَنِّیْ مِنْ اَخْبَارِ اِنَّ، وَلَمْ یُجِزْ لَهٗ اَحَدٌ فِی النَّحْوِ اَنْ یَتَقَدَّمَا

(میں گویا اِنَّ کی خبر کی طرح ہوں، نحو میں کوئی اس کے مقدم ہونے کو جائز نہیں کہتا) یہ ابن مُعین شریف الدین ابوعباس محمد بن نصر الدین بن نصر الحسین انصاری الکوفی کا شعر ہے۔

اس اصول سے وہ خبر جو ظرف یا جار مجرور بن کر آئے وہ مستثنیٰ ہے، کیوں کہ اس صورت میں خبر کو درمیان میں لانا بھی جائز ہے، چوں کہ نحویوں نے جو وسعت اِنَّ میں رکھی ہیں دوسری میں نہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّ لَدَیْنَا اَنْكَالًا" (یقیناً ہمارے یہاں سخت بیڑیاں ہیں۔ پارہ ۲۹، سورہ مزمل آیت ۱۲) اس آیت میں اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اور لَدَیْنَا ظرف خبر مقدم اَنْكَالًا اسم مؤخر ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَعِبْرَةً لِمَنْ یَّخْشٰی" (بیشک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرے۔ پارہ ۳۰، سورہ نازعات آیت ۲۶) اس آیت میں فِیْ ذَالِكَ جار مجرور سے مل کر خبر مقدم ہے جو وسط میں واقع ہے۔

نوٹ:۔۔ ہم نے جو یہ کہا کہ ظرف اور جار مجرور کے علاوہ اِنَّ کی خبر کا عامل اور اس کے اسم کے درمیان آنا ممنوع ہے اس تنبیہ کے ذریعہ ہم مستغنی ہو گئے یہ ذکر کرنے سے کہ خبر مقدم نہیں ہوتی، اس لیے کہ زیادہ آسان کا ممنوع ہونا اس کے علاوہ کے ممنوع ہونے کو مستلزم ہے۔ برخلاف اس کے عکس کے یعنی مشکل کا ممنوع ہونا آسان کے ممنوع ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور ہم نے جو یہ کہا کہ نحاۃ نے خبر کو ظرف یا جار مجرور سے مل کر آنے کی شکل میں درمیان میں آنے کو جائز کہا ہے تو اس سے ان کے مقدم ہونے کو جائز

کہنا لازم نہیں آتا، اس لیے کہ ان کا زیادہ آسان کو جائز کہنا اس کے علاوہ کو جائز کہنے کو مستلزم نہیں ہے۔

وَتُكْسَرُ إِنَّ فِي الْاِبْتِدَاءِ، نَحْوُ: (إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ) وَبَعْدَ الْقَسَمِ، نحو: (حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ) وَالْقَوْلِ، نحو: (قَالَ إِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ) وَقَبْلَ اللَّامِ، نحو: (وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ).

ترجمہ:- اور إِنَّ مکسور الہمزہ ابتداء میں لایا جاتا ہے جیسے إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا) اور قسم کے بعد جیسے "حٰمٓ وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ" (حم، قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی، یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے) اور قول کے بعد۔ جیسے "قَالَ إِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ (بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں) اور لام سے پہلے جیسے "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ" (اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں)۔

إِنَّ مکسور الہمزہ کے مواضع استعمال کا بیان

إِنَّ مکسورۃ الہمزہ بھی استعمال ہوتا ہے اور مفتوح الہمزہ یعنی أَنَّ بھی۔ صاحب قطر الندیٰ یہاں سے إِنَّ مکسورۃ الہمزہ کے مواضع استعمال کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ إِنَّ کے استعمال کے چار مواضع ہیں۔

(۱) إِنَّ ابتدائے کلام میں آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" (یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا۔ پارہ ۳۰، سورۃ القدر، آیت ۱) "إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ" (یقیناً ہم نے تجھے کوثر دیا۔ پارہ ۳۰، سورہ کوثر، آیت ۱) "أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ پارہ ۱۱، سورہ یونس آیت ۶۲) ان تمام آیات بالا میں إِنَّ ابتدائے کلام میں واقع ہے، کیوں کہ ابتدائے کلام موضع جملہ ہے، اس لیے ابتداء بالمفرد جب کہ اس سے جملہ نہ بنایا جائے عدم افادہ کی بناء پر باطل ہے، لہٰذا اگر أَنَّ بالفتح سے شروع کریں تو ابتداء بالمفرد لازم آتا ہے۔ (شرح جامی حاشیہ ۲۳۷)

(۲) قسم کے بعد آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "حٰمٓ، وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ، إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ" (حم، قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی، یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے۔ پارہ ۲۵، سورہ دخان، آیت ۱، ۲) "يٰسٓ، وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ، إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ" (یٰس، قسم ہے قرآن باحکمت کی، کہ بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔ پارہ ۲۲، سورہ یٰس، آیت ۱، ۲، ۳) ان آیات میں إِنَّ قسم کے بعد واقع ہے۔

(۳) قول اور اس کے مشتقات کے بعد جس سے حکایت مقصود ہو اور وہ بمعنی اعتقاد نہ ہو کیوں کہ وہ علم وظن کے حکم میں ہے (اور علم وظن کے بعد اَنَّ بالفتح آتا ہے) جیسے باری تعالیٰ کا قول "قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ" (بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ پارہ۱۶، سورہ مریم، آیت۳۰)

(۴) اِنَّ مکسورہ کے بعد لام آتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ" (اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ پارہ۲۸، سورہ منافقون آیت۱) اس آیت میں یَعْلَمُ اور یَشْھَدُ کے بعد اِنَّ آیا ہے چوں کہ اس کے بعد لام موجود ہے ورنہ عَلِمَ اور شَھِدَ کے بعد اَنَّ مفتوح آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ" (تمہاری پوشیدہ خیانتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ پارہ۲، سورہ بقرہ، آیت۱۸۷) اور "شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" (اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پارہ۳، سورہ آل عمران، آیت۱۸) ان دونوں آیتوں میں لام نہیں ہے، اس لیے عَلِمَ اور شَھِدَ کے بعد اَنَّ بالفتح آیا ہے۔

وَیَجُوْزُ دُخُوْلُ اللَّامِ عَلٰی مَا تَأَخَّرَ مِنْ خَبَرِ "اِنَّ" الْمَکْسُوْرَۃِ. اَوْ اِسْمِھَا، اَوْ مَا تَوَسَّطَ مِنْ مَعْمُوْلِ الْخَبَرِ، اَوِ الْفَصْلِ، وَیَجِبُ مَعَ الْمُخَفَّفَۃِ اِنْ اُھْمِلَتْ وَلَمْ یَظْھَرِ الْمَعْنٰی.

ترجمہ:- اور اِنَّ مکسورہ کی خبر سے مؤخر ہونے والے لفظ پر لام کا داخل ہونا جائز ہے یا اس کے اسم سے مؤخر ہونے والے اسم پر، یا خبر کے معمول پر جو درمیان میں آجائے، یا ضمیر فصل پر۔ (لام کا داخل ہونا جائز ہے) اور اِنْ مخففہ کے ساتھ لام کا دخول واجب ہے بشرطیکہ یہ بے عمل کر دیا جائے اور اس کا کوئی معنی ظاہر نہ ہو سکے۔

اِنَّ مکسورہ کے بعد چار مقامات پر لام کے دخول کا جواز:

اِنَّ مکسورہ کے بعد چار مقامات میں سے کسی ایک مقام پر لام ابتداء داخل کرنا جائز ہے۔ دو تو آخر میں آنے والے ہیں اور دو درمیان میں آنے والے ہیں۔

بہر حال آخر میں آنے والے دو مقامات تو ان میں سے ایک خبر پر لام ابتداء داخل کرنا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ" (اور بے شک تیرا رب البتہ بخشنے والا ہے۔ پارہ۱۳، سورہ رعد آیت۶) یا اس اسم پر لام داخل کریں جو آخر میں آئے جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً" (بے شک اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے۔ پارہ۳۰، سورہ نازعات آیت۲۶) درمیان میں آنے

والے دو مقامات میں سے ایک تو خبر کا معمول جو خبر سے پہلے آجائے جیسے "اِنَّ زَیْدًا لَطَعَامَكَ آكِلٌ" اس مثال میں اِنَّ کی خبر آكِلٌ ہے جس کا معمول لَطَعَامَكَ مقدم ہے اور اس پر لام داخل ہے۔ اسی طرح وہ ضمیر جسے بصریین نے فصل اور کوفیین نے عماد کے نام سے موسوم کیا ہے اس پر لام داخل ہوتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ" (یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے۔ پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۶۲) باری تعالیٰ کا قول "وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّوْنَ، وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ" (اور ہم تو (بندگی الٰہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں اور اس کی تسبیح بیان کررہے ہیں۔ پارہ ۲۳، سورہ صف آیت ۱۶۵، ۱۶۶) ان دونوں آیتوں میں ضمیر پر لام داخل ہے اور یہ دخول لام جائز ہے۔

ضمیر فصل وعماد سے مراد:

یہ وہ ضمیر ہے جو مبتدا وخبر کے درمیان لائی جائے بطریق جواز، جب کہ مبتدا وخبر دونوں معرفہ ہوں۔ یا خبر افعل التفضیل ممکن ہو (کیوں کہ افعل التفضیل بعض معرفہ کے ساتھ ملحق ہے) اس پر دخول الف لام کے ممتنع ہونے کی وجہ سے، تاکہ خبر کا صفت کے ساتھ التباس لازم نہ آئے، اور جہاں التباس کا خوف نہ ہو تو وہاں طرداً للباب ضمیر فصل لائی جاتی ہے جیسے كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ کے اندر ضمیر موصوف نہیں بن سکتی تو الرَّقِيْبَ صفت ہی کس کی بنے اور اگر مبتدا وخبر نکرہ ہوں تو اب بھی صفت کے ساتھ التباس ہے لہٰذا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ ضمیر فصل لائی جائے مگر ضمیر فصل نہیں لائی جائے گی۔ (شرح جامی مع حاشیہ)

دخول لام کا واجب ہونا:

کبھی ان ہی مقامات پر لام کا داخل واجب ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ اِنْ مخففہ اور بے عمل ہو اور اثبات کا ارادہ ظاہر نہ ہو (یعنی اس کا کوئی معنی ظاہر نہ ہو) جیسے "اِنْ زَيْدٌ لَمُنْطَلِقٌ" یہاں لام ابتداء، اِنْ نافیہ اور اِنْ مخففہ من المثقلہ کے درمیان فرق واضح کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ مُّبِيْنٍ" (تمہارے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں۔ پارہ ۱۱، سورہ یونس آیت ۶۸) اس آیت میں اِنْ نافیہ ہے اِن مخففہ نہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چوں کہ یہاں لام ابتداء نہیں لایا گیا ہے۔ لام ابتداء کے معدوم ہونے کی وجہ سے اِن نافیہ آیا ہے۔ لام ابتداء کو لام فارقہ بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ نفی اور اثبات کے درمیان یہ فرق واضح کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔

شرائط مذکورہ کا مفقود ہونا:

اگر مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی ایک بھی شرط مفقود ہو تو لام ابتداء کا لانا لازم نہیں رہے گا، بلکہ جائز ہو جائے گا، اس لیے کہ اِن نافیہ کے ساتھ التباس کا خطرہ نہیں رہتا مثلاً اِن مخففہ نہ ہو مثقلہ ہو جیسے

إنَّ زيدًا قائمٌ. یا إنْ مخففہ ہو کر عمل کر رہا ہو، جیسے إنْ زيدًا قائمٌ. یا إنْ مخففہ بھی ہو بے عمل بھی ہو، لیکن معنی ظاہر ہو رہا ہو جیسے شاعر کا قول

أنا ابنُ أباةِ الضَّيمِ مِن آلِ مالِكٍ وإنْ مالِكٌ كانتْ كِرامَ المَعادِنِ

(میں آل مالک میں ظلم سے نفرت رکھنے والے کا بیٹا ہوں، اگرچہ یقیناً آل مالک شریف ترین خاندانوں میں سے رہا ہے۔) اس شعر میں وَإنْ مالِكٌ كانتْ میں إنْ مخففہ بے عمل ہے، لیکن معنی ظاہر ہے۔ اس لیے لام لانا لازم نہیں جائز ہے۔ (یہ طرماح حکم بن حکیم ابونفر کا شعر ہے)

بابُ ۔ لا النّافيةِ لِلجِنسِ

وَمِثْلُ إنَّ "لَا" النَّافِيَةُ لِلْجِنسِ، لٰكِنْ عَمَلُهَا خَاصٌّ بِالنَّكِرَاتِ الْمُتَّصِلَةِ بِهَا، نَحْوُ: "لَا صَاحِبَ عِلْمٍ مَمْقُوتٌ" وَلَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا عِنْدِيْ" وَإنْ كَانَ اسْمُهَا غَيْرَ مُضَافٍ وَلَا شِبْهِهِ بُنِيَ عَلَى الْفَتْحِ فِي نَحْوِ "لَارَجُلَ" وَ "لَارِجَالَ" وَعَلَيْهِ أوْ عَلَى الْكَسْرِ فِي نَحْوِ "لَا مُسْلِمَاتِ" وَعَلَى الْيَاءِ فِي نَحْوِ "لَا رَجُلَيْنِ" وَ "لَامُسْلِمِيْنَ".

ترجمہ:۔ اور (اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینے میں) لائے نفی جنس إنَّ کی طرح ہے لیکن اس (یعنی لائے نفی جنس) کا عمل خاص ہے ایسے نکروں کے ساتھ جو اس سے متصل ہو جیسے "لَا صَاحِبَ عِلْمٍ مَمْقُوتٌ" اور "لَاعِشْرِيْنَ دِرْهَمًا عِنْدِيْ" اور اگر اس کا اسم مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو تو مبنی علی الفتح ہوگا "لَارَجُلَ" اور "لَارِجَالَ" جیسی مثالوں میں اور "لَامُسْلِمَاتِ" جیسی مثال میں مبنی علی الفتح یا مبنی علی الکسر ہوگا۔ اور "لَارَجُلَيْنِ" "لَامُسْلِمِيْنَ" جیسی مثالوں میں یاء پر مبنی ہوگا۔

لائے نفی جنس کا بیان:

وَمِثْلُ إنَّ "لَا" النَّافِيَةُ لِلْجِنسِ. اسم کو نصب اور خبر کو رفع دینے میں لاء بھی تین شرائط کے ساتھ إنَّ کی طرح ہے۔

شرائط ثلاثہ: (۱) لاء نفی جنس کے لیے ہو (۲) لاء کا معمول (یعنی اسم وخبر) دونوں نکرہ ہوں (۳) اسم مقدم ہو اور خبر مؤخر ہو۔

شرائط مفقود ہونے کے وقت لاء کا عمل:

اگر پہلی شرط مفقود ہو اس طرح کہ لاء نافیہ ہو تو اس وقت وہ فعل کے ساتھ خاص ہوگا اور اسے

محروم کردے گا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پارہ ۱۰ سورۃ توبہ آیت ۴۰) اس آیت میں لا ء نہی ہے جو فعل پر داخل ہو کر اسے جزم دیا ہے، یا لا ء زائدہ ہو تو کچھ عمل نہیں کرے گا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ" (کس چیز نے تم کو سجدہ کرنے سے روک دیا جب میں نے تمہیں حکم دیا۔ پارہ ۸، سورہ اعراف، آیت ۱۲) اس آیت میں لا ء زائدہ ہے جس نے کوئی عمل نہیں کیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی مفہوم کی دوسری آیت "مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" (پارہ ۲۳ سورہ ص آیت ۷۵) میں بغیر لا ء کے آیا ہے۔ جو زائدہ ہونے کی علامت ہے۔

یا لا ء وحدت کی نفی کر رہا ہو تو اس وقت لَيْسَ جیسا عمل کرے گا، یعنی اسم کو رفع اور خبر کو نصب دے گا جیسے لَا رَجُلٌ فِی الدَّارِ، بَلْ رَجُلَانِ۔

اور اگر اخیر کی دونوں شرطیں مفقود ہوں (یعنی لا ء کا اسم وخبر دونوں نکرہ ہو یا اسم مقدم اور خبر مؤخر نہ ہو) تو کوئی عمل نہیں کرے گا۔ اور لا ء کو مکرر لانا لازم ہوگا۔ اول کی مثال "لَا زَيْدٌ فِی الدَّارِ وَلَا عَمْرٌو" اس مثال میں لا ء کا اسم وخبر دونوں معرفہ ہیں۔ اس وجہ سے لا ء کو بے عمل رکھتے ہوئے مکرر ذکر کیا گیا ہے۔

دوم کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ" نہ اس سے دردِ سر ہوگا اور نہ اس کے پینے سے بہکیں گے۔ پارہ ۲۳ سورہ صافات آیت ۴۷) اس آیت میں لا ء نفی جنس کی خبر فیھا مقدم ہے۔ اس لیے لا ء بے عمل ہے اور مکرر ہے۔

لا ء کی شرائط ثلاثہ کی موجودگی میں اسم کی حالت:

وَاِنْ كَانَ اِسْمُهَا غَيْرَ مُضَافٍ الخ: اور اگر لا ء کی تینوں شرطیں پائی جائیں تو اس کا اسم تین حال سے خالی نہیں ہوگا۔ یا تو مضاف ہوگا یا شبہ مضاف ہوگا یا مفرد ہوگا۔

شبہ مضاف سے مراد:

وہ ہے کہ جو بلا کسی دوسرے کلمہ کے تام نہ ہو جس طرح مضاف بغیر مضاف الیہ کے تام نہیں ہوتا۔ جیسے طَالِعًا جَبَلًا۔

اگر اسم مضاف یا شبہ مضاف ہو تو اس میں نصب ظاہر ہوگا۔ مضاف کی مثال جیسے لَا صَاحِبَ عِلْمٍ مَمْقُوْتٌ۔ (صاحب عالم ناپسند نہیں ہوتا) اور "لَا صَاحِبَ جُوْدٍ مَذْمُوْمٌ" (فیاض قابل مذمت نہیں) ان دونوں مثالوں میں لفظ صَاحِبَ لا ء کا اسم ہے جو علم کی طرف مضاف ہے اس لیے اس پر نصب ظاہر ہوا ہے۔ مشابہ مضاف کی مثال مضاف سے معنوی مشابہت ہوگی لفظاً ترکیب اضافی نہ ہوگی۔

چاہے وہ دوسرا لفظ لاء کے اسم (جو صیغۂ صفت ہوگا) کی وجہ سے مرفوع ہو جیسے "لَا قَبِيْحًا فِعْلُهٗ مَمْدُوْحٌ" یا منصوب ہو جیسے "لَاطَالِعًا جَبَلًا حَاضِرٌ" یا مجرور ہو کسی ایسے حرف جر کا جو لاء کے اسم سے متعلق ہو جیسے "لَاخَيْرًا مِنْ زَيْدٍ عِنْدَنَا"

اور اگر لاء نفی جنس کا اسم مفرد ہو یعنی مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو تو معرب ہونے کی صورت میں جو حالت نصبی ہوگی اسی پر مبنی ہوگا۔ پس اگر مفرد ہو یا جمع مکسر ہو تو فتحہ پر جیسے "لَارَجُلَ" "لَارِجَالَ" اور اگر تثنیہ یا جمع مذکر سالم ہو تو یاء پر مبنی ہوگا۔ جیسا کہ یاء کے ساتھ نصب دیا جاتا ہے۔ مثلاً لَارَجُلَيْنِ اور لَامُسْلِمِيْنَ عِنْدِی.

اور اگر جمع مؤنث سالم ہو تو کسرہ پر مبنی ہوگا۔ اور کبھی فتحہ پر مبنی ہوگا جیسے لَامُسْلِمَاتِ فِی الدَّارِ کو بالفتح لَامُسْلِمَاتَ پڑھنا بھی درست ہے۔ شاعر کے اس شعر میں دونوں طرح کی روایتیں منقول ہیں۔ شاعر کا قول۔

لَا سَابِغَاتِ وَلَا جَأْوَاءَ بَاسِلَةٌ تَقِی الْمَنُوْنَ لَدَی اسْتِيْفَاءِ آجَالِ

(کوئی آسودگی نہیں ہے اور شیر کی کوئی قوم بھی نہیں ہے۔ موت کی حاضری کے وقت مکڑی بچا لیتی ہے)

اس شعر میں "لَاسَابِغَاتِ" کو مبنی علی الکسر کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی مبنی علی الفتح بھی پڑھتے ہیں۔

وَلَكَ فِی نَحْوِ: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ" : فَتْحُ الْأَوَّلِ، وَفِی الثَّانِی: الْفَتْحُ، وَالنَّصْبُ، وَالرَّفْعُ، كَالصِّفَةِ فِی نَحْوِ "لَارَجُلَ ظَرِيْفٌ" وَرَفْعُهٗ فَيَمْتَنِعُ النَّصْبُ، وَإِنْ لَمْ تَتَكَرَّرْ "لَا" أَوْ فُصِلَتِ الصِّفَةُ، أَوْ كَانَتْ غَيْرَ مُفْرَدَةٍ، اِمْتَنَعَ الْفَتْحُ۔

ترجمہ:- اور تیرے لیے "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ" جیسی مثال میں اول کو فتح اور دوسرے میں فتح، نصب اور رفع صفت کی طرح پڑھنے کا اختیار ہے، جیسے "لَارَجُلَ ظَرِيْفٌ" جیسی مثال میں اور اس (یعنی اول) کو رفع پڑھنے کی صورت میں دوسرے کو نصب پڑھنا ناجائز ہوگا۔ اور اگر "لا" مکرر نہ لایا جائے یا صفت کے درمیان فصل کر دیا جائے، یا غیر مفرد ہو تو فتح ناجائز ہوگا۔

لاء نفی جنس مکرر لانے کا بیان:

لاء نفی جنس کا اسم ہمیشہ نکرہ ہی ہوتا ہے، لاء کی خبر مقدم ہو یا اسم نکرہ نہ ہو تو لاء نافیہ ہوگا اور مکرر آئے گا۔ ان دونوں مقامات کی روشنی میں اگر لاء دو اسماء نکرہ پر مکرر آجائے تو ان نکرہ اسماء کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں لاء نافیہ مان کر، چونکہ یہ بھی نکرہ پر داخل ہوتا ہے۔ جیسے "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ"

پہلے اسم یعنی حولَ کو مفتوح اور مرفوع دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ اب اگر اسے مفتوح پڑھیں تو دوسرے اسم یعنی قُوَّةَ میں فتحہ، رفع اور نصب تینوں وجہیں درست ہیں۔ جیسے "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةً اِلَّا بِاللّٰهِ. لَاقُوَّةَ میں لا، کونفی جنس مان کر قُوَّةَ با فتح اور لا، کو نافیہ مان کر بالرفع پڑھا جائے گا۔

وَرَفْعُهٗ فَيَمْتَنِعُ النَّصْبُ الخ: اور اگر پہلے اسم کو مرفوع پڑھا جائے تو دوسرے اسم یعنی لَاقُوَّةَ میں رفعہ اور فتحہ دونوں صورتیں جائز ہوں گی لیکن نصب پڑھنا ممنوع ہوگا، جیسے لَاحَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، لَاحَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰهِ. لَاقُوَّةَ لا نفی جنس ہونے کی وجہ سے مفتوح اور لَاقُوَّةٌ لا نافیہ، اسم مرفوع، یا لا زائدہ قُوَّةٌ، لَاحَوْلٌ پر معطوف، تب بھی مرفوع ہوگا، یہاں منصوب نہیں ہوسکتا، چوں کہ اس صورت میں حَوْلٌ منصوب کے محل پر عطف ہوتا ہے اور یہاں حَوْلٌ مرفوع ہے، حقیقتاً بھی محلاً بھی، لہٰذا قُوَّةٌ پر نصب کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی پانچ صورتیں:

تو اب لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کی کل پانچ صورتیں ہوں گی (۱) دونوں اسم مبنی برفتحہ جیسے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. دونوں لا برائے نفی جنس ہے اور خبر محذوف ہے۔

(۲) دونوں اسم مرفوع ہو جیسے لَاحَوْلٌ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰهِ. اس صورت میں لا، ملغیٰ ہوگا اور مبتدا وخبر کی ترکیب ہوگی۔

(۳) پہلا اسم مبنی برفتحہ اور دوسرا مرفوع۔ جیسے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةٌ اِلَّا بِاللّٰهِ. اس صورت میں پہلا لا نفی جنس کا اور دوسرا لا زائدہ اور قُوَّةٌ کا عطف حَوْلَ کے محل پر ہے۔

(۴) پہلا اسم مرفوع اور دوسرا مبنی برفتحہ جیسے لَاحَوْلٌ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، اس صورت میں پہلا لا، مشابہ بلیس اور دوسرا لا، برائے نفی جنس ہے۔

(۵) پہلا اسم مبنی برفتحہ اور دوسرا منصوب جیسے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةً اِلَّا بِاللّٰهِ، اس صورت میں پہلا لا، برائے نفی جنس اور دوسرا زائدہ ہے۔

لا مکرر نہ ہونے کی صورت میں اسماء نکرہ کا حکم:

وَاِنْ لَّمْ يَتَكَرَّرْ لَا، الخ: اگر لا، مکرر نہ ہو بلکہ دو اسماء نکرہ پر ایک ہی لا، داخل ہو تو پہلا مفتوح ہی رہے گا لا نفی جنس ہونے کی وجہ سے، اور دوسرا اسم یا تو منصوب ہوگا پہلے اسم کے محل پر عطف کرتے ہوئے جیسے لَاحَوْلَ وَقُوَّةً. یا مرفوع ہوگا لا، اور اس کے اسم کے محل ابتداء پر عطف کرتے ہوئے جیسے

لاحولَ وقُوّةَ لیکن دوسرے اسم میں فتحہ پڑھنا جائز نہیں، جیسے شاعر کا قول ۔

"فَلَا أَبَ وَأَبْنًا مِثْلَ مَرْوَانَ وَأَبْنِهِ" (کوئی باپ اور بیٹا مروان اور اس کے بیٹے کی طرح نہیں)

اس شعر میں "فَلَا أَبَ وَأَبْنًا" محل استشہاد ہے۔ اس طرح سے کہ دو اسماء نکرہ پر ایک ہی لا داخل ہے پہلا اسم مفتوح ہے لا نفی جنس کی وجہ سے، اور دوسرا اسم منصوب ہے پہلے اسم کے محل پر عطف کرتے ہوئے۔ اس دوسرے اسم کو مرفوع بھی پڑھنا جائز ہے لا اور اس کے اسم کے محل ابتداء پر عطف کرتے ہوئے جیسے فَلَا أَبَ وَأَبْنٌ۔ (یہ شعر بنو عبد مناۃ بن کنانہ کا ہے)

اگر لا کا اسم مفرد ہو تو اس کی صفت مفرد لائی جائے:

أَوْ فُصِلَتِ الصِّفَةُ الخ: اگر لا کا اسم مفرد ہو اور اس کی صفت مفرد لائی جائے اور ان دونوں کے درمیان کوئی فاصل نہ ہو مثلاً "لَا رَجُلَ ظَرِيفَ فِي الدَّارِ" تو صفت کو مرفوع، مفتوح اور منصوب تینوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ لا اور اس کے اسم کے محل کا اعتبار کرتے ہوئے رفع جائز ہے، چوں کہ وہ محلاً مرفوع ہے ابتداء کی وجہ سے جیسے لَا رَجُلَ ظَرِيفٌ فِي الدَّارِ، اور لا کا اسم محلاً منصوب بھی ہے اس کا اعتبار کرتے ہوئے نصب پڑھنا جائز ہے جیسے لَا رَجُلَ ظَرِيفًا فِي الدَّارِ۔ اور فتحہ پڑھنا جائز ہے موصوف اور صفت کو مرکب بنا دینا کر جیسے خَمْسَةَ عَشَرَ دونوں پر ایک ہی اعراب آتا ہے، یہاں دونوں بالکل لا کا اسم ہونے کی وجہ سے مفتوح ہوگا جیسے لَا رَجُلَ أَحَدَ عَشَرَ فِي الدَّارِ۔

اگر لا کے اسم اور اس کی صفت کے درمیان فاصل آئے یا صفت خود مرکب ہو تو پھر فتحہ نہیں پڑھ سکتے۔ باقی رفع ونصب دو صورتیں جائز ہوں گی۔ اول کی مثال جیسے: لَا رَجُلَ فِي الدَّارِ ظَرِيفٌ وَظَرِيفًا" دوم کی مثال جیسے لَا رَجُلَ طَالِعًا جَبَلًا، وَطَالِعٌ جَبَلًا۔

باب: ظَنَّ واخواتها

الثَّالِثُ: ظَنَّ، وَرَأَى، وَحَسِبَ، وَدَرَى، وَخَالَ، وَزَعَمَ، وَوَجَدَ، وَعَلِمَ، الْقَلْبِيَّاتُ، فَتَنْصِبُهُمَا مَفْعُولَيْنِ، نَحْوُ: رَأَيْتُ اللّٰهَ أَكْبَرَ كُلِّ شَيْءٍ" وَيُلْغَيْنَ بِرُجْحَانٍ إِنْ تَأَخَّرْنَ، نَحْوُ: "اَلْقَوْمُ فِي أَثَرِي ظَنَنْتُ" وَبِمُسَاوَاةٍ إِنْ تَوَسَّطْنَ، نَحْوُ: "وَفِي الْأَرَاجِيزِ خِلْتُ اللُّؤْمُ وَالْخَوَرُ" وَإِنْ وَلِيَهُنَّ "مَا" أَوْ "لَا" أَوْ "إِنْ" النَّافِيَاتُ، أَوْ لَامُ الْابْتِدَاءِ، أَوِ الْقَسَمِ، أَوِ الْاسْتِفْهَامُ. بَطَلَ عَمَلُهُنَّ فِي اللَّفْظِ وُجُوبًا، وَسُمِّيَ ذٰلِكَ تَعْلِيقًا، نَحْوُ "لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَى"

ترجمہ:- نواسخ کی تیسری قسم (جو مبتدا وخبر کو ایک ساتھ نصب دے) وہ ظَنَّ، رَأَى، حَسِبَ، دَرَى، خَالَ، زَعَمَ، وَجَدَ اور عَلِمَ افعال قلوب ہیں۔ یہ ان دونوں (یعنی مبتدا وخبر) کو مفعول ہونے کی حیثیت سے نصب دیتے ہیں۔ جیسے "رَأَيْتُ اللّٰهَ اَكْبَرَ كُلِّ شَيْءٍ" (میں نے اللہ کو ہر چیز سے بڑا پایا) اگر یہ سب مؤخر ہوں تو راجح قول کے مطابق ان کا عمل باطل قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے "اَلْقَوْمُ فِي اَثَرِي ظَنَنْتُ" (قوم کو میں نے اپنے پیچھے گمان کیا) اور اگر یہ درمیان میں آجائیں تو عمل دلانا اور نہ دلانا سب برابر رہتا ہے جیسے "وَفِي الْاَرَاجِيْزِ خِلْتُ اللُّؤْمُ وَالْخَوَرُ" (جب کہ قصائد میں بھی میں نے ملامت وتذلیل ہی کا خیال کیا ہے) اور اگر ان افعال سے ما نافیہ یا لا نافیہ یا ان نافیہ، یا لام ابتداء، یا لام قسم، یا استفہام وغیرہ متصل ہوں تو ان افعال کا عمل لفظاً باطل ہوجاتا ہے جو بلحاظ ترکیب محلاً باقی رہتا ہے۔ اور اسے تعلیق کہا جاتا ہے جیسے لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى۔ (تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہ میں سے کس نے زیادہ یاد کر رکھا ہے۔)

افعال قلوب کا بیان:

نواسخ کی تیسری قسم جو مبتدا وخبر کو ایک ساتھ نصب دے وہ افعال قلوب ہیں۔

افعال قلوب کی تعریف:

افعال قلوب سے مراد وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل سے ہو، اعضاء وجوارح یعنی ہاتھ پیر وغیرہ سے نہیں۔

افعال قلوب کا حکم:

یہ افعال مبتدا وخبر پر داخل ہوکر دونوں کو اپنا مفعول بنا کر منصوب کر دیتے ہیں دو شرطوں کے ساتھ۔ اول یہ ہے کہ یہ افعال مبتدا وخبر سے پہلے ہو۔ درمیان یا آخر میں نہ ہو۔ دوم یہ کہ ان کے درمیان اور مبتدا وخبر کے درمیان کوئی ایسا کلمہ فاصل نہ ہو جو صدارت کلام چاہتا ہے۔

افعال قلوب مع مثالوں کے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ظَنَّ:- جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَاِنِّي لَاَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا" (اے فرعون! میں تو سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً برباد وہلاک کیا گیا ہے۔ پارہ ۱۵، سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱۰۲) اس آیت میں ظَنَّ فعل قلب ہے جس نے كَ ضمیر مفعول اور مَثْبُوْرًا کو نصب دیا ہے۔

(۲) رَأَى:- جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَنَرَاهُ قَرِيْبًا" (بے شک یہ

اس (عذاب) کو دور سمجھ رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں۔ پارہ ۲۹ سورہ معارج آیت ۶، ۷) اس آیت میں رَأَی نے ھا ضمیر اور بَعِیْدًا کو نصب دیا ہے۔

شاعر کا قول: رَأَیْتُ اللّٰہَ اَکْبَرَ کُلِّ شَیْءٍ ـــــ مُحَاوَلَۃً، وَاَکْثَرَھُمْ جُنُوْدًا

(میں نے اللہ کو ہر چیز سے بڑا پایا سلطنت کے اعتبار سے اور لشکروں کی کثرت کے اعتبار سے)

اس شعر میں محل استشہاد رَأَیْتُ اللّٰہَ اَکْبَر ہے۔ رَأَی نے اللہ اور اکبر دونوں کو منصوب کیا ہے۔ یہ خداش بن زہیر کا کلام ہے جو قبیلہ ہوبکر بن ہوازن کا فرد ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر طالبعلمانہ سوالات اور ان کے جوابات:

❶ افعال قلوب کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے، حالاں کہ رَأَیْتُ (بمعنی دیکھنا) کا تعلق تو آنکھ سے ہے؟

❷ رَأَیْتُ (فعل قلب) سے مراد یہاں دل سے دیکھنا ہے، یعنی سوچنا سمجھنا، نہ کہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا۔

❸ رَأَیْتُ زَیْدًا افعال قلوب دو مفعولوں کا تقاضہ کرتا ہے، حالاں کہ یہاں فقط ایک ہی مفعول ہے؟

❹ کبھی بعض افعال قلوب دوسرے فعل کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے رَأَیْتُ بمعنی اَبْصَرْتُ، ظَنَنْتُ بمعنی اِتَّھَمْتُ، عَلِمْتُ بمعنی عَرَفْتُ، وَجَدْتُ بمعنی اَصَبْتُ ہیں۔ دریں صورت ان افعال کے لیے صرف ایک مفعول ہوگا نہ کہ دو۔

(۳) حَسِبَ:۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ" (تم اپنے لیے برا مت سمجھو۔ پارہ ۱۸ سورہ نور آیت ۱۱) اس آیت میں ھا ضمیر اور شَرًّا دونوں کو حَسِبَ سے نصب ملا ہے۔

(۴) دَرٰی:۔ جیسے شاعر کا قول:

"دُرِیْتَ الْوَفِیَّ الْعَھْدَ یَاعُرْوَ فَاغْتَبِطْ ـــــ فَاِنَّ اغْتِبَاطًا بِالْوَفَاءِ حَمِیْدٗ"

(اے عروہ تجھے وفاء عہد کرنے والا سمجھا گیا ہے اس پر تو رشک کر۔ اس لیے کہ وفاء پر رشک کرنا پسندیدہ ہے) اس شعر میں دُرِیْتَ الْوَفِیَّ محل استشہاد ہے۔ تَ ضمیر اور اَلْوَفِیَّ دونوں کو دَرٰی نے نصب دیا ہے۔

(۵) خَالَ:۔ جیسے شاعر کا قول "یُخَالُ بِہٖ رَاعِیَ الْحَمُوْلَۃِ طَائِرًا" (بار برداری کے جانوروں کے چرواہے پر پرندہ ہونے کا وہم ہوتا ہے۔) اس شعر میں راعِیَ اور طَائِرًا دونوں منصوب ہیں خَالَ سے۔ پورا شعر اس طرح ہے۔

وَخَلْتُ بُیُوْتِیْ فِیْ یَفَاعٍ مُمَنَّعٍ ـــــ یُخَالُ بِہٖ رَاعِی الْحَمُوْلَۃِ طَائِرًا

یہ نابغہ ذبیانی کا شعر ہے۔

(۶) زَعَمَ:۔ جیسے شاعر کا قول

زَعَمَتْنِی شَیْخًا، وَلَسْتُ بِشَیْخٍ ۔ اِنَّمَا الشَّیْخُ مَنْ یَدِبُّ دَبِیْبًا

(اس نے مجھے بوڑھا سمجھا جب کہ میں بوڑھا نہیں ہوں۔ بوڑھا تو وہ ہوتا ہے جو گھسٹ کر چلتا ہے۔) یہ ابوامیہ حنفی کا شعر ہے، اس کا نام اوس بتلایا جاتا ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد زَعَمَتْنِی شَیْخًا ہے۔ زَعَمَ نے یٰ ضمیر اور شَیْخًا کو نصب دیا ہے۔

(۷) وَجَدَ:۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سے بہتر اور ثواب میں بہت زیادہ پاؤ گے۔ پارہ ۲۹، سورہ مزمل آیت ۲۰) اس آیت میں تَجِدُوْا نے ہٗ ضمیر اور هُوَ خَيْرًا پورے جملہ کو اپنا مفعول بنایا ہے۔

(۸) عَلِمَ:۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ (اگر تم ان عورتوں کو مومنہ سمجھو۔ پارہ ۲۸، سورہ ممتحنہ، آیت ۱۰) اس آیت میں هُنَّ اور مُؤْمِنٰتٍ دونوں عَلِمَ کے مفعول ہیں۔

افعال قلوب کے عمل میں کبھی الغاء اور کبھی جواز؟

وَتُلْغٰى بِرُجْحَانٍ اِنْ تَاَخَّرَتْ الخ شرائط نہ پائے جانے کی صورت میں افعال قلوب کے عمل میں کبھی الغاء ہوتا ہے اور کبھی تعلیق۔ الغاء سے مراد عمل کے لفظاً ومحلاً باطل کر دینے کو الغاء کہا جاتا ہے۔

اگر پہلی شرط نہ پائی جائے یعنی افعال قلوب اپنے دونوں مفعولوں کے درمیان میں آجائیں یا دونوں کے آخر میں آجائیں تو عمل ملغی ہو جاتا ہے۔ درمیان میں آنے کی شکل میں عمل دینا نہ دینا برابر رہتا ہے، لیکن عمل دلانا بہتر ہے بمقابلہ ابطال عمل کے۔ جیسے زَیْدًا ظَنَنْتُ عَالِمًا عمل دلانے کی صورت میں، اور زَیْدٌ ظَنَنْتُ عَالِمٌ عمل نہ دلانے کی صورت میں پڑھا جائے گا۔

شاعر نے بھی اپنے شعر میں اسی طرح استعمال کیا ہے

اَبِالْاَرَاجِیْزِ یَاابْنَ اللُّؤْمِ تُوْعِدُنِیْ ۔ وَفِی الْاَرَاجِیْزِ خِلْتُ اللُّؤْمُ وَالْخَوَرُ

(کیا قصائد سے تو مجھے وعدہ دلاتا ہے اے کمینے کی اولاد۔ جب کہ قصائد میں بھی میں نے ملامت و تذلیل ہی کا خیال کیا ہے۔) یہ منازل بن ربیعہ منقری کا شعر ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد وَفِی الْاَرَاجِیْزِ خِلْتُ اللُّؤْمُ وَالْخَوَرُ ہے لُؤْمُ اور خَوَرُ مبتدا مؤخر اور فِی الْاَرَاجِیْزِ موضع رفع میں خبر مقدم اور خِلْتُ فعل دونوں مفعولوں کے درمیان میں واقع ہے۔ دونوں مفعولوں کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے دونوں صورتیں جائز ہیں، لیکن عمل دلانا

بہتر ہے، بمقابلہ ابطالِ عمل کے۔ اور مؤخر ہونے کی صورت میں ترکِ عمل بہتر ہے اور بالاتفاق یہی راجح قول ہے۔ جیسے "زَيْدٌ عَالِمٌ ظَنَنْتُ" اور عمل دلانا بھی جائز ہے جیسے "زَيْدًا عَالِمًا ظَنَنْتُ" اور شاعر نے اپنے شعر میں عمل نہ دلانے کو بہتر قرار دیا ہے جیسے شاعر کا قول

اَلْقَوْمُ فِی اَثْرِیْ ظَنَنْتُ، فَاِنْ یَکُنْ　　مَا قَدْ ظَنَنْتُ فَقَدْ ظَفِرْتُ وَخَابُوا

(قوم کو میں نے اپنے پیچھے گمان کیا، اگر ایسا ہی ہوتا تو میں کامیاب ہو جاتا اور وہ ناکام ہوتے۔)

اس شعر میں اَلْقَوْمُ فِی اَثْرِیْ ظَنَنْتُ محل استشہاد ہے۔ اَلْقَوْمُ مبتداء، اور فِی اَثْرِیْ محلاً مرفوع میں ہونے کی وجہ سے اس کی خبر۔ اور ظَنَنْتُ فعل قلب۔ ان دونوں سے مؤخر۔ اس لیے عمل نہیں دلایا گیا۔ اور یہی راجح قول ہے۔ ہاں اگر دونوں شرائط موجود ہوں تو عمل دینا لازم ہوتا ہے، لیکن اس میں بھی کوفیوں کا اختلاف ہے۔

افعال قلوب کے عمل میں تعلیق:

وَاِنْ وَلِيَهُنَّ "مَا" اَوْ "لَا" الخ　تعلیق سے مراد افعال قلوب کے عمل کو لفظاً باطل کر دینا اور محلاً باقی رکھنا تعلیق کہلاتا ہے۔ تعلیق کی صورت اس وقت پیدا ہوگی جب کہ فعل قلوب اور اس کے معمول کے درمیان کوئی ایسا کلمہ ہو جو صدارت کلام چاہتا ہے، مثلاً ما نافیہ، لا نافیہ، لام ابتداء، لام قسم، استفہام وغیرہ۔ تو ان افعال کا عمل لفظاً باطل کر دیا جاتا ہے محلاً باقی رہتا ہے۔ گویا اس وقت ایک اعتبار سے یہ افعال عامل ہوتے ہیں اور ایک اعتبار سے نہیں۔

وہ کلمات جو صدارت کلام چاہتے ہیں:

وہ کلمات جو صدارت کلام چاہتے ہیں ان میں سے ایک ما نافیہ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰؤُلَاءِ يَنْطِقُوْنَ" (یہ تو تجھے بھی معلوم ہے کہ یہ بولنے چالنے والا نہیں۔ پارہ ۱۷ سورہ انبیاء، آیت ۶۵) اس آیت میں هٰؤُلَاءِ مبتداء اور يَنْطِقُوْنَ فعل با فاعل اس کی خبر ہے اور یہ دونوں عَلِمْتَ فعل کا نہ تو مفعول اوّل ہے نہ مفعول ثانی، کیوں کہ فعل اور اس کے معمول کے درمیان ما نافیہ موجود ہے، جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ ہاں محلاً عمل باقی ہے۔

اور تیرا قول "عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ قَائِمٌ" تو اس مثال میں بھی عامل اور معمول کے درمیان ما نافیہ آیا ہے، جو صدارت کلام کو چاہتا ہے، لہٰذا لفظاً تو فعل قلب کا عمل باطل ہوا لیکن محلاً باقی ہے۔

دوسرا کلمہ لا نافیہ ہے، جیسے تیرا قول "لَا زَيْدٌ قَائِمٌ وَلَا عَمْرٌو" میں فعل اور معمول کے درمیان لا نافیہ ہے، جو صدارت کلام چاہتا ہے، اس لیے لفظاً عمل باطل ہے۔

تیسرا کلمہ اِنْ نافیہ ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا" (اور تم گمان کرو گے کہ تمہارا رہنا بہت ہی تھوڑا ہے۔ پارہ ۱۵، سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۵۲) اس آیت میں اِنْ نافیہ ما نافیہ کے معنی میں ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔

چوتھا کلمہ لام ابتداء ہے، جیسے تیرا قول "عَلِمْتُ لَزَیْدٌ قَائِمٌ" میں فعل قلب اور معمول کے درمیان لام ابتداء حائل ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول "وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ" (اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ پارہ ۱، سورۂ بقرہ، آیت ۱۰۲)

اس آیت کریمہ میں فعل قلب عَلِمُوْا اور اس کے معمول لِمَنِ اشْتَرَاهُ کے مابین لام ابتداء ہے جو صدارت کلام کا تقاضہ کرتا ہے۔

پانچواں کلمہ لام قسم ہے: جیسے شاعر کا قول ۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ لَتَأْتِیَنَّ مَنِیَّتِیْ اِنَّ الْمَنَایَا لَا تَطِیْشُ سِهَامُهَا

(اور بالتحقیق میں نے جان لیا کہ ضرور بالضرور مجھے موت آئے گی۔ کیوں کہ موت کا تیر خطا نہیں کرتا۔) یہ لبید بن ربیعہ عامری کا شعر ہے۔

اس شعر میں فعل عَلِمْتُ اور اس کے معمول لَتَأْتِیَنَّ مَنِیَّتِیْ کے درمیان لام قسم ہے جو صدارت کلام کا متقاضی ہے۔ یہ بات دھیان رہے کہ لام قسم لام تاکید کی طرح ہوتا ہے خبر کو مؤکد کرنے کے لیے آتا ہے۔ اور قسم کا معنی نہ کرنے ضرور بالضرور کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔

چھٹا کلمہ حرف استفہام ہے۔ جیسے تیرا قول "عَلِمْتُ اَزَیْدٌ قَائِمٌ" میں ہمزہ حرف استفہام ہے جو صدارت کلام کو چاہتا ہے ـــــ اسی طرح جب جملہ میں اسم استفہام ہو خواہ وہ اسم استفہام جملہ کے دونوں جزو میں کا ایک ہو یا زائد ہو۔ اول کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی" (اور تمہیں پوری طرح معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کی مار زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔ پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت ۷۱) اس آیت کریمہ میں اَیُّ جملہ میں اسم استفہام ہے، جو فعل قلب اور اس کے معمول کے درمیان ہے۔

ثانی کی مثال: "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ" (وہ ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔ پارہ ۱۹، سورۂ شعراء، آیت ۲۲۷) اس آیت میں اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُــوْنَ، علی المصدریہ سے منصوب ہے اصل عبارت اس طرح ہے "یَنْقَلِبُوْنَ اَیَّ اِنْقِلَابٍ" اور یَعْلَمُ اس جملہ سے معلق ہے جس میں اسم استفہام ہے اور وہ اَیُّ ہے۔ اور بسا اوقات بعض طلبہ تو اس بات کا وہم

ہوتا ہے کہ اَیّ یَعْلَمُ سے منصوب ہے یہ غلط ہے، اس لیے کہ استفہام صدر کلام کو چاہتا ہے تو پھر اس میں اس کا ماقبل کچھ بھی عمل نہیں کر سکتا۔

ماحصل یہ نکلا کہ مذکورہ بالا تمام کلمات صدارت کلام کو چاہتے ہیں، لہٰذا ان کلمات کے درمیان میں آنے کی وجہ سے افعال قلوب کا عمل لفظاً باطل ہوگا لیکن محلاً باقی رہے گا۔ اور اس ابطال عمل کا نام تعلیق رکھا جاتا ہے گویا اس وقت ایک اعتبار سے یہ افعال عامل ہوتے ہیں اور ایک اعتبار سے نہیں۔ جیسے آپ کا قول "عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ قَائِمٌ" میں فعل محلاً عامل ہے اور لفظاً عامل نہیں ہے لہٰذا اسے عامل لا عامل بھی کہا جاتا ہے۔

تعلیق کی وجہ تسمیہ؟

وَسُمِّيَ ذَالِكَ تَعْلِيقًا الخ تعلیق کو تعلیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مشبہ ہے اس معلقہ عورت کے ساتھ جو نہ مطلقہ ہو نہ مزوجہ ہو، جس عورت کی زندگی اس کے شوہر نے برباد کر رکھی ہو نہ طلاق دے اور نہ حقوق ادا کرے اسے معلقہ کہا جاتا ہے۔ یہی حال اس عامل کا ہوتا ہے کہ نہ پوری طرح بے عمل رہتا ہے اور نہ کمال کے ساتھ عمل کر پاتا ہے۔

اور محلاً باقی رہنے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد کا اسم منصوب ہو اور محلی جملہ پر نصب کے ساتھ عطف کرنا جائز ہو۔ جیسے شاعر کثیر نے اپنے اس شعر میں عطف کیا ہے ۔

وَمَا كُنْتُ أَدْرِيْ قَبْلَ عَزَّةَ مَا الْبُكَىٰ وَلَا مُوْجِعَاتِ الْقَلْبِ حَتَّى تَوَلَّتِ

(میں نہیں جانتا تھا عزۃ کی محبت سے پہلے کہ رونا کیا ہوتا ہے۔ اور نہ ہی دلوں کو تکلیف دینے والی چیزوں کو یہاں تک کہ تو (محبوب) نے رخ پھیر لیا) یہ کثیر بن عبد الرحمٰن کا کلام ہے۔

اس شعر میں مُوْجِعَاتِ بالنصب کو محل "مَا الْبُكَىٰ" پر عطف کیا گیا ہے، جس میں لفظ اَدْرِیْ کا عمل محلاً باقی ہے اور لفظاً باطل کر دیا گیا ہے، گویا عمل کو معلق کر دیا گیا ہے۔

تَمَّ هٰذَا الْكِتَابُ بِفَضْلِهِ تَعَالٰى شَانُهٗ

محمد عالمگیر دانش قاسمی ابن محمد شفیق الرحمٰن
مقام دھنکول، پوسٹ برپورا، وایا پا جھی
ضلع سیتامڑھی، بہار۔ ۸۴۳۳۱۴

کچھ ضروری اصطلاحات

نوٹ:- صاحب قطر الندیٰ علیہ الرحمۃ نے اختصار کی بناء پر جن ضروری اصطلاحات کا ذکر نہیں کیا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ انھیں نوٹ کر دوں، تا کہ طلبہ عزیز کیلئے آسانی ہو جائے۔ (محمد ہاشم ہالی نعمانی)

صنعت براعتِ استہلال: براعت استہلال اس کو کہتے ہیں کہ خطبہ کے اندر ایسے الفاظ ذکر کیے جائیں جس سے مقصود کی طرف اشارہ ہو جائے۔

مصدر کا حمل ذات پر: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مبتداء ذات ہوتی ہے اور خبر مصدر تو حمل درست نہیں ہوگا، لہٰذا مصدر کو مشتق کی تاویل میں کر کے حمل کرتے ہیں اور کبھی بلا تاویل مبالغۃً بھی حمل کر دیتے ہیں، جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ۔ (شرح تہذیب)

تسمیۃ الکل باسم الجزء: ایک چیز متعدد اجزاء سے مرکب ہو مگر اس کا نام کسی ایک جزو کے ساتھ رکھ دیا جائے تو اس کو تسمیۃ الکل باسم الجزء کہتے ہیں جیسے چائے چند چیزوں سے مل کر بنتی ہے، پانی، چینی، دودھ، چائے کی پتی، مگر صرف اس کو ایک جزو کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں یعنی چائے کے ساتھ۔

مُقسم، تقسیم، اقسام، قسیم: مُقسم جس کی قسمیں ہوں اور اقسام مقسم کی قسموں کو کہتے ہیں اور مقسم کی قسمیں ہونے کو تقسیم کہتے ہیں اور قسمیں باہم ایک دوسرے کی قسیم ہوتی ہیں جیسے کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل، حرف، لہٰذا کلمہ مقسم ہے اور اسم فعل حرف اقسام ہیں اور اسم، فعل، حرف آپس میں ایک دوسرے کے قسیم ہیں اور دو قسیم آپس میں جمع نہیں ہو سکتے، مثلاً ایک کلمہ اسم بھی ہو اور حرف بھی ہو نہیں ہو سکتا۔ اور کلمہ کی تین قسمیں ہونا تقسیم ہے۔

ترجیح بلا مرجح: ترجیح دینے والے قرینہ کے بغیر کسی چیز کو کسی دوسری چیز پر ترجیح وفضیلت دے دینا۔ جیسے زید کو عمر پر بلا کسی وجہ اور دلیل کے ترجیح دے دینا۔

للاکثر حکم الکل: اکثر کے لیے کل کا حکم ہے مثلاً تنوین کی پانچ قسمیں ہیں جن میں سے چار اسم کے ساتھ خاص ہیں اور ایک یعنی تنوین ترنم عام ہے اسم ہی کے ساتھ خاص نہیں، حالاں کہ کتابوں میں مطلقاً تنوین کو اسم کا خاصہ کہا ہے تو وہاں اسی قاعدہ کی رو سے اکثر کو کل کا حکم دے دیا گیا ہے۔

محذوف ومقدر میں فرق: محذوف لفظ اور نیت دونوں سے ساقط ہوتا ہے اور مقدر صرف لفظوں سے ساقط ہوتا ہے، نیت میں برقرار رہتا ہے۔

اذا فات الشرط فات المشروط: جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت

ہوجاتا ہے جیسے نقض وضو سے نقضِ صلوٰۃ۔

لف ونشر: لغت کے اندر لف کے معنی لپیٹنے اور نشر کے معنی پھیلانے کے ہیں اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ پہلے کئی چیزیں ذکر کی جائیں یہ لف ہے پھر ان میں سے ہر ایک کے مناسبات اور متعلقات بیان کیے جائیں یہ نشر ہے۔

لف ونشر کی دو قسمیں ہیں: (۱) لف ونشر مرتب، (۲) لف ونشر غیر مرتب۔

لف ونشر مرتب یہ ہے کہ جس ترتیب سے لف یعنی اجمال ہوا اسی ترتیب سے نشر یعنی تفصیل بھی ہو جیسے وَمِنْ رَحمتهٖ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ، لیل کے مناسب لِتَسْكُنُوْا ہے اور نہار کے مناسب لِتَبْتَغُوْا ہے۔

لف ونشر غیر مرتب یہ ہے کہ جس ترتیب سے لف ہو اس ترتیب سے نشر نہ ہو۔

تقدیم ماحقہ التاخیر یفید الحصر والتخصیص:

جس کلمہ کا حق مؤخر کرنے کا تھا اس کو مقدم کرنے سے حصر اور تخصیص پیدا ہوجاتی ہے۔ جیسے إِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اسی طرح وَإِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ اپنے رب سے لو لگایئے لیکن کلمہ کی تقدیم ہر جگہ برائے حصر ہی نہ ہوگی۔ کبھی کبھار کسی دوسرے فائدہ کے پیش نظر بھی تقدیم کی جائے گی۔ مثلاً فَأَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ آپ یتیم پر غصہ نہ ہوں۔ یہاں الیتیمَ کو اس لیے مقدم کیا کہ اہل عرب فاء کے اتصال کو حرف شرط کے ساتھ پسند نہیں کرتے، نہ کہ حصر کی غرض سے۔

مثال ونظیر میں فرق: مثال مثل لہ کی جزئی ہوتی ہے جیسے قاعدہ ہے كُلُّ فَاعِلٍ مرفوعٌ اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے مثال دی جائے جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ میں زید فاعل ہے اور مرفوع ہے اور اگر اس قاعدہ کی وضاحت اس طرح کی جائے کہ ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے جیسے زَيْدٌ عَالِمٌ میں زید مرفوع ہے تو اس کو نظیر کہیں گے نہ کہ مثال۔

جزم اور سکون میں فرق: جزم تو جازم کا اثر ہے اور حروف جازمہ فعل پر داخل ہوتے ہیں، اس لیے جزم فعل کے ساتھ خاص ہے، اور سکون نام ہے عدم حرکت کا اور یہ (سکون) اسم وفعل وحرف تینوں کے اندر پایا جاتا ہے۔ جیسے كَمْ، قُمْ، هَلْ۔ (الفوائد الصمدیہ)

مصدر اور اسم مصدر میں فرق: مصدر وہ اسم ہے جس سے افعال واسماء مشتق ہوں اور اردو میں اس کا ترجمہ کرتے ہوئے نا آئے اور اسم مصدر سے فعل وغیرہ مشتق نہیں ہوتے اور وہ مصدر کے معنی میں ہوتا ہے جیسے سواء اسم مصدر ہے بمعنی استواء، اسی طرح غُسْل بمعنی اغتسال۔

أيضًا کی تحقیق: آضَ يَئِيضُ کا مصدر ہے بمعنی رجع ہوتا ہے اور اس وقت تامہ ہوگا۔ جیسے آضَ الْأَجِيْرُ إلى بَيْتِهِ (مزدور اپنے گھر لوٹ آیا) اور کبھی بمعنی صار، اور اس وقت یہ ناقصہ ہوگا۔ جیسے آضَ الثَّلْجُ مَاءً (برف پانی بن گیا)

أيضًا کی ترکیب: أيضًا عموماً آضَ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہوتا ہے۔ تقدیرہ آضَ أيضًا أي رَجَعَ رُجُوعًا. دوسرا احتمال یہ ہے کہ أيضًا، آضَ کی ضمیر مستتر سے حال بمعنی "آئِضًا لِأَنَّ الْمَصْدَرَ لَا يَكُوْنُ حَالًا فِي الْمَشْهُوْرِ" (معجم المفصل [illegible]، القواعد النحویہ [illegible])

أيضًا کا استعمال: أيضًا کا استعمال ایسی دو چیزوں میں ہوگا جن میں نہ نسبت تباین ہو اور نہ نسبت تلازم، بلکہ نسبت توافق ہو، یعنی دو چیزوں کے درمیان ایک اتفاقی تعلق ہو، لہذا جَاءَنِي زَيْدٌ أيضًا کہنا درست نہیں، کیوں کہ امر واحد ہے، اور طَلَعَ الشَّمْسُ وَوُجِدَ النَّهَارُ أيضًا کہنا بھی درست نہیں، کیوں کہ دونوں میں تلازم ہے۔ اور جَاءَنِي زَيْدٌ وَذَهَبَ خَالِدٌ أيضًا کہنا بھی درست نہیں، کیوں کہ دونوں چیزوں (آنا اور جانا) میں تباین ہے البتہ جَاءَنِي زَيْدٌ وَأَخُوْهُ أيضًا کہنا درست ہے۔ (بحوالہ مشکل ترکیبوں کا آسان حل ص ۲۷)

مثال وشاہد میں فرق: قاعدہ کلیہ کی وضاحت کے لیے اس شخص کے کلام کو پیش کیا جائے جس کا کلام محاورات میں قابل اعتماد سمجھا جاتا ہو۔ اور مثال اس کلام کو کہتے ہیں جس سے قاعدہ کلیہ کی وضاحت مقصود ہو۔

تجاہل عارفانہ: کسی مصلحت کی بناء پر جان بوجھ کر انجان بن جانا جیسے شعر کا ایک جز ہے لیلای منکن ام لیلی من البشر. مجھے بتاؤ کیا میری لیلی تم میں سے ہے اے چٹیل میدان کی ہرنیوں یا انسانوں میں سے۔

حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ لیلی انسانوں میں سے ہے مگر فرط محبت میں پوچھ رہا ہے، اسی طرح

صنم کہتے ہیں یک تیرے بھی کمر ہے ۞ کہاں ہے، کس طرح کی ہے، کدھر ہے

تخصیص بعد التعمیم: عام بیان کرنے کے بعد انہیں میں سے کسی کو خاص طریقے سے بیان کرنا جیسے تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ، روح سے مراد جبرئیل ہیں جو خود الملائکہ میں داخل تھے۔

عطف الخاص علی العام: معطوف کا ایسا معطوف علیہ پر عطف کرنا کہ وہ معطوف علیہ اس معطوف کے معنی کو بھی شامل ہو جیسے والصلاۃ علی محمد وآلہ واصحابہ کے اندر لفظ آل سے اتباع مراد لیں تو صحابہ خود اس میں داخل ہو گئے۔

ایک نظر ادھر بھی

رموز واشارات

رمز		مراد
ح	مراد	حینئذٍ
ج	"	جمع
اص	"	اصح
مص	"	مصدر
کک	"	کذالک
الم	"	لانسلّم
ظ	"	الظاہر
عط	"	عطف
صح	"	صحیح
خف	"	خلاف مفروض
لانخ	"	لانخلو
؍	"	تنبیہا
الش	"	الشارح
ہف	"	ہذا خلف
مم	"	ممنوع
یق	"	یقال
بط	مراد	باطل
او	"	ایضا
ف	"	فائدہ
الخ	"	الی آخرہ
ص	"	اصل

آج مورخہ ۱۲/ اگست ۲۰۰۲ء مطابق ۳/ جمادی الآخر ۱۴۲۳ھ بروز پیر بعد نماز عشاء، قطر الندی جزء اول کی شرح بحمد اللہ تعالی تکمیل کو پہنچی۔ اللہ تبارک وتعالی سے دعاء ہے کہ اس کے فوائد کو عام وتام فرمائے۔

محمد عالمگیر دانش قاسمی
جامعہ اسلامیہ بخاری چوپائی میواندور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شَمْسُ الھُدیٰ

شرح اُردو

دوم

قَطرُ النَّدیٰ وبلّ الصَّدیٰ

شارح

مفتی محمد عالمگیر دانش قاسمی سیتامڑھوی

ناشر

دارالکتاب دیوبند

فہرست شمس الہدیٰ شرح اردو قطر الندیٰ جلد ثانی

❁ ❁ ❁

بابٌ: اَلْفَاعِلُ، تَعْرِیْفُهٗ

بَابٌ. اَلْفَاعِلُ مَرْفُوْعٌ، کَـ "قَامَ زَیْدٌ" وَ "مَاتَ عمروٌ"

ترجمہ:- یہ باب ہے، فاعل مرفوع ہوتا ہے، جیسے قَامَ زَیْدٌ (زید کھڑا ہے) اور مَاتَ عمروٌ (عمرو انتقال کر گیا)۔

تشریح:- فاضل مصنفؒ جب مبتداء و خبر اور ابواب نواسخ میں سے جو ان دونوں سے متعلق ہیں کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے فاعل، نائب فاعل، تنازع فعلان اور اس سے متعلق باب اشتغال کے مسائل و احکام کو بالتفصیل بیان کرنے کا عزم مصمم فرمایا۔

فاعل کی تعریف:

فاعل نام ہے ایسے اسم صریح یا موؤل بہ کا جس کی طرف کسی فعل یا موؤل بہ فعل کی اسناد کی گئی ہو اس طور پر کہ وہ فعل یا موؤل بہ فعل اس اسم پر مصلاً مقدم ہو اور اسی اسم سے واقع ہو، یا اس کے ساتھ قائم ہو جیسے "ضَرَبَ زَیْدٌ عمروًا" میں "زیدٌ" ایک ایسا اسم ہے جس کی طرف ایسے فعل کی اسناد کی گئی ہے جو اس سے صادر ہوا ہے اور وہ فعل ضَرَبَ ہے جس کا وقوع زید سے ہوا ہے۔ اور "عَلِمَ زَیْدٌ" میں "زیدٌ" ایسا اسم ہے جس کی طرف ایسے فعل کی اسناد کی گئی ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے، اور وہ فعل "عَلِمَ" ہے۔

اسم صریح کی تعریف:

وہ اسم ہے جس کو اسم فاعل یا مفعول ماننے میں کسی قسم کا شبہ یا تاویل کی ضرورت نہ ہو جیسے "زیدٌ"

اسم موؤل بہ کی تعریف:

وہ اسم ہے جو حقیقتاً اسم تو نہ ہو لیکن حرف مصدریہ داخل کر کے اس کو اسم بنالیا گیا ہو، جیسے باری تعالیٰ کا قول "اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ" (کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لیے کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔ پارہ ۲۷، سورہ حدید آیت ۱۶) میں "اَنْ تَخْشَعَ" فاعل ہے حالاں کہ یہ اسم نہیں بلکہ فعل ہے، لیکن حرف اَنْ داخل کر کے اس کو اسم یعنی "اَلْخُشُوْعُ" کے معنی میں کر دیا گیا ہے، اسی کو موؤل بہ اسم کہتے ہیں۔

موؤل بہ فعل کی تعریف:

ایسے فعل کو کہتے ہیں جو حقیقت میں فعل تو نہ ہو، لیکن بتاویل فعل کے معنی میں کرلیا گیا ہو، جیسے

باری تعالیٰ کا قول "مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ" (طرح طرح کے اُن کے رنگ۔ پارہ ۲۲، سورہ فاطر، آیت ۲۸) میں "اَلْوَانُهٗ" "مُخْتَلِفٌ" کا فاعل ہے اور "مُخْتَلِفٌ" شبہ فعل ہے جو "يَخْتَلِفُ" کے معنی میں کرلیا گیا ہے، کیوں کہ یہ حقیقت میں اسم فاعل ہے جو بمعنی فعل مستعمل ہے، تقدیر عبارت "وَصِنْفٌ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ" ہے یعنی ایک نوع وہ ہے جس کے رنگ جدا جدا ہیں۔ پھر موصوف کو حذف کر دیا گیا اور صیغہ صفت (اسم فاعل) کو يَخْتَلِفُ فعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

قَامَ زَيْدٌ کی توضیح:

مصنفؒ نے فاعل کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ فاعل نام ہے ایسے اسم صریح یا مؤول بہ کا جس کی طرف کسی فعل یا مؤول بہ فعل کی اسناد اس طرح کی گئی ہو کہ وہ فعل اس اسم پر حصلاً مقدم ہو اور اس اسم سے فعل کا صدور ہوا ہو یا اس کے ساتھ قائم ہو۔ جیسے قَامَ زَيْدٌ میں قَامَ فعل، زَيْدٌ اسم فاعل سے محصلاً مقدم ہے اور قیام کا صدور زید سے ہوا ہے۔

صاحب قطر الندیٰ کا قول "مُقَدَّمٌ عليه" کی قید سے فاعل ہونے سے دو اسماء خارج ہو گئے جن سے پہلے فعل یا شبہ فعل نہ ہو، بلکہ بعد میں ہو۔ جیسے "زَيْدٌ قَامَ" میں زید ایک اسم ہے اس سے پہلے فعل یا شبہ فعل نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد ہے اس وجہ سے فاعل نہ ہوگا۔ حاصل یہ کہ اس قید سے وہ مبتداء نکل گئے جس کی خبر ایسا فعل ہو جس فعل کی نسبت حقیقت میں علی جہۃ القیام اس مبتداء کی طرف ہو رہی ہے جیسے "زَيْدٌ قَامَ" میں زید مبتداء ہے اور اس کی خبر ایسا فعل ہے جس کی نسبت علی جہۃ القیام اسی اسم کی طرف ہو رہی ہے اور بِالْاَصَالَةِ کی قید سے (یعنی وہ فعل یا شبہ فعل اس کی طرف مسند ہو بالاصالت) قَائِمٌ زَيْدٌ میں زید اسم فاعل ہونے سے نکل گیا، اس لیے کہ اس میں فعل کی اسناد گرچہ اس کی طرف ہو رہی ہے، لیکن اسم پر اصالۃً مقدم نہیں ہے، بلکہ مؤخر ہے، کیوں کہ ترکیب میں قَائِمٌ خبر مقدم اور زید مبتداء مؤخر ہے، لیکن باعتبار نیت کے قَائِمٌ خبر مؤخر ہے، کیوں کہ خبر مؤخر ہوتی ہے اور جب نیت کے اعتبار سے مؤخر ہے تو پھر اصالۃً مقدم ہونا نہیں پایا گیا لہٰذا قَائِمٌ زَيْدٌ میں زَيْدٌ کو قَائِمٌ کا فاعل کہنا درست نہیں۔

فائدہ: نیز بِالْاَصَالَةِ کی قید سے وہ اسم فاعل ہونے سے نکل گیا جس سے پہلے فعل یا شبہ فعل ہو، لیکن وہ اس اسم کی طرف مسند نہ ہو اور اگر ہو تو بالتبع ہو، جیسے "ضَرَبَ زَيْدٌ زَيْدٌ" میں زید ثانی اس کی طرف بالاصالۃ مسند نہیں ہے، بلکہ بالتبع مسند ہے، یعنی توابع فاعل پر یہ تعریف صادق نہیں آتی، کیوں کہ ان کی طرف فعل کی نسبت بالاصالۃ نہیں ہوتی، بلکہ بالتبع ہوتی ہے، یہاں پر اسناد سے مراد بالاصالۃ ہے، کیوں کہ توابع کا ذکر مصنفؒ نے علاحدہ کیا ہے۔ نیز اس سے وہ اسم بھی فاعل ہونے سے

خارج ہوگیا، جس کے پہلے اور بعد فعل نہ ہو جیسے "زیدٌ اخوك"۔

وَاقِعًا مِنْهُ کی تشریح:

وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم سے واقع ہو نہ کہ اس پر واقع ہو، اس قید سے مفعول مالم یُسم فاعلہ، فاعل کی تعریف سے خارج ہوگیا جیسے "ضُرِبَ زیدٌ" میں زید کہ اس پر فعل مقدم ہے اور اس کی نسبت اسم کی طرف ہو رہی ہے، لیکن یہ نسبت بطور وقوع کے ہے نہ بطریق قیام کے، ایسے ہی "زیدٌ مَضْرُوْبٌ غُلَامُہٗ" میں غُلَامُہٗ فاعل کی تعریف سے خارج ہوگیا، اگرچہ اس سے پہلے صفت ہے جس کی نسبت اس کی طرف ہو رہی ہے، لیکن یہ نسبت بطور وقوع ہے قیام نہیں۔

نکتہ ۲: صاحب کتابؒ نے فاعل کی تعریف کے بعد "مَنَمَ زیدٌ" اور "مَاتَ عمروٌ" کے ذریعہ مثال پیش کی، تا کہ معلوم ہو جائے کہ ہر فعل کے واسطے فاعل کا ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ فعل حدث ہے اور ہر حدث کے واسطے محدث کا ہونا ضروری ہے اور محدث وہ فاعل ہے، اس وجہ سے ہر فعل کے واسطے فاعل ہونا ضروری ہے، اس پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ "مَاتَ زیدٌ اور طَالَ عمروٌ" میں زید اور عمرو۔ مَاتَ اور طَالَ کے فاعل ہیں باوجود یکہ زید اور عمرو موت اور طول کے واسطے محدث نہیں ہیں؟ چوں کہ موت اور طول زید اور عمرو سے صادر نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ اسم کی طرف فعل کی اسناد ہو رہی ہے یہ اسناد ہونا ہی اس کے فاعل ہونے کی علامت ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عمرو موت کا محدث نہیں، اس کے باوجود اس کو فاعل بنا کر اس کو رفع دیا جاتا ہے اور مَاتَ عمروٌ پڑھا جاتا ہے۔

مرفوع کی تعریف:

مرفوع ایسے اسم کو کہتے ہیں جس میں فاعل کی علامت پائی جائے۔ فاعل کی تین علامتیں ہیں (۱) واحد میں ضمہ (۲) تثنیہ میں الف۔ (۳) جمع میں واؤ۔

سوال ۱: فاعل کو مرفوع کے ساتھ موصوف کیے جانے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: فاعل کو مرفوع کے ساتھ زیادہ تقریر کی وجہ سے موصوف کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا فاعل مرفوع بھی ہوتا ہے یہ صفت تخصیص یا احتراز کے واسطے نہیں ہے عام اس سے کہ وہ فاعل اسم ظاہر ہو جیسے ذَهَبَ زیدٌ کہ اس میں زید اسم ظاہر فاعل ہے یا اسم ضمیر بارز ہو جیسے ضَرَبْتُ زیدًا یا مستتر ہو جیسے زیدٌ ذَهَبَ کہ ذَهَبَ میں ضمیر پوشیدہ ہے جس کو ہم "هُوَ" سے تعبیر کرتے ہیں وہ فاعل ہے جو زید کی طرف راجع ہے۔

سوال ۲: ہر فعل کے لیے فاعل مرفوع کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

جواب: اس وجہ سے ضروری ہے کہ فعل عرض اور صفت ہے اور اوصاف و اعراض کے واسطے ایسی چیز کا

ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ وہ اعراض واوصاف قائم ہوں۔

س فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے، حالانکہ باری تعالیٰ کا قول "وَكَفَى بِاللّٰهِ" میں لفظ اللہ مجرور ہے کیوں؟

ج "بِاللّٰهِ" کے اندر با زائدہ ہے، محض تاکید کے لیے جو معنی میں کوئی اثر پیدا نہیں کرتا۔ حقیقتاً لفظ مرفوع ہی ہے۔ اسی طرح "وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ" کے اندر "لُغُوب" فاعل ہے، کبھی فاعل کے اندر اعراب تقدیری ہونے کی بناء پر فاعل بظاہر مرفوع نہیں ہوتا، مگر حقیقتاً مرفوع ہی ہوتا ہے جیسے "فَحَقَّ وَعِيْدِ" کہ دراصل وَعِيْدِيْ ہے یاء متکلم کے ساتھ، اعراب تقدیری ہے۔

س باری تعالیٰ کا قول "لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ" (پ ۷، ع ۱۷) فاعل منصوب نہیں ہوتا ہے، حالاں کہ "بَيْنَكُمْ" ایک قول کے مطابق تَقَطَّعَ کا فاعل ہے اور منصوب ہے۔ ایسا کیوں؟

ج ظروف زمان مبہم جو مبنی کی طرف مضاف ہو ان میں بناء راجح ہے لہٰذا اس کو اسی حالت پر برقرار رکھا جائے گا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ "بَيْنَكُمْ" مفعول فیہ ہے اور فعل کے ضمن میں جو مصدر مفہوم ہو رہا ہے وہ فاعل ہے یعنی "وَقَعَ التَّقَطُّعُ بَيْنَكُمْ". (بحوالہ حل الشواہد علی الفوائد الضیائیہ ص ۳۱، شرح شذور الذہب ص ۲۵)

س فاعل اسم ہوتا ہے، حالاں کہ بظاہر اسم نہیں بلکہ فعل ہے۔ جیسے شعر

يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِيْ   وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابَا

"مَا ذَهَبَ" "يَسُرُّ" فعل کا فاعل ہے، مگر مَا ذَهَبَ کی شکل اسم جیسی نہیں ہے؟

ج مَا ذَهَبَ کے اندر مَا مصدریہ ہے لہٰذا یہ اسم تاویلی ہے، بمعنی ذَهَابُهَا۔ حروف مصدریہ تین ہیں مَا، أَنْ، أَنَّ۔

باب احكام الفاعل

وَلَا يَتَأَخَّرُ عَامِلُهُ عَنْهُ، وَلَا تَلْحَقُهُ عَلَامَةُ تَثْنِيَةٍ وَلَا جَمْعٍ، بَلْ يُقَالُ: قَامَ رَجُلَانِ وَرِجَالٌ وَنِسَاءٌ، كَمَا يُقَالُ قَامَ رَجُلٌ، وَشَذَّ "يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ"، "أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ" وَتَلْحَقُهُ عَلَامَةُ تَأْنِيْثٍ، إِنْ كَانَ مُؤَنَّثًا، كَـ "قَامَتْ هِنْدٌ" وَطَلَعَتِ الشَّمْسُ"

ترجمہ:۔ اور اسم فاعل کا عامل اسم فاعل سے مؤخر نہیں ہو سکتا، اور اس کے عامل کو تثنیہ اور جمع کی علامت لاحق نہیں ہو سکتی، بلکہ قَامَ رَجُلَانِ، وَرِجَالٌ، وَنِسَاءٌ ہی کہا جائے گا جیسا کہ قَامَ رَجُلٌ کہا جاتا ہے۔ اور "يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ" اور "أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ" (میں عامل کے ساتھ جمع کی علامت کا لاحق ہونا) شاذ کے قبیل سے ہے۔ اور اسم فاعل کے عامل کو علامت تانیث

لاحق ہوگی، بشرطیکہ اسم فاعل مؤنث ہو جیسے قَامَتْ هِنْدٌ اور طَلَعَتِ الشَّمْسُ۔

توضیح:- جب آپ نے فاعل کی تعریف مع فوائد قیود و امثلہ کے بالتفصیل جان لی تو اب یہاں سے فاضل مصنفؒ فاعل کے احکام کو بیان فرمارہے ہیں۔

اسم فاعل کے احکام: اسم فاعل کے چند احکام ہیں۔

حکم اول:- اسم فاعل کا عامل اسم فاعل سے مؤخر نہیں ہوگا جیسے قَامَ زَيْدٌ اور قَامَ أَخُوَاكَ میں، زَيْدٌ قَامَ اور أَخُوَاكَ قَامَ کہنا جائز نہیں، اس لیے کہ اس مثال میں عامل فعل قَامَ فاعل سے مؤخر ہے، اس عبارت کی اصل ترکیب یوں ہوگی۔ أَخُوَاكَ مبتداء، قَامَ فعل بافاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر أَخُوَاكَ مبتداء کی خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

حکم ثانی:- اسم فاعل کے عامل کو تثنیہ اور جمع کی علامت لاحق نہیں ہو سکتی لہذا "قَامَا أَخُوَاكَ" کہنا جائز نہیں ہوگا۔ اسی طرح "قَامُوْا إِخْوَتُكَ" اور "قُمْنَ نِسْوَتُكَ" کہنا بھی جائز نہیں، بلکہ مذکورہ تمام صورتوں میں "قَامَ" مفرد ہی لایا جائے گا، جیسا کہ قَامَ أَخُوكَ کہا جاتا ہے اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے۔

لیکن بعض اہل عرب کہتے ہیں کہ یہ علامتیں عامل کے ساتھ لاحق ہو سکتی ہیں۔ خواہ وہ عامل فعل ہو جیسے حضورؐ کا قول "يَتَعَاقَبُوْنَ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ" میں يَتَعَاقَبُوْنَ فعل مَلَائِكَةٌ اسم فاعل کا عامل ہے اور اس عامل کے ساتھ جمع کی علامت موجود ہے۔ یا وہ عامل اسم ہو جیسے حضور اکرمؐ کا فرمان "أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ" (کیا مجھے وہ لوگ نکال دیں گے) میں واؤ جمع کی علامت ہے۔

یہ کلمہ عالیہ بزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صادر ہوا جس وقت کہ ورقہ بن نوفل نے آپ سے کہا تھا کاش میں اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالت تعجب و تاسف یہ ارشاد فرمایا کہ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ بعض اہل عرب کے نزدیک اسم فاعل کے عامل کے ساتھ تثنیہ اور جمع کی علامتیں لاحق ہوتی ہیں ورنہ اکثر اہل عرب نے "يَتَعَاقَبُ فِيْكُمْ مَلَائِكَةٌ" اسی طرح أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ تخفیف الیاء ہی پڑھا ہے۔

حکم ثالث:- اسم فاعل جب مؤنث ہو تو اس کے عامل کو تاء تانیث لاحق ہوگی، لیکن ساکنہ لاحق ہوگی یا متحرکہ تو یہ دو شکلوں پر مبنی ہیں۔ اگر عامل فعل ماضی ہے تو تاء تانیث ساکنہ لاحق ہوگی اور اگر صیغہ وصف ہے تو متحرکہ لاحق ہوگی جیسے قَامَتْ هِنْدٌ یہ فعل ماضی کی مثال ہے۔ اور زَيْدٌ قَائِمَةٌ أُمُّهُ یہ صیغہ وصف کی مثال ہے۔

وَيَجُوزُ الْوَجْهَانِ فِي مَجَازِيِّ التَّأْنِيثِ الظَّاهِرِ، نَحْوُ: (قَدْ جَاءَ تْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ)، (قَدْ جَاءَ كُمْ بَيِّنَةٌ)، وَفِي الْحَقِيقِيِّ الْمُنْفَصِلِ، نَحْوُ "حَضَرَتِ الْقَاضِيَ اِمْرَأَةٌ" وَالْمُتَّصِلِ فِي بَابِ "نِعْمَ، وَبِئْسَ" نَحْوُ "نِعْمَتِ الْمَرْأَةُ هِنْدٌ" وَفِي الْجَمْعِ، نَحْوُ: (قَالَتِ الْأَعْرَابُ) إِلَّا جَمْعَيِ التَّصْحِيحِ فَكَمُفْرَدَيْهِمَا، نَحْوُ: "قَامَ الزَّيْدُوْنَ" وَ "قَامَتِ الْهِنْدَاتُ".

ترجمہ:- اور دونوں شکلیں جائز ہیں تانیث ظاہری مجازی میں جیسے "قَدْ جَاءَ تْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ" (تحقیق کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آچکی) "قَدْ جَاءَ كُمْ بَيِّنَةٌ" (تحقیق کہ تمہارے پاس دلیل آچکی) اور مؤنث حقیقی منفصل میں جیسے "حَضَرَتِ الْقَاضِيَ اِمْرَأَةٌ" (عورت قاضی کے پاس حاضر ہوئی) اور مؤنث حقیقی متصل میں نِعْمَ اور بِئْسَ کے باب میں جیسے "نِعْمَتِ الْمَرْأَةُ هِنْدٌ" (ہندہ اچھی عورت ہے) اور جمع میں، جیسے "قَالَتِ الْأَعْرَابُ" (دیہاتیوں نے کہا) مگر تصحیح کے دونوں جمع تو ان دونوں کے مفرد کے مطابق ہوگا جیسے "قَامَ الزَّيْدُوْنَ" اور "قَامَتِ الْهِنْدَاتُ".

اسم فاعل کے عامل کو تائے تانیث کے الحاق کی صورتیں:

وَيَجُوزُ الْوَجْهَانِ الخ کبھی اسم فاعل کے عامل کو تاء تانیث لاحق کرنا جائز ہوتا ہے اور کبھی واجب، لیکن وہ کون سے مقامات ہیں جہاں تاء تانیث کا الحاق جائز ہے اور کہاں واجب ہے تو ان مقامات کے معلومات سے پہلے بطور تمہید چند چیزیں ذہن نشین فرمالیں تا کہ مسائل کا سمجھنا آسان اور سہل ہو۔

مؤنث حقیقی کی تعریف: ایسے مؤنث کو کہتے ہیں جس کے بالمقابل کوئی جاندار مذکر آئے خواہ تاء تانیث لفظوں میں ہو یا نہ ہو جیسے اِمْرَأَةٌ کے مقابلہ میں رَجُلٌ آتا ہے اِمْرَأَةٌ میں تاء تانیث موجود ہے اور أَتَانٌ کے مقابلہ میں جَمَلٌ آتا ہے لیکن أَتَانٌ میں تاء تانیث موجود نہیں ہے۔

مؤنث مجازی کی تعریف: ایسے مؤنث کو کہتے ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر نہ آئے جیسے شَمْسٌ، عَيْنٌ۔ اسے مؤنث غیر حقیقی اور لفظی بھی کہتے ہیں۔

تاء تانیث کے الحاق اور عدم الحاق کی صورتیں:

تمہیدی کلمات ذہن نشین کرنے کے بعد یہ دھیان رہے کہ اسم فاعل کے عامل کے ساتھ تاء تانیث کالاحق کرنا اور نہ کرنا چار مسائل میں جائز ہیں۔

پہلا مسئلہ: اسم فاعل اسم ظاہر ہو اور مؤنث مجازی ہو تو ایسے فاعل کو تاء تانیث کا لاحق کرنا جائز ہے۔جیسے "طَلَعَتِ الشَّمْسُ اور طَلَعَ الشَّمْسُ" ان دونوں مثالوں میں "اَلشَّمْسُ" فاعل اسم ظاہر مؤنث مجازی ہے اور عامل کے ساتھ تاء تانیث کا الحاق اور عدم الحاق دونوں درست ہیں اور دونوں طرح سے یہاں مستعمل ہیں۔اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ" اور "قَدْ جَاءَ كُمْ بَيِّنَةٌ" ان دونوں مثالوں میں مَوْعِظَةٌ، بَيِّنَةٌ اسم فاعل مؤنث مجازی ہیں اور ان کے عوامل کے ساتھ تاء تانیث کا الحاق اور عدم الحاق دونوں طرح مستعمل ہیں،لیکن تاء تانیث کا الحاق زیادہ راجح اور اولیٰ ہے۔

دوسرا مسئلہ: فاعل اسم ظاہر ہو اور مؤنث حقیقی ہو،فاعل اور عامل کے درمیان حرف اِلّا کے علاوہ کے ذریعہ فصل کیا گیا ہو تو اس وقت عامل کو تاء تانیث لاحق کرنا اور نہ کرنا دونوں صورتیں جائز ہیں جیسے "حَضَرَتِ الْقَاضِيَ اِمْرَاَةٌ" اور "حَضَرَ الْقَاضِيَ اِمْرَاَةٌ" دونوں طرح پڑھنا درست ہے، کیوں کہ مذکورہ مثال میں اِمْرَاَةٌ اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہے اور حَضَرَتْ عامل ہے فاعل اور عامل کے درمیان لفظ اَلْقَاضِي کے ذریعہ فصل کیا گیا ہے جو لفظ اِلّا کے علاوہ ہے لہٰذا عامل کے ساتھ تاء تانیث کا الحاق وعدم الحاق دونوں درست ہے۔

تیسرا مسئلہ: فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہو اور فاعل لفظ نِعْمَ یا بِئْسَ ہو تو عامل کے ساتھ تاء تانیث کا لاحق کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہوگا۔جیسے نِعْمَتِ الْمَرْاَةُ اور نِعْمَ الْمَرْاَةُ هِنْدٌ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

چوتھا مسئلہ: فاعل اسم ظاہر جمع مکسر ہو تو فاعل کے عامل کے ساتھ الحاق وعدم الحاق دونوں جائز ہے جیسے "جَاءَتِ الزُّيُوْدُ" اور "جَاءَ الزُّيُوْدُ" اسی طرح "جَاءَتِ الْهُنُوْدُ" اور "جَاءَ الْهُنُوْدُ" دونوں امر اس جمع میں اس وجہ سے جائز ہیں کہ جن بعض لوگوں نے یہ جمع جماعت کی تاویل میں لیا انہوں نے الجماعت کے معنی پر محمول کر کے مؤنث لائے اور جن لوگوں نے اَلْجَمْعِ کے معنی پر محمول کیا وہ مذکر لائے لیکن جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم کا حکم ایسا نہیں ہے بلکہ یہ دونوں جمع سابق حکم سے مستثنیٰ ہیں، لہٰذا ان دونوں جمع کے لیے مفرد کی طرح عامل مفرد لائے جائیں گے جیسے جَاءَتِ الْهِنْدَاتُ تاء تانیث کے ساتھ پڑھی جائے گی جس طرح جَاءَتْ هِنْدٌ پڑھی جاتی ہے اور قَامَ الزَّيْدُوْنَ بغیر تاء کے پڑھا جائے گا،جس طرح قَامَ زَيْدٌ بغیر تاء کے پڑھا جاتا ہے۔

تاء تانیث کا لاحق ہونا واجب کب؟

اسم فاعل کے عامل کے ساتھ تاء تانیث کا لاحق کرنا دو مسائل میں واجب ہے۔

پہلا مسئلہ: فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہو، فاعل اور عامل کے درمیان فصل نہ کیا گیا ہو اور عامل نِعْمَ یا بِئْسَ کے بعد واقع نہ ہو تو ایسے اسم فاعل کے عامل کے ساتھ تاء تانیث کا لاحق کرنا واجب ہے جیسے "اِذْ قَالَتْ اِمْرَأَةُ عِمْرَانَ" (وہ وقت قابل ذکر ہے، جس وقت عمران کی بیوی نے کہا) اس مثال میں لفظ "اِمْرَأَةُ" فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہے اور اس کے اور عامل کے درمیان نہ کوئی فصل ہے اور نہ فاعل نِعْمَ یا بِئْسَ کے بعد واقع ہے، لہٰذا تاء تانیث کا لاحق کرنا واجب ہے۔

دوسرا مسئلہ: اگر فاعل ضمیر متصل ہو خواہ مؤنث حقیقی کی طرف راجع ہو یا مؤنث غیر حقیقی کی طرف ہر صورت میں عامل کو تاء تانیث لاحق کرنا ضروری ہے، کیوں کہ اس وقت فاعل کی تانیث فعل کی تانیث میں اثر کرے گی، لہٰذا اس وقت فاعل کا اتصال فعل کے ساتھ شدید ہوگا جو سرایت کو واجب کرتا ہے اس وجہ سے فعل کو مؤنث لانا واجب ہو جاوے گا۔ اور مذکر لانا جائز نہ ہوگا جیسے اَلشَّمْسُ طَلَعَتْ۔

وَاِنَّمَا امْتَنَعَ فِي النَّثْرِ "مَا قَامَتْ اِلَّا هِنْدٌ" لِاَنَّ الْفَاعِلَ مُذَكَّرٌ مَحْذُوْفٌ كَحَذْفِهٖ فِي نَحْوِ "اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَّتِيْمًا" وَ "قُضِيَ الْاَمْرُ" "وَاَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ" وَيَمْتَنِعُ فِيْ غَيْرِهِنَّ۔

ترجمہ:۔ اور نثر "مَا قَامَتْ اِلَّا هِنْدٌ" میں تاء تانیث کا لاحق کرنا ممتنع ہے اس لیے کہ فعل کا فاعل مذکر محذوف ہے، جیسا کہ "اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ، يَّتِيْمًا" اور "قُضِيَ الْاَمْرُ" اور "اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ" میں فاعل محذوف ہے اور ان کے علاوہ میں بھی تاء تانیث کا لاحق کرنا ممتنع ہے۔

تشریح:۔ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ "مَا قَامَتْ اِلَّا هِنْدٌ" جیسی نثر میں عامل کے ساتھ تاء تانیث کا لاحق کرنا ناجائز ہے، حالاں کہ قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس میں دونوں صورتیں جائز ہوتیں بلکہ تاء تانیث کا الحاق راجح ہوتا جیسا کہ "حَضَرَتِ الْقَاضِيَ اِمْرَأَةٌ" میں دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اور تاء تانیث کے ساتھ پڑھنا راجح ہے، لیکن علمائے نحو نے اس نثر میں ترک تاء کو واجب قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ مثال میں "اِلَّا" کے بعد حقیقتاً لفظ "هِنْدٌ" فاعل نہیں بلکہ "اِلَّا" سے پہلے فاعل مقدر ہے، اس سے وہ بدل واقع ہے اور وہی فاعل مقدر مستثنیٰ منہ ہے اور مذکر ہے، اس وجہ سے عامل کا مذکر لانا ضروری ہوا اور تقدیری عبارت یوں ہوگی۔ "مَا قَامَ اَحَدٌ اِلَّا هِنْدٌ"

مذکورہ بالا صورت ان مقامات اربعہ کی ایک کڑی ہے جس میں فاعل کا حذف کرنا جائز ہے۔ دوسری صورت مصدر کا فاعل جب کہ اس کے ساتھ فاعل اسم ظاہر مذکر نہ ہو، کیوں کہ فاعل کے لیے مصدر میں ضمیر نہیں مانی جاسکتی۔ لِاَنَّ الْمَصْدَرَ غَيْرُ مُشْتَقٍّ عِنْدَ الْبَصْرِيِّيْنَ فَلَا يَتَحَمَّلُ ضَمِيْرًا

جیسے باری تعالیٰ کا قول "اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَیْ اِطْعَامُهُ یَتِیْمًا" (یا کھلانا بھوک کے دن میں یتیم کو جو قرابت والا ہے۔ پارہ۳۰،سورۃ البلد آیت ۱۴،۱۵) اس آیت کریمہ میں اطعام مصدر کا فاعل محذوف ہے۔

تیسری صورت باب النیابت میں فاعل کو اس طرح حذف کریں کہ اس کی جگہ مفعول بہ یا کسی معمول کو جس کا اس کی جگہ قائم کرنا درست ہوتا ہے قائم کردیں تو فاعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے "قُضِیَ الْاَمْرُ" کہ اس کی اصل قَضَی اللّٰهُ الْاَمْرَ تھی، فاعل کو حذف کرکے مفعول بہ کو نائب فاعل بنا دیا گیا ہے ۔۔۔۔ چوتھی صورت اَفْعِلْ فِی التَّعَجُّبِ کے فاعل کا حذف کرنا جائز ہے، بشرطیکہ دلالت کرے اس پر وہ جو ما قبل میں اسی کے مثل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ" سے بهم کو حذف کردیا گیا ہے، "بِهِمْ" کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اور بقول جمہور وہ فاعلیت کی بناء پر حالت رفع میں ہے، لہٰذا فاعل کا محذوف ہونا پایا گیا ہے۔

بابٌ: اَلْاَصْلُ فِی الْفَاعِلِ اَنْ یَّلِیَ الْفِعْلَ

وَالْاَصْلُ اَنْ یَّلِیَ عَامِلَهُ وَقَدْ یَتَأَخَّرُ: جَوَازًا نَحْوَ: (وَلَقَدْ جَاءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ) وَ "كَمَا اَتٰى مُوْسٰى عَلٰى قَدَرٍ" وَوُجُوْبًا نَحْوَ: (وَاِذِابْتَلٰى اِبْرَاهِيْمَ رَبُّهُ) وَ "ضَرَبَنِيْ زَيْدٌ" وَقَدْ يَجِبُ تَاخِيْرُ الْمَفْعُوْلِ كَـ "ضَرَبْتُ زَيْدًا" وَ "مَا اَحْسَنَ زَيْدًا" وَ "ضَرَبَ مُوْسٰى عِيْسٰى" بِخِلَافِ "اَرْضَعَتِ الصُّغْرٰى الْكُبْرٰى" وَقَدْ يَتَقَدَّمُ عَلَى الْعَامِلِ: جَوَازًا نَحْوَ (فَرِيْقًا هَدٰى) وَ وُجُوْبًا نَحْوَ: (اَيًّا مَّا تَدْعُوْا): وَاِذَا كَانَ الْفِعْلُ نِعْمَ اَوْ بِئْسَ فَالْفَاعِلُ اِمَّا مُعَرَّفٌ بِاَلِ الْجِنْسِيَّةِ نَحْوَ: (نِعْمَ الْعَبْدُ) اَوْ مُضَافٌ لِمَا هِيَ فِيْهِ نَحْوَ: (وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ) اَوْ ضَمِيْرٌ مُسْتَتِرٌ بِتَمْيِيْزٍ مُطَابِقٍ لِلْمَخْصُوْصِ، نَحْوَ: (بِئْسَ لِلظَّالِمِيْنَ بَدَلًا).

ترجمہ:۔ اسم فاعل کا اپنے عامل سے متصل ہونا اصل ہے۔ اور کبھی جوازی طور پر مؤخر ہوتا ہے جیسے "وَلَقَدْ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ" اور كَمَا اَتٰى مُوْسٰى عَلٰى قَدَرٍ" اور کبھی وجوباً مؤخر ہوتا ہے۔ جیسے "وَاِذِ ابْتَلٰى اِبْرَاهِيْمَ رَبُّهُ" اور "ضَرَبَنِيْ زَيْدٌ" اور کبھی مفعول کا مؤخر کرنا واجب ہوتا ہے جیسے "ضَرَبْتُ زَيْدًا" اور "مَا اَحْسَنَ زَيْدًا" اور "ضَرَبَ مُوْسٰى عِيْسٰى" برخلاف "فَرِيْقًا

هٰذِی" اور کبھی وجوباً مقدم ہوتا ہے جیسے "اَیًّا مَّا تَدْعُوْا" اور جب فعل نِعْمَ یا بِئْسَ ہو تو فاعل یا تو الف لام جنسی کے ذریعہ معرفہ بنالیا جاتا ہے جیسے "نِعْمَ الْعَبْدُ" یا ایسے اسم کی طرف مضاف ہوگا جس میں الف لام جنسی ہو جیسے "وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ" یا فاعل ایسا ضمیر مستتر ہوگا جس کی تفسیر ایسے تمیز سے کی گئی ہوگی جو مخصوص کے مطابق ہو جیسے "بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا"۔

فعل، فاعل اور مفعول کی اصلیت:

والاصل ان یلی عاملہ الخ فاضل مصنفؒ نے فرمایا کہ فعل اور فاعل کلمۂ واحد کے مانند ہے چنانچہ ان دونوں کا متصلاً آنا ان دونوں کا حق ہے، اس لیے کہ فاعل بوجہ شدت احتیاج کے فعل کی طرف اس کے جزء کے مانند ہے اس وجہ سے فاعل کے لیے اصل یہی ہے کہ وہ فعل کے متصل ہو اور ان دونوں کے بعد مفعول آئے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ" (اور سلیمانؑ داؤد کے قائم مقام ہوئے۔ پارہ ۱۹، سورہ نمل آیت ۱۶) میں فعل فاعل اور مفعول علی الترتیب مذکور ہیں۔

اس بیان سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ تلفظ میں فاعل کا مفعول کے بعد آنا جائز ہے۔ جیسے پہلے آنا جائز ہے، لیکن یہ جواز مقدم اور مؤخر آنے کا اسی وقت تک ہے جب تک کوئی مانع موجود نہ ہو اور اگر کوئی ایسا مانع موجود ہو کہ مفعول پر مؤخر کرنا جائز نہ ہے تو اس وقت مفعول پر تقدیم واجب ہو جاتی ہے۔

اسم فاعل کے تقدیم وتاخیر کا جوازی قاعدہ:

وَقَدْ یَتَأَخَّرُ جَوَازًا الخ فاعل اور مفعول میں جب اعراب لفظی منتفی نہ ہو اور نہ التباس کا خوف ہو تو فاعل کو مفعول سے پہلے بھی لانا جائز ہے۔ اور مفعول سے مؤخر کرنا بھی جائز ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَقَدْ جَآءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ" (اور فرعونیوں کے پاس ڈرانے والے پہنچے۔ پارہ ۲۷، سورہ قمر، آیت ۴۱) میں آلَ فِرْعَوْنَ مفعول مقدم ہے، اور النُّذُرُ فاعل مؤخر ہے اور یہ تاخیر جائز ہے۔ نیز جَآءَ النُّذُرُ آلَ فِرْعَوْنَ کہنا بھی جائز ہے، اس لیے کہ اعراب لفظی موجود ہے اور کسی اشتباہ والتباس کا خوف بھی نہیں ہے۔

اور شاعر کا قول جَاءَ الْخِلَافَةَ اَوْ كَانَتْ لَهٗ قَدَرًا ۔ كَمَا اَتٰى رَبَّهٗ مُوْسٰى عَلٰى قَدَرٍ (وہ برسر اقتدار ہوا اس کے لیے خلافت مقدر تھی جیسا کہ موسیٰ اپنے رب کے پاس وقت مقررہ پر آئے) میں "رَبَّهٗ" مفعول مقدم اور "مُوْسٰى" فاعل مؤخر ہے اور یہ جائز ہے، اگر كَمَا اَتٰى مُوْسٰى رَبَّهٗ کہا جائے تو بھی جائز ہے، اس لیے کہ اعراب لفظی موجود ہونے کی وجہ سے کسی اشتباہ والتباس کا خوف نہیں ہے، نیز اس وقت لفظاً ورتبۃً ضمیر متقدم پر عود کر رہی ہے اور ضمیر کے عود کرنے میں یہی اصل ہے۔

فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے:

ووجوبًا نحو "وَاِذِابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ" فاضل مصنفؒ نے اس سے پہلے دو صورتیں بیان کیں جہاں فاعل کا مفعول پر مقدم کرنا اور مفعول سے مؤخر کرنا دونوں جائز ہے۔ اب وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جہاں فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے۔

(۱) فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو، یعنی وہ ضمیر مفعول کی طرف راجع ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَاِذِابْتَلٰی اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ" (اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں۔ پارہ۱، سورہ بقرہ آیت۱۲۴) اس آیت میں رَبُّهٗ فاعل اپنے مفعول اِبْرَاهِیْمَ سے مؤخر ہے اور فاعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہے اور تاخیر کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر فاعل کو مفعول سے پہلے ذکر کیا جائے اور اِذِابْتَلٰی رَبُّهٗ اِبْرَاهِیْمَ کہا جائے تو اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً دونوں طرح سے لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں ہے۔

(۲) فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو اور فاعل کی ضمیر متصل نہ ہو جیسے "ضَرَبَنِیْ زَیْدٌ" تو اس صورت میں بھی فاعل کا مؤخر کرنا واجب ہے، اگر فاعل کو مقدم کردیں اور ضَرَبَ زَیْدٌ اِیَّایَ کہیں تو "یْ" ضمیر جو متصل ہے اس کو فعل سے علاحدہ بیان کرنا پڑے گا اور اس صورت میں متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا۔

(۳) فاعل اِلَّا کے بعد واقع ہو اس صورت میں مفعول کا انحصار فاعل میں ہوتا ہے جیسے "مَا ضَرَبَ عمرًا اِلَّا زَیْدٌ" اگر فاعل کو مقدم کردیا جائے تو فاعل کا حصر مفعول پر ہوجائے گا جو خلاف مقصود ہے۔

(۴) اِنَّمَا کے ساتھ فاعل اور مفعول کا استعمال ہو اور مفعول کا حصر فاعل میں ہو تو اس صورت میں فاعل کا مؤخر کرنا واجب ہے۔ جیسے اِنَّمَا ضَرَبَ عمرًا زَیْدٌ اس میں عمرو کی مضروبیت کا حصر زید کی ضاربیت پر ہو رہا ہے، اگر فاعل کو مقدم کردیں گے تو ضاربیت کا حصر عمرو کی مضروبیت میں ہوگا اور یہ مقصود کے خلاف ہے۔

مفعول کا مؤخر کرنا واجب ہے:

وَقَدْ یَجِبُ تَاخِیْرُ المفعولِ الخ اس سے پہلے دو صورتیں بیان کی تھیں جہاں فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے، اب وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جہاں مفعول کا فاعل سے مؤخر کرنا واجب ہے۔ اس کی بھی چند صورتیں ہیں۔

(۱) جب فاعل اور مفعول سے اعراب لفظی اور قرینہ جوکہ فاعلیت اور مفعولیت پر دلالت کرتا ہے دونوں منتفی ہوجائیں تو اس صورت میں تاخیر مفعول از فاعل واجب ہوجاتی ہے، کیوں کہ اگر تاخیر واجب نہ ہوتو فاعل اور مفعول کے درمیان التباس واشتباہ لازم آوے گا اور معلوم نہ ہوگا کہ کون فاعل ہے اور کون مفعول جیسے ضَرَبَ موسٰی عیسٰی یہ دونوں اسم مقصورہ ہیں اور فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ بھی نہیں ہے، اس وجہ سے فاعل یعنی موسٰی کی تقدیم اس مثال میں مفعول یعنی عیسٰی پر واجب ہوگی۔

الف مقصورہ کی تعریف:

اس سے مراد ایسا اسم ہے کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے سلمٰی، بشریٰ، کبریٰ۔

(۲) جب فاعل ضمیر مرفوع متصل ہو جیسے ضَرَبْتُ زَیْدًا تو فاعل کی تقدیم اور مفعول کی تاخیر واجب ہوگی۔ اور یہ اس وجہ سے واجب ہے کہ جب فاعل ضمیر متصل ہے تو اگر مقدم نہ کریں اور مؤخر کردیں تو اس صورت میں اتصال ختم ہوجائے گا اور متصل کو منفصل کرنا لازم آئے گا۔ و ذالك لایجوز۔

(۳) جب فاعل کا مفعول اِلَّا کے بعد واقع ہو۔ یعنی مفعول کا حصر کرنا مقصود ہو جیسے مَا ضَرَبَ زَیدٌ اِلَّا عمروًا تو مفعول کی تاخیر واجب ہوگی اور وجہ تاخیر یہ ہے کہ فاعل اور مفعول میں سے اِلَّا کے بعد جو واقع ہوگا اس میں حصر ہوگا اس لیے مفعول پر حصر کی صورت میں مفعول کا فاعل سے مؤخر کرنا واجب ہوگا، اگر اس کے خلاف کیا جائے تو فاعل پر حصر ہوجائے گا اور وہ خلاف مقصود ہے۔

(۴) جب فاعل کا مفعول اِنَّمَا کے بعد واقع ہو تو مفعول کا مؤخر کرنا واجب ہے تاخیر مفعول کی وجہ یہ ہے کہ اِنَّمَا کا حال یہ ہے کہ جس پر حصر ہوتا ہے اس کو آخر میں لاتے ہیں تو اگر فاعل کا حصر مفعول پر ہے تو فاعل کو مقدم کریں گے اور مفعول کو مؤخر کریں گے ورنہ مقصود کے خلاف لازم آئے گا۔

قرینہ سے مراد: وہ شئی ہے، جو تعیین مراد پر بلا وضع دلالت کرے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ قرینہ لفظیہ، قرینہ معنویہ۔ اول کی مثال جیسے ضَرَبَتْ موسٰی حُبْلٰی کہ ضَرَبَتْ فعل کی تاء تانیث فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرتی ہے، لہٰذا حُبْلٰی فاعل ہے۔

ثانی کی مثال جیسے اَكَلَ الْكُمَّثْرٰی مُوْسٰی (موسیٰ نے ناشپاتی کھائی) کھانے والا ازروئے عقل موسیٰ ہی ہوسکتا ہے نہ کہ ناشپاتی۔

قرینہ پائے جانے کے وقت تقدیم وتاخیر دونوں جائز ہیں:

بخلاف اَرْضَعَتِ الصُّغْرٰی الْكُبْرٰی الخ اگر فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں مگر

التباس کا خوف نہ ہو اور نشاندہی کے لیے قرینہ معنویہ پایا جائے تو پھر فاعل کو مقدم اور مفعول کو مؤخر کرنا واجب نہیں، بلکہ تقدیم وتاخیر دونوں جائز ہیں۔ جیسے "اَرْضَعَتِ الصُّغْرٰی الْکُبْرٰی" میں اَلْکُبْرٰی فاعل ہے، کیوں کہ قرینہ معنویہ بتا رہا ہے کہ کُبْرٰی ہی صُغْرٰی کو دودھ پلا سکتی ہے، اسی طرح "اَکَلَ الْکُمَّثْرٰی مُوْسٰی" میں از روئے عقل قرینہ معنویہ بتلا رہا ہے کہ موسیٰ فاعل ہے، کیوں کہ موسیٰ ہی ناشپاتی کھا سکتا ہے۔

یا قرینہ لفظیہ پایا جائے جیسے "ضَرَبَتْ مُوْسٰی سَلْمٰی" اس میں فعل کے ساتھ تاء تانیث ساکنہ کا اتصال بتا رہا ہے کہ فاعل سلمٰی ہے۔ اسی طرح ضَرَبَ موسی العَاقِلُ عیسٰی میں مُوْسٰی کی صفت اَلْعَاقِلُ جب حالت رفع میں ہے تو موسٰی موصوف ضرور حالت رفعی میں ہوگا اور حالت رفعی میں ہونا فاعلیت کی علامت ہے۔

ماحصل یہ نکلا کہ اگر فاعل اور مفعول دونوں اسم مقصور ہوں مگر التباس کا خوف نہ ہو تو پھر تقدیم و تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ اور تقدیم فاعل واجب بھی نہیں۔

ضَرَبَ موسی عیسٰی کی تشریح: جس طرح مثال مذکور میں موسیٰ اور عیسیٰ دونوں اسم مقصور ہیں اور فاعل کی فاعلیت اور مفعول کی مفعولیت پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ بھی نہیں۔ اس وجہ سے اس مثال میں مفعول کا صرف فاعل پر مقدم کرنا جائز نہیں، اسی طرح اس میں فاعل اور فعل دونوں پر مقدم کرنا جائز نہیں، تاکہ یہ وہم نہ ہو سکے کہ وہ مبتداء ہے اور فعل اس کی ضمیر کا متحمل ہے اور مفعول ہے۔

مفعول کا عامل پر مقدم ہونا جائز ہے؟

وقد یتقدم علی العامل جوازًا الخ جس وقت فاعل اور مفعول سے اعراب لفظی اور فاعلیت ومفعولیت پر دلالت کرنے والا قرینہ معنوی نہ ہو، نہ التباس کا خوف ہو تو پھر مفعول کو فاعل اور فعل دونوں پر مقدم کرنا جائز ہے، اس سے کوئی مانع نہ ہونے کی وجہ سے، جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًا کو "عَمْرًا ضَرَبَ زَیْدٌ" پڑھنا درست ہے، اس لیے کہ اعراب لفظی کی موجود ہونے کی بناء پر کسی طرح کا التباس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَرِیْقًا هَدٰی" (ایک فرقہ کو ہدایت کی۔ پارہ ۸، سورہ اعراف۔ آیت ۳۰) میں فَرِیْقًا مفعول فعل پر مقدم ہے اور یہ یہاں جائز ہے۔

مفعول کا فعل پر مقدم کرنا واجب ہے؟

وَوُجُوبًا نحو أَیًّا مَا تَدْعُوْا الخ کی تشریح: فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی مفعول کا فعل پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ

الْحُسْنٰى" (جو کچھ کر پکارو گے سو اسی کے ہیں سب اچھے نام۔ پارہ ۱۵، سورۃ الاسراء آیت ۱۱۰) میں اَيًّا تَدْعُوْا فعل کے لیے مفعول ہے جو وجوبًا تَدْعُوْا پر مقدم ہے، وجہ تقدیم یہ ہے کہ اَيًّا حرف شرط ہے اور حرف شرط اپنے لیے صدر کلام چاہتا ہے، لہٰذا صدارت کلام کا متقاضی ہونے کی بناء پر تَدْعُوْا فعل پر مقدم کیا گیا اور فعل کو اسی حرف شرط کی وجہ سے جزم آیا ہے۔

افعال مدح وذم کے فاعل کی صورتیں:

وَاِذَا كَانَ الْفِعْلُ نِعْمَ اَوْ بِئْسَ فَالْفَاعِلُ الخ کی تشریح: زیر بحث مسئلہ سمجھنے سے پہلے بطور تمہید کے چند اصولی باتیں ذہن نشین فرما لیجیے تاکہ اقرب الی الفہم ثابت ہو۔ افعال مدح وذم کی تعریف اس سے مراد وہ افعال ہیں جو (انشاء مدح وذم) اچھائی یا برائی ثابت کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہوں لہٰذا مَدَحْتُهٗ وَذَمَمْتُهٗ (میں نے اس کی مدح کی اور میں نے اس کی مذمت کی) اگرچہ مدح وذم پر دلالت کرتے ہیں، مگر ان کو افعال مدح وذم نہیں کہیں گے، کیونکہ ان کے اندر انشاء نہیں ہے بلکہ خبر ہے۔

افعال مدح وذم چار ہیں، نِعْمَ، حَبَّذَا، (برائے مدح) بِئْسَ، سَاءَ (برائے ذم) جیسے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ" (زید اچھا آدمی ہے) "بِئْسَ الرَّجُلُ عمروٌ" (عمرو برا آدمی ہے) جس کی تعریف یا مذمت بیان کی جائے اس کو مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم کہتے ہیں۔ اور مخصوص بالمدح والذم کو بوقت قرینہ حذف بھی کیا جا سکتا ہے۔ جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ دراصل نِعْمَ الْعَبْدُ اَيُّوْبُ ہے۔

تمہیدی کلمات ذہن نشین فرما لینے کے بعد اصل مسئلہ زیر قرطاس یہ ہے کہ نِعْمَ، بِئْسَ کے فاعل کی تین صورتیں ہیں (۱) فاعل یا تو معرف باللام ہوگا جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ (بندہ کیسا اچھا ہے) اس مثال میں اَلْعَبْدُ نِعْمَ کا فاعل ہے جو کہ معرف باللام ہے۔

(۲) یا فاعل معرف باللام کی طرف مضاف ہو یعنی نِعْمَ یا بِئْسَ کا فاعل ایسے اسم کا مضاف ہو جو معرف باللام ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ" (اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا۔ پارہ ۱۴، سورہ نحل آیت ۳۰) میں لفظ "دَارُ" نِعْمَ کا فاعل ہے اور معرف باللام "الْمُتَّقِيْنَ" کی طرف مضاف ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ" (سو کیا برا ٹھکانہ ہے غرور کرنے والوں کا۔ پارہ ۱۴، سورہ نحل آیت ۲۹) اس آیت میں لفظ "مَثْوٰى" "بِئْسَ" کا فاعل ہے اور یہ معرف باللام کی طرف مضاف ہے۔

(۳) یا فاعل ایسی ضمیر مستتر ہو جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہو اور اس تمیز سے اس کی تفسیر ہو رہی ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا" (برا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلہ۔ پارہ ۱۵، کہف

آیت ۵۰) میں بِئْسَ کا فاعل هُوَ ضمیر پوشیدہ ہے جس کی تفسیر لفظ "بَدَلًا" سے ہو رہی ہے اور یہ نکرہ منصوب علی التمیز ہے۔

مخصوص بالمدح کی تعریف:

فعل مدح کے فاعل کے بعد ایسا اسم مرفوع لایا جائے جو اس مدح کے ساتھ مخصوص ہو۔ یعنی اس کی تعریف کی جارہی ہے جیسے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ (زید کیا ہی اچھا آدمی ہے)

مخصوص بالذم کی تعریف:

فعل ذم کے فاعل کے بعد ایک اسم مرفوع آتا ہے جس کی مذمت کی جاتی ہے اس کو مخصوص بالذم کہتے ہیں۔

نوٹ:۔ نعم کا فاعل اسم ظاہر ہوگا یا مضمر ہوگا، اگر ظاہر ہوگا تو مخصوص بالمدح والذم کے ساتھ لایا جائے گا جیسے نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ یا مضمر ہوگا تو اس کی تمیز مخصوص بالمدح والذم کے ساتھ لائی جائے گی جیسے نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ کہ اس میں رَجُلًا سے پہلے هُوَ ضمیر پوشیدہ ہے اور رَجُلًا تمیز ہے جو زید مخصوص بالمدح کے ساتھ لایا گیا ہے۔

نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ میں ترکیب کے اعتبار سے مخصوص بالمدح کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) یہ اسم مبتداء مؤخر ہو اور اس کا ماقبل خبر مقدم۔ اور ان دونوں کے درمیان رابطہ وہ عموم ہو جو الف لام میں موجود ہے اگر کوئی کہے کہ مبتداء کی خبر جب جملہ ہو تو اس میں عائد ہونا چاہیے، حالاں کہ اس جگہ ضمیر نہیں جو مبتداء کی طرف عائد ہو؟ جواب یہ ہے کہ عائد کے لیے فقط ضمیر کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ میں الف لام عہدی بھی عائد ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ مخصوص مذکور مبتداء محذوف کی خبر ہو، اور نِعْمَ الرَّجُلُ علاحدہ جملہ فعلیہ ہو تو اس وقت نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ دو جملے ہوں گے، ایک فعلیہ یعنی نِعْمَ الرجلُ اور دوسرا اسمیہ یعنی هُوَ زَيْدٌ، پس اس جملہ کی خبر اول یعنی هُوَ محذوف ہے۔

مخصوص بالمدح والذم کے فاعل پر تقدیم کا حکم:

مخصوص بالمدح والذم کا فاعل پر مقدم کرنا بالاجماع جائز نہیں ہے، چنانچہ "نِعْمَ الرَّجُلُ زَيْدٌ" کو "نِعْمَ زَيْدٌ الرَّجُلُ" کہنا جائز نہیں۔

(۲) مخصوص بالمدح والذم کا تمیز پر بھی مقدم کرنا جائز نہیں۔ اس میں کوفیوں کا اختلاف ہے، چنانچہ "نِعْمَ رَجُلًا زَيْدٌ" کو نِعْمَ زَيْدٌ رَجُلًا کہنا درست نہیں۔

(۳) مخصوص بالمدح والذم کا فعل اور فاعل دونوں پر مقدم کرنا جائز ہے بالاتفاق جیسے زید نعم الرجل"

(۴) کبھی مخصوص بالمدح والذم کو قرینہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے جیسے باری تعالی کا قول "إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ" (ہم نے اس کو پایا صبر کرنے والا بہت خوب بندہ، حقیقتاً وہ بے رجوع رہنے والا۔ پارہ ۲۳، سورہ ص آیت ۴۴) میں لفظ "أَيُّوبُ" محذوف ہے جو کہ مخصوص بالمدح ہے۔

باب نائب الفاعل وبعض اسباب حذف الفاعل

بَابُ النَّائِبِ عَنِ الفَاعِلِ: يُحْذَفُ الفَاعِلُ فَيَنُوبُ عَنْهُ فِي أَحْكَامِهِ كُلِّهَا مَفْعُولٌ بِهِ، فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ فَمَا اخْتَصَّ وَتَصَرَّفَ مِنْ ظَرْفٍ أَوْ مَجْرُورٍ أَوْ مَصْدَرٍ، وَيُضَمُّ أَوَّلُ الفِعْلِ مُطْلَقًا، وَيُشَارِكُهُ ثَانِي نَحْوُ: تُعُلِّمَ، وَثَالِثُ نَحْوُ أُنْطُلِقَ، وَيُفْتَحُ مَا قَبْلَ الآخِرِ فِي المُضَارِعِ، وَيُكْسَرُ فِي المَاضِي، وَلَكَ فِي نَحْوِ قَالَ وَبَاعَ، الكَسْرُ مُخْلَصًا، وَمُشَمًّا، ضَمًّا، وَالضَّمُّ مُخْلَصًا۔

ترجمہ:- نائب فاعل کا باب۔ فاعل حذف کر دیا جاتا ہے پھر اس کے تمام احکامات میں مفعول بہ کو اس کا قائم مقام کر لیا جاتا ہے، اگر وہ (یعنی مفعول بہ) نہ پایا جائے تو پھر ظرف مختص اور متصرف ظرف، جار مجرور، اور مصدر میں سے کوئی نائب فاعل بنایا جائے گا، اور مطلقاً فعل کا پہلا حرف ضمہ دیا جائے گا اور فعل کا دوسرا حرف بھی ضمہ ہونے میں اس کے ساتھ شریک ہوگا۔ جیسے تُعُلِّمَ اور تیسرا حرف بھی مضموم ہونے میں شریک ہوگا جیسے أُنْطُلِقَ، اور مضارع میں آخر سے ماقبل کو فتح دیا جائے گا، اور ماضی میں کسرہ دیا جائے گا، اور قَالَ، اور بَاعَ جیسی مثالوں میں تیرے لیے خالص کسرہ کا اختیار ہے اور اشمام ضمہ کا بھی، اور خالص ضمہ کا بھی۔

تشریح:- باب النائب عن الفاعل الخ فاضل مصنفؒ جب فاعل کی تمہیدات بیان کرنے سے فارغ ہوئے جو فاعل حقیقی تھا تو اب یہاں سے نائب فاعل یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ کے احکامات بیان کرنا شروع کیا جو فاعل حکمی ہے۔

نائب فاعل کی تعریف:- کبھی فعل کا فاعل مذکور نہیں ہوتا یا اس کا تذکرہ مناسب نہیں ہوتا تو اس کو حذف کر کے مفعول بہ کی طرف فعل کی نسبت کرتے ہیں ایسے فعل کو فعل مجہول اور اس کے معمول

نائب فاعل اور مفعول مالم یسم فاعلہٗ کہتے ہیں بالفاظ دیگر فعل کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کی جگہ رکھ دیا جائے تو ایسے مفعول کو مفعول مالم یسم فاعلہٗ کہتے ہیں۔

نائب فاعل کا حکم: نائب فاعل بھی فاعل کی طرح مرفوع ہوتا ہے اور تمام احکام میں فاعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ یعنی جو حال فعل کا فاعل کے اعتبار سے ہوتا ہے وہی حال نائب فاعل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

فاعل کے محذوف ہونے کی چند صورتیں:

يُحْذَفُ الْفَاعِلُ فَيَنُوْبُ عَنْهُ الخ فاعل کے محذوف ہونے کی چند صورتیں ہیں (۱) فعل کا فاعل بھی محذوف ہوتا ہے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے جیسے "سُرِقَ الْمَتَاعُ" (چیز چوری ہوگئی) اسی طرح "رُوِيَ عَنْ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی) ان دونوں مثالوں میں فاعل لفظ سارق اور راوی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے محذوف ہیں۔

(۲) کبھی فعل کا فاعل حذف کیا جاتا ہے غرض لفظی کی وجہ سے جیسے اہل عرب کا قول "مَنْ طَابَتْ سَرِيْرَتُهٗ حُمِدَتْ سِيْرَتُهٗ" (جس شخص کا دراوز خوشگوار ہو اس کے سیرت کی تعریف کی گئی) میں "حُمِدَتْ" فعل کا فاعل لفظ "النَّاسُ" پوشیدہ ہے غرض لفظی کی بناء پر کیوں کہ حَمِدَ النَّاسُ سِيْرَتَهٗ کہتے تو مسجع عبارت کا لحاظ نہیں ہو پاتا۔

(۳) کبھی فعل کا فاعل حذف کیا جاتا ہے غرض معنوی کی بناء پر۔ جیسے باری تعالی کا قول "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ" (اے ایمان والو جب کوئی تم کو کہے کہ کھل کر بیٹھو مجلسوں میں تو کھل جاؤ، اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کردے گا اور جب کوئی کہے کہ اٹھ کھڑے ہو تو کھڑے ہو جاؤ۔ پارہ ۲۸، سورہ مجادلہ آیت ۱۱) میں محل استشہاد "اِذَا قِيْلَ لَكُمْ" ہے۔ قِيْلَ فعل کا فاعل محذوف ہے غرض معنوی کی بناء پر۔

غرض معنوی یہ ہے کہ جب کسی کو خاص کر کے خطاب کیا جاتا تو عمومیت ختم ہو جاتی حالاں کہ اللہ تعالی کو یہ شرف عمومی طور پر نازل کرنا تھا۔

شاعر کا قول: وَاِنْ مُدَّتِ الْاَيْدِيْ اِلَى الزَّادِ لَمْ اَكُنْ —— بِاَعْجَلِهِمْ، اِذْ اَجْشَعُ الْقَوْمِ اَعْجَلُ (ترجمہ: اگر توشہ کی طرف ہاتھ بڑھائے جائیں تو میں جلد بازوں کے ساتھ نہیں ہوں گا، کیوں کہ قوم کا سب سے بدترین وہ ہے جو سب سے زیادہ جلد باز ہو۔)

اس شعر میں محل استشہاد "مُدَّتِ الْاَيْدِيْ" ہے کہ اس فعل کا فاعل غرض معنوی کی وجہ سے

محذوف ہے اور فرس معنوی عمومیت کو باقی رکھتا ہے، اگر کسی کا نام لے لیتے تو مخصوص ہو جاتا۔

ظرف اور مصدر کا نائب فاعل بننا؟

فَإِنْ لَمْ تُوجَدْ فَمَا اخْتَصَّ الخ اگر کلام میں مفعول بہ مذکور نہ ہو تو اسم ظرف، یا مصدر نائب فاعل بن سکتا ہے تین شرطوں کے ساتھ۔

پہلی شرط:- ظرف نائب فاعل بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ مختص ہو، اگر مختص نہ ہو تو نائب فاعل نہیں بن سکتا جیسے ضُرِبَ ضَرْبٌ، صِيْمَ زَمَنٌ، اُعْتُكِفَ مَكَانٌ کہنا جائز نہیں، چوں کہ یہ مختص نہیں بلکہ مبہم ہیں اور ظرف مبہم نائب فاعل نہیں بن سکتا۔ ہاں صِيْمَ رَمَضَانُ، سِيْرَ فَرْسَخٌ، ضُرِبَ ضَرْبٌ شَدِيْدٌ وصِيْمَ زَمَنٌ طَوِيْلٌ اور اُعْتُكِفَ مَكَانٌ حَسَنٌ کہنا درست ہے، کیوں کہ صفت کے ذریعہ اختصاص کا حصول ہو چکا ہے۔

دوسری شرط:- مصدر اور ظرف نائب فاعل بنیں گے بشرطیکہ ان کی گردان ہو سکتی ہو، اگر گردان نہ ہو تو ان کا نائب فاعل بنانا جائز نہیں جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ میں لفظ سُبْحَانَ کی گردان نہیں آتی لہٰذا نائب فاعل نہیں بن سکتے۔

تیسری شرط:- کلام میں مفعول بہ موجود نہ ہو تو مصدر اور ظرف نائب فاعل بن سکتے ہیں اگر مذکور ہو تو پھر جائز نہیں جیسے ضُرِبَ الْيَوْمُ زَيْدًا کہنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ زَيْدًا مفعول بہ موجود ہے تو نائب فاعل یہی بنے گا اَلْيَوْمُ نہیں۔ تیسری شرط میں امام اخفش اور کوفیین حضرات اختلاف کرتے ہیں کہ کلام میں مفعول بہ موجود ہوتے ہوئے بھی ظرف یا مصدر کا نائب فاعل بننا جائز ہے، اگر جار مجرور کو نائب فاعل بنایا جائے تو اس کے لیے بھی ان شرائط ثلاثہ کا ہونا ضروری ہے، لیکن امام اخفش اور کوفیین حضرات فرماتے ہیں کہ کوئی ضرورت نہیں۔ ان حضرات نے مفعول بہ کے موجود ہوتے ہوئے جار مجرور کو نائب فاعل بنانے پر حضرت ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت "لِيُجْزٰى قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے قَوْمًا مفعول بہ کی موجودگی میں "بِمَا" جار مجرور کو لِيُجْزٰى فعل کا نائب فاعل قرار دیا ہے اور مفعول بہ کو منصوب رکھا ہے۔ اسی طرح شاعر نے بھی اپنے شعر میں یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

شاعر کا قول وَإِنَّمَا يُرْضِي الْمُنِيْبُ رَبَّهُ ـــــ مَا دَامَ مَعْنِيًّا بِذِكْرٍ قَلْبَهُ

(ترجمہ: اور حقیقت میں رجوع کرنے والا اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے جب تک اس کے دل کو ذکر الٰہی سے سرشار رکھا جاتا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "مَعْنِيًّا بِذِكْرٍ قَلْبَهُ" ہے، کیوں کہ شاعر نے قَلْبَهُ کے موجود ہوتے ہوئے بِذِكْرٍ جار مجرور کو نائب فاعل بنایا ہے۔

فاضل مصنفؒ نے امام اخفش کے استدلال کا جواب دو طرح سے دیا ہے۔ اول یہ کہ امام ابوجعفرؒ کی یہ قراءت شاذ ہے جو نا قابل استدلال ہے۔ دوم یہ کہ جار مجرور کا نائب فاعل ہونا متعین نہیں بلکہ اس بات کا احتمال ہے کہ نائب فاعل وہ ضمیر ہو جو فعل میں مستتر ہے اور اس غفران کی طرف عود کر رہی ہے جو باری تعالیٰ کے قول "قُلْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا يَغْفِرُوْا" سے مفہوم ہو رہا ہے۔ اور اصل عبارت یوں ہے لِيُجْزَى الْغُفْرَانُ قَوْمًا" اور جب یہ احتمال ہے تو اب اس سے یہ قطعی طور پر فیصلہ کر لینا اور یہ کہنا کہ مفعول بہ کی موجودگی میں جار مجرور کو نائب فاعل بنانا درست ہے۔ مناسب نہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قومًا مفعول اول ہے۔ اور بِذِكْرٍ مفعول ثانی ہے اور یہ جائز ہے۔

اور رہا شاعر کا قول تو وہ ضرورت شعری کی وجہ سے جائز ہے۔

نائب فاعل کے فعل میں تغیرات:

وَيُضَمُّ أَوَّلُ الْفِعْلِ مُطْلَقًا الخ کی تشریح: وہ فعل جس کے فاعل کو حذف کر کے اس کی جگہ مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی کو قائم مقام بنانا چاہیں تو اس فعل میں کچھ تغیر کرنا واجب ہے۔

(۱) اگر فعل ماضی ہو تو اس کے اول کو ضمہ اور ماقبل آخر کو کسرہ دیا جائے گا جیسے ضَرَبَ سے ضُرِبَ اور وجہ یہ ہے کہ اگر فعل مالم یسم فاعلہ بناتے وقت اس قسم کا تصرف نہ کریں تو فعل معروف اور مجہول میں امتیاز نہ ہوگا۔ نیز معلوم نہ ہوگا کہ مرفوع بعد فعل کے فاعل ہے یا نائب۔ رہا یہ امر کہ اس طرح کا تغیر فعل مجہول ہی میں کیوں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مجہول معروف کی فرع ہے، لہٰذا تغیر فرع کے مناسب ہے نہ کہ اصل کے۔ اسی بناء پر فقط مجہول ہی میں تغیر واقع ہوتی ہے۔ اور چوں کہ فعل کی اسناد مفعول کی طرف غیر معہود ہے، اس وجہ سے اس کے لیے لفظ غیر معہود ہی مناسب ہے، تا کہ معنی اور لفظ ہر دو غیر معہودیت میں مناسب ہو جاویں اور یہ حکم یعنی اول کو ضمہ دینا اور آخر سے پہلے والے حرف کو کسرہ فقط اس وقت تک ہوگا جب تک کہ ماضی کے اول میں ہمزہ وصل اور تا نہ ہو۔

(۲) وَيُشَارِكُهُ ثَانِيْ نَحْوِ تُعُلِّمَ الخ اور اگر اول میں تاء ہو تو اول اور دوم حرف مضموم ہوگا اور آخر سے پہلے والا مکسور جیسے "تَعَلَّمْتُ الْمَسْأَلَةَ" سے تُعُلِّمَتِ الْمَسْأَلَةُ تا کہ باب تفعل کے صیغہ مضارع کے ساتھ ملتبس نہ ہو۔

(۳) اور اگر ہمزہ وصل شروع میں ہے تو اول اور ثالث کو ضمہ دیں گے اور ماقبل آخر کو اس طرح کسرہ دیں گے جیسے پہلے دیا تھا۔ مثلاً اِنْطَلَقْتُ بِزَيْدٍ سے اُنْطُلِقَتْ بِزَيْدٍ بضم الہمزہ والطاء، تا کہ باب کے امر کے ساتھ اس کا التباس نہ ہو۔

اور باری تعالیٰ کا قول "فَمَنِ اضْطُرَّ" (پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے۔ پارہ ۲، سورۃ البقرۃ آیت ۱۷۳) کی جب فعل سے ابتداء کی جائے تو ہمزۂ وصل شروع میں ہوگا اور قاعدہ کے مطابق بضم الہمزہ والطاء پڑھا جائے گا اور امام ابوذوءیب ہذلی کے کلام میں بھی ابتداء یا اتباع کا قاعدہ پایا گیا ہے۔

شاعر کا قول: سَبَقُوا هَوَىَّ وَأَعْنَقُوا لِهَوَاهُمُ ـــــ فَتُخُرِّمُوا، وَلِكُلِّ جَنْبٍ مَصْرَعُ

(ترجمہ: وہ لوگ میرے ارادے پر غالب آگئے اور تیزی سے اپنی خواہشات کی طرف بڑھنے لگے تو موت نے انہیں کمزور کردیا اور ہر انسان کے لیے ایک مکان ہے جس میں وہ پچھاڑا جاتا ہے۔)

اس شعر میں محل استشہاد "فَتُخُرِّمُوا" ہے جس کی ابتداء تاء زائدہ سے ہوئی ہے اسی لیے قاعدہ کے مطابق پہلا اور دوسرا حرف مضموم ہے۔

شعر کا مطلب:- یہ ابوذوءیب ہذلی کا کلام ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ اس کے پاس پانچ بیٹے تھے، سوء اتفاق ایک ہی سال طاعون میں سب کی وفات ہوگئی تو انہوں نے اپنے بیٹے کے لیے مرثیہ کہا جس کا ایک جزء ہے کہ میری دلی تمنا تھی کہ انہیں طول عمر اور درازی عمر وبقاء عطاء ہو لیکن میرے ارادے پر ان کی خواہشات اور وصال موت غالب آگئی، اور وہ سب کے سب یک وقت ہم سے جدا ہو گئے۔

(۴) وَيفتح ما قبل الآخر فى المضارع الخ اور مضارع میں مجہول کی علامت یہ ہے کہ علامت مضارع مضموم اور ماقبل آخر مفتوح ہوتا ہے، جیسے يَضْرِبُ سے يُضْرَبُ. صاحب کتاب نے يُفْتَحُ ما قبل الآخر فى المضارع سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۵) ولك فى نحو قَالَ وبَاعَ الكسر مخلصا الخ اور جب فعل ماضی ثلاثی مجرد معتل العین واوی ہو یا یائی جیسے قَالَ اور بَاعَ اس میں تین لغتیں جائز ہیں (۱) قِيْلَ اور بِيْعَ یہ لغت فصیح ہے، اس طرح کہ الف سے ماقبل کو کسرہ دیا اور کسرہ کی مناسبت سے الف کو یاء سے بدل دیا۔

(۲) اس میں اشمام ہوگا، اور اشمام سے مراد یہ ہے کہ فاء کلمہ کے کسرہ کو ضمہ کی طرف اور عین کلمہ کو جو کہ یاء ہے تھوڑا سا واؤ کی طرف مائل کر کے پڑھیں گے تا کہ اشمام سے معلوم ہو کہ اصل فاء کلمہ میں ضمہ ہے، اور یہ بھی لغت فصیح ہے۔

(۳) فاء کلمہ کو ضمہ پڑھنا جیسے قُوْلَ اور بُوْعَ، تو اس صورت میں الف کو واؤ سے بدلنا واجب ہوگا اور یہ قلیل الاستعمال لغت ہے۔

مذکورہ بحث سے متعلق ضروری نکات:

تحفۂ: جس طرح ثلاثی مجرد کی ماضی میں وجوہ ثلاثہ مذکورہ بالا جاری ہوتی ہیں، اسی طرح باب

افتعال، انفعال کی ماضی مجہول میں جب کہ وہ معتل العین ہو وجوہ ثلاثہ مذکورہ بالا جاری ہوں گے جیسے اُخْتِیْرَ اور اُنْقِیْدَ، کہ ان کو تین طریقے سے پڑھ سکتے ہیں، اس لیے کہ ان میں قید و خیر بدون کسی فرق کے قِیْلَ اور بِیْعَ کے مانند ہیں۔

نکتہ ۲: باب استفعال اور انفعال کی ماضی میں جب کہ وہ معتل العین ہو وجوہ ثلاثہ مذکورہ جاری نہ ہوں گے، اس لیے کہ باعتبار اصل کے ماقبل حرف علت کا ان میں ساکن ہے۔ پس یہ قیل اور بیع کی طرح پرنہ ہوئے۔

نکتہ ۳: اگر مضارع معتل العین ہو تو اس کا عین کلمہ بقاعدہ صرف الف سے بدل جائے گا جیسے یُقَالُ اور یُبَاعُ وغیرہ۔

بابُ الاشتغال

بَابُ الْاِشْتِغَالِ، يَجُوْزُ فِيْ نَحْوِ "زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ" أَوْ "ضَرَبْتُ أَخَاهُ" أَوْ "مَرَرْتُ بِهٖ" رَفْعُ زَيْدٍ بِالْاِبْتِدَاءِ، فَالْجُمْلَةُ بَعْدَهٗ خَبَرٌ، وَنَصْبُهٗ بِإِضْمَارِ ضَرَبْتُ وَأَهَنْتُ وَجَاوَزْتُ وَاجِبَةِ الْحَذْفِ، فَلَا مَوْضِعَ لِلْجُمْلَةِ بَعْدَهٗ۔

ترجمہ: یہ باب اشتغال کے بیان میں۔ "زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ" یا "ضَرَبْتُ أَخَاهُ" یا "مَرَرْتُ بِهٖ" جیسی مثالوں میں زید کو مرفوع پڑھنا بربنائے مبتدا جائز ہے اور اس کا مابعد جملہ خبر ہے اور ضَرَبْتُ، أَهَنْتُ، وَجَاوَزْتُ جو واجب الحذف ہے۔ کے پوشیدہ ماننے سے اس کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ لیکن اس وقت اس کے مابعد جملہ کے لیے کوئی مقام نہ ہوگا۔

تشریح: فاضل مصنفؒ جب نائب فاعل کی تعریف اور اس کے احکامات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے اشتغال کی بحث کو بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ فرمایا۔

اشتغال کا مطلب:

لَايَجُوْزُ فِيْ نَحْوِ زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ کی تشریح: اشتغال کا ضابطہ یہ ہے کہ اسم مقدم ہو اور فعل اس سے مؤخر ہو۔ اور وہ فعل اسم کی ضمیر میں عمل کر رہا ہو اور اس فعل کی شان یہ ہو کہ اگر اس کا عمل اس معمول سے ہٹا کر اسم مقدم پر مسلط کر دیا جائے تو اسے بربنائے مفعولیت نصب دے دے جیسے "زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ" میں زیدًا اسم مقدم ہے اور ضَرَبْتُهٗ فعل مؤخر ہے جو "ہ" ضمیر میں عمل کر رہا ہے اگر اس ضمیر کو حذف کر دیا جائے اور ضَرَبْتُ فعل کو "زَيْدًا" اسم پر مسلط کر دیا جائے تو اس وقت زَيْدًا مفعول مقدم ہو کر منصوب ہوگا۔ اور عبارت زَيْدًا ضَرَبْتُ ہوگی۔ یہ اس اشتغال کی مثال ہے۔ جس میں فعل اسم کی

ضمیر کے ساتھ مشغول ہے۔ اسی طرح "زیدًا مررتُ بِهٖ" بھی اسی اشتغال کی مثال ہے، کیوں کہ ضمیر گرچہ با کی وجہ سے لفظاً مجرور ہے لیکن فعل کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔

اشتغال کا دوسرا ضابطہ یہ ہے کہ اسم مقدم ہو اور فعل اس سے مؤخر ہو اور وہ فعل ایسے اسم کے ساتھ مشغول ہو جو خود ضمیر میں عمل کر رہا ہے جیسے "زیدًا ضربتُ اَخاهُ" میں زیدًا اسم مقدم، ضربتُ فعل مؤخر جو الاخ اسم میں عمل کرتے ہوئے بربنائے مفعولیت نصب دیا ہے اور وہ اسم (یعنی اخ) خود ضمیر میں عمل کرتے ہوئے اسے بربنائے اضافت جر دے رہا ہے۔

باب الاشتغال کے اسم کا اعراب:

رَفْعُ زیدٍ بالابتداء الخ کی تشریح: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب تقدیم و تاخیر کی صورت سمجھ میں آ گئی تو اب یہ بات جان لو کہ اسم مقدم کو بربنائے مبتداء اور مابعد کے جملہ کو بربنائے خبریت مرفوع پڑھنا جائز ہے اور اسے نصب پڑھنا بھی جائز ہے ایسے فعل محذوف کی وجہ سے جس کی فعل مذکور تفسیر کر رہا ہو، اس فعل مذکور کا اس وقت جملہ میں کوئی مقام نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ وہ صرف مفسر کی حیثیت ہے، جیسے باب اشتغال کے پہلے ضابطہ کی پہلی مثال زیدًا ضربتُهٗ میں زیدًا سے پہلے ضربتُ پوشیدہ ہے۔ اور اصل عبارت "ضربتُ زیدًا ضربتُهٗ" ہے۔ اور دوسری مثال "زیدًا مررتُ بِهٖ" میں زیدًا سے پہلے جاوزتُ پوشیدہ ہے اور عبارت جاوزتُ زیدًا مررتُ بِهٖ ہے اس مثال ثانی میں جاوزتُ کی جگہ مررتُ فعل مقدر نہ ماننے کی وجہ یہ ہے کہ اسم کی طرف بذات خود پہنچنے کا مفہوم اس سے پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اور ضابطہ ثانیہ کی مثال "زیدًا ضربتُ اَخاهُ" میں زیدًا سے پہلے فعل "اَهَنْتُ" پوشیدہ ہے اور عبارت "اَهَنْتُ زیدًا ضربتُ اَخاهُ" ہے اس مثال میں اَهَنْتُ کی جگہ ضربتُ مقدر نہ ماننے کی وجہ یہ ہے کہ تو نے "اخ" کو مارا ہے زید کو نہیں، اگر ضربتُ مقدر مانتے تو زید کو تیرا مارنا لازم آتا جو تیرے مقصد کے خلاف تھا۔ جب کہ تیرا مقصد زید کے بھائی کو مار کر زید کو رسوا کرنا تھا اور یہ اَهَنْتُ پوشیدہ ماننے کی صورت ہی میں ہو سکتا ہے۔

وَيَتَرَجَّحُ النَّصْبُ فِی نَحْوِ "زَيْدًا اِضْرِبْهُ" لِلطَّلَبِ، وَنَحْوَ "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا" مُتَاَوَّلٌ، وَفِی نَحْوِ "وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ" لِلتَّنَاسُبِ، وَنَحْوِ "اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ" وَ "مَا زَيْدًا رَاَيْتَهٗ" لِغَلَبَةِ الْفِعْلِ۔

ترجمه:- اور "زیدًا اِضْرِبْهُ" جیسی مثال میں جو طلب فعل کے لیے ہے نصب پڑھنا

راجح ہوگا، اور "السارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما" میں تاویل کی گئی ہے، اور "والانعام خلقھا لکم" میں نصب پڑھنا قیام تناسب کی غرض سے راجح ہے۔ اور "أبشرا منا واحدا نتبعہ" اور "وما زیدا رأیتہ" جیسی مثالوں میں غلبہ فعل کی وجہ سے نصب پڑھنا راجح ہے۔

فعل اشتغال پر مقدم ہونے والے اسم کی حالتیں:

وَيَتَرَجَّحُ النَّصْبُ فِي نَحْوِ "زَيْدًا اِضْرِبْهُ الخ" فاضل مصنفؒ یہاں سے باب اشتغال میں فعل مذکور پر مقدم ہونے والے اسم کے اعراب کو بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ فرمایا: فعل مذکور پر مقدم ہونے والے اسم کی پانچ حالتیں ہیں (۱) اس کا نصب پڑھنا راجح ہوگا (۲) اس کا نصب پڑھنا واجب ہوگا (۳) اس کا رفع پڑھنا راجح ہوگا (۴) اس کا رفع پڑھنا واجب ہوگا (۵) کبھی دونوں صورتیں برابر ہوتی ہیں۔

اسم مقدم پر نصب کا راجح ہونا:

اسم مقدم پر نصب پڑھنا چند مسائل میں راجح ہوتا ہے جو بالترتیب مندرجہ ذیل مرقوم ہیں۔

پہلا مسئلہ:- اگر عبارت میں فعل مذکور طلب فعل کے معنی میں ہو (طلب فعل سے مراد امر، نہی اور دعاء ہے) تو اسم مقدم کو نصب پڑھنا راجح ہوگا۔ جیسے "زَيْدًا اِضْرِبْهُ" (یہ امر کی مثال ہے) "زَيْدًا لَاتُهِنْهُ" (یہ نہی کی مثال ہے) اور "اَللّٰهُمَّ عَبْدَكَ ارْحَمْهُ" (یہ دعاء کی مثال ہے) ان تینوں مثالوں میں اسم مقدم کو نصب پڑھنا راجح ہے، اس لیے کہ اگر رفع پڑھا جائے تو "زَيْدٌ" مبتداء ہوجائے گا اور بعد والا جملہ جو جملہ طلبیہ ہے وہ خبر ہوگا اور یہ خلاف قیاس ہے، کیوں کہ جملہ طلبیہ انشاء ہوتا ہے خبر نہیں، اور خبر میں صدق وکذب کا احتمال ہوتا ہے اور انشاء میں نہیں ہوتا، لہٰذا نصب پڑھنا راجح ہوگا۔

اعتراض وجواب:

وَنَحْوُ "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا مُتَأَوَّلٌ" مصنفؒ نے یہاں سے ایک اعتراض اور اس کا جواب نقل فرمایا ہے۔ اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ ابھی آپ نے فرمایا کہ اگر عبارت میں فعل مذکور طلب فعل کے معنی میں ہو تو اسم مقدم کو نصب پڑھنا راجح ہوتا ہے، حالاں کہ آپ کا یہ دعویٰ باری تعالیٰ کے قول "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا أَيْدِيَهُمَا" (اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ۔ پارہ ۶، سورہ مائدہ، آیت ۳۸) سے ٹوٹ رہا ہے، کیوں کہ اس آیت کریمہ میں "فَاقْطَعُوْا" فعل طلبیہ ہے۔ اس کے باوجود اسم مقدم "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ" کو مرفوع پڑھا جارہا ہے، جب کہ قاعدہ کے مطابق منصوب پڑھنا راجح ہوتا۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول

"اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا" (بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو کوڑے۔ پارہ ۱۸، سورہ نور، آیت ۲) میں "فَاجْلِدُوْا" فعل طلبیہ ہے اور "اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ" اسم مقدم ہے جنہیں رفع پڑھا جا رہا ہے اور قراء سبعہ کا رفع پڑھنے پر اتفاق بھی ہے تو اب دعویٰ ٹوٹ رہا ہے۔

صاحب کتاب نے دو طرح سے جواب دیا ہے (۱) اس آیت کریمہ میں خصوصی تاویل کی گئی ہے وہ اس طرح کہ امام سیبویہ اور دوسرے نحویوں کے نزدیک یہ دو جملے ہیں "اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ" مبتداء معطوف علیہ ہے اور جار مجرور خبر محذوف ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے "اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ حُکْمُھُمَا فِیْمَا یُتْلٰی" (چور مرد اور چور عورت کا حکم ان آیات میں موجود ہے جو تم کو سنائی جاری ہے) اور "فاقطعوا" جملہ مستانفہ ہے تو اب جملہ طلبیہ کو مبتداء کا خبر بنانا لازم نہیں آتا لہٰذا اعتراض بھی واقع نہیں ہوگا۔ اگر بالفرض والمحال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ "فاقطعوا" جملہ فعلیہ "السارق والسارقۃ" مبتداء کی خبر ہے تو پھر جملہ فعلیہ کا عمل کرنا ایسی مبتداء میں لازم آئے گا جو کہ اس کا غیر ہے، حالاں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جملہ فعلیہ کا عمل اس مبتداء میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا جس مبتداء کی خبر اس فعل کے علاوہ دوسرے جملے سے واقع جاری ہے جیسے "زَیْدٌ فَقِیْرٌ فَاَعْطِہٖ" اور "خَالِدٌ مَکْسُوْرٌ فَلَا تُھِنْہُ" میں "فَاَعْطِہٖ" اور "فَلَا تُھِنْہُ" ایسا جملہ فعلیہ ہے جو "زَیْدٌ فَقِیْرٌ" اور "خَالِدٌ مَکْسُوْرٌ" کی خبر نہیں بن رہا ہے، کیوں کہ وہ دونوں ان دونوں کا غیر ہے۔

(۲) امام مبرد فرماتے ہیں کہ "اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ" اور "اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ" میں الف لام موصولہ الذی کے معنی میں ہے اور فعل طلبیہ پر جو فاء لائی گئی ہے وہ سببیت پر دلالت کرتی ہے جیسے تیرا قول "اَلَّذِیْ یَاْتِیْنِیْ فَلَہٗ دِرْھَمٌ" (جو میرے پاس آئے گا اس کے لیے ایک درہم ہے) میں فاء سببیہ ہے اور فاء سببیہ کا خاصہ ہے کہ اپنے مابعد کو ماقبل میں عمل کرنے نہیں دیتا۔ تو اب "فاقطعوا" اور "فاجلدوا" اپنے ماقبل کا خبر بھی نہیں بن سکتا، لہٰذا ان دونوں کا جملہ مستانفہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اور باب اشتغال کا قاعدہ یہ تھا کہ فعل کو اگر اسم پر مسلط کیا جائے تو بربناء مفعولیت نصب دے۔ اور وہ صورت "اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ" اور "اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ" میں پیدا ہونا محال ہے۔

علامہ تفتازانی کا قول ہے کہ ایسے مقام پر انشاء بلا تکلف مبتداء کی خبر بن جاتی ہے، کیوں کہ حقیقت میں ایسا فعل انشائی شرط کی جزاء ہوتا ہے یعنی اگر کسی نے چوری کی ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ (تفسیر مظہری ۳/۳۰۵)

دوسرا مسئلہ:- عبارت میں اسم ایسے حرف عاطف کے ساتھ مقترن ہو جو جملہ فعلیہ کے ساتھ

لایا گیا ہے تو اس اسم کو نصب پڑھنا راجح ہوگا جیسے "قام زیدٌ وعمروًا اکرمتُهٗ" اس مثال میں قام زیدٌ جملہ فعلیہ اور واؤ حرف عطف ہے۔ عمروًا اسم منصوب اس حرف عاطف سے مقترن ہے جو جملہ فعلیہ کے ساتھ لایا گیا ہے، اسی وجہ سے اس کو نصب پڑھنا راجح ہے، اگر عمروٌ کو رفع دیا جائے تو اس وقت ایک خرابی لازم آئے گی وہ یہ کہ عمروٌ جملہ اسمیہ ہو جائے گا اور جملہ اسمیہ کا جملہ فعلیہ پر عطف کرنا لازم ہوگا اور یہ درست نہیں، کیوں کہ دونوں باہم مختلف ہیں۔ اور عمروًا کو نصب دیا جائے تو یہ جملہ فعلیہ ہوگا اور تقدیری عبارت ہوگی "وَاکرمتُ عمروًا اکرمتُهٗ" پس اس وقت جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوگا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کے مناسب حال ہیں۔ اسی وجہ سے اسے نصب دینا راجح ہے۔ یہی قاعدہ باری تعالیٰ کے قول "خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا" (اس نے انسان کو ایک بوند سے پیدا فرمایا پھر جبھی وہ جھگڑا کرنے والا بولنے والا ہو گیا اور چوپائے کو اسی نے پیدا فرمایا۔ پارہ ۱۴ سورۂ نحل آیت ۴،۵) میں پایا جاتا ہے، کیوں کہ تمام قراء نے لفظ "اَلْاَنْعَامَ" کو نصب پڑھا ہے اور اس پر اتفاق قائم کیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جملہ فعلیہ کے ساتھ لایا گیا ہے اور "اَلْاَنْعَامَ" سے پہلے لفظ "خَلَقَ" پوشیدہ ہے، تاکہ اس کا جملہ فعلیہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ پر عطف درست ہو ورنہ فعل مقدر نہ ماننے کی صورت میں لفظ اَلْاَنْعَامَ جملہ اسمیہ کا خَلَقَ الْاِنْسَانَ جملہ فعلیہ پر عطف کرنا لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں۔

تیسرا مسئلہ:- اسم مقدم سے پہلے ایسا حرف آئے جو عموماً افعال پر داخل ہوتا ہے تو اس وقت اسم کو نصب پڑھنا راجح ہوگا اور وہ حروف ہمزہ استفہام، مانافیہ وغیرہ ہیں، جیسے تیرا قول "اَزَيْدًا ضَرَبْتَهٗ" (یہ ہمزہ استفہام کی مثال ہے) اور "مَا زَيْدًا رَاَيْتُهٗ" (یہ مانافیہ کی مثال ہے) اور باری تعالیٰ کا قول "اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ" (کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا ہم اس سے کہنے پر چلیں گے۔ پارہ ۲۷ سورہ قمر آیت ۲۴) میں ہمزہ استفہام اور مانافیہ اسم پر مقدم ہیں اور یہ دونوں حروف عموماً افعال پر داخل ہوتے ہیں لہٰذا اسم مقدم سے پہلے فعل کا مقدر ماننا لازم آئے گا تاکہ ان دونوں حروف کا دخول درست ہو سکے۔

وَيَجِبُ فِي نَحْوِ "اِنْ زَيْدًا لَقِيْتَهٗ فَاَكْرِمْهُ" وَ "هَلَّا زَيْدًا اَكْرَمْتَهٗ" لِوُجُوْبِهٖ، وَيَجِبُ الرَّفْعُ فِي نَحْوِ "خَرَجْتُ فَاِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهٗ عَمْرٌو" لِاِمْتِنَاعِهٖ، وَيَسْتَوِيَانِ فِي نَحْوِ "زَيْدٌ قَامَ اَبُوْهُ وَعَمْرٌو اَكْرَمْتَهٗ" لِلتَّكَافُؤِ "وَلَيْسَ مِنْهُ "وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ" وَ "اَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهٖ"

ترجمہ:- اور "اِنْ زَيْدًا لَقِيْتَهٗ فَاَكْرِمْهُ" اور "هَلَّا زَيْدًا اَكْرَمْتَهٗ" جیسی مثالوں میں

اسم مقدم کو منصوب پڑھنا واجب ہوتا ہے، اس کے (یعنی وہ حرف جو خاص طور پر فعل پر داخل ہوتا ہے) واجب ہونے کی وجہ سے۔ اور "خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عمروٌ" جیسی مثال میں رفع پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اس کے (یعنی وہ حرف جو خاص طور سے فعل پر داخل ہوتا ہے) ممنوع ہونے کی وجہ سے اور "زَيْدٌ قَامَ أَبُوهُ وعمروٌ أَكْرَمْتُهُ" جیسی مثال میں دونوں (یعنی رفع ونصب) پڑھنا برابر ہوتا ہے معاملہ برابر ہونے کی وجہ سے۔ اور "وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ" اور "أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ" اشتغال کی بحث سے شمار کرنا جائز نہیں ہے۔

اسم مقدم کو نصب پڑھنا واجب ہے۔ دوسری قسم:

وَيَجِبُ فِي نَحْوِ "إِنْ زَيْدًا لَقِيْتَهُ فَأَكْرِمْهُ" الخ کی تشریح: اس عبارت میں فاضل مصنفؒ نے اس بات کو بیان فرمایا کہ اسم مقدم کو نصب پڑھنا کب واجب ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا: اگر عبارت میں اسم مقدم سے پہلے ایسا حرف آئے جو خاص طور سے فعل کے ساتھ آتا ہے جیسے ادوات شرط اور تحضیض، تو اس اسم مقدم پر نصب پڑھنا واجب ہوگا۔ جیسے تیرا قول "إِنْ زَيْدًا رَأَيْتَهُ فَأَكْرِمْهُ" (یہ حرف شرط کی مثال ہے) اور "هَلَّا زَيْدًا أَكْرَمْتَهُ" (یہ حرف تحضیض کی مثال ہے) ان دونوں مثالوں میں آنے والا اِنْ شرطیہ اور هَلَّا تحضیض فعل کے ساتھ خاص ہوتا ہے لہٰذا زَيْدًا سے پہلے فعل مقدر ماننا پڑے گا تاکہ ان دونوں حروف کا فعل پر دخول ہوسکے۔

اسی طرح شاعر کا قول لَا تَجْزَعِي إِنْ مُنْفِسًا أَهْلَكْتُهُ۔ فَإِذَا هَلَكْتُهُ فَعِنْدَ ذَالِكَ فَاجْزَعِي (ترجمہ: تو غم مت کر اگرچہ میں بیش بہا قیمتی چیز کو خرچ کردوں۔ جب میں انتقال کر جاؤں تو اس وقت غم کرنا) اس شعر میں محل استشہاد "إِنْ مُنْفِسًا أَهْلَكْتُهُ" ہے جس میں اِنْ شرطیہ ایسا حرف ہے جو خاص طور پر فعل کے ساتھ آتا ہے، لیکن یہاں مُنْفِسًا اسم پر داخل ہے لہٰذا قاعدہ کے مطابق اسم سے پہلے فعل مقدر ماننا لازم ہوگا تاکہ حرف شرط کا دخول درست ہوسکے۔

شعر کا مطلب: یہ شعر نمر بن تولب نامی شخص کے دل کی آواز ہے جس میں اس نے اپنی شریک حیات کو تبذیر پر افسوس نہ کرنے کے بارے میں حکم دیا کہ اے شریک زندگی بیش بہا قیمتی شی کو خرچ کرنے پر تو غم مت کرنا جب تک میں حالت حیات میں ہوں تجھے کوئی مصیبت اور آزار نہیں پہنچے گا۔ ہاں جب میرا انتقال ہوجائے اور میرے بعد مال کفایت نہ پاسکو تو پھر میری وفات پر غم کرنا۔

تیسری قسم۔ اسم مقدم کو رفع پڑھنا واجب ہے:

وَيَجِبُ الرَّفْعُ فِي نَحْوِ "خَرَجْتُ فَإِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عمروٌ لِامْتِنَاعِهِ" الخ اس عبارت

میں صاحب کتاب نے اس بات کو ذکر فرمایا کہ اسم مقدم کو رفع پڑھنا کب واجب ہوتا ہے۔ تو اس کا ضابطہ یہ ہے کہ عبارت میں اگر اسم مقدم سے پہلے ایسا حرف آئے جو خاص طور پر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جیسے اِذَا فجائیہ تو اس اسم مقدم پر رفع پڑھنا واجب ہوگا جیسے "خَرَجْتُ فَاِذَا زَيْدٌ يَضْرِبُهُ عمروٌ" میں زیدٌ اسم مقدم کو نصب پڑھنا جائز نہیں، اس لیے کہ نصب پڑھنے کی صورت میں فعل کو مقدر ماننا لازم آئے گا، لہٰذا زیدٌ کو رفع پڑھنا واجب ہوگا، اس لیے کہ زیدٌ جملہ اسمیہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اِذا فجائیہ خاص طور پر جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے، اگر اسم سے پہلے فعل مقدر مانا جائے تو اس صورت میں خلاف اصول اِذَا فجائیہ کا فعل پر داخل ہونا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں۔

چوتھی قسم۔ اسم مقدم کو رفع ونصب دونوں درست ہیں:

وَيَسْتَوِيَانِ فِي نحو "زَيْدٌ قَامَ اَبُوهُ وعمروٌ اَكْرَمْتُهُ الخ" فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں اس بات کو بیان فرمایا کہ کبھی کبھی اسم مقدم کو رفع ونصب دونوں پڑھنا جائز ہوتا ہے۔ اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اسم مقدم سے پہلے ایسا حرف عطف آئے جو اس جملہ فعلیہ کے ساتھ لایا گیا ہو جس جملہ کے ذریعہ اسم مقدم سے پہلے کی خبر دی جارہی ہے۔ جیسے تیرا قول "زَيْدٌ قَامَ اَبُوهُ، وعمروًا اَكْرَمْتُهُ" اس مثال میں "زَيْدٌ قَامَ اَبُوهُ" جملہ کبریٰ ذات وجہین ہے، (جملہ کبریٰ سے مراد ایسا جملہ جس کے ضمن میں کوئی جملہ آئے۔ اور ذات وجہین سے مراد ایسا جملہ جو صدر کلام ہونے کی وجہ سے اسمیہ ہو اور صدارت کلام سے عاجز ہونے کی بناء پر فعلیہ ہو) چنانچہ مثال مذکور میں اگر صدر کلام کا لحاظ کیا جائے اور "زَيْدٌ قَامَ اَبُوهُ" کو جملہ اسمیہ پڑھا جائے تو لفظ "عمروًا" کو مرفوع پڑھا جائے گا۔ اور اس وقت جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر محمول کرنا درست ہوگا، تا کہ مناسبت قائم ہو جائے۔ اور اگر صدر کلام ہونے سے عاجز ہو تو اس وقت "عمروًا" کو نصب پڑھا جائے گا۔ اور "عمروًا" سے پہلے ایک فعل مقدر مانا جائے گا تا کہ جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر محمول کرنا درست ہو۔ دونوں تقدیر پر مراد حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا دونوں صورتیں جائز ہوں گی۔

اسم مقدم کو رفع پڑھنا راجح ہے، پانچویں قسم:

کبھی کبھی اسم مقدم کو رفع پڑھنا راجح ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب مذکورہ بالا اقسام اربعہ میں سے کوئی صورت موجود نہ ہو۔ اور نہ اس کے غیر کے لیے کوئی علت راجح ہو جیسے تیرا قول "زَيْدٌ ضَرَبْتُهُ" تمام علتوں سے خالی ہے، اس لیے زید مبتداء اور ضَرَبْتُهُ فعل، فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا زیدٌ مبتداء کے لیے اور مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا اور مبتداء وخبر کا اعراب رفع

ہوتا ہے۔لہٰذا زیدکورفع پڑھنا ہی راجح ہوگا۔

اور باری تعالیٰ کا قول "جَنّٰتُ عَدْنٍ یَدْخُلُوْنَهَا" (باغ ہیں رہنے کے داخل ہوں گے ان میں۔پارہ ۱۳، سورہ رعد، آیت ۲۳) میں بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا، کیوں کہ تمام قراء سبعہ نے اسے مرفوع پڑھنے پر اتفاق کیا ہے۔اور قراءت شاذہ میں نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے، لیکن وہ شذوذ کی وجہ سے قابل استدلال نہیں۔

وقوله وليس منه "وَكُلُّ شَيْءٍ فعلوه فى الزُّبُر" الخ فاضل مصنفؒ فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا قول "وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِى الزُّبُرِ" (اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی ہے ورقوں میں۔پارہ ۲۷، سورہ قمر، آیت ۵۲) باب اشتغال سے متعلق نہیں ہے۔وجہ اس کی یہ ہے کہ فعل کو اسم مقدم پر مسلط کرنا در حقیقت معنی مرادی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور وہ معنی ومفہوم اس آیت کریمہ میں حاصل نہیں کہ فعل کو اسم مقدم پر مسلط کرنا درست ہو۔در حقیقت آیت کا مفہوم "وَكُلُّ مفعولٍ لهم ثابتٌ فى الزُّبُر" ہے اور یہ مرادی کے برخلاف ہے، لہٰذا باب اشتغال سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا، اور جب تعلق ثابت ہوا تو اسم مقدم کا مرفوع پڑھنا متعین ہوگیا۔اور فعل متاخر اسم کے لیے صفت ہوجائے گا۔اسی طرح "أَزَيْدٌ ذُهِبَ بِهِ" باب اشتغال سے تعلق رکھنے کے باوجود اس پر نصب نہیں آئے گا، کیوں کہ یہ نصب کا تقاضہ نہیں کرتا بلکہ زیدٌ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے رفع کا متقاضی ہے، لہٰذا اس مثال کو اس سے شمار کرنا درست نہیں۔

بَابٌ فى التّنازُع

بَابٌ فِى التَّنَازُعِ، يَجُوزُ فِى "ضَرَبَنِى وَضَرَبْتُ زَيْدًا" إِعْمَالُ الْأَوَّلِ، وَاخْتَارَهُ الْكُوفِيُّوْنَ، فَيُضْمَرُ فِى الثَّانِىْ كُلُّ مَا يَحْتَاجُهُ، أَوِ الثَّانِىْ، وَاخْتَارَهُ الْبَصْرِيُّوْنَ، فَيُضْمَرُ فِى الْأَوَّلِ مَرْفُوْعُهُ فَقَطْ، نَحْوُ: جَفَوْنِى وَلَمْ أَجْفُ الْأَخِلَّاءَ، وَلَيْسَ مِنْهُ، كَفَانِى، وَلَمْ أَطْلُبْ، قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ. لِفَسَادِ الْمَعْنٰى.

ترجمہ:- تنازع فعلان کا بیان۔ "ضَرَبَنِى وَضَرَبْتُ زَيْدًا" میں پہلے فعل کو عامل قرار دینا جائز ہے۔اور کوفیین حضرات نے اسی کو پسند فرمایا ہے، لہٰذا دوسرے فعل میں اس کی حاجت کے مطابق (یعنی اگر فاعل کو چاہتا ہے تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی) ضمیر لائی جائے گی یا دوسرے فاعل کو عامل قرار دینا جائز ہے۔اور اس کو بصریین نے مختار قرار دیا ہے۔چنانچہ اس وقت اول

فعل اگر فاعل کو چاہتا ہو تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر لائی جائے گی لہٰذا جیسے جَفَوْنِيْ وَلَمْ أَجْفُ الْأَخِلَّاءَ" (انہوں نے مجھ پر ظلم کیا حالاں کہ میں نے دوستوں کے ساتھ بدسلوکی نہیں کی) اور امرء القیس کا شعر "كَفَانِيْ" وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ" فساد معنی کی وجہ سے باب تنازع سے نہیں ہے۔

تشریح:- بَابٌ فِي التَّنَازُعِ:- فاضل مصنفؒ جب اشتغال کی تفصیلات کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے تنازع فعلان کی بحث کو بیان کرنا شروع فرمایا۔ تنازع کا دوسرا نام باب الاعمال ہے۔ چند فعلوں کا کسی اسم ظاہر میں عمل کے لیے جھگڑنا، ایک فعل چاہتا ہو کہ میرا فاعل بنے دوسرا چاہتا ہو کہ میرا مفعول بنے یا پہلا چاہتا ہو کہ میرا مفعول بنے اور دوسرا چاہتا ہو کہ میرا فاعل بنے اسے تنازع فعلان کہتے ہیں۔

تنازع جس طرح دو فعلوں یعنی دو عاملوں میں ہوتا ہے، اسی طرح دو سے زائد یعنی تین چار، اور پانچ اور ان سے زائد میں بھی تنازع ہوتا ہے۔ فاضل مصنفؒ نے باب التنازع کہہ کر اسی عموم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور دیگر مصنفین کا "اذا تنازع الفعلان فى اسم ظاهر" کہنے سے اس عمومیت سے احتراز نہیں بلکہ اس کے ادنیٰ کا بیان ہے، جس سے تنازع ہوسکتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے نحاۃ نے "فى اسم ظاهر" کی قید لگائی ہے اس قید سے جمیع مضمرات خارج ہو گئے جیسا کہ ظاہر ہے کہ لفظ "ظاهرٍ" سے نحوی اسم ظاہر کا ارادہ کرتے ہیں اور ضمیر بارز اگرچہ ظاہر ہے مگر اس کو اسم ظاہر نہیں کہتے بلکہ مضمر ظاہر کہتے ہیں لہٰذا وہ اس قید سے خارج ہے۔

تنازع فعلان کی چند شکلیں: تنازع فعلان کی چند شکلیں ہیں:

شکل نمبر۱: کبھی دو عوامل ایک معمول میں تنازع کرتے ہیں۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "آتُوْنِيْ أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا" (میرے پاس لاؤ اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈال دوں۔ پارہ ۱۶، سورہ کہف، آیت ۹۶) اس آیت کریمہ میں "آتُوْنِيْ" فعل فاعل اور مفعول ہے۔ اور مفعول ثانی کا محتاج ہے۔ اور "أُفْرِغْ" فعل بافاعل ہے اور مفعول کا محتاج ہے، ان دونوں فعلوں کے بعد "قِطْرًا" اسم ظاہر ہے جس کا یہ دونوں عوامل طالب ہیں، پہلا عامل چاہتا ہے کہ میرا مفعول ثانی بنے اور دوسرا چاہتا ہے کہ میرا مفعول اول بنے۔

شکل نمبر۲: کبھی دو عوامل ایک سے زائد معمول میں تنازع کرتے ہیں جیسے "ضَرَبَ وَأَكْرَمَ زَيْدٌ عَمْرًوا" اس مثال میں ضَرَبَ اور أَكْرَمَ دونوں عوامل ہیں اور ایک سے زائد معمول میں جھگڑ رہے ہیں۔

شکل نمبر۳: کبھی دو سے زائد عوامل ایک معمول میں جھگڑتے ہیں جیسے "كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ

وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ" میں تین فعل "ابراھیم" میں تنازع کر رہے ہیں ہر ایک فعل چاہتا ہے کہ میرا معمول بنے۔

مثال ۲: کبھی دو سے زائد عوامل ایک سے زائد معمول میں تنازع کرتے ہیں جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "تُسَبِّحُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ" (ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمدللہ، اور اللہ اکبر پڑھو) اس مثال میں "دُبُرَ" بربنائے ظرفیت منصوب ہے۔ اور ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ مفعول مطلق کی بناء پر منصوب ہے۔ یہ دونوں معمول ہیں جن میں تینوں عوامل میں سے ہر ایک اپنا معمول بنانے کے لیے جھگڑتے ہیں۔

تنازع فعلان میں کوفیین وبصریین کے درمیان اختلاف:

یجوز فی "ضَرَبَنِی وضربت زیدًا" اعمال الاول واختارہ الکوفیون الخ

جب دو فعل ایسے اسم ظاہر میں تنازع کریں جو ان کے بعد واقع ہے تو ان میں سے ہر ایک فعل کو عمل دلانا جائز ہے اور اس میں کوفیین وبصریین کا اتفاق ہے۔ (یہ بات ذہن نشین رہے کہ تنازع فعلان کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ کہ وہ دونوں فعل اسم ظاہر کے فاعل ہونے میں تنازع کریں جیسے ضَرَبَنِی وَاَكْرَمَنِی زَيْدٌ. دوسری صورت یہ کہ دونوں فعل اسم ظاہر کے مفعول ہونے میں تنازع کریں جیسے ضَرَبْتُ واكرمتُ زيدًا. تیسری صورت یہ کہ وہ دونوں فعل اسم ظاہر کے فاعل اور مفعول ہونے میں تنازع کریں۔ پہلا فعل چاہتا ہو کہ میرا فاعل بنے اور دوسرا چاہتا ہو کہ میرا مفعول بنے جیسے ضَرَبَنِی وَاَكْرَمْتُ زَيْدٌ، چوتھی صورت یہ کہ اول فعل اسم ظاہر کے مفعول ہونے کو چاہے اور دوسرا فعل فاعل ہونے کو جیسے "ضَرَبْتُ وَاَكْرَمَنِی زَيْدًا") لیکن کس فعل کو عمل دلانا مختار ہے اس میں کوفیین اور بصریین کے مابین اختلاف ہے۔ نحاۃ کوفہ اول فعل کے عمل دلانے کو مختار اور پسندیدہ مانتے ہیں۔ پہلے فعل کو عمل دلانا ان کے نزدیک اس وجہ سے مختار ہے کہ فعل اول اسبق الطالبین اور احسن الطالبین ہے۔ یعنی کوفیین حضرات تقدیم اور استحقاق کی وجہ سے پہلے فعل کو عمل دینا پسند کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آتا۔ اگر دوسرے فعل کو عمل دلایا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔

وَاخْتَارَهُ الْبَصْرِيُّوْنَ فَيُضْمَرُ فِی الْاَوَّلِ: اور بصریین حضرات فعل ثانی کے عمل دینے کو پسند کرتے ہیں، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ فعل ثانی کو عمل دینا کیوں پسند کرتے ہیں؟ تو صاحب کتاب نے فرمایا چونکہ فعل ثانی اسم کے زیادہ قریب ہے، اقرب الی الاسم کا اعتبار کرکے فعل ثانی کو عمل دینا پسند فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر فعل اول کو عمل دیا جائے تو عامل اور معمول کے درمیان فصل لازم آتا ہے جو

معمول میں غیر اصل ہے چونکہ اصل یہ ہے کہ معمول اپنے عامل سے متصل ہوتا ہے۔

عمل دلانے کی صورت میں ضمائر کا استعمال:

فاضل مصنفؒ کو کوفیین کا مذہب پسند ہے، اس لیے خاص طور پر پہلے نحاۃ کوفہ کا مسلک بیان فرمایا ہے کہ نحاۃ کوفہ کے نزدیک فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے، لہٰذا فعل اول کو عمل دیا جائے گا اس کے بعد دیکھا جائے کہ فعل ثانی اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو اسم ظاہر کے موافق فعل ثانی میں ضمیر مرفوع لائی جائے گی جیسے "قَامَ وَقَعَدَا أَخَوَاكَ" اس میں اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے رتبۃً نہیں اور یہ جائز ہے۔ اور اگر فعل ثانی مفعول کا تقاضہ کرتا ہے تو اس مفعول کی ضمیر منصوب لائی جائے گی جیسے "قَامَ وَضَرَبْتُهُمَا أَخَوَاكَ" اس میں بھی اضمار قبل الذکر صرف لفظاً ہے رتبۃً نہیں۔ اول مثال میں "أَخَوَاكَ" قَامَ کا فاعل ہے اور قَعَدَ فعل ثانی مفعول کا تقاضہ کرتا ہے، اس لیے اس کی ضمیر لے آئے جو ضمیر زید کی طرف راجع ہے۔ اور مرجع کے اعتبار سے مقدم ہے، کیوں کہ یہ فعل اول کا فاعل ہے لہٰذا اس سے متصل ہوگا، اگرچہ لفظاً مؤخر ہے۔ یہی صورت دوسری مثال کی ہے۔

اگر فعل ثانی مجرور کا تقاضہ کرتا ہے تو ضمیر مجرور لائی جائے گی جیسے "قَامَ وَمَرَرْتُ بِهِمَا أَخَوَاكَ" اور اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے جیسا کہ بصریین کا مسلک ہے تو فعل اول پر نظر کرو کہ فعل اول فاعل کا تقاضہ کرتا ہے یا مفعول کا، اگر فعل اول فاعل کا مقتضی ہے، یعنی اس وقت جب کہ فعل اول اسم ظاہر کو فاعل بنانا چاہتا ہو تو اس میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر مرفوع لائی جائے گی جیسے "قَامَ وَقَعَدَ أَخَوَاكَ" اور اگر مفعول یا مجرور کا تقاضہ کرتا ہے تو پھر ضمیر منصوب یا مجرور حذف کردی جائے گی، لیکن یہ حذف نسیاً منسیاً نہ ہوگا، بلکہ حذف بمعنی مقدر ہے جیسے "ضَرَبْتُ وَضَرَبَنِي أَخَوَاكَ" اور "مَرَرْتُ وَمَرَّبِي اخواكَ" آپ مفعول ومجرور کی صورت میں "ضَرَبْتُهُمَا" اور "مَرَرْتُ بِهِمَا" نہیں کہہ سکتے، کیوں کہ جب ضمیر لائی جائے گی تو اس صورت میں لفظاً ورتبۃً اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، جو کہ جائز نہیں۔

سوال:- حضرت الاستاذ! آپ کے اس دعوے پر اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح مفعول یا مجرور کی صورت میں ضمیر منصوب یا مجرور کا حذف کرنا اضمار قبل الذکر کے خوف سے لازم ہے اسی طرح مرفوع کی صورت میں بھی تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، کیوں کہ اس میں بھی اسم ظاہر بعد میں واقع ہے اور فعل اول اس سے پہلے ہے۔ اب اس میں ضمیر لائی جائے۔ اور اسم ظاہر کی طرف راجع ہو تو وہاں بھی اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، لہٰذا یہ بھی ناجائز ہونا چاہیے، کیوں کہ علت برابر ہے۔

جواب:۔ عزیزم! فعل ثانی کے عمل دینے کی صورت میں فعل اول میں ضمیر لانے میں اگرچہ اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے، لیکن یہ عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے اور آگے جو اسم ظاہر آرہا ہے اس سے ضمیر کی تفسیر ہو جائے گی، کیوں کہ ضمیر مرفوع میں اس کی وسعت ہے اور اضمار قبل الذکر کے عدم جواز کو معاف کردیا گیا ہے، کیوں کہ وہ ضمیر نا قابل سقوط ہے، اس لیے اس کو گوارہ کیا گیا۔ اگر ذکر کیا جاتا تو تکرار لازم آتا ہے، حذف کرتے ہیں تو فاعل کا حذف لازم آتا ہے، برخلاف منصوب اور مجرور کے کیوں کہ اس میں اضمار قبل الذکر کی وسعت نہیں، لہٰذا ضمیر منصوب و مجرور حذف کردی گئی۔

مذہب بصریین کی تائید میں شاعر کا قول:

جَفَوْنِي وَلَمْ أَجْفُ الْأَخِلَّاءَ: (انہوں نے مجھ پر ظلم کیا اور میں نے دوستوں پر ظلم نہیں کیا)

فاضل مصنفؒ نے بصریین کے مذہب کی تائید میں ایک شعر سے استدلال فرمایا ہے، پورا شعر اس طرح ہے

جَفَوْنِي وَلَمْ أَجْفُ الْأَخِلَّاءَ. إِنَّنِيْ ـــــ لِغَيْرِ جَمِيْلٍ مِنْ خَلِيْلِيَ مُهْمِلٌ

بصریین حضرات نے اس شعر کے ذریعہ اپنے مذہب پر استدلال اس طرح فرمایا کہ "اس شعر میں فعل ثانی" "وَلَمْ أَجْفُ" معمول متاخر لفظ "الْأَخِلَّاءَ" میں عمل کر رہا ہے۔ لہٰذا فعل اول "جَفَا" اسم فاعل کی ضمیر مرفوع کا تقاضہ کرتا ہے، لہٰذا اس میں ضمیر مرفوع واو جماعت کی شکل میں لائی گئی ہے جو معمول متاخر "الاخلاء" کی طرف راجع ہے، جو لفظاً بھی متاخر ہے اور رتبۃً بھی، کیوں کہ مفعول کا مرتبہ مؤخر ہی ہوتا ہے۔ اور چوں کہ بصریین کے نزدیک فاعل کی ضمیر مرفوع میں اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً دونوں جائز ہے، کیوں کہ اتمام کلام کی شدت احتیاج کی بناء پر اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، لہٰذا مذہب بصریین کے مطابق اس شعر سے استدلال کرنا جائز ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ضمیر مرفوع میں ان کے نزدیک اضمار قبل الذکر کے عدم جواز کو معاف کردیا گیا ہے۔ خواہ لفظاً معمول متاخر ہو یا رتبۃً۔

امرء القیس کا شعر باب تنازع سے نہیں:

وَلَيْسَ مِنْهُ، كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ کوفیین کا مذہب تو معلوم ہی ہے کہ وہ فعل اول کے عمل کو پسند کرتے ہیں، اس پر انہوں نے تیسری دلیل امرء القیس شاعر (جو افصح شعراء میں سے ہے) کے قول سے استدلال کیا ہے کہ امرء القیس شاعر جس کی فصاحت وبلاغت مشہور ہے اس نے اپنے شعر "وَلَوْ أَنَّمَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيْشَةٍ ـــــ كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ" (ترجمہ: اگر میں تھوڑی معیشت کی کوشش کرتا تو مجھے تھوڑا مال کافی ہوتا) میں پہلے فعل کو عمل دیا ہے اور "قَلِيْلٌ مِنَ الْمَالِ" کو "كَفَانِي" کا فاعل قرار دیا ہے۔ "لم اطلب" کا مفعول نہیں بنایا۔ پس معلوم ہوا

کہ فعل اول کو عمل دینا اولیٰ ہے۔ ورنہ ایسا فصیح وبلیغ شاعر اس کو نہ اختیار کرتا۔

مصنفؒ نے نحاۃ کوفہ کی تردید اور نحاۃ بصرہ کی تائید اور طرفداری کرتے ہوئے فرمایا کہ "كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ" باب تنازع سے نہیں۔ اس لیے کہ اگر اس کو باب تنازع فعلان سے کہیں اور قلیل من المال میں کفانی اور لم اطلب کا تنازع ہو تو شعر کے معنی فاسد ہو جائیں گے۔ پس کوفیوں کا اس مصرعہ سے استدلال صحیح نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شعر کے مصرعہ اول میں حرف لو ہے اور وہ شرط وجزاء پر داخل ہوتا ہے اور اس کا خاصہ ہے کہ شرط وجزاء میں سے جو مثبت ہوتا ہے اس کو منفی کے حکم میں کر دیتا ہے۔ جیسے لَو لَمْ يَجِئْنِي لَمْ أَكَافِئْهُ معنی ہٰذا القیاس شرط وجزاء پر جو معطوف ہوتا ہے اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔

اس تمہید کے بعد جان لو کہ "أَنَّمَا أَسْعَى لِأَدْنَى مَعِيشَةٍ" جملہ فعلیہ شرطیہ اور "كَفَانِي" اس کی جزاء ہے اور دونوں مثبت ہیں۔ ای لو ثبت سعي لأدنى معيشة كفاني قليل من المال۔

(یعنی اگر میں ادنیٰ معیشت کی کوشش کرتا تو قلیل مال مجھے تو کافی ہوتا) پس اس جگہ بقاعدہ مذکورہ دونوں فعل منفی ہو جائیں گے۔ اور یہ معنی ہوگا (میں نہ ادنیٰ معیشت کی کوشش کرتا ہوں اور نہ قلیل مجھے کافی ہے) پھر چوں کہ لم اطلب کا کفانی پر عطف ہے، لہٰذا یہ بھی لو کا جواب ہوگا اور تقدیری عبارت اس طرح ہوگی "لو ثبت سعي لأدنى معيشة لم اطلب" پس ادنیٰ معیشت کی سعی منفی اور لم اطلب مثبت ہوگا۔ اب اگر یہ کہیں کہ لم اطلب اور کفانی قلیل من المال کو اپنا معمول بنانے میں نزاع کرتے ہیں تو بقاعدہ بالا مثبت منفی اور منفی مثبت ہو کر یہ معنی ہوں گے "کہ میں ادنیٰ معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھے کافی ہے" اور طلب کرتا ہوں قلیل مال کو اور یہ صریح تناقض ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قول مذکور امرء القیس کا تنازع فعلان سے ثبوت نہیں، بلکہ لَمْ أَطْلُبْ کا مفعول محذوف ہے اور تقدیری عبارت "وَلَمْ أَطْلُبِ الْمُلْكَ، ای العزّ والمجدَ" ہے۔ اب اس شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ میں ادنیٰ معیشت کی کوشش نہیں کرتا اور نہ قلیل مال مجھ کو کافی ہے اور طلب کرتا ہوں میں ملک، عزت وبڑائی کو۔

یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ فساد تو اس وقت لازم آئے گا جب کہ لَمْ أَطْلُبْ کو كَفَانِي پر عطف کیا جائے لیکن لَمْ أَطْلُبْ کو جملہ مستانفہ مان لیا جائے تو وہ نفی محض کے حکم میں ہو جائے گا اور لو کے تحت داخل نہیں ہوگا تو اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ تنازع ایک شرط کے ساتھ جائز ہے وہ یہ کہ دونوں عاملوں کے درمیان ارتباط ہو اور جب جملہ مستانفہ مان لیا جائے تو اس وقت ارتباط باقی نہیں رہے گا لہٰذا تنازع نہیں ہوگا۔

باب: المفعول ـــــ (مفعول کا بیان)

بابٌ: اَلْمَفْعُوْلُ مَنْصُوْبٌ.

ترجمہ:- یہ باب اس بارے میں کہ مفعول منصوب ہوتا ہے۔

تشریح:- بابٌ. المفعولُ منصوبٌ الخ فاضل مصنفؒ فاعل کی تمام تفصیلات کے بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفاعیل خمسہ کو بیان کرنا شروع فرمایا، چنانچہ فرمایا کہ جس طرح فاعل ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے، اسی طرح مفعول ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ اور فاعل کے مرفوع ہونے کی علت یہ ہے کہ فاعل صرف ایک ہوتا ہے اور اس پر آنے والا اعراب رفع ثقیل ہوتا ہے۔ اور مفعول ایک یا اس سے زائد ہوتا ہے اور اس پر آنے والا اعراب نصب خفیف ہوتا ہے، چنانچہ نحاۃ نے ثقیل کو قلیل کے لیے اور خفیف کو کثیر کے لیے بغرض قیام مساوات مقرر فرمادیا۔

سوال (۱): فاضل مصنفؒ نے مفاعیل کو فاعل کے بعد اور اسم مجرور سے پہلے بیان فرمایا ہے اس میں کیا راز ہے؟

جواب: جس طرح فاعل ایک عامل ہوتا ہے اسی طرح مفاعیل میں بھی انفرادی طور پر ایک عامل ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عامل واحد میں دونوں شریک رہتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جو کلام میں مفعول ہوتا ہے وہ کبھی معنی میں فاعل بھی ہوتا ہے، اس وجہ سے مناسب یہ ہوا کہ فاعل کے بعد مفاعیل لائے جائیں۔ نیز مفاعیل بالنسبۃ اسم مجرورات کے زیادہ بھی ہیں اور کثرت بیان میں مقصود ہوتی ہے اور جو مقصود ہوتی ہے اس کو مقدم کیا جاتا ہے، اس وجہ سے اسم مجرورات پر مفاعیل کو مقدم کیا۔

سوال (۲): مذکورہ جواب پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مشہور تو یہ ہے کہ قلیل مقدم ہوتا ہے کثیر پر، جیسا کہ فاعل مقدم ہے مفاعیل پر لہٰذا اسمائے مجرورات کو مفاعیل پر مقدم ہونا چاہیے۔

جواب: قلیل اگر کثیر کا جزء ہو یا قلیل کے ذکر سے کثیر کا علم ہو جاتا ہو تو اس وقت قلیل کو کثیر پر مقدم کیا جاتا ہے اور یہاں دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ اسم مجرور مفاعیل کا جزء نہیں اور مجرور کے ذکر سے مفاعیل کا علم نہیں ہوتا۔

منصوب کی تعریف:

منصوب وہ اسم ہے جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو خواہ مفعول حقیقتاً ہو یا حکماً اور یہ تعمیم اس لیے ہے کہ منصوب کی یہ تعریف منصوب اصلی (مفاعیل خمسہ) اور ان منصوبات کو شامل ہو جائے جو مفعول کے ساتھ ملحق ہیں۔

اسم کے مفعول ہونے کی چار علامتیں ہیں۔ فتحہ، کسرہ، الف، یاء، جیسے رَأَیْتُ زَیْدًا، وَمُسْلِمَاتٍ وَاَبَاكَ، وَمُسْلِمِیْنَ۔

بابُ انواعِ المفعولاتِ

وَهُوَ خَمْسَةٌ.

ترجمہ:- یہ باب مفاعیل کے اقسام کے بیان میں اور وہ صحیح مذہب کے مطابق پانچ ہیں۔

تشریح:- فاضل مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مفاعیل پانچ ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

(۱) مفعول بہ جیسے ضَرَبْتُ زَیْدًا، (۲) مفعول مطلق جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا اسی کو مصدر کہا جاتا ہے (۳) مفعول فیہ اس کا دوسرا نام ظرف ہے جیسے صُمْتُ یوم الخمیس (یہ ظرف زمان کی مثال ہے کیوں کہ ظرف کی دو قسمیں ہیں، ظرف زمان، ظرف مکان) اور جَلَسْتُ اَمَامَكَ (یہ ظرف مکان کی مثال ہے) (۴) اور مفعول لہ جیسے قُمْتُ اِجْلَالًا لَكَ (۵) اور مفعول معہٗ جیسے سِرْتُ وَالنِّیْلَ۔

فاضل مصنفؒ نے اپنے قول "وَهُوَ خَمْسَةٌ" کہہ کر ان چند نحویوں کے اقوال سے احتراز کیا ہے جنھوں نے مفاعیل کی تعداد میں کمی بیشی کی ہے، مثلاً امام زجاج کے نزدیک مفاعیل کل چار ہیں، انہوں نے مفعول معہٗ کو مفعول بہ کے ساتھ ملحق قرار دیا ہے اور دونوں کے لیے مثال "سِرْتُ وَجَاوَزْتُ النِّیْلَ" فرض مانا ہے اور نحاۃ کوفہ کے نزدیک بھی مفاعیل چار ہیں انہوں نے مفعول لہٗ کو مفعول مطلق کے باب سے شمار کیا ہے جیسے قَعَدْتُ جُلُوْسًا، لیکن جمہور نحاۃ جو مفعول لہٗ کو مستقل معمول قرار دیتے ہیں انہوں نے نحاۃ کوفہ کی مخالفت کی ہیں۔ نحاۃ کوفہ اسے مستقل معمول قرار نہیں دیتے بلکہ اس کو مفعول مطلق من غیر لفظہ کہتے ہیں، ان کے نزدیک قَعَدْتُ جُلُوْسًا کی تاویل "قَعَدْتُ وَجَلَسْتُ جُلُوْسًا" یا "قَعَدْتُ قُعُوْدُ جلوس" ہے اگر مصدر کی رعایت منظور ہے تو اس کے مناسب فعل نکالا جائے جیسا کہ پہلی مثال جُلُوْسًا سے پہلے جَلَسْتُ فعل نکالا ہے اور اگر فعل کی رعایت منظور ہو تو پھر مصدر سے پہلے فعل کے ہم معنی مصدر نکالا جائے جیسا کہ جُلُوْسًا سے پہلے قعود جلوس نکالا ہے، لیکن یہ بات دھیان میں رہے کہ اگر ایک نوع کو دوسرے نوع کی تاویل میں کیا جاسکتا ہو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی نوع کا سرے سے وجود ہی ختم ہو جائے اور وہ دوسری نوع میں داخل ہو کر بعینہ وہی بن جائے مثلاً حال کو مفعول فیہ کی تاویل میں کیا جاسکتا ہے جیسے جاءَ زَیْدٌ رَاكِبًا اس کو جاءَ زَیْدٌ وقتَ الرکوب کی تاویل میں کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اگر بقول نحاۃ کوفہ مفعول لہٗ کو مفعول مطلق کی تاویل میں کرلیا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ مفعول لہٗ کا وجود ختم ہو کر اس کو مفعول مطلق میں داخل کرلیا جائے۔

اور امام سیرافی کے نزدیک مفاعیل چھ ہیں، انہوں نے مفعول منہ کا اضافہ فرمایا ہے اور دلیل باری تعالیٰ کا قول "وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا" (اور موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمی اپنی قوم میں سے منتخب کیے۔ پارہ ۹، سورہ اعراف آیت ۱۵۵) پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں قَوْمَهُ دراصل مِنْ قَوْمِهِ کے معنی میں ہے جو مفعول منہ کا مصداق ہے۔

اور امام جوہری نے مفاعیل کی تعداد چھ مقرر کرتے ہوئے مستثنیٰ کو "مفعول دونہ" نام رکھا ہے کیوں کہ اعراب میں دونوں مشترک ہیں۔

لیکن فاضل مصنفؒ نے "وَهُوَ خَمْسَةٌ" کہہ کر صحیح مذہب کو بیان فرمایا وجہ اس کی یہ ہے کہ منصوبات بارہ ہیں مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ، حال، تمیز، مستثنیٰ، حروف مشبہ بالفعل کا اسم، ما ولا المشبہتان بلیس کی خبر، لائے نفی جنس کا اسم، افعال ناقصہ کی خبر، ان میں سے اول کے پانچ کو اصول منصوبات کہتے ہیں اور باقی کو ملحقات کہتے ہیں۔ ایک شاعر فارسی مفاعیل خمسہ کی تعداد میں کہتا ہے۔

مفاعیل ہمہ پنج است بشنوی   لہ و مطلق و فیہ و معہ و بہ

ایک عربی شاعر بھی کہتا ہے

حمدت وحمدًا حمد وحيد   رعايته شكرة نحرًا مديدًا

معہٗ   مطلق   بہ   لہٗ   فیہٖ

باب: المفعول به ـــــ مفعول بہ کی تعریف اور اس کے احکام کا بیان

اَلْمَفْعُوْلُ بِهِ وَهُوَ مَا وَقَعَ عَلَيْهِ فِعْلُ الْفَاعِلِ، كَـ"ضَرَبْتُ زَيْدًا".

ترجمہ:۔ مفعول بہ اور وہ ایسا اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا (میں نے زید کو مارا)

تشریح:۔ المفعول به یہاں سے مصنفؒ نے مفاعیل خمسہ کی پہلی قسم مفعول بہ کی تعریف اور اس پر ہونے والے اعتراضات و جوابات کو تحریر فرمایا ہے جو تفصیل طلب ہے۔

مفعول بہ کی تعریف:۔ وہ ایسا اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضَرَبْتُ زَيْدًا کے اندر زیدًا مفعول بہ ہے یہ ابن حاجب کے مذہب کے مطابق تعریف ہے۔

اشکال ۱: لیکن اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ "مَا ضَرَبْتُ زَيْدًا" اور "لَا تَضْرِبْ زَيْدًا" میں زیدًا پر فاعل کا فعل واقع نہیں ہوا، چوں کہ وقوع فعل کی نفی کی جا رہی ہے اس کے باوجود دونوں

مثالوں میں لفظ زیدًا بربنائے مفعولیت منصوب ہے ایسا کیوں؟

جواب: دراصل وقوع سے مراد تعلق ہے اور مثال مذکور میں فعل ضَرَبَ کا تعلق زید کی ذات سے ہے، اس لیے بربنائے مفعولیت منصوب ہے۔ اب مفعول بہ کی تعریف اس طرح ہوگی۔ مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا ہو خواہ فعل مثبت ہو جیسے ضَرَبْتُ زیدًا، یا منفی ہو جیسے ما ضَرَبْتُ زیدًا، یا نہی ہو جیسے لَاتَضْرِبْ زَیْدًا۔

اشکال ۲: اب اگر کوئی کہے کہ "مَاتَ زَیْدٌ" میں زید فاعل ہے حالاں کہ مفعول بہ کی تعریف اس پر صادق آتی ہے، اس لیے کہ موت زید پر واقع ہے۔

جواب: فاعل کے وقوع فعل سے مراد یہ ہے کہ فعل فاعل سے صادر ہو کر مفعول بہ پر واقع ہو اور یہاں ایسا نہیں، اس لیے کہ موت فاعل سے صادر ہو کر زید پر واقع نہیں ہوئی بلکہ وہ زید کی روح کے پرواز کر جانے سے متحقق ہوئی۔

قوله ما وقع عليه فعل الفاعل: مفعول بہ کی تعریف ما وقع علیہ فعل الفاعل سے کر کے باقی مفاعیل کو خارج کیا ہے، کیوں کہ ان مفاعیل میں سے کوئی ایسا نہیں جس پر یہ صادق آئے کہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہے، بلکہ ان میں بجائے علیہ کے مفعول فیہ میں فیہ مفعول لہ میں لہ مفعول معہ میں معہ لایا جائے گا اور جس طرح مفعول بہ کی تعریف سے مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ خارج ہوئے اسی طرح مفعول مطلق بھی خارج ہے، کیوں کہ مفعول بہ کی تعریف ما وقع علیہ فعل الفاعل سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل اور ہے اور جس پر واقع ہے وہ اور ہے، ان دونوں میں اتحاد نہیں مغایرت ہے اور مفعول مطلق اپنے فعل کے معنی میں ہوتا ہے، لہٰذا اس میں اور اس کے فعل میں اتحاد ہوگا مغایرت نہ ہوگی۔

بابُ المنادٰی ـــــ منادیٰ کا بیان

وَمِنْهُ الْمُنَادٰی۔

ترجمه:- اور اسی (یعنی مفعول بہ) سے منادیٰ ہے۔

تشریح:- فاضل مصنفؒ نے فرمایا کہ مفعول بہ کی بحث سے منادیٰ ہے، چوں کہ منادیٰ ترکیب میں مفعول بہ ہوتا ہے، اس لیے منادیٰ کو مفعول بہ کی بحث میں بیان فرمایا ہے۔ جیسے یَاعَبْدَ اللّٰهِ (یہ منادیٰ مضاف کی مثال ہے) یا حرف ندا قائم مقام ادعوا فعل کے، ادعوا فعل با فاعل، عبد مضاف، لفظ اللہ مضاف الیہ، مضاف الیہ اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا ادعوا فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ صورۃً اور معنی انشاء ہوا۔ اس مثال میں یا، حرف ندا کی اصل

ادعوا فعل ہے جسے حذف کر دیا گیا اور یاء حرف ندا کو اس کا قائم مقام کر دیا گیا ہے۔

نوٹ:- راقم الحروف معذرت پیش کرتے ہوئے قارئین کرام کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ منادیٰ کی موجودہ بحث مبادیات کے سمجھے بغیر سمجھنا دشوار ترین مسئلہ ہے، لہٰذا مجبوراً مبادیات اور مقدمات کو بطور تمہید کے ذکر کر رہا ہے۔

مبادی و مقدمہ:- منه المنادى کبھی مفعول بہ کے عامل کو وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے، اس کے چار مواقع ہیں۔ ان چار مقامات کی تخصیص کثرت مباحث کی وجہ سے تحدید کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ ان چار مقامات کے علاوہ بھی کچھ مقامات ہیں جن میں مفعول بہ کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ (یہاں وہ مقصود نہیں)

ان چار مقامات میں سے جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے پہلی جگہ سماعی ہے، اس میں قیاس کا دخل نہیں، جن مثالوں میں اہل عرب سے حذف کرنا سنا گیا ہے وہیں حذف کیا جائے گا، دوسری جگہ نہیں۔ جیسے "اِمْرَءًا وَنَفْسَهٗ" یعنی "اُتْرُكْ اِمْرَءًا وَنَفْسَهٗ" (چھوڑ تو آدمی کو اس کی ذات کے ساتھ) یہاں اِمْرَءًا سے پہلے اُتْرُكْ محذوف ہے۔

دوسری جگہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے ما اضمر عامله على شريطة التفسير ہے یعنی ہر وہ مفعول بہ جس کے عامل کو اس شرط پر حذف کیا گیا ہو کہ اس کی تفسیر آگے آرہی ہے جیسے "زَيْدًا ضَرَبْتُهٗ" (میں نے زید کو مارا) زیدا سے پہلے ضَرَبْتُ فعل محذوف ہے، جس کی تفسیر بعد والا ضَرَبْتُ کر رہا ہے۔

تیسری جگہ جہاں مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے تحذیر ہے۔ تحذیر وہ اسم ہے جو اِتَّقِ فعل مقدر کا معمول ہو ڈرانے کی وجہ سے اس چیز سے جو اس معمول کے بعد ہو۔ جیسے اِيَّاكَ وَالْاَسَدَ (بچ تو شیر سے)۔

چوتھی جگہ جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے منادیٰ ہے۔ اور فعل کے قائم مقام حرف ندا کو کر دیا جاتا ہے جیسے یَازَیْدُ اَدْعُوْا فعل محذوف ہے، عامل کے محذوف ہونے کے اعتبار سے مفعول بہ سے تعلق رکھتا ہے، اسی لیے "وَمِنْهُ الْمُنَادٰى" کہا گیا ہے۔

سوال: منادیٰ یعنی جب کسی کو پکارا جائے تو اس وقت فعل کا حذف کرنا واجب ہے۔ کیوں؟

جواب: اس وقت فعل کا حذف کرنا واجب ہے، کیوں کہ مقصود اس وقت صرف اس کو پکارنا نہیں ہوتا، بلکہ اس کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس سے کوئی کام مقصود ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر فعل کو ذکر کریں تو مقصود میں تاخیر ہو جائے گی۔

مناد یٰ کی تعریف: ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی توجہ ایسے حرف کے ذریعہ مطلوب ہو جو اَدْعُوا فعل کے قائم مقام ہو خواہ وہ لفظاً مذکور ہو یا تقدیراً۔

حروف نداء کی تعداد:۔ جو حروف اَدعوا فعل کے قائم مقام ہیں ان کو حروف نداء کہتے ہیں ایسے حروف پانچ ہیں یا، اَیَا، ھَیَا، اَیْ، ہمزہ مفتوحہ۔

منادیٰ ترکیب میں مفعول بہ ہوتا ہے اور اس کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں، جن کو فاضل مصنفؒ نے قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے جو آئندہ آ رہی ہے۔

بَابُ نَصْبِ الْمُنَادٰی فِی ثَلَاثَةِ اَنْوَاعٍ

وَاِنَّمَا يُنْصَبُ مُضَافًا، كـ "يَاعَبْدَ اللّٰهِ" اَوْ شِبْهَهٗ كـ "يَا حَسَنًا وَجْهُهٗ" وَ "يَا طَالِعًا جَبَلًا" وَ "يَارَفِيْقًا بِالْعِبَادِ" اَوْ نَكِرَةً غَيْرَ مَقْصُوْدَةٍ كَقَوْلِ الْاَعْمٰى: يَارَجُلًا خُذْ بِيَدِيْ"۔

ترجمہ:۔ اور در حقیقت منادیٰ نصب دیا جاتا ہے بشرطیکہ مضاف ہو جیسے "یاعبداللّٰہ" یا شبہ مضاف ہو جیسے "يَا حَسَنًا وَجْهُهٗ" اور "يَا طَالِعًا جَبَلًا" اور "يَارَفِيْقًا بِالْعِبَادِ" یا نکرہ غیر مقصودہ ہو۔ جیسے اعمیٰ کا قول "يَارَجُلًا خُذْ بِيَدِيْ"۔

تشریح:۔ وَاِنَّمَا يُنْصَبُ مُضَافًا الخ منادیٰ پر کبھی تو رفع آتا ہے کبھی نصب اور کبھی جر، لیکن کتنی حالتوں میں نصب آتا ہے۔ صاحب کتاب نے انہیں حالات و مسائل کو اس عبارت میں بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں تین مسائل میں منادیٰ لفظاً منصوب ہوتا ہے۔

(۱) منادیٰ مضاف ہو جیسے "يَاعَبْدَ اللّٰهِ، يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" سابق میں اس کی ترکیب گزر چکی ہے۔ اور شاعر کا قول

اَلَا يَا عِبَادَ اللّٰهِ قَلْبِیْ مُتَيَّمٌ ـــــــ بِاَحْسَنِ مَنْ صَلّٰى وَاَقْبَحِهِمْ بَعْلًا

(ترجمہ: سنو! اے اللہ کے بندو میرا دل اس شخص کا گرویدہ ہے جو عمدہ نماز پڑھے اور ان میں سب سے بدترین بعل نامی شخص ہے۔)

یہ اخطل تغلبی نصرانی کا کلام ہے اس میں محل استشہاد "يَاعِبَادَ اللّٰهِ" منادیٰ مضاف ہے جو لفظاً منصوب ہے۔

(۲) منادیٰ مشابہ مضاف ہو: مشابہ مضاف سے مراد وہ اسم ہے جس کا معنی بدون انضمام مابعد کے تام نہ ہو جیسا کہ مضاف اور مضاف الیہ کا حال ہے کہ مضاف بدون مضاف الیہ کے تام نہیں ہوتا ہے۔

وہ اسم جس کے انضمام سے معنی تام ہوتا ہے اس کی کئی صورتیں ہیں، یا تو وہ منادیٰ سے اسم مرفوع ہوگا جیسے "یامحمودًا فعلُهٗ"۔ "یا حسنًا وجهُهٗ"۔ "یاجمیلًا فعلُهٗ" اور "یاکثیرًا برُّهٗ" ان تمام مثالوں میں منادیٰ کا مابعد منادیٰ سے مرفوع ہے۔

("یا محمودًا فعلُهٗ" کی ترکیب اس طرح کی جاسکتی ہے۔ یا حرف نداء قائم مقام اَدْعُوا فعل کے، اَدْعُوا فعل با فاعل، محمودًا شبہ فعل، فعلُهٗ مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل، شبہ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر منادیٰ مشابہ مضاف اس لیے کہ محمودًا ایسا لفظ ہے جس کے معنی علی وجہ الکمال سمجھنا موقوف ہے مابعد اسم پر "یاحسنًا وجهُهٗ" "یاجمیلًا فعلُهٗ" "یا کثیرًا برُّهٗ" میں حسنًا، جمیلًا، کثیرًا، تینوں صیغہ صفت ہیں، اسی وجہ سے ان کے مابعد کا اسم بر بنائے فاعلیت مرفوع ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ صفت مشبہ کا فاعل اگر مرفوع ہے تو صفت مشبہ کا فاعل ہوگا، اس کی دلیل یہ ہے کہ صیغہ صفت بھی اسم فاعل جیسا عمل کرتا ہے، اس کے ساتھ تثنیہ اور جمع لائے جانے میں مشابہت کی وجہ سے لہٰذا بوجہ مناسبت اسم فاعل کا حکم صفت مشبہ کو بھی دیا جائے گا اور جس طرح اسم فاعل مابعد کو علی الفاعلیت رفع دیتا ہے یہ صفت مشبہ بھی وہی عمل کرے گا اور یہ تمام مثالیں مشابہ مضاف کی ہیں، کیوں کہ ان کا معنی علی وجہ الکمال سمجھنا موقوف ہے مابعد اسم پر۔

ترکیب اس طرح کی جاسکتی ہے۔ یا حرف نداء قائم مقام اَدْعُوا فعل کے، ادعوا فعل با فاعل، حَسَنًا شبہ فعل، وَجْهُهٗ مضاف مضاف الیہ سے مل کر نائب فاعل، شبہ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر مشابہ منادیٰ مضاف اس لیے حَسَنًا ایسا لفظ ہے جس کا معنی علی وجہ الکمال سمجھنا مابعد اسم پر موقوف ہے۔ (وَقِسْ علیٰ هذا مابعدهٗ)

یا وہ اسم جس کے انضمام سے معنی تام ہوتا ہے یا تو وہ منادیٰ سے منصوب ہوگا جیسے "یا طالعًا جبلًا" (اے پہاڑ پر چڑھنے والے) اس مثال میں منادیٰ مشابہ مضاف ہے اور منادیٰ کا مابعد جس کے انضمام کے بغیر طالعًا منادیٰ کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا وہ منادیٰ سے منصوب ہے، اور طالعًا مشابہ مضاف اس وجہ سے ہے کہ اس کے معنی ہیں چڑھنے والا۔ تو جب تک کوئی چیز ایسی نہ ذکر کر دی جائے جس پر چڑھا جاتا ہو اس وقت تک طالعًا کے معنی نہ سمجھ میں آئیں گے، اس لیے مشابہ مضاف ہو۔

اب ترکیب یوں ہوگی۔ یا حرف ندا قائم مقام ادعوا فعل با فاعل، طالعًا شبہ فعل، جبلًا اس کا مفعول، شبہ فعل اپنے مفعول سے مل کر مفعول ہوا اَدْعُوا فعل کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ صورۃً اور معنًی انشاء ہوا۔

یا وہ مجرور ہوگا ایسے حرف جر سے جو منادیٰ سے متعلق ہو جیسے تیرا قول "یا رَفِیْقًا بِالْعِبَادِ" میں

ثقۃ "بِھَا" اپنے حرف جر سے مجرور ہے جو جر منادیٰ سے متعلق ہے اور وہ منادیٰ مشابہ مضاف ہے اسی پر "یَا خَیْرًا مِنْ زَیْدٍ" کو قیاس کر لیجیے۔

یا وہ اسم نداء سے پہلے معطوف علیہ ہو جیسے تیرا قول "یَا ثَلَاثَۃً وَثَلَاثِیْنَ" کسی آدمی کے بارے میں جس کا نام یہ رکھ دیا گیا ہو۔

(۳) منادیٰ نکرہ غیر مقصودہ ہو۔ جیسے اعمی کا قول "یَا رَجُلًا خُذْ بِیَدِیْ" اس میں منادیٰ نکرہ غیر مقصودہ ہے، ترکیب اس طرح ہوگی، یا حرف ندا قائم مقام ادعوا فعل کے، رَجُلًا مفعول بہ ادعوا فعل با فاعل اپنے مفعول سے مل کر جملہ لفظیہ خبریہ صورۃ اور معنی انشاء ہوا۔

شاعر نے بھی نکرہ غیر مقصودہ ہونے کی صورت میں منادیٰ کو منصوب پڑھا ہے جیسے شاعر کا قول

فَیَا رَاکِبًا اِمَّا عَرَضْتَ فَبَلِّغَنْ   نَدَامَایَ مِنْ نَجْرَانَ اَنْ لَا تَلَاقِیَا

(ترجمہ: اے سوار اگر تو جاز پہنچے تو میرے نجرانی دوستوں کو یہ پیغام ضرور پہنچا دینا کہ ہماری کوئی ملاقات متوقع نہیں ہے) اس شعر میں محل استشہاد "یَا رَاکِبًا" ہے جو منادیٰ نکرہ غیر مقصودہ ہونے کی وجہ سے لفظاً منصوب ہے۔ (یہ عبد یغوث بن وقاص حارثی کا کلام ہے)

نکرہ غیر مقصودہ کا مطلب:

نکرہ غیر مقصودہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی غیر معین شخص کو بغیر دیکھے پکارے، کیوں کہ دیکھ کر اگر کسی کو پکارے گا تو اس وقت نکرہ معین ہو جائے گا۔ مثلاً کسی آدمی کو دیکھ کر کوئی یا رجل کہے تو یہ رجل محض نکرہ نہ رہے گا بلکہ معین ہو جائے گا، اس کو نکرہ معین کہتے ہیں اور یہ رفع پر مبنی ہوتا ہے اور غیر معین ہونے کی صورت میں یا رجلا کہیں گے۔

وَالْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَۃُ یُبْنٰی عَلٰی مَا یُرْفَعُ بِہٖ کَـ "یَا زَیْدُ" وَ "یَا زَیْدَانِ" وَ "یَا زَیْدُوْنَ" وَ "یَا رَجُلُ" لِمُعَیَّنٍ۔

ترجمہ:- اور منادیٰ اگر مفرد معرفہ ہو تو رفع پر مبنی ہوتا ہے جیسے یا زیدُ، یا زیدانِ، یا زیدون، یا رجلُ کسی معین شخص کے لیے۔

تشریح:- والمفرد المعرفۃ الخ منادیٰ کا مبنی علی الرفع ہونا دو شرطوں پر موقوف ہے (۱) مفرد ہو (۲) معرفہ ہو۔ مفرد کا مطلب یہ ہے کہ منادیٰ مضاف اور شبہ مضاف نہ ہو، اس لیے واحد، تثنیہ، جمع سب علامت رفع پر مبنی ہوں گے جیسے یا زیدُ، یا زیدانِ، یا زیدون، واحد میں رفع ضمہ کے ساتھ ہوتا ہے اور تثنیہ میں الف اور نون کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جمع میں واؤ نون کے ساتھ ہوتا ہے۔

معرفہ کا مطلب یہ ہے کہ منادیٰ کی مراد متعین ہو خواہ ندا سے پہلے معرفہ ہو جیسے زید اور عمرو، یا ندا کے بعد معرفہ ہو اس پر متوجہ ہونے کی وجہ سے جیسے رجلٌ، انسانٌ، ان دونوں سے مراد متعین ہے اسی کو دیگر نحاۃ نے اس طرح فرمایا کہ نکرہ پر اگر حرف ندا داخل کیا جائے تو وہ بھی رفع پر مبنی ہوگا۔ جیسے یارجلُ اس کو نکرہ معینہ کہتے ہیں، جب یہ دونوں امور کسی اسم میں موجود ہوں تو وہ اسم مبنی علی الرفع ہونے کا مستحق ہوگا، اگرچہ وہ معرب ہو جیسے یازیدُ ضمہ کے ساتھ، یازیدانِ الف کے ساتھ، یازیدون واؤ کے ساتھ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد "یٰنُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا" (بولے یا نوح تو نے ہم سے جھگڑا کیا۔ پ۱۲، سورہ ہود، آیت ۳۲) میں "یٰنُوْحُ" اسم منادیٰ ہے جو مفرد و معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الرفع ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "یَا جِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ" (اے پہاڑ خوش آوازی سے پڑھو اس کے ساتھ۔ پ۲۲، سورہ سبا، آیت ۱۰) میں بھی "یَاجِبَالُ" منادیٰ مفرد و معرفہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الرفع ہے۔

بَابٌ. اَلْمُنَادٰی الْمُضَافُ لِیَاءِ الْمُتَکَلِّم

وہ منادیٰ جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس کا اعراب

فَصْلٌ: وَتَقُوْلُ "یَاغُلَامِ" بِالثَّلَاثِ، وَبِالْیَاءِ فَتْحًا وَاِسْکَانًا، وَبِالْاَلِفِ

ترجمہ:۔ فصل۔ اور آپ "یَاغُلَامِ" تینوں حرکات کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں اور یاء کے فتحہ اور سکون کے ساتھ، اور یاء کو الف سے بدل کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

منادیٰ مضاف ہو یاء متکلم کی طرف کا اعراب:

وہ منادیٰ جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف جیسے "غُلَامِیْ" تو باعتبار اعراب کے اس میں چھ لغات جائز ہیں۔ راقم الحروف نے "وہ منادیٰ جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو" کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ لغات ستہ کا جواز صرف اس منادیٰ میں ہے جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو ہر ایسا اسم جو یاء متکلم کی طرف مضاف اور منادیٰ نہ ہو اس میں یہ لغات ستہ جائز نہیں۔

وہ لغات ستہ یہ ہیں (۱) یَاغُلَامِیْ۔ یاء ساکنہ کے اثبات کے ساتھ جیسے باری تعالیٰ کا قول "یٰعِبَادِیْ لَاخَوْفٌ عَلَیْکُمْ" (اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر۔ پ۲۵، سورہ زخرف، آیت ۶۸) اس آیت میں "یٰعِبَادِیْ" یاء ساکنہ کے اثبات کے ساتھ ہے۔

(۲) یَاغُلَامِ۔ یاء ساکنہ کو حذف کرکے کسرہ کے باقی رکھنے کے ساتھ تاکہ کسرہ دال ہو یاء

محذوف پر جیسے باری تعالیٰ کا قول "یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ" (اے بندو میرے مجھ سے ڈرو۔ پ۲۳، سورۂ زمر، آیت ۱۶) میں "یٰعِبَادِ" محل استشہاد ہے۔

(۳) اس حرف کو ضمہ دینا جو یاء کی وجہ سے مکسور تھا (یعنی یاء ساکنہ کو حذف کرنے کے بعد اس حرف کو ضمہ دینا جو یاء کی وجہ سے مکسور تھا) لیکن یہ ضعیف لغت ہے، جیسے "یا اُمُّ لا تفعلی" میں "یا اُمُّ" کا میم یاء کی وجہ سے مکسور تھا، لیکن یہاں ضمہ کے ساتھ پڑھا جا رہا ہے، یہی حال باری تعالیٰ کا قول "قَالَ رَبُّ احْكُمْ بِالْحَقِّ" (رسول نے کہا اے رب فیصلہ کر انصاف کا۔ پ۱۷، سورۂ انبیاء، آیت ۱۱۲) میں "رَبُّ" کا ہے جو یاء حذف کے بعد ضمہ کے ساتھ پڑھا جا رہا ہے۔

(۴) یَاغُلَامِیَ:۔ یاء کا فتحہ۔ باری تعالیٰ کا قول "یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ" (کہہ دے اے بندو میرے جنھوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر۔ پ۲۴، سورۂ زمر، آیت ۵۳) میں "یَاعِبَادِیَ" یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(۵) یَا غُلَامَا:۔ یاء کو الف سے بدل کر پڑھنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یاء مفتوحہ سے ماقبل کے کسرہ کو فتحہ سے بدل دیا گیا۔ اب تعلیل ہوئی یاء متحرک ماقبل مفتوح ماقبل کے فتحہ کی مناسبت سے یاء کو الف سے بدل دیا گیا یَاغُلَامِیَ سے یَاغُلَامَا ہو گیا۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "یَا حَسْرَتَا عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ" (ہائے افسوس اس بات پر کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف سے۔ پ۲۴، سورۂ زمر، آیت ۵۶) میں "یَا حَسْرَتَا" اصل میں "یَا حَسْرَتِیَ" تھا بعد تعلیل یَاحَسْرَتَا ہو گیا ہے۔ یہی حال باری تعالیٰ کا قول "یَا اَسَفَا عَلٰی یُوْسُفَ" (اے افسوس یوسف پر۔ پ۱۳، سورۂ یوسف آیت ۸۴) میں یَا اَسَفَا کا ہے جو اصل میں اَسَفِیَ تھا بعد تعلیل اَسَفَا ہو گیا۔

(۶) یَاغُلَامَ:۔ الف کو حذف کر کے فتحہ باقی رکھنے کے ساتھ تاکہ فتحہ الف کے محذوف ہونے پر دلالت کرے جیسے شاعر کا قول: وَلَسْتُ بِرَاجِعٍ مَا فَاتَ مِنِّیْ ــــ بِلَهْفَ وَلَا بِلَیْتَ وَلَا لَوَانِّیْ

(ترجمہ: اور مجھ سے جو چیز فوت ہو جائے میں اسے کلمہ لهف، اور لیت، اور لو انّی کے ذریعہ نہیں لوٹا سکتا۔) اس شعر میں محل استشہاد "بِلَهْفَ" اور "لَیْتَ" ہے یہ اصل میں بِلَهْفَا تھا الف کو حذف کر دیا گیا اور فتحہ کو باقی رکھا تا کہ دلالت کرے اس بات پر کہ الف یہاں سے محذوف ہے۔

لهف سے مراد وہ کلمہ ہے جس سے فوت شدہ مافات پر افسوس کیا جاتا ہے یعنی فلاں پر کس قدر افسوس ہے۔

یَاغُلَامُ بِالثَّلَاثِ کی توضیح:۔ اس عبارت کے ذریعہ فاضل مصنفؒ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یَاغُلَامُ کے میم کو ضمہ، فتحہ، کسرہ تینوں حرکات پڑھنا جائز ہے جیسے یاغلامُ، یاغلامَ یاغلامِ۔

باب حکم اب، وام، فی النداء اذا کان مضافین الی الیاء

منادیٰ اب اور اُم جب مضاف ہو یاء متکلم کی طرف کا بیان

وَيَا أَبَتِ، وَيَا أُمَّتِ، وَيَابْنَ أُمَّ، وَيَابْنَ عَمَّ بِفَتْحٍ وَكَسْرٍ وَإِلْحَاقُ الْأَلِفِ أَوِ الْيَاءِ لِلْأَوَّلَيْنِ قَبِيحٌ، وَلِلْآخَرَيْنِ ضَعِيفٌ.

ترجمہ:- اور یا أبتِ اور یا أمّتِ اور یاابن أمّ اور یابن عمّ کو فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اور پہلے دونوں کے لیے الف یاء کے الحاق کے ساتھ پڑھنا قبیح ہے اور اخیر کے دونوں کے لیے ضعیف ہے۔

جب منادیٰ اَبْ اور اُمْ یاء متکلم کی طرف مضاف ہو:

یا أبتِ ویا أمّتِ الخ جب منادیٰ لفظ "اَبْ" یا "اُمْ" ہو اور یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں دس لغتیں جائز ہیں۔ چھ تو وہی جو اوپر مذکور ہیں۔ اور چار لغتیں یہاں پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) یاء کو تاء مکسورہ سے بدل کر پڑھنا جیسے "یا أبتِ" ابن عامر کے علاوہ تمام قراء سبعہ نے اسی طرح پڑھا ہے تاء پر کسرہ پڑھنے کی صورت میں یاء کی مناسبت کا لحاظ کیا گیا ہے، کیوں کہ یاء کسرہ کا تقاضہ کرتی ہے، اس لیے تاء پر کسرہ دیا گیا تا کہ عوض اور معوض میں مناسبت رہے۔

(۲) یاء کو تاء مفتوحہ سے بدل کر پڑھنا جیسے یا أبتَ یہ ابن عامر کی قراءت ہے۔ تاء پر فتح پڑھنے کی صورت میں یاء کے حرکت کی رعایت ہے یاء پر فتح تھا لہٰذا اس کے عوض میں جو تاء ہے، اس پر بھی فتح پڑھا جائے گا تا کہ عوض اور معوض دونوں کی حرکت سے مطابقت رہے۔

(۳) یاء کو تاء اور الف سے بدل کر پڑھنا جیسے یا أبتا، یا أمّتا، اس میں یاء کے دونوں عوض کا اجتماع ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ قراءت شاذ ہے۔

(۴) منادیٰ کو تاء اور یاء کے ساتھ پڑھنا جیسے یا أبتی، یا أمّتی۔

آخر کی یہ دونوں لغتیں قبیح ہیں اور نمبر ۳ تو ۴ سے کہیں زیادہ قبیح ہے اور مناسب تو یہ ہے کہ یہ جائز ہی نہیں ہو، کیوں کہ تاء اور الف، یا تاء اور یاء کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس صورت میں عوض اور معوض دونوں کا اجتماع لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں۔ فقط ضرورت شعری کی بناء پر جواز کا حکم دے دیا گیا ہے۔

منادی کا ایسے اسم کی طرف مضاف ہونا جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو:

یَابْنَ اُمَّ، یَابْنَ عَمَّ کی تشریح: فاضل مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب منادی مضاف ہو ایسے اسم کی طرف جو خود یاء متکلم کی طرف مضاف ہے تو اس اسم میں یاء مفتوحہ یا یاء ساکنہ کا باقی رکھنا جائز ہے جیسے یَاغُلَامَ غُلَامِیْ البتہ منادی لفظ "اِبْنَ اُمَّ یا اِبْنَ عَمَّ" ہو تو ان میں چار قسمیں جائز ہیں۔

(۱) میم کے فتحہ کیساتھ پڑھنا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ" (وہ بولا کہ اے میری ماں کے بیٹے لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا۔ پ۹ سورہ اعراف، آیت ۱۵۰) اور باری تعالیٰ کا قول "قَالَ یَابْنَ اُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْیَتِیْ" (فرمایا اے میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی نہ پکڑ۔ پ۱۶ سورہ طٰہٰ، آیت ۹۴) ان دونوں مثالوں میں میم کو فتحہ کے ساتھ قراء سبعہ نے پڑھا ہے۔

(۲) میم کے کسرہ کے ساتھ پڑھنا۔ مذکورہ بالا آیات میں قراء سبعہ نے میم کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے جس طرح وہ میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

اشکال:- یَابْنَ اُمَّ اور یَابْنَ عَمَّ میں بغرض تخفیف الف کو حذف کرکے میم کے فتحہ پر اکتفاء کیا گیا ہے، یہ صورت باب "یَاغُلَامِیْ" میں شاذ ہے، یہاں کیوں جائز ہے؟

جواب:- یَابْنَ عَمَّ اور یَابْنَ اُمَّ کا استعمال بکثرت ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں یَاغُلَامِیْ کے اعتبار سے الفاظ زیادہ ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ میم مشدد ہے جس سے ثقل میں اور اضافہ ہو گیا یہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے اس میں مزید تخفیف کی گنجائش نکالی گئی۔

(۳) یاء کو باقی رکھنے کے ساتھ پڑھنا۔ جیسے ابوزبید طائی حرملہ بن منذر کا وہ شعر جو اس نے اپنے بھائی کی مرثیہ میں تحریر فرمایا ہے ۔

یَابْنَ اُمِّیْ وَیَا شُقَیِّقَ نَفْسِیْ   اَنْتَ خَلَّفْتَنِیْ لِدَهْرٍ شَدِیْدِ

(ترجمہ اے میری ماں کے بیٹے، اور اے میرے جگر کے ٹکڑے تو نے مجھے ایک سخت زمانہ کے لیے جانشین مقرر فرمایا) اس شعر میں محل استشہاد "یَابْنَ اُمِّیْ" ہے۔ شاعر نے یاء کو باقی رکھتے ہوئے استعمال کیا ہے۔

(۴) یاء کو الف سے بدل کر پڑھنا جیسے ابوالنجم فضل بن قدامہ عجلی کا شعر

یَا ابْنَةَ عَمَّا لَا تَلُوْمِیْ وَاهْجَعِیْ۔ (ترجمہ اے میرے چچا کی بیٹی مجھے لعنت وملامت مت کر اور مجھ سے ناراض مت ہو) اس شعر میں محل استشہاد "یَا ابْنَةَ عَمَّا" ہے، جس میں یاء کو الف سے بدل کر پڑھا گیا ہے۔ لیکن اخیر کے دونوں یعنی ۳، ۴ قلیل الاستعمال لغت ہیں۔

بَابُ أَحْكَامِ تَابِعِ الْمُنَادٰى

فَصْلٌ: وَيَجْرِيْ مَا أُفْرِدَ، أَوْ أُضِيْفَ مَقْرُوْنًا بِأَلْ، مِنْ نَعْتِ الْمَبْنِيِّ وَتَأْكِيْدِهٖ وَبَيَانِهٖ وَنَسَقِهِ الْمَقْرُوْنِ بِأَلْ، عَلٰى لَفْظِهٖ أَوْ مَحَلِّهٖ، وَمَا أُضِيْفَ مُجَرَّدًا عَلٰى مَحَلِّهٖ، وَنَعْتُ أَيٍّ عَلٰى لَفْظِهٖ، وَالْبَدَلُ الْمُجَرَّدُ، (وَالنَّسَقُ الْمُجَرَّدُ) كَالْمُنَادَى الْمُسْتَقِلِّ مُطْلَقًا۔

ترجمہ:- (جو منادیٰ مبنی علی الرفع ہوتا ہے اس کے توابع کا حکم یہ ہے کہ) وہ توابع مفرد ہو یا مضاف معرف باللام ہو (اور ترکیب میں) وہ مبنی کی نعت یا تاکید یا بیان یا صیغۂ صفت ہو جو الف لام کے ساتھ لایا گیا ہے تو وہ منادیٰ کے لفظ پر یا محل پر جاری ہوگا۔ اور وہ توابع منادیٰ جو مضاف ہو اور الف لام سے خالی ہو تو وہ منادیٰ کے محل پر قیاس کیا جائے گا۔ اور لفظ "اَیّ" کی نعت منادیٰ کے لفظ پر جاری ہوگی۔ اور وہ بدل اور صیغۂ صفت جو الف لام سے خالی ہے وہ مطلقاً منادیٰ مستقل کی طرح ہوتا ہے۔

منادیٰ مبنی کے توابع کے احکام:

وَيَجْرِيْ مَا أُفْرِدَ الخ مصنفؒ منادیٰ کے حالات سے فارغ ہو کر اس کے توابع کے احکام کو بیان کر رہے ہیں۔ پہلے منادیٰ مبنی کے توابع کے احکام کو بیان کریں گے بعد میں معرب کے توابع کے احکامات بیان کریں گے۔

صورت مسئلہ:- منادیٰ جب مبنی علی الرفع ہو اور اس کا تابع نعت ہو، یا تاکید ہو، یا بیان ہو، یا صیغۂ صفت ہو جو معرف باللام ہو بشرطیکہ یہ سب کے سب مفرد ہوں تو اس وقت تابع منادیٰ کو منادیٰ کے لفظ پر قیاس کرتے ہوئے رفع پڑھنا جائز ہوگا اور محل مفعولیت پر قیاس کر کے نصب پڑھنا جائز ہوگا۔

نعت کی مثال:- جیسے "یَازَیْدُ الظَّرِیْفُ" (اے زید ظریف) اس مثال میں لفظ "الظَّرِیْفُ" منادیٰ کا تابع ہے اور نعت ہے اس کو منادیٰ کے لفظ پر قیاس کر کے رفع کے ساتھ اَلظَّرِیْفُ پڑھنا بھی جائز ہے اور محل مفعولیت پر قیاس کر کے نصب کے ساتھ اَلظَّرِیْفَ پڑھنا بھی جائز ہے۔

تاکید کی مثال:- جیسے "یَاتَمِیْمُ اَجْمَعُوْنَ" (اے تمام کے تمام) اس مثال میں لفظ "اجمعون" منادیٰ کا تابع ہے اور تاکید ہے، لہٰذا لفظ پر قیاس کر کے رفع کے ساتھ اجمعون اور محل مفعولیت پر قیاس کرتے ہوئے اَجْمَعِیْنَ پڑھنا جائز ہے۔

بیان کی مثال:- جیسے "یَا سَعِیْدُ کُرْزٌ" اس مثال میں "کُرْزٌ" منادیٰ کا تابع ہے اور بیان

ہے لہٰذا رفع کے ساتھ "کُرْزٌ" اور نصب کے ساتھ "کُرْزًا" دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

صیغہ نسق کی مثال:- جیسے "یَازَیْدُ وَالضَّحَّاکُ" اس مثال میں والضحاک صیغہ صفت ہے جو الف لام کے ساتھ ہے اور منادیٰ کے تابع ہے لہٰذا منادیٰ کے لفظ پر قیاس کر کے رفع کے ساتھ اور محل پر قیاس کر کے نصب کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔ رؤبہ بن عجاج نامی شاعر نے بھی اسی طرح اپنے کلام میں استعمال فرمایا ہے جس میں حکم بن عبد الملک بن بشر بن مروان بن حکم کی مدح سرائی فرمائی ہے۔ جیسے "یا حَکَمُ الوارث عن عبد الملك" (اے خلیفہ عبد الملک کی طرف سے وارث حکم) اس شعر میں محل استشہاد "الوارث" ہے جو کہ صیغہ نعت معرف باللام ہے اور منادیٰ مبنی کا تابع ہے۔ شاعر نے اسے بربنائے محل منصوبیت نصب پڑھا ہے اور اس کو رفع کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے۔

اسی طرح جریر بن عطیہ نامی شاعر نے اپنے کلام جس میں اس نے امیر المومنین عمر بن عبد العزیز بن مروان کی مدح سرائی کی ہے۔ صیغہ نعت کو دونوں طرح پڑھا ہے۔ شاعر کا قول

فَمَا كَعْبُ ابْنُ مَامَةَ وَابْنُ أَرْوَى ... بِأَجْوَدَ مِنْكَ يَا عُمَرُ الْجَوَادَا

(ترجمہ: کعب ابن مامہ اور ابن اروی تم سے زیادہ سخی نہیں اے عمر جواد)

اس شعر میں محل استشہاد "اَلْجَوَادَا" ہے جو کہ صیغہ نعت ہے اور منادیٰ مبنی کا تابع ہے۔ شاعر نے بربنائے محل منصوب پڑھا ہے، اسے مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے۔

(اس شعر میں کعب بن مامہ سے ایک فیاض شخص مراد ہے، جس کی فیاضی اور سخاوت اور اپنی ذات پر ترجیح دینا ضرب المثل تھی۔ اور ابن اروی سے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مراد ہیں جن کی سخاوت اور جاں نثاری کا کیا کہنا۔ اور بعض لوگوں نے قبیلہ اوس کا ابن سعدی اوس بن حارثہ طائی شخص کو مراد لیا ہے جن کی سخاوت بھی ضرب المثل تھی۔ اَلْجَوَادَا میں الف اشباع ہے، اس سے مراد وہ الف ہے جو آخر لفظ میں اصلاح لفظ یا وزن شعری کی وجہ سے لایا جاتا ہے یا کشش مد صوت کے لیے۔)

اسی طرح ایک شاعر کا کلام:

أَلَا يَا زَيْدُ وَالضَّحَّاكُ سِيْرَا ... فَقَدْ جَاوَزْتُمَا خَمَرَ الطَّرِيْقِ

(سنو! اے زید اور ضحاک تم دونوں برابر چلتے رہو تحقیق کہ تم دونوں پُر خطر راہوں کو تجاوز کر چکے ہو۔)

اس شعر میں محل استشہاد "یَازَیْدُ وَالضَّحَّاکُ" ہے لفظ زید منادیٰ مفرد مبنی علی الضم ہے اور محلاً منصوب ہے اور وَالضَّحَّاکُ ایسا اسم ہے جو الف لام سے مقترن ہے غیر مضاف ہے اور منادیٰ مبنی پر واؤ عطف کے ذریعہ معطوف ہے جو منادیٰ پر لفظاً قیاس کرتے ہوئے مرفوع پڑھا جاتا ہے اور محلاً منصوب۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان "یَا جِبَالُ أَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ" (اے پہاڑو! خوش آوازی سے ان کے ساتھ

کے ساتھ اور اُڑتے جانوروں کو۔ پ۲۲ (سورہ سبا، آیت ۱۰) میں لفظ "وَالطَّيْرَ" محل استشہاد ہے جو منادیٰ کا تابع ہے برینائے محل منصوب ہے لیکن قراءت شاذہ میں رفع کے ساتھ "وَالطَّيْرُ" بھی پڑھا گیا ہے۔ مذکورہ بالا تمام اشعار، آیات قرآنیہ وکلمات عربیہ منادیٰ مفرد کی مثالیں تھیں جو پوری شرح وبسط کے ساتھ آپ کے سامنے آچکی ہیں۔

منادیٰ کے توابع جو مضاف ہوں؟

أَوْ أُضِيفَ مَقْرُوْنًا بِأَلْ الخ اگر منادیٰ کے توابع مضاف ہوں اور اس میں الف لام موجود ہو تو اس صورت میں بھی منادیٰ کے لفظ پر قیاس کر کے توابع کو رفع دیا جائے گا اور محل پر قیاس کرتے ہوئے نصب دیا جائے گا۔ جیسے "يَا زَيْدُ الْحَسَنُ الْوَجْهِ" وَ"الْحَسَنَ الْوَجْهِ" (اے خوبصورت چہرے والے زید) میں "اَلْحَسَنُ" مضاف معرف باللام ہے، لہٰذا مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق رفع و نصب دونوں پڑھنا جائز ہے۔

اسی طرح ابن لوذان السدوسی کا کلام "يَا صَاحِ يَا ذَا الضَّامِرُ الْعَنْسِ" (اے تیز روتر کرنے والے، اے مضبوط اونٹنی کو کثرت اسفار کی وجہ سے ناتواں کرنے والے) میں "الضَّامِرُ" مضاف معرف باللام ہے، لہٰذا مذکورہ بالا قاعدہ کے مطابق رفع اور نصب دونوں پڑھنا جائز قرار دیا گیا ہے۔

منادیٰ کے توابع مضاف مجرّد عن اللام کے احکام:

وَمَا أُضِيفَ مُجَرَّدًا عَلٰى مَحَلِّهِ الخ اگر منادیٰ کا تابع نعت، تاکید، بیان، یا عطف بحرف ہو اور وہ مضاف ہو، لیکن اس میں الف لام نہ ہو تو بربنائے محل نصب پڑھنا متعین ہوگا۔ جیسے "يَا زَيْدُ صَاحِبَ عَمْرٍو" اور "يَا زَيْدُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ" "يَا تَمِيْمُ كُلَّكُمْ" "يَا كُلُّهُمْ" اور "يَا زَيْدُ وَأَبَا عَبْدِ اللّٰهِ" اول کی مثال ہے اس میں صَاحِبَ، يَا زَيْدُ کے لیے نعت ہے اور مضاف ہے اور الف لام سے خالی بھی ہے، اس وجہ سے بربنائے محل مفعولیت نصب پڑھنا متعین ہے۔

دوم عطف بیان کی مثال ہے۔ جس میں "أَبَا" مجرد عن الالف واللام ہے اور منادیٰ کے لیے بیان ہے۔ سوم تاکید کی مثال ہے جس میں لفظ "كُلَّكُمْ" مضاف ہے، مجرد عن الالف واللام ہے اور منادیٰ کے لیے تاکید ہے۔ چہارم عطف بحرف کی مثال ہے جس میں "وَأَبَا" مضاف ہے مجرد عن الالف واللام ہے اور منادیٰ کے لیے عطف بحرف ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ" (آپ کہہ دیجیے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے۔ پارہ ۲۴، سورہ زمر، آیت ۴۶) میں لفظ "فَاطِرَ" منادیٰ کا تابع ہے مجرد عن الالف واللام ہے مضاف ہے اور عطف بیان کی مثال ہے۔

منادیٰ کا تابع ایٌّ وَاَیَّۃٌ کی نعت ہو:

وَنَعْتُ أَيٍّ علی لفظه الخ　منادیٰ کا تابع ایٌّ وَاَیَّۃٌ کے لیے اگر نعت ہو تو اس وقت منادیٰ کے لفظ پر قیاس کرتے ہوئے رفع پڑھنا متعین ہوگا جیسے باری تعالیٰ کا قول "یَا اَیُّهَا النَّاسُ" (اے لوگو) باری تعالیٰ کا دوسرا فرمان "یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ" (اے نبی) یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (اے نفس مطمئنہ)

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! مذکورہ قاعدہ و مثال پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ مثال مذکور "یَا اَیُّهَا النَّاسُ" اور "یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ" میں یا حرف ندا اَیُّهَا پر داخل ہے لہٰذا منادیٰ اَیُّهَا ہوا جو مفرد معرفہ ہے اور النَّاسُ اس کی صفت ہوئی اور یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ منادیٰ مفرد معرفہ مبنی ہوتا ہے۔ اور اس کی صفت پر رفع اور نصب دونوں جائز ہے، اس لیے النَّاسُ اور اَلنَّبِیُّ پر بھی رفع اور نصب جائز ہونا چاہیے، حالاں کہ ان پر صرف رفع متعین ہے نصب جائز نہیں۔

جی ہاں! قاعدہ سے تو دونوں اعراب آنا چاہیے لیکن النَّاسُ، النَّبِیُّ مقصود بالندا ہے، اس لیے اس کے ساتھ صفت جیسا معاملہ نہیں کیا گیا، اور حقیقتاً منادیٰ بھی نہیں، اس لیے حقیقی منادیٰ جیسا بھی معاملہ نہیں کیا گیا، اگر منادیٰ جیسا معاملہ ہوتا تو چوں کہ یہ مفرد معرفہ ہے، لہٰذا علامت رفع پر مبنی ہوتا اور النَّاسُ اور النَّبِیُّ کو ضمہ پر مبنی نہیں کیا گیا، لیکن مقصود بالندا ہے، اس کی بھی رعایت ضروری ہے، اس لیے ایسا کیا گیا کہ النَّاسُ کو رفع دیا گیا، کیوں کہ منادیٰ مفرد معرفہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے اور رفع ضمہ کے مطابق ہے، اس طرح سے النَّاسُ حقیقتاً منادیٰ بھی نہ ہوا اور رفع کی وجہ سے اس کے مقصود بالندا ہونے پر دلالت بھی ہوگئی۔

منادیٰ کا تابع بدل یا معطوف غیر معرف باللام کا حکم:

والبدل المجرد، والنسق المجرد الخ کی وضاحت:　مصنفؒ نے منادیٰ مبنی کے توابع خمسہ میں سے تاکید، صفت، عطف بیان، معطوف معرف باللام کا حکم اب تک بیان کیا ہے۔ اس کے بعد بدل اور معطوف غیر معرف باللام کا حکم بیان کرتے ہیں۔ اگر تابع بدل ہے، یا معطوف غیر معرف باللام ہے تو ان دونوں کا حکم ایسا ہے جیسے منادیٰ مستقل کا ہوتا ہے، کیوں کہ مبدل منہ اور بدل میں مقصود بدل ہوتا ہے تو منادیٰ جو مبدل منہ ہے وہ مقصود نہ ہوا بلکہ تابع جو بدل ہے وہ مقصود ہوا تو در حقیقت مقصود بالندا بدل ہوا، اس لیے اس کو منادیٰ قرار دیا جائے گا تو جو حکم منادیٰ کا ہونا چاہیے وہ حکم بدل کا ہوگا۔

اسی طرح جب معطوف معرف باللام نہیں ہے تو اس پر حرف ندا داخل ہو سکتا ہے اور وہ منادیٰ

مستقل بن سکتا ہے۔ جب منادیٰ بن سکتا ہے تو اس کے ساتھ منادیٰ جیسا معاملہ کیا جائے گا۔

مصنفؒ بدل اور معطوف غیر معرف باللام کے حکم میں مطلقاً کا لفظ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ ان دونوں کا حکم ہر حال میں مستقل منادیٰ کا ہوگا، خواہ مفرد ہوں یا مضاف ہوں یا مشابہ مضاف ہوں، جیسے بدل کی مثال یَاسَعِیْدُ کُرْزُ اس مثال میں کُرْزُ بغیر تنوین کے بدل ہے اور مفرد ہے اس لیے مرفوع ہے جیسے یَاکُرْزُ کہنے کی صورت میں مرفوع ہوتا ہے۔

"یَا سَعِیْدُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ" میں اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ بدل ہے اور مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، جیسا کہ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ کہنے کی صورت میں منصوب ہوتا ہے۔ "یَازَیْدُ طَالِعًا جَبَلًا" اس میں بدل مشابہ مضاف ہے، اس لیے منصوب ہے جیسے کہ یَاطَالِعًا جَبَلًا کہنے کی صورت میں منصوب ہوتا ہے۔

معطوف کی مثال: یَازَیْدُ وعمروُ اس میں معطوف مفرد ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، جس طرح یاعمروُ مفرد ہونے کی صورت میں مفرد ہوتا ہے، "یَازَیْدُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ" میں معطوف مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یازیدُ وطالعًا جبلًا میں معطوف مشابہ مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

بَابُ حُكْمِ الْمُنَادَى الْمُفْرَدِ إِذَا تَكَرَّرَ

منادیٰ مفرد کے مکرر ہونے کا بیان

وَلَكَ فِي نَحْوِ "يَا زَيْدُ زَيْدَ الْيَعْمَلَاتِ" فَتْحُهُمَا أَوْ ضَمُّ الْأَوَّلِ.

ترجمہ:۔ اور "یَا زَیْدُ زَیْدَ الیعملات" جیسی ترکیب میں تیرے لیے ان دونوں کا فتح پڑھنا یا پہلے منادیٰ کو ضمہ پڑھنا جائز ہے۔

منادیٰ مفرد مکرر کا بیان:

ولك في نحو "یازیدُ زیدَ الیعملات کی تشریح: یازَیْدُ زَیْدَ الیعملات سے ہر ایسی ترکیب مراد ہے جس میں منادیٰ صورت کے اعتبار سے مفرد معرفہ ہو اور مکرر بھی ہو اور ثانی کے بعد مضاف الیہ مذکور ہو تو اول منادیٰ میں دو صورتیں جائز ہوں گی۔

پہلی صورت تو یہ کہ اول کو ضمہ دیا جائے گا، کیوں کہ وہ منادیٰ مفرد معرفہ ہے اور منادیٰ مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے۔ اور دوسرا منادیٰ اس وقت حرف نداء سے خالی ہوگا، یا وہ عطف بیان ہوگا یا

دو الغیہ کی تقدیر کے ساتھ مفعول واقع ہوگا۔ دوسری صورت ایک اول کو فتح دیا جائے گا بر محل مفعولیت واقع ہونے کی وجہ سے، کیوں کہ یہی اس کی اصل ہے۔ جیسے یازید الیعملات زید الیعملات اور ولی میں صرف نصب جائز ہے اور وہ اس لیے کہ وہ الیعملات مذکورہ کی طرف مضاف ہے یازید الیعملات جیسی ترکیب میں امام سیبویہ اور امام مبرد کے درمیان شدید اختلاف ہے، امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ دوسرے زید سے لفظ الیعملات حذف ہے، کیوں کہ اس پر پہلے الیعملات کی دلالت ہو رہی ہے اور اصل عبارت یازید الیعملات زید ہے، گویا کہ دوسرے زید کو مضاف ومضاف الیہ کے درمیان داخل کر دیا گیا۔

امام مبرد کا کہنا ہے کہ لفظ الیعملات کو پہلے زید سے حذف کیا گیا ہے اور مذکورہ یعملات کا تعلق دوسرے زید سے ہے جو پہلے زید پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قول ضعیف طریق سے تخریج ہیں، اس لیے کہ امام سیبویہ کے مذہب کے مطابق مضاف مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آتا ہے اور یہ درست نہیں، کیوں کہ مضاف ومضاف الیہ کلمہ واحدہ کے حکم میں ہوتا ہے اور امام مبرد کا مذہب تو اس میں الیعملات کو پہلے زید سے حذف کرنا اور دوسرے الیعملات کا اس پر دلالت کرنا ایسا بہت کم ہوتا ہے اور قلیل شاذ کے قبیل سے ہے جو قابل استدلال ہے۔

بابُ التَّرخِيم: معناه: شروطه

ترخیم منادیٰ کی تعریف اور اس کی شرائط کا بیان

فَصْلٌ: وَيَجُوْزُ تَرْخِيْمُ الْمُنَادَى الْمَعْرِفَةِ وَهُوَ: حَذْفُ آخِرِهِ تَخْفِيْفًا، فَذُو التَّاءِ مُطْلَقًا، كَيَا طَلْحَ، وَيَاثُبَ، وَغَيْرُهُ بِشَرْطِ ضَمِّهِ وَعَلَمِيَّتِهِ، وَمُجَاوَزَتِهِ ثَلَاثَةَ أَحْرُفٍ كَيَا جَعْفَ ضَمًّا وَفَتْحًا.

ترجمہ:- یہ فصل ہے۔ اور منادیٰ معرفہ میں ترخیم جائز ہے، اور وہ اس (منادیٰ معرفہ) کے آخر کو بغرض تخفیف حذف کرنا ہے۔ تاء والے منادیٰ میں مطلقاً جائز ہے جیسے یاطلحَ، اور یاثُبَ، اور اس کے علاوہ میں منادیٰ کے مبنی علی الضم ہونے اور علمیت، اور تین حروف سے متجاوز ہونے کی شرائط کے ساتھ جائز ہے جیسے یاجعفَ، ضمہ اور فتحہ کے ساتھ۔

تشریح:- ویجوز ترخیم المنادی المعرفة الخ اس سے پہلے منادیٰ کا بیان تھا، ترخیم چوں کہ منادیٰ کا خاصہ ہے اور ترخیم منادیٰ میں نثر اور نظم دونوں میں جائز ہے، غیر منادیٰ میں نظم میں

تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہے، نثر میں نہیں۔ اور کسی شئ کا جب خاصہ بیان کر دیا جائے تو اس میں اس کی زیادہ توضیح ہو جاتی ہے، اس لیے مصنفؒ منادیٰ کے بعد اس کی ترخیم بیان کر رہے ہیں۔

ترخیم منادیٰ کی تعریف:

وَهُوَ حَذْفُ آخِرِهِ الخ هُوَ ضمیر ترخیم کی طرف راجع ہے اور آخِرِهِ کی ضمیر منادیٰ کی طرف راجع ہے۔ منادیٰ کا آخری حرف کبھی بغرض تخفیف حذف کر دیا جاتا ہے، اس کو ترخیم کہتے ہیں اور ایسے منادیٰ کو مرخّم کہتے ہیں۔ جیسے یَامَنْصُوْرُ سے یَامَنْصُ۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ منادیٰ کے احکام میں سے ترخیم ایک قدیم لغت ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، ابن وثابؒ اور اعمشؒ باری تعالیٰ کے قول "نَادَوْا یَا مَالِكُ" کی "نَادَوْا یَا مَالِ" بالکسر ترخیم کے ساتھ لغت من ینتظر کے مطابق اور حضرت ابو السوار سری غنوی "یَامَالُ" بالضم ترخیم کے ساتھ لغت من لاینتظر کے مطابق قراءت کرتے ہیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اہل جہنم سے ترخیم کا انکار کرتے ہوئے فرمایا "مَا اَشْغَلَ اَهْلَ النَّارِ عَنِ التَّرْخِيْمِ" (اہل جہنم کو ان کی حالت کیا ہی زیادہ ترخیم سے روکنے والی ہے۔) امام ابن جنیؒ نے فرمایا کہ ابن عباسؓ کے مذکورہ قول میں ما تعجب کے لیے اور اس میں الصّد بمعنی روکنا ہے۔ یعنی اہل جہنم تو ایسی شدید ہولناکی اور عظیم ہیبت ناک اور خطرناک عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر ترخیم کی طرف التفات کیسے کر سکتے ہیں، ایسے مقام پر تو منھ سے آواز تک نہیں نکل سکتی، جب کہ کلام میں ترخیم بقصد تصرف وتفنن کیا جاتا ہے جو اہل جہنم کے بس کی بات نہیں۔

امام ابن جنیؒ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس مقام میں ترخیم کے لیے ایک راز اور بھید ہے وہ یہ کہ عذاب کی شدت اور سختی کی وجہ اہل جہنم کے قویٰ ضعیف اور ان کے نفس مضمحل وکمزور ہو گئے ہوں گے، شدت ضعف کی وجہ سے زبان سے پوری بات ادا کرنے پر قادر بھی نہیں ہو سکتے، الہٰذا یہی تو اختصار کا مقام ہے، کیوں کہ تکلم سے عاجز اور کلام کے اتمام سے درماندہ ہے۔

(روح المعانی ص ۱۵۸، جلد ۱۴، کشاف ص ۴۲۶، جلد ۳)

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ اہل جہنم کا ترخیم کرنا کلام کے اتمام سے قاصر ہونے کی بناء پر ہے، بغرض تصرف وتفنن نہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھا۔

شرائط ترخیم منادیٰ:

فَذُو التَّاءِ مُطْلَقًا كَثُبَا طَلْحَ الخ کی تشریح:- یہاں سے مصنفؒ ترخیم منادیٰ کی شکلیں مع

شرائط کے بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ منادی اسم معرفہ ہو۔ اگر اسم معرفہ ہوگا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو منادیٰ کا آخر حرف تاء ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر تاء ہوگا تو اس میں علمیت اور تین حروف سے زائد ہونے کی شرط نہیں لگائی جائے گی جیسے ثُبَةٌ سے یَاثُبَ (بمعنی بکری کا ریوڑ) عائشۃ سے یاعائش۔ ان میں ترخیم کے بعد تاء حذف ہوگئی ہے اور اگر اسم کا آخر تاء کے ساتھ ختم نہ ہو تو اس میں ترخیم کے لیے تین شرائط کا بیک وقت پایا جانا لازم ہوگا۔

پہلی شرط:- وہ مبنی علی الضم ہو۔ دوسری شرط: وہ علم ہو۔ تیسری شرط:- وہ تین حرف سے متجاوز ہو۔ جیسے حَارِثٌ سے یَاحَارِ، جَعْفَرٌ سے یَاجَعْفَ۔

یہ بات دھیان میں رہے کہ ترخیم کے لیے منادیٰ کا علم ہونا لازم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کثرت سے منادیٰ واقع ہوتا ہے اور کثرت تقاضا کرتی ہے تخفیف کا اور ترخیم سے یہ مقصود حاصل ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب آخر سے حرف کو حذف کر دیں گے تو تخفیف حاصل ہو جائے گی۔ نیز چوں کہ وہ علم ہے اور علم مشہور ہوتا ہے لہٰذا ترخیم کی وجہ سے جو کچھ حذف ہوا ہے کلمہ کے باقی حروف اس پر دلالت کریں گے۔

اسی طرح ترخیم کے لیے منادیٰ میں تین سے زائد حرف کا ہونا شرط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تا کہ ترخیم کی وجہ سے جب آخر کا حرف حذف کیا جائے تو معرب کا تین حرف سے کم ہونا لازم نہ آئے، کیوں کہ معرب میں تین حرف سے کم نہ ہونا چاہیے، ہاں اگر کوئی ایسا سبب پایا جائے جس سے حذف واجب ہے، اس کی وجہ سے تین حرف سے کم ہو جائیں تو یہ البتہ جائز ہے جیسے یَدٌ اور دَمٌ کہ ان میں نحوی قاعدے کی وجہ سے آخر سے واؤ کا حذف کرنا واجب ہے تو ان میں چوں کہ علت موجبہ کی وجہ سے حذف ہوا ہے، اس لیے اگر تین حرف سے کم ہیں تو کوئی حرج نہیں۔

اور "عَبْدَ اللّٰہِ" اور "شَابَ قَرْنَاهَا" جیسی مثالوں میں ترخیم کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ یہ دونوں مضموم نہیں ہیں جب کہ ترخیم منادیٰ کے لیے مضموم ہونا شرط ہے، بلکہ دونوں منادیٰ مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ اسی طرح "انسان" میں جس کے ذریعہ مقصود متعین ہوتا ہے ترخیم کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ وہ علم نہیں، جب کہ علم ہونا ترخیم کے لیے شرط ہے۔ اسی طرح زید، عمر، حکم جیسی مثالوں میں ترخیم جائز نہیں، کیوں کہ یہ تینوں مثالیں تین حرفی ہیں، جب کہ ترخیم کے لیے تین حرف سے متجاوز ہونا شرط ہے۔

لفظ "حَکَمٌ" میں ترخیم کا حکم:

لفظ "حَکَمٌ" میں ترخیم جائز ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں امام فراء اور جمہور نحاۃ کے درمیان

اختلاف ہے، جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں ترخیم جائز نہیں، کیوں کہ شرائط مفقود ہیں، امام فراء کا مذہب یہ ہے کہ "حکم" اور "حسن" جیسی مثالوں میں جو کہ ثلاثی متحرک الاوسط ہو ترخیم جائز ہے اور انہوں نے قیاس کیا لفظ "سقر" متحرک الاوسط ثلاثی پر جو کہ غیر منصرف ہونے میں "زینب" کے قائم مقام ہے اور زینب میں ترخیم جائز ہے، جب اصل میں ترخیم جائز ہوئی تو فرع میں بھی جائز ہوگی، لہٰذا اسی فرع پر قیاس کرتے ہوئے حکم اور حسن میں ترخیم کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح قیاس کیا انہوں نے لفظ "جمزی" متحرک الاوسط پر جو کہ بوقت منسوب الف کے حذف ہونے میں حبارى کے قائم مقام ہے اور حبارى میں ترخیم جائز ہے لہٰذا اس کی فرع جمزی میں بھی ترخیم جائز ہوگی۔ اور جب جمزی متحرک الوسط میں ترخیم جائز ہوئی تو حکم اور حسن متحرک الوسط میں بھی ترخیم جائز ہوگی۔

ترخیم کے بعد منادی کے آخر کی کیفیت:

کیا جعف ضما وفتحا کی تشریح:- یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ترخیم کے بعد منادی کے آخر میں جو حرکت ہے وہی باقی رکھی جائے گی یا اس میں کوئی تصرف ہوگا۔ فرماتے ہیں: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترخیم کے بعد حرف محذوف سے قطع نظر کرتے ہوئے بقیہ حروف پر مشتمل منادی کو مستقل اسم کا درجہ دے دیا جاتا ہے یعنی اگر وہ مبنی ہو سکتا ہے اور بناء کی شرط پائی جاتی ہے تو اس کو مبنی کر دیا جائے گا۔ اور اگر تعلیل کی ضرورت ہوگی تو تعلیل کی جائے گی۔ اس استعمال کی بناء پر یاجعفر میں ترخیم کے بعد یاجعف ضمہ پر مبنی کرکے پڑھیں گے، کیوں کہ یہ مفرد معرفہ ہے اور منادیٰ مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، اس کو لُغَةُ مَنْ لا يَنْتَظِرُ کہتے ہیں ——— اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترخیم کے بعد حرف محذوف سے قطع نظر نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو مقدر مانتے ہوئے بقیہ حروف پر مشتمل منادی مرخم کو اسم کا درجہ دیا جاتا ہے اور آخر سے ماقبل والے حرف پر جو حرکت ترخیم سے پہلے تھی وہی حرکت باقی رکھی جاتی ہے، اگر فتحہ تھا تو فتحہ، کسرہ تھا تو کسرہ، سکون تھا تو سکون، جیسے یَاجَعْفَرُ میں ترخیم سے پہلے فاء پر فتحہ تھا تو ترخیم کے بعد یعنی راء کے حذف کے بعد بھی فاء پر فتحہ ہی رہے گا اس کو لُغَةُ مَنْ يَنْتَظِرُ کہتے ہیں۔

لُغَةُ مَنْ يَنْتَظِرُ کا ضابطہ یہ ہے کہ قبل الترخیم حرف آخر سے پہلے والے حرف کو جو اعراب تھا بعد الترخیم بھی اسی اعراب کے ساتھ پڑھا جائے جیسے یَاجَعْفَرُ سے یَاجَعْفَ فاء کے فتحہ باقی رکھنے کے ساتھ اور یَامَنْصُورُ میں یَامَنْصُ صاد کے ضمہ باقی رکھنے کے ساتھ، اور یَامَالِكُ میں یَامَالِ لام کے کسرہ باقی رکھنے کے ساتھ اور یَاهِرَقْلُ میں یَاهِرَقْ قاف کو سکون باقی رکھنے کے ساتھ یا ابن مسعود کی قرأت ہے۔

لَعْتَ مَنْ لَا يَنْتَظِرُ کا ضابطہ یہ ہے قبل از ترخیم حرف آخر سے قبل والے حرف کو جو اعراب ہے بعد از ترخیم اس اعراب کو ضمہ سے بدل کر پڑھنا۔ یَاجَعْفَرُ سے یَا جَعْفُ، یَامَالِكُ سے یَامَالُ، یَاهِرَقْلُ سے یَاهِرَقُ۔ آخری حرف کو ضمہ کے اعراب سے اعراب بخشے ہوئے۔ یہ دوسری نحوی کی قرأت ہے۔ اور یَا مَنْصُورُ سے یَامَنْصُ قبل از ترخیم جو ضمہ تھا اس کے علاوہ ضمہ لانے کے ساتھ حرف صاد کو مضموم پڑھا گیا ہے۔

باب: المحذوف للترخيم اما حرف واما حرفان

یہ باب ترخیم کے لیے محذوف کی مقدار ایک حرف یا دو حرف کے بیان میں

وَيُحْذَفُ مِنْ نَحْوِ: "سَلْمَانَ، وَمَنْصُورٍ، وَمِسْكِيْنٍ" حَرْفَانِ، وَمِنْ نَحْوِ "مَعْدِيْكَرِبَ" اَلْكَلِمَةُ الثَّانِيَةُ.

ترجمه:- سلمان، منصور اور مسکین جیسی مثالوں سے دو حرف حذف کیے جائیں گے اور معدی کرب جیسی مثال سے دوسرا کلمہ حذف کیا جائے گا۔

تشریح:- شرائط ترخیم بیان کرنے کے بعد اب حذف کی مقدار بیان کر رہے ہیں جو ترخیم سے حاصل ہوتی ہے۔

منادیٰ مرخم سے محذوف کی مقدار:

وَيُحْذَفُ مِنْ نَحْوِ "سَلْمَانَ" اِلخ بغرض ترخیم منادیٰ کے آخر سے جو حرف حذف کیا جاتا ہے وہ تین قسم پر ہے۔ پہلی قسم: منادیٰ کے آخر سے فقط ایک حرف حذف کیا جائے گا اور یہی کثیر الاستعمال ہے جیسے یَاجَعْفَرُ سے یَاجَعْفُ، یَاحَارِثُ سے یَاحَارِ، یَاهِرَقْلُ سے یَاهِرَقُ۔

دوسری قسم: منادیٰ کے آخر سے دو حرف حذف کیے جائیں گے لیکن جس منادیٰ کے آخر سے دو حرف حذف کیے جائیں گے اس میں مندرجہ ذیل مذکور شرائط اربعہ کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے۔ (۱) حرف آخر سے ماقبل والا حرف حرف زائد ہو۔ (۲) حرف آخر سے ماقبل والا حرف حرف علت ہو۔ (۳) حرف آخر سے ماقبل الاحرف حرف ساکن ہو۔ (۴) ترخیم کے بعد تین حروف یا اس سے زائد باقی رہیں۔ اگر یہ شرائط پائی جائیں تو منادیٰ کے آخر سے دو حرف محذوف ہوں گے اور اگر ان میں سے ایک شرط بھی معدوم ہوئی تو منادیٰ کے آخر سے دو حرف محذوف نہیں ہوں گے۔ جیسے سَلْمَانُ، مَنْصُوْرُ، مِسْكِيْنُ، یہ سب علم ہیں، آپ انہیں یَاسَلْمُ، یَامَنْصُ، یَامِسْكُ کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ ان تمام مثالوں میں مذکورہ بالا شرائط اربعہ موجود ہیں۔

یامسلمُ تو اس وجہ سے کہنا درست ہے کہ اس کے آخر میں الف و نون زائدتان ہیں اور ان کی زیادتی ایک ہی ساتھ ہوئی ہے۔ اسی لیے ترخیم کے وقت دونوں کو حذف کر دیا جائے گا۔ جب آنے میں دونوں ساتھ ہیں تو جانے میں بھی دونوں ساتھ ہوں گے۔ اور یامنصُ، یامسکُ کہنا اس لیے درست ہے کہ ان کے آخر میں حرف صحیح ہے اور اس کے ماقبل مدہ ہے یعنی حرف علت ساکن ہے اور اس کے ماقبل کی حرکت اس کے موافق ہے، لہٰذا ترخیم کے وقت آخر کے دونوں حرفوں کو حذف کریں گے، اگر دونوں کو نہ حذف کریں صرف آخر کے حرف صحیح کو حذف کریں تو اس پر یہ مثل صادق آئے گی، "صلتَ على الاسد وبلتَ على النقد" (شیر پر تو نے حملہ کیا اور بکری سے ڈر کر پیشاب کر دیا) مطلب یہ ہے کہ حرف صحیح کو جو قوی ہے اس کو حذف کر دیا اور مدہ جو صحیح کے مقابلے میں کمزور ہے اس کو باقی رکھا اس کے حذف کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

شاعر کا قول: یامَرْوُ اِنَّ مطیّتي محبوسۃٌ ترجو الحِباءَ وربُّها لم ییأسِ

(ترجمہ: اے مروان! میری کیلی قید کر لی گئی ہے، تو عطیے کی اُمید رکھتا ہے، حالاں کہ اس کا آقا نااُمید نہیں ہوا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "یامَرْوُ" ہے، جس میں دو حرف زائد ہیں، اس لیے ترخیم کے وقت یہ دونوں حرف شرط کے پائے جانے کی وجہ سے حذف کیے گئے ہیں، کیوں کہ یہ اصل میں مَرْوَانُ تھا۔ (یہ فرزدق نامی شاعر کا کلام ہے)

دوسرے شاعر کا قول: قفي فانظري یا اَسْمَ هل تعرفینہ

(ترجمہ: اے اسماء ٹھہر پھر دیکھ کیا تو اسے پہچانتی ہے) اس شعر میں محل استشہاد "یا اَسْمَ" ہے جو اصل میں یااَسْمَاءُ تھا، الف اور ہمزہ زائد ہونے کی وجہ سے بوقت ترخیم دونوں کو حذف کر کے یااسمَ پڑھا گیا ہے۔ (یہ عمر بن ابی ربیعہ مخزومی کا کلام ہے)

لفظ "مختار" میں ترخیم کا حکم:

"مُخْتَار" جیسی مثال میں ترخیم منادی کے لیے حرف آخر کے حذف کرنے پر اکتفاء کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ یہ علم ہو۔ لفظ "مختار" یہ معتل اصلی ہے، اس کی اصل یا تو مُخْتَيِرٌ ہے یا مُخْتَيَرٌ ہے لہٰذا یا متحرک ماقبل مفتوح ماقبل کے فتحہ کی مناسبت سے یاء کو الف سے بدل دیا ہے۔

امام اخفش نے اس الف کو حذف کرنا جائز قرار دیا ہے، حرف زائد کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے جیسا کہ علمائے نحو نے مرامی کے الف کو نسبت میں حُباری کے الف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے حذف کر دیا ہے۔

اسی طرح لفظ "دُلامِص" کے لفظ آخر کو حذف کرنا واجب ہے، بشرطیکہ علم ہو فقط دُلامِص کا میم اگرچہ حرف زائد ہے اہل عرب کے قول دِرْعٌ دُلامِصٌ اور دِرْعٌ دِلاصٌ کی روشنی میں، لیکن حرف صحیح ہے معتل نہیں، لہٰذا صرف ایک حرف محذوف ہوگا۔

سَعِید، عِماد، ثَمُود جیسی مثالوں میں بھی صرف ایک حرف حذف ہوگا، اگرچہ تینوں معتل ہیں، لیکن تین حرف سے متجاوز نہ ہونے کی وجہ سے دو حرف محذوف نہیں ہوں گے، لیکن امام فرّاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ (یہاں یہ بات دھیان میں رہے کہ تین حرف سے متجاوز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ترخیم کے بعد تین یا تین سے متجاوز نہ رہے) مصنفؒ نے اپنے مذہب پر امام سیبویہ کے شعر سے استدلال کیا ہے۔ "تَنَكَّرْتِ مِنَّا بَعْدَ مَعْرِفَةٍ لَمِيْ" (اے لمیس جان پہچان کے بعد بھی تو نے ہم سے اجنبیت کا اظہار کیا) اس شعر میں محل استشہاد "لَمِيْ" ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ اصل میں یا لمیس تھا سین حذف کر دیا گیا اور نحویوں نے حرف آخر کے حذف کرنے پر اتفاق کیا ہے اور امام سیبویہ نے اسی طرح پڑھا ہے، اگرچہ حرف آخر سے پہلے والا حرف معتل ہے، لیکن تین حرف سے متجاوز نہ ہونے کی وجہ سے دو حرف حذف نہیں کیے جائیں گے۔ یہ اوس بن حجر کا کلام ہے، جس میں اپنی زوجہ لمیس سے بے رخی کرنے پر بڑھاپے کی حالت میں کہہ رہا ہے کہ زمانہ شباب تو ہمارے اور تمہارے درمیان خوشگوار رہا اور عمر درازی کے بعد اجنبیت کا اظہار کرتی ہو۔ یہ مناسب بات نہیں۔

هَبَيَّخٌ، قَنَوَّرٌ جیسی مثالوں میں بھی دو حرف حذف کرنا جائز نہیں، بلکہ ایک حرف کے حذف کرنے پر اکتفاء کرنا واجب ہے، اس لیے کہ ان دونوں مثالوں میں شرائط اربعہ میں سے تیسری شرط یعنی حرف آخر سے ماقبل والا حرف حرف ساکن ہو مفقود ہے اور حرف علت متحرک ہے۔

تیسری قسم:- اگر منادیٰ مرکب ہو تو ترخیم کے وقت آخر جزء کو حذف کر دیا جائے، کیوں کہ یہ آخری حرف کے قائم مقام ہے، لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ مرکب سے مراد ترکیب مزجی ہے جیسے مَعْدِيْ كَرِبَ، حَضْرَ مَوْتَ میں آپ کے لیے یا مَعْدِيْ، یا حَضْرَ کہنا جائز ہے۔

ترکیب مزجی سے مراد دو الگ الگ لفظ کو اس طرح متصل اور مرکب کر دینا کہ ایک نام ہو کر مشہور ہو جائے۔

بابُ المُسْتَغاث به: معناه ـــــ منادیٰ مستغاث بہ کا بیان

فَصلٌ: وَيَقُوْلُ الْمُسْتَغِيْثُ "يَالَلّٰهِ لِلْمُسْلِمِيْنَ" بِفَتْحِ لَامِ الْمُسْتَغَاثِ بِهٖ إِلَّا فِيْ لَامِ الْمَعْطُوْفِ الَّذِيْ لَمْ يَتَكَرَّرْ مَعَهٗ يَا، نَحْوُ "يَالَزَيْدٍ وَلِعَمْرٍو"

ترجمہ:۔ یہ فصل ہے۔ اور مستغیث مستغاث کے لام کے فتحہ کے ساتھ۔ "یَالِلّٰهِ لِلْمُسْلِمِیْنَ" کہے گا، مگر اس معطوف کے لام میں فتحہ درست نہیں، جس کے ساتھ یا مکرر نہیں آئی ہے جیسے یَالَزَیدٍ لِعَمْرٍو۔

تشریح:۔ منادیٰ مستغاث کی بحث سمجھنے سے پہلے چند تمہیدی باتیں ذہن نشین فرمالیجیے تاکہ مسائل کا سمجھنا آسان ہوجائے، استغاثہ کے معنی فریاد چاہنے کے ہیں۔ جس سے فریاد چاہی جائے اس کو مستغاث کہتے ہیں اور یہی منادیٰ بھی ہوتا ہے، جس کے لیے مدد چاہی جائے اس کو مستغاث لہ کہتے ہیں فریاد چاہنے والے کو مستغیث کہتے ہیں۔ اور وہ لام جو بوقت استغاثہ مستغاث پر داخل ہوتا ہے اسے لام استغاثہ کہتے ہیں اور یہ لام ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔

منادیٰ مستغاث کی وضاحت:

منادیٰ کے اقسام میں سے مستغاث یہ بھی ہے، اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جس کو شدت سے خلاصی دلانے کے لیے یا دفع مشقت پہ مدد کرنے کے لیے پکارا جاتا ہے۔

منادیٰ مستغاث کے لیے حرف نداء میں سے خاص طور پر یا آتی ہے اور اس کا استعمال اکثر لام مفتوحہ کے ذریعہ مجرور ہونے کی حالت میں ہوتا ہے، چنانچہ منادیٰ پر لام استغاثہ اگر داخل ہو تو اس وقت منادیٰ مجرور ہوگا۔ جیسے یَالَزَیْدٍ، یَالَلّٰهِ لِلْمُسْلِمِیْنَ اس مثال میں اَللّٰهُ مستغاث ہے اور مُسْلِمِیْنَ مستغاث لہ ہے، منادیٰ مستغاث پر جو لام داخل ہوتا ہے اس پر زبر ہوتا ہے اور منادیٰ مستغاث مجرور ہوتا ہے اور مستغاث لہ پر جو لام آتا ہے اس کے نیچے زیر آتا ہے اور مستغاث لہ بھی مجرور ہوتا ہے جیسا کہ یَالَلّٰهِ لِلْمُسْلِمِیْنَ سے واضح ہے، نیز مستغاث لہ منادیٰ مستغاث کے بعد آتا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! اس مثال میں اللہ منادیٰ ہے لام استغاثہ کی وجہ سے مجرور ہے اس پر اعتراض ہے کہ لام استغاثہ تو لام جارہ ہے اور لام جارہ جب اسم ظاہر پر داخل ہوتا ہے تو اس لام پر کسرہ آتا ہے اور منادیٰ بھی اسم ظاہر ہے تو پھر اس لام پر فتحہ کیوں پڑھا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مستغاث کو حذف کر کے مستغاث لہ کو اس کی جگہ پر قائم کر دیتے ہیں اور مستغاث لہ پر جو لام داخل ہوتا ہے اس پر کسرہ ہوتا ہے، تو اگر مستغاث کے لام کو بھی کسرہ دیتے تو مستغاث کے حذف کی صورت میں یہ نہ پتہ چلتا کہ یہ مستغاث ہے یا مستغاث لہ ہے؟ لہذا التباس سے بچنے کے لیے یہ کیا گیا کہ مستغاث یہ کے لام کو فتحہ دیا اور مستغاث لہ کے لام کو کسرہ کہ

کسی صورت میں التباس لازم نہ آئے خواہ مستغاث محذوف ہو یا مذکور۔ نیز اسے بھی دھیان سے سنو کہ لام استغاثہ مستغاث پر اس لیے داخل ہوتا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس مقصد کے لیے مستغاث کو خاص کیا گیا ہے۔ اسی سے مقصد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے سے یہ توقع نہیں ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! التباس ہی سے بچنا ہے تو اس کا برعکس کر دیا جاتا کہ مستغاث کے لام کو کسرہ دیا جاتا اور مستغاث لہ کے لام کو فتحہ دیا جاتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ منادیٰ مستغاث کاف ضمیر کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف ضمیر پر جب لام داخل ہوتا ہے تو اس لام پر فتحہ ہوتا ہے، اس لیے منادیٰ مستغاث کے لام پر بھی فتحہ دیا گیا اور مستغاث لہ کاف ضمیر کی جگہ نہیں واقع ہوتا، اس لیے اس کے لام کو اپنی اصل پر رکھا گیا اور کسرہ دیا گیا۔

يَا لَلّٰهِ لِلْمُسْلِمِيْنَ میں لام استغاثہ کا متعلق کیا ہے:

وَيقول المستغيث يَالَلّٰهِ لِلْمُسْلِمِيْنَ الخ کی توضیح: مستغیث، منادیٰ مستغاث پر، مستغاث لہ اور لام استغاثہ کے بیان سے فراغت کے بعد یہ بیان کیا جا رہا کہ "يَالَلّٰهِ لِلْمُسْلِمِيْنَ" میں منادیٰ مستغاث لفظ "اَللّٰه" ہے اور اس پر داخل شدہ لام مفتوح لام استغاثہ ہے، لیکن یہ لام استغاثہ کس سے متعلق ہے تو اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابن جنی فرماتے ہیں کہ یہ لام یا حرف ندا کے ساتھ متعلق ہے جو کہ اَدْعُوْ فعل کے معنی میں ہے۔ ابن الصائغ، ابن عصفور اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ فعل محذوف کے ساتھ متعلق ہے اور وہ اَدْعُوْا ہے، ابن خروف کا کہنا ہے کہ یہ زائدہ ہے کسی سے متعلق نہیں۔

مستغاث معطوف کا حکم:

اِلَّا فِي لَامِ الْمَعْطُوْفِ الَّذِيْ لَمْ يَتَكَرَّرْ مَعَهُ يَاءٌ الخ یہاں سے اس بات کو بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جب منادیٰ مستغاث پر کوئی دوسرا مستغاث معطوف ہو تو اس مستغاث ثانی کے استعمال کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت: مستغاث ثانی کے ساتھ یا حرف ندا لایا جائے گا تو ایسی صورت میں مستغاث ثانی کا لام مفتوح ہوگا۔ اور مستغاث ثانی مجرور۔ جیسے "يَا لَزَيْدٍ وَيَا لَعَمْرٍو" کہا جائے گا، کیوں کہ حرف ندا کے اعادہ کی وجہ سے یہ بھی احتمال ہے کہ يَا لَزَيْدٍ پر اس کا عطف نہ ہو اس سے علاحدہ ہو اور اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ لعمرو مستغاث نہ ہو بلکہ مستغاث لہ ہو اور اصل عبارت اس طرح ہو يَا لَلْقَوْمِ لِعَمْرٍو (اے قوم عمرو کی فریاد رسی کرو) تو اگر ایسا ہو اور لعمرو کے لام کو کسرہ دیا جائے تو پھر

مستغاث کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ اور پتہ نہ چلے گا کہ لَعمرٍو مستغاث ہے یا مستغاث لہ ہے اس التباس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ لَعمرٍو کے لام کو فتحہ دیا جائے، تاکہ اس کا مستغاث ہونا متعین ہو جائے اور مستغاث لہ ہونے کا شبہ باقی نہ رہے۔

شاعر کا قول يَا لَقَوْمِي وَيَا لَأَمْثَالِ قَوْمِيَ لِأُنَاسٍ عُتُوُّهُمْ فِي ازْدِيَادِ

(ترجمہ:- اے میری قوم۔ اور (بر آواز پر لبیک کہنے میں) میری قوم کی مشابہت رکھنے والے لوگوں کو سرکشی میں بڑھتے چلے جانے سے روکو کہ ان کی سرکشی برابر بڑھتی جارہی ہے) اس شعر میں محل استشہاد "وَيَا لَأَمْثَالِ قَوْمِيَ" ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ شاعر نے "يَا لَأَمْثَالِ قَوْمِيَ" مستغاث ثانی کو یا حرف ندا کے ساتھ استعمال فرمایا ہے اور یہ مستغاث اول "يَا لَقَوْمِيَ" پر معطوف ہے اور جس طرح مستغاث اول کا لام مفتوح ہے، اسی طرح مستغاث ثانی کا لام بھی مفتوح ہے۔

دوسری صورت: مستغاث ثانی کے ساتھ یا حرف ندا نہیں لایا جائے گا تو ایسی صورت میں مستغاث ثانی کے لام کو کسرہ پڑھنا جائز ہوگا جیسے "يَا لَزَيْدٍ وَلِعَمْرٍو" لِعَمْرٍو کے لام کو کسرہ پڑھ سکتے ہیں اس واسطے اس کا عطف لَزَيْدٍ پر ہے اور یہ مستغاث ہے تو ظاہر ہے کہ مستغاث پر جس کا عطف ہوگا وہ بھی مستغاث ہوگا، مستغاث لہ ہونے کا احتمال نہیں، اس لیے لِعَمْرٍو کے لام کو کسرہ دینے میں التباس کا کوئی اندیشہ نہیں۔

شاعر کا قول يَبْكِيكَ نَاءٍ بَعِيدُ الدَّارِ مُغْتَرِبٌ يَا لَلْكُهُولِ وَلِلشُّبَّانِ لِلْعَجَبِ

(رونے والا تجھ پر اشک بہائے کہ گھر سے زیادہ دوری حقوق شہریت سے محروم کرنے والی ہوتی ہے، اے بوڑھوں اور جوانوں تم اس حالت زار پر تعجب کرو۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ شاعر نے حالت سفر میں اپنے ایک اجنبی ملاقاتی سے کہا کہ میں تجھ پر آنسو بہا رہا ہوں، حالاں کہ میں تمہارا متعلق نہیں آنسو بہانے کا فقط مقصد یہ ہے کہ میرا گھر تمہارے گھر سے دور ہے، گویا میں اپنے اہل سے زیادہ دوری کی بناء پر رو رہا ہوں، اس لیے کہ تجھ سے دوری کی بناء پر حقوق شہریت سے محروم ہو چکا ہوں۔ پھر اس نے بوڑھوں اور جوانوں کو آواز دے کر کہا کہ وہ اس حالت زار سے تعجب کریں۔)

اس شعر میں محل استشہاد "وَلِلشُّبَّانِ" اور استدلال اس طرح ہے کہ یہ مستغاث ثانی بغیر یا کے استعمال ہوا ہے، اس لیے لام مفتوح نہیں ہے بلکہ مکسور ہے، اور اسے لام مکسورہ کی وجہ سے جر آیا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! گذشتہ سبق میں آپ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا تھا کہ منادیٰ مفرد معرفہ علامت

رفع پر مبنی ہوتا ہے، لیکن لام استغاثہ کے داخل ہونے کے بعد آپ نے اپنی رائے بدل دی اور اس پر جر کا حکم لگا دیا حالاں کہ اس صورت میں بھی وہ مفرد معرفہ ہی ہے۔

شارح نے جواب دیا کہ منادیٰ مفرد معرفہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ کاف اسمی کی جگہ واقع ہوتا ہے اور کاف اسمی مشابہ ہے کاف حرفی کے تو بواسطہ کاف اسمی کے منادیٰ مشابہ ہو گیا کاف حرفی کے اور حرف مبنی الاصل ہے تو جو حرف کے مشابہ ہوگا وہ مبنی ہو جائے گا۔ تو منادیٰ مفرد معرفہ کا مبنی ہونا حرف کی مشابہت کی بناء پر تھا اور لام استغاثہ لام جار ہے جو اسم کا خاصہ ہے، اس لیے اس لام کے دخول کی وجہ سے حرف کے ساتھ مشابہت بہت ضعیف ہو گئی، اس لیے اسم کا جو اصل حال ہے یعنی معرب ہونا اس پر اس کو قائم کر کے معرب کیا گیا اور لام کی وجہ سے جر دیا گیا۔

کاف اسمی اور کاف حرفی میں فرق یہ ہے کہ کاف اسمی مِثْلٌ کے معنی میں ہوتا ہے اور اپنے مدخول کی طرف مضاف ہوتا ہے اور اس کی علامت اس پر حرف جار کا داخل ہونا ہے جیسے یَضْحَكْنَ عَنْ كَالْبَرَدِ الْمُنْهَمِّ (وہ محبوبہ پگھلے ہوئے اولوں جیسے دانتوں سے ہنستی ہیں) اور کاف حرفی مختلف معانی کے لیے آتا ہے۔ (۱) برائے تشبیہ جیسے زَيْدٌ كَالْأَسَدِ (۲) زائدہ، جیسے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (۳) برائے تعلیل جیسے وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ. (تم اللہ کو یاد کرو کیوں کہ اس نے تم کو ہدایت دی) (۴) بمعنی لَعَلَّ جیسے لَا تَشْتِمِ النَّاسَ كَمَا لَا تُشْتَمُ (لوگوں کو گالیاں مت بک، امید ہے کہ تجھ کو بھی گالیاں نہیں دی جائے گی) (۵) دو فعلوں میں قرب پیدا کرنے کے لیے جیسے آتِيْكَ كَمَا طَلَعَ الشَّمْسُ (میں تیرے پاس آؤں گا جیسے ہی سورج نکلے)

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! منادیٰ جس طرح لام استغاثہ کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے۔ اسی طرح لام تعجب اور لام تہدید کی وجہ سے بھی مجرور ہوتا ہے تو پھر مصنف نے ان دونوں کو کیوں نہیں بیان کیا۔ شارح اس کا جواب دے رہے ہیں کہ وہ دونوں لام بھی لام استغاثہ ہی میں داخل ہیں۔ اس سے علاحدہ نہیں۔ ان دونوں حالتوں میں توجیہ یہ ہوگی کہ مُهَدِّدٌ (اسم فاعل) مُهَدَّدٌ (اسم مفعول) سے فریاد چاہتا ہے تاکہ وہ حاضر ہو جائے۔ اور اس سے انتقام لے کر اپنے دل کو ٹھنڈا کرے، اسی طرح لام تعجب کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مُتَعَجِّبٌ (اسم فاعل) مُتَعَجَّبٌ منه (مفعول بہ) یہ فریاد کر رہا ہے کہ وہ اس کے سامنے آ جائے تاکہ وہ اپنے تعجب کو ظاہر کر کے اس سے چھٹکارا پائے۔

مستغاث بہ کے استعمال کی صورتیں: مستغاث بہ کے استعمال کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت:- منادی مستغاث کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہو تو منادی فتحہ پر مبنی ہوگا، اس لیے کہ الف کا ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے، فتحہ کے علاوہ کوئی دوسری حرکت نہیں آسکتی، اور جب الف استغاثہ آئے تو لام استغاثہ داخل نہیں ہوسکتا، کیوں کہ الف کا تقاضہ ہوگا کہ اس کا ماقبل مفتوح ہو اور لام استغاثہ کا تقاضہ ہوگا کہ وہ مجرور ہو اور ان دونوں میں منافات ہے، لہٰذا دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔

شاعر کے قول سے استدلال یَا یَزِیْدَا لِآمِلٍ نَیْلَ عِزٍّ وَغِنًی بَعْدَ فَاقَةٍ وَهَوَانِ

(ترجمہ: اے یزید! فقر وفاقہ اور تنگدستی ورسوائی جھیلنے کے بعد عزت ومالداری پانے کی امید کرنے والے کی مدد کرو۔) اس شعر میں محل استشہاد "یَا یَزِیْدَا" ہے، جس میں شاعر نے آخر میں الف استغاثہ لاحق کیا اور شروع میں لام استغاثہ کے الحاق سے اجتناب کیا ہے، لہٰذا اس وقت مستغاث بہ پر فتحہ آئے گا جیسے یَا یَزِیْدَا۔

دوسری صورت: مستغاث کے شروع میں نہ تو لام استغاثہ داخل ہو اور نہ اس کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہو اس وقت مستغاث بہ منادی کے حکم میں ہوگا یعنی جس طرح منادی جب مفرد معرفہ ہو تو وہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مستغاث بہ بھی مفرد معرفہ ہونے کی صورت میں علامت رفع پر مبنی ہوگا جیسے "یَا زَیْدُ لِعَمْرٍو" میں زید علامت رفع پر مبنی ہے۔ اور جس طرح منادی مضاف ہو تو فتحہ پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مستغاث بھی اضافت کی صورت میں علامت نصب پر مبنی ہوگا۔ جیسے یَا عَبْدَ اللہِ لِزَیْدٍ میں عبداللہ نصب کے ساتھ مذکور ہے۔ شاعر نے بھی اسی طرح استعمال فرمایا ہے۔

اَلَا یَاقَوْمُ لِلْعَجَبِ الْعَجِیْبِ وَلِلْغَفَلَاتِ تَعْرِضُ لِلْاَرِیْبِ

(ترجمہ: سنو! اے میری قوم کے لوگو! انجام معاملات میں عقل وخرد رکھنے والے پر انجام سے لاپرواہی پیدا ہونے کی وجہ سے جس پر توجہ کیا جائے اس سے بھی سخت تعجب ہے۔ اس کلام کے قائل کے بارے میں بسیار تلاش کے باوجود ناچیز مطلع نہ ہوسکا۔) اس شعر میں محل استشہاد "یٰقَوْمُ" ہے جو مستغاث مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے علامت رفع پر مبنی ہے، کیوں کہ نہ تو اس کے شروع میں لام استغاثہ ہے اور نہ آخر میں الف استغاثہ۔ اور یہ صورت قلیل الاستعمال ہے۔

بابُ النُّدْبَةِ ـــــ ندبہ کا بیان

وَالنَّادِبُ: وَازَیْدَاهْ، وَاَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَاهْ وَرَأْسَاهْ، وَلَكَ اِلْحَاقُ الْهَاءِ وَقْفًا.

ترجمہ:- اور نادب و ازیداہ، وامیر المومنیناہ ورأساہ کہے۔ اور تیرے لیے حالت وقف میں ہا کا الحاق درست ہے۔

تشریح:- مندوب کو منادیٰ کے ساتھ چوں کہ کئی چیزوں میں مناسبت ہے مثلاً حرف ندا کے داخل ہونے میں نیز معرب اور مبنی ہونے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو منادیٰ کے ساتھ ہوتا ہے جن صورتوں میں منادیٰ مبنی ہوتا ہے، انہیں صورتوں میں مندوب بھی مبنی ہوتا ہے اور جو صورتیں منادیٰ معرب ہونے کی ہیں وہی صورتیں مندوب کے معرب ہونے کی ہیں۔ اس لیے منادیٰ کے بعد مندوب کو ذکر کیا۔

نادب ومندوب کی تعریف:

نادب اس ذات کو کہتے ہیں جو کسی کا دردمند ہو۔ مصنفؒ نے مندوب کی لغوی تعریف نہیں بیان کی، اس لیے ناچیز اس کی تعریف کر رہا ہے۔ مندوب لغت میں اس میت کو کہتے ہیں جس پر کوئی شخص روئے اور اس کے محاسن بیان کرے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مرنے والا معمولی شخص نہیں تھا، بلکہ بڑے محاسن کا حامل تھا۔ اس کا سانحہ معمولی سانحہ نہیں اور اسی کے غم میں وہ بھی شریک ہو جائیں۔

اصطلاح میں مندوب ایسے اسم کو کہتے ہیں جس پر یا یا واؤ کے ذریعہ گریہ وزاری کی جائے۔ یا جس کی وجہ سے غم کا اظہار کیا جائے۔ اول کا تعلق عدم سے ہے۔ جس کو صاحب کتاب نے متفجع علیہ سے موسوم فرمایا۔ اور متفجع علیہ عدم وہ چیز ہے کہ اس کے عدم پر دردمندی، گریہ وزاری کی جائے جیسا کہ مردہ کہ اس پر نوحہ کرنے والے گریہ کریں۔ اس کی مثال جیسا کہ جریر بن عطیہ نامی شاعر نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے انتقال پُر ملال پر دردمندی کا اظہار کرتے ہوئے مرثیہ کہا ہے۔

حُمِّلْتَ أَمْرًا عَظِيْمًا، فَاصْطَبَرْتَ لَهُ ‌ ‌ ‌ ‌ وَقُمْتَ فِيْهِ بِأَمْرِ اللّٰهِ يَا عُمَرَا

(ترجمہ: ہائے عمر! تجھے ایک زبردست حکومت کا مالک بنایا گیا اور تو نے اس مضبوطی سے تھامے رکھا اور بحکم خداوندی شرائع واحکام اس میں قائم کرنے میں قائم ودائم رہے۔)

اس شعر میں محل استشہاد "یَاعُمَرَا" ہے جس کے انتقال پر یاء کے ساتھ دردمند ہوا گیا ہے۔

اور ثانی کا تعلق وجود سے ہے۔ جس کو صاحب کتاب نے متوجع منہ سے تعبیر فرمائی ہے اور متوجع منہ جو وہ چیز ہے کہ اس کے وجود پر اظہار دردمندی کی جائے، اس لیے کہ ایک چیز معدوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس چیز کا وجود ہوا ہے جیسے "وَالْمُصِيْبَتَاهُ" "وَاحَسْرَتَاهُ" "وَاوَيْلَاهُ" کو نوحہ کرنے والے اپنے عزیز کی وفات کے وقت کہتے ہیں جیسا کہ ابوالطیب احمد بن حسین المعروف بالمتنبی متوفی ۳۵۴ھ جو دولت عباسیہ کے شعراء میں سے ایک فصیح وبلیغ شاعر ہے، انہوں نے ایک مرثیہ میں کہا۔

وَاحَرَّ قَلْبَاهُ مِمَّنْ قَلْبُهُ شَبِمُ ‌ ‌ ‌ ‌ وَمَنْ بِجِسْمِيْ وَحَالِيْ عِنْدَهُ سَقَمُ

(ترجمہ: ہائے میرے دل کی گرمی جس کا تعلق اس شخص سے ہے، جس کا دل ٹھنڈا ہے اور جس کے پاس میں علیل الجسم اور سقیم الحال کی وجہ سے ضعیف ہوں۔ یعنی ہائے میرے دل کی گرمی جو دل اس شخص پر شدید فریفتہ ہے، جس کا دل ٹھنڈا ہے، اس شدت تپش اور سخت حرارت کو محسوس نہیں کرسکتا ہے، جس کی تکلیف میرا دل محسوس کررہا ہے اور اس پر فریفتہ ہونے کی وجہ سے میں علیل الجسم اور مجھ میں اس کے اعتقاد محبت فاسد ہونے کی وجہ سے سقیم الحال ہوں۔)

اس شعر میں محل استشہاد "وَاحَرَّ قَلْبَاهُ" ہے، جو وَاحَرَّ قَلْبِي کے معنی میں مراد لیا گیا ہے اور اس کے آخر میں الف ندبہ الحاق کردیا گیا ہے، چوں کہ ندب کے لیے وَاحَرَّ قَلْبَاهُ کہنا ہی زیادہ مناسب ہے، کیوں کہ ندبہ میں درازی صوت مطلوب ہے۔ اور اس کے وجود پر نوحہ کرنے والے نے گریہ وزاری کی ہے۔

مندوب پر حرف نداء کا دخول:

حروف نداء میں سے مندوب کے لیے کن حروف کا استعمال جائز ہے؟ تو صاحب کتاب نے فرمایا صرف دو حرف کا استعمال جائز ہے، واو اور یاء، بلکہ واو کا تو یہ حال ہے کہ مندوب کو بلکل واو کے ساتھ خاص کردیا گیا ہے۔ یعنی واو صرف مندوب میں آتا ہے، منادیٰ میں نہیں آتا، تاکہ منادیٰ اور مندوب کے درمیان امتیاز پیدا ہوجائے برخلاف یاء کے کہ وہ منادیٰ اور مندوب دونوں میں آتا ہے۔ تمام حروف نداء میں یہ زیادہ مشہور ہے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس کو وسعت دی جائے کہ غیر منادیٰ میں بھی اس کا استعمال کیا جائے، لیکن یہ استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قرینہ فارق بین النداء والندبہ پایا جائے، تاکہ منادیٰ محض کے ساتھ التباس لازم نہ آئے اور اگر فارق نہ ہو تو پھر اس طرح کا استعمال نہیں ہوتا ہے، البتہ یاء کے علاوہ باقی حروف نداء وہ صرف منادیٰ میں آتے ہیں، مندوب میں نہیں آتے۔

اعراب وبناء کے اعتبار سے مندوب کا حکم:

مندوب کا حکم اعراب وبناء میں مثل منادیٰ کے ہے، یعنی جس طرح منادیٰ مفرد معرفہ علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مندوب مفرد معرفہ بھی علامت رفع پر مبنی ہوتا ہے جیسے "وَازَيْدُ" ضمہ کے ساتھ ہے اور جس طرح منادیٰ اضافت کے وقت علامت نصب پر مبنی ہوتا ہے، اسی طرح مندوب بھی اضافت کے وقت علامت نصب پر مبنی ہوتا ہے جیسے "وَاعَبْدَ اللّٰهِ" نصب کے ساتھ ہے۔

مندوب کے آخر میں الف کا زیادہ کرنا:

وازيداه والمير المومنينا الخ　ندبہ میں چوں کہ درازی صوت مطلوب ہے، اس لیے

مندوب کے آخر میں الف زیادہ کرنا جائز ہے مثلاً "وازیداً وا عمراً، وارأساہ، والمیر المومنینا" کہیں گے۔ اور وقف کی حالت میں ہاء بھی لانا جائز ہے جیسے "وازیداہ" "واعمراہ" لیکن یہ ہاء وصل کی صورت میں محذوف ہو جائے گی، کہیں کہیں ضرورت شعری کی بناء پر وصل کی صورت میں بھی ہاء کا باقی رکھنا جائز ہوتا ہے، جیسا کہ متنبی شاعر نے "واحرَّ قلباہ ممَّن" میں باقی رکھا ہے لہٰذا اس وقت اس پر ضمہ آئے گا ہاء ضمیر کیساتھ مشابہت کی وجہ سے، اور التقاء ساکنین کی اصل پر قیاس کرتے ہوئے اس کا کسرہ پڑھنا بھی درست ہے، کیوں کہ واحرَّ قلباہْ میں بوقت وقف اجتماع ساکنین لازم آتا ہے اور حرف ساکن کو کسرہ کا ہی اعراب دیا جاتا ہے، اَلسَّاکِنُ اِذَا حُرِّکَ حُرِّکَ بِالْکَسْرِ کے قاعدہ کے پیش نظر۔

باب المفعول المطلق: معناهُ

یہ باب مفعول مطلق کی تعریف اور اس کے احکام کے بیان میں

وَالْمَفْعُوْلُ الْمُطْلَقُ، وَهُوَ: اَلْمَصْدَرُ الْفَضْلَةُ الْمُسَلَّطُ عَلَيْهِ عَامِلٌ مِنْ لَفْظِهٖ كـ "ضَرَبْتُ ضَرْبًا" اَوْ مِنْ مَعْنَاهُ كـ "قَعَدْتُ جُلُوْسًا" وَقَدْ عَنْهُ غَيْرُهُ كـ "ضَرَبْتُهُ سَوْطًا" "فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً" "فَلَا تَمِيْلُوا كُلَّ الْمَيْلِ" "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ" وَلَيْسَ مِنْهُ "وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا".

ترجمہ:- اور مفعول مطلق۔ اس سے مراد وہ زائد مصدر ہے جس سے پہلے اسی کے لفظ سے ایک عامل لایا گیا ہو جیسے "ضَرَبْتُ ضَرْبًا" (مارا میں نے مارنا) یا اس کے معنی کے موافق ہو جیسے "قَعَدْتُ جُلُوْسًا" (بیٹھا میں بیٹھنا) اور کبھی کبھی اس کا غیر اس کا قائم مقام ہوتا ہے جیسے "ضَرَبْتُهُ سَوْطًا" (مارا میں نے اس کو کوڑا مارنا) "فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً" (تو انہیں اسی کوڑے مارو) "فَلَا تَمِيْلُوا كُلَّ الْمَيْلِ" (ایک ہی کی طرف پوری طرح مائل مت ہو) "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ" (اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا) اور "وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا" (اور تم دونوں اس سے بافراغت کھاؤ) اس باب سے نہیں ہے۔

تشریح:- جب فاضل مصنف "مفعول بہ اور اس کے متعلقات منادی کے احکام کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفاعیل خمسہ میں سے دوسری قسم مفعول مطلق کو بیان کرنے میں منہمک ہوئے، چنانچہ فرمایا، مفاعیل خمسہ میں سے دوسری قسم مفعول مطلق ہے، مفعول مطلق کو بقیہ مفاعیل پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس مفہوم پر بلا قید زائد دلالت کرتا ہے برخلاف باقی مفعولوں کے

کہ کسی میں فیہ، یا معہ، یا لہ کی قید ہے اور چوں کہ قاعدہ ہے کہ مطلق مقید پر مقدم ہوتا ہے اسی لئے ذکر میں بھی اس کو مقدم کیا گیا ہے، تا کہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے، لیکن ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفعول بہ جو کہ قید کے ساتھ مقید ہے اسے تو مفعول مطلق پر مقدم کیا گیا ہے تو پھر آپ کا اصول محفوظ نہیں رہا۔

شارح کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ مفاعیل خمسہ میں مفعول بہ کی بحث بہت ہی مطول اور مسائل کثیرہ پر مشتمل تھی، اس کی طوالت اور کثرت کا لحاظ کرتے ہوئے مجبوراً مقدم کیا گیا ہے۔

اگر کوئی یہاں اشکال کرے کہ مفعول مطلق مطلق نہیں ہے، بلکہ یہ قید اطلاق مقید ہے جو کہ شرط لاشی کا درجہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کو مفعول مطلق کہتے ہیں صرف مفعول بدون ذکر مطلق کے نہیں کہتے۔

جواب یہ ہے کہ ذکر لفظ مفعول مطلق کا یہاں تقیید کے لیے نہیں بلکہ بیان مفہوم کے لیے ہے اور وجہ یہ ہے کہ قید ہمیشہ مقید سے خارج ہوتی ہے اور یہ اطلاق مفعول مطلق میں داخل ہے، اس سے خارج نہیں کہ قید ہو۔

مفعول مطلق کی تعریف:

والمفعول المطلق وهو المصدر الفضلة الخ فاضل مصنفؒ یہاں سے مفعول مطلق کی تعریف مع امثلہ تحریر فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا مفعول مطلق وہ ایسا مصدر ہے جو زائد ہو اور اس سے پہلے اسی کے لفظ کے مطابق ایک عامل ہو یا اس کے معنی کے موافق عامل ہو۔

اول کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا" (اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔ پ۶ سورۂ نساء، آیت ۱۶۴) کہ اس آیت میں "تَكْلِيْمًا" مفعول مطلق ہے جس کے لفظ کے مطابق اس سے پہلے "كَلَّمَ" عامل آیا ہے۔

دوم کی مثال جیسے "قَعَدْتُ جُلُوْسًا" (بیٹھا میں بیٹھنا) "تَأَلَّيْتُ حَلْفَةً" (میں نے قسم کھائی قسم کھانا) ان دونوں مثالوں میں "جُلُوْسًا" اور "حَلْفَةً" مفعول مطلق ہے اور عامل سے لفظوں میں باعتبار لفظ کے مغایر ہیں، لیکن معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ اسی طرح شاعر کا قول

تَأَلّٰى ابْنُ أَوْسٍ حَلْفَةً لَيَرُدُّنِيْ ... إِلٰى نِسْوَةٍ كَأَنَّهُنَّ مَفَائِدُ

(ترجمہ: ابن اوس نے ایک مرتبہ قسم کھائی کہ وہ مجھے خشک مزاج، سیاہ رو عورتوں کی طرف ضرور لوٹا دے گا)

شعر کا مطلب: یہ یزید الفوارس حصین بن ضرار ضبی کا کلام ہے، جس کو ابو تمام حبیب بن اوس طائی نے اپنے دیوان حماسہ میں تحریر فرمایا ہے۔ اس شعر میں ایک لفظ "مَفَائِدُ" ہے جو مِفْأَدٌ کی جمع ہے بمعنی وہ لکڑی جس کے ذریعہ تنور میں آگ کو حرکت دی جاتی ہے، پھر اس کی سیاہی اور خشک مزاج سیاہ رو عورت

ترکیب دی گئی ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد لفظ "خلفة" ہے جو مفعول مطلق ہے اور اپنے فعل "تلقی" سے باعتبار لفظ کے مغائر ہے، لیکن دونوں معنی میں موافق ہیں۔ ماتن نے اپنے قول "أو بمن معناه" سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

طالب علمانہ سوال اور اس کا جواب:

مصنف نے مفعول مطلق کی تعریف کرتے ہوئے لفظ "الفضلة" کی قید کیوں لگائی ہے؟

جواب: مفعول مطلق کی تعریف میں اس لفظ کی قید لگا کر تیرے قول "کلامك كلامٌ حسنٌ" اور اہل عرب کا قول "جَدَّ جِدُّهٗ" سے احتراز کیا ہے اور وجہ احتراز یہ ہے کہ پہلی مثال میں لفظ "کلامٌ" اور دوسری مثال میں "جِدُّهٗ" مصدر ہیں اور ان دونوں سے پہلے انہیں کے الفاظ سے عامل لائے گئے ہیں، لیکن پہلی مثال میں عامل فعل کی شکل میں نہیں بلکہ مبتداء ہے جو خبر میں عمل کر رہا ہے اور اس کی ترکیب یوں ہے "کلامُكَ" مضاف ومضاف الیہ سے مل کر مبتداء، اور "کلامٌ حسنٌ" موصوف صفت سے مل کر خبر، اور مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اور دوسری مثال میں "جَدَّ" فعل ہے (فعل سے مراد معنی مصدری حدثی ہے خواہ فعل اصطلاحی کے ضمن میں ہو یا اسماء مشتقہ کے) اور مصدر باعتبار لفظ کے فعل کے مطابق بھی ہے، لیکن مصدر باعتبار معنی کے اپنے فعل کے مغائر ہے اور یہ دونوں صورتیں مفعول مطلق کے باب سے نہیں ہیں، اس لیے "الفضلة" کی قید لگا کر ان دونوں مثالوں کو خارج کیا ہے۔ "جَدُّ" بلند مرتبہ ہونا قرآن پاک میں ہے "وَأَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا" با نصیب ہونا، قسمت والا ہونا۔ اور "جِدٌّ" کے معنی از روئے زمین، نہر کا کنارہ، محنت، کوشش، سنجیدگی، واقعیت۔

غیر مصدر کو بربنائے مفعول مطلق نصب دینا:

وقد ینوب عنه غیرهٗ کبھی کبھی لفظ "کُلّ" اور "بعض" کو مفعول مطلق بنا کر نصب دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ دونوں مصدر نہیں ہوتے، لیکن مصدر کی طرف اضافت کر کے مصدر کے قائم مقام کر لیا جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ" (ایک ہی طرف پوری طرح مائل مت ہو۔ پ۵، سورۂ نساء آیت ۱۲۹) اور "وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيْلِ" (اور اگر یہ ہم پر کوئی بات بنالیتا۔ پ۲۹، سورۃ الحاقہ، آیت ۴۴) ان دونوں آیتوں میں سے اول میں لفظ "کُلَّ" "الْمَيْلِ" مصدر کی طرف اور دوسری میں لفظ "بعض" "الْأَقَاوِيْلِ" مصدر کی طرف مضاف ہیں اور بربنائے مفعولیت نصب دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر عدد مضاف ہو مصدر کی طرف تو اسے بھی بربنائے مفعولیت نصب دیا جاتا ہے جیسے

باری تعالیٰ کا قول "فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً" (تو انہیں اسی کوڑے مارو۔ پ۱۸، سورۃ نور آیت ۴) میں ثَمَانِيْنَ عدد ہے اور جَلْدَةً مصدر تمیز کی طرف مضاف ہے، لہٰذا بنا بر مفعولیت نصب دیا گیا ہے۔ اسی طرح اسمائے آلات بھی نصب دیے جاتے ہیں جیسے "ضَرَبْتُهٗ سَوْطًا" میں "سَوْطًا" کو نصب دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کی جگہ میں رکھ دیتے ہیں جیسے ضَرَبْتُهٗ سَوْطًا اصل میں ضَرَبْتُهٗ ضَرْبَ سَوْطٍ ہے اسی طرح ضَرَبْتُهٗ عَصًا اور ضَرَبْتُهٗ مِقْرَعَةً کی اصل ضَرَبْتُهٗ ضَرْبَ عَصًا اور ضَرَبْتُهٗ مِقْرَاعَةٍ کا حال ہے۔

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا کا اعراب:

وَلَيْسَ مِنْهُ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا الخ باری تعالیٰ کا قول "وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا" (اور تم دونوں اس سے بافراغت کھاؤ۔ پ۱، سورۃ بقرہ، آیت ۳۵) میں رَغَدًا کو کس وجہ سے نصب آیا ہے تو اس بارے میں علماء نحو کا اختلاف ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے، اس وجہ سے مصدر کا قائم مقام بنا کر نصب دیا گیا ہو ایسا نہیں، کیوں کہ مصدر محذوف کی صفت مصدر کا قائم مقام نہیں بن سکتی۔ اہل عرب کا مذہب یہ ہے کہ "رَغَدًا" کو بربنائے مفعولیت نصب آیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اصل "وَكُلَا مِنْهَا أَكْلًا رَغَدًا" ہے، أَكْلًا موصوف اور رَغَدًا صفت ہے، مصدر موصوف کے محذوف ہونے کی صورت میں صفت کو موصوف کے قائم مقام کر کے نصب دیا گیا ہے۔ اور امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ یہ اس مصدر سے حال واقع ہو کر منصوب ہے جو فعل سے مفہوم ہوتا ہے، لہٰذا تقدیری عبارت فَكُلَا حَالَةَ كَوْنِ الْأَكْلِ رَغَدًا ہوگی۔ اور اس پر استدلال کیا ہے۔ اہل عرب کے قول "سِيْرَ عَلَيْهِ طَوِيْلًا" سے کہ اہل عرب نے اس مقولہ میں جار مجرور کو فاعل کے قائم مقام قرار دیا اور طَوِيْلًا کو حال ہونے کی بناء پر منصوب پڑھا نہ کہ مصدر ہونے کی بناء پر، اسی طرح اس میں بھی ہوا ہے۔ لیکن فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ جار مجرور کو فاعل کا قائم مقام قرار دینا محل نزاع ہے، اس لیے کہ مصدر بالاتفاق فاعل کا قائم مقام ہوتا ہے۔

باب ہذا سے متعلق چند قواعد

مفعول مطلق کی قسمیں:

اس باب سے متعلق چند مفید قواعد و نکات تحریر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، تاکہ باب تشنہ نہ رہے اور طلبہ عزیز کو بیر حاصل بحث تک رسائی ہو جائے۔

مفعول مطلق کی تین قسمیں ہیں: (۱) کبھی تاکید کے لیے ہوتا ہے جب کہ اس کے معنی سے کوئی زیادتی فعل کے معنی پر نہ کبھی جائے جیسے جلستُ جلوسا یہ تثنیہ وجمع استعمال نہ ہوگا برخلاف بعد کی قسموں کے۔ اس لیے کہ وہ ماہیت فعل پر دلالت کرتا ہے اور ماہیت میں تعدد نہیں۔ (۲) کبھی نوع کے لیے ہوتا ہے جب کہ وہ فعل کی کسی نوع وہیئت پر دلالت کرے جیسے جَلَسْتُ جِلْسَةً (میں ایک خاص قسم کی نشست سے بیٹھا) (۳) کبھی عدد کو بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے عدد مفہوم ہو یا کسی اور لفظ سے جیسے جَلَسْتُ جَلْسَةً (فتح الجیم) (میں ایک مرتبہ بیٹھا) میں عدد لفظ مصدر سے مفہوم ہو رہا ہے اور ضَرَبْتُ ضَرْبًا كَثِيْرًا کہ اس میں صفت كَثِيْرًا سے عدد مفہوم ہو رہا ہے۔

مفعول مطلق کے عامل کا حذف:

کبھی مفعول مطلق کے عامل یعنی فعل کو قرینہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے جیسے کوئی سفر سے آئے اور تم اس سے کہو "خَيْرَ مَقْدَمٍ"۔ (خوش آمدید) اس کی اصل "قَدِمْتَ قُدُوْمًا خَيْرَ مَقْدَمٍ" ہے۔ قَدِمْتَ فعل کو قرینہ حالیہ یعنی آثار سفر کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ پھر قُدُوْمًا کو حذف کر کے خَيْرَ مَقْدَمٍ کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا ہے۔ ترکیب اس طرح ہوگی قَدِمْتَ فعل با فاعل، قدوما موصوف، خَيْرَ مضاف، مَقْدَمٍ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر قدوما کی صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر قَدِمْتَ کا مفعول مطلق، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تحقیق۱: مفعول مطلق اگر تاکید کے لیے ہو تو اس وقت اس کے فعل کو حذف کرنا جائز نہیں، کیوں کہ یہ مفعول مطلق عامل کی تقویت کے لیے آتا ہے اور حذف اس کے منافی ہے۔

تحقیق۲: مفعول مطلق تو مصدر ہوتا ہے، حالاں کہ أَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَيْحَةً کے اندر مفعول مطلق ہے حالاں کہ مصدر نہیں۔

جواب: مصدر ہونا عام ہے چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً لہذا وَيْحَةً اگرچہ مصدر نہیں۔ اسم عین ہے مگر یہ کلام چوں کہ بددعا پر مشتمل ہے، اس لیے وَيْحَةً کے مجازی معنی (اهلاكاً) مراد ہیں۔ نیز مفعول مطلق کے لیے معنی حدثی ہونا کافی ہے اس سے فعل کا نکلنا شرط نہیں، برخلاف مصدر کے کہ اس سے فعل بھی نکلتے ہیں۔

تحقیق۳: مفعول مطلق اور عامل کے الفاظ اور باب ایک جیسے ہونے ضروری نہیں، بلکہ اتحاد معنی ضروری ہے جیسے أَنْبَتَكُمْ نَبَاتًا دونوں کے لیے باب جدا جدا ہیں، مگر معنی ایک ہی ہیں اور تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَى، تُقَرِّبُ اور زُلْفَى کے معنی ایک ہیں یعنی قریب کرنا، نزدیکی۔

باب المفعول له ___ مفعول لہ کا بیان

وَالْمَفْعُوْلُ لَهٗ، وَهُوَ الْمَصْدَرُ الْمُعَلِّلُ لِحَدَثٍ شَارَكَهٗ وَقْتًا وَفَاعِلًا، نَحْوُ "قُمْتُ إِجْلَالًا لَكَ" فَإِنْ فَقَدَ الْمُعَلِّلُ شَرْطًا بِحَرْفِ التَّعْلِيْلِ، نَحْوُ (خَلَقَ لَكُمْ)___ وَ وَإِنِّيْ لَتَعْرُوْنِيْ لِذِكْرَاكِ هِزَّةٌ ___ وَ فَجِئْتُ وَقَدْ نَضَّتْ لِنَوْمٍ ثِيَابَهَا.

ترجمہ:- اور مفعول لہ۔ اور وہ ایسا مصدر ہے جو علت بیان کرنے والا ہوتا ہے ایسے فعل کے لیے جو فعل اس کے ساتھ وقت اور فاعل میں مشترک ہو جیسے قُمْتُ اِجلالًا لك (میں تیری تعظیم کے لیے کھڑا ہوں) پس اگر معلل ہونا جو شرط ہے مفقود ہو جائے تو حرف تعلیل کی وجہ سے جر دیا جائے گا جیسے خَلَقَ لَكُمْ (تمہارے لیے پیدا فرمایا) اور وَاِنّی لتعرونی الخ (اور میرا حال تو یہ ہے کہ تیرے ذکر سے مجھ میں حرکت پیدا ہوتی ہے) اور فجئتُ وقد نضّتُ الخ (میں آیا اس حال میں کہ وہ اپنے کپڑے سونے کے لیے اتار چکی تھی)۔

تشریح:- جب مصنفؒ مفعول مطلق کے تفصیلی بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفعول لہ کو بیان کرنا شروع کیا۔ مفعول لہ مفاعیل خمسہ میں سے تیسری قسم ہے، اسے مفعول لاجلہ بھی کہا جاتا ہے اور من اجلہ بھی کہا جاتا ہے۔

مفعول لہ کی تعریف:

مفعول لہ وہ اسم ہے جس کے حصول یا اس کے پیش آنے کی وجہ سے فعل مذکور واقع ہوا ہو جیسے ضَرَبْتُ زیدًا تادیبًا (میں نے زید کو ادب دینے کے لیے مارا) یہ حصول کی مثال ہے کہ ادب پہلے سے نہیں تھا تو فعل ضرب حصول ادب کے لیے واقع ہوا ہے، یہی مفعول لاجلہ کہلاتا ہے۔ اور قعدتُ عن الحرب جبنًا (میں لڑائی سے باز رہا بزدلی کے عارض و پیش آنے کی وجہ سے) یہ مثال عارض اور پہلے سے ہونے کی ہے کہ بزدلی پہلے سے موجود تھی اس لیے لڑائی سے باز رہا۔ یہ مفعول من اجلہ کہلاتا ہے۔

مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرطیں:

والمفعول لهٗ وهو المصدر المعلّل الخ یہاں سے مصنفؒ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرائط بیان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا، مفعول لہ مصدر ہو علت ظاہر کرنے والا ہو ایسے فعل کے لیے جو فعل اس کے ساتھ وقت اور اسم فاعل میں مشترک ہو تب ہے تو بتقدیر لام منصوب ہو گا جیسے "قُمتُ

اجلالاً لك" (میں تیری تعظیم کے لیے کھڑا ہوا) اس مثال میں اکرام و اجلال کی وجہ سے فعل قیام واقع ہوا ہے اور ان دونوں کا زمانہ بھی اور فاعل بھی ایک ہے۔ لہٰذا اجلالاً کو مفعول لہ کہیں گے۔ (اور ترکیب اس طرح ہوگی۔ قام فعل، تُ ضمیر فاعل، اجلالاً مصدر موصوف، لك جار مجرور سے مل کر ثابتۃ کے متعلق ہو کر صفت، اجلالاً موصوف اپنی صفت سے مل کر مفعول لہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول لہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور باری تعالیٰ کا قول "یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِی آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ" (موت سے ڈر کر کڑاکے کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں۔ پ۱، سورۂ بقرہ، آیت۱۹) اس آیت کریمہ میں لفظ "حَذَرَ" مصدر منصوب ہے جو کانوں میں انگلیاں داخل کرنے کے لیے علت مذکور ہے اور اس کا اور فعل کا زمانہ ایک ہے اور دونوں کا فاعل بھی "اَلْکَافِرُوْنَ" ایک ہے۔

مفعول لہ کا لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہونا کب؟

مفعول لہ لام کی تقدیر کے ساتھ منصوب ہوتا ہے، لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔ اگر ان شرائط ثلثہ میں سے ایک بھی شرط مفقود ہوئی تو لام تعلیل کی وجہ سے جر دینا واجب ہوگا۔

پہلی شرط:۔ مصدر معلل ہونا۔ اگر یہ شرط مفقود ہو جائے تو اس وقت لام تعلیل کی وجہ سے مفعول لہ کو جر آئے گا جیسے باری تعالیٰ کا قول "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا" (وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ پ۱، سورۂ بقرہ، آیت۲۹) میں مصدر معلل مفقود ہے، اس لیے خلق لکم میں ضمیر کُم لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہے اور پیدا کرنے میں علت مخاطبین ہیں۔

اسی طرح امرء القیس کا شعر۔

وَلَوْ اَنَّ مَا اَسْعٰی لِاَدْنٰی مَعِیْشَةٍ　　کَفَانِیْ وَلَمْ اَطْلُبْ قَلِیْلٌ مِنَ الْمَالِ

(اگر میں تھوڑی معیشت کی کوشش کرتا تو مجھے تھوڑا مال کافی ہوتا۔ اور میں نے سلطنت و حکومت طلب نہیں کی۔) میں "اَدْنٰی" افعل التفضیل ہے۔ مصدر معلل نہیں ہے، چنانچہ لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہے۔

دوسری شرط:　فعل معلل بہ اور مصدر دونوں کا زمانہ ایک ہو، اگر یہ شرط مفقود ہو جائے یعنی زمانہ مختلف ہو جائے تو پھر مفعول لہ لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہو جائے گا جیسے امرء القیس ابن حجر الکندی نامی شاعر کا کلام　فَجِئْتُ وَقَدْ نَضَّتْ لِنَوْمٍ ثِیَابَهَا　　لَدَی السِّتْرِ، اِلَّا لِبْسَةَ الْمُتَفَضِّلِ

(میں آیا اس حال میں کہ وہ اپنے کپڑے سونے کے لیے اتار چکی تھی، بجز سرپائی کرنے والے کا

لباس موجود تھا۔) میں محل استشہاد "کنوم" ہے جو کہ چہ خلعت ثوب کے لیے علت ہے اور خلعت ثوب اور نوم دونوں کا فاعل بھی ایک ہی ہے، لیکن دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہے، اس لیے نہ خلعت ثوب کا زمانہ قبل النوم ہے اس وجہ سے مفعول لہ (نوم) کو لام تعلیل کے ذریعہ جر دیا گیا ہے۔

تیسری شرط: فعل معلل ہے اور مصدر کا فاعل ایک ہو، اگر یہ شرط مفقود ہو (یعنی فاعل مختلف ہو) تو مفعول لہ کو لام تعلیل کی وجہ سے وجوباً جر دیا جائے گا۔ جیسے ابو صخر ہذلی نامی شاعر کا قول

وَاِنِّی لَتَعْرُونِی لِذِکْرَاكَ هِزَّةٌ كَمَا انْتَفَضَ الْعُصْفُوْرُ بَلَّلَهُ الْقَطْرُ

(اور میرا حال تو یہ ہے کہ تیرے ذکر سے مجھ میں ایسی حرکت پیدا ہوتی ہے جس طرح پرندہ اپنے جسم کو حرکت دیتا ہے، جب بارش اس کو تر کر دیتی ہے۔ یعنی جس طرح چڑیا بارش کے پانی سے تر ہونے کی بنا پر اپنے جسم کو حرکت دیتی ہے، اور ایک نئی روح اور تازگی محسوس کرتی ہے ایسے ہی اے میری محبوبہ تمہارے ذکر خیر سے مجھ میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے، پھر مجھے ایک نئی مسرت حاصل ہوتی ہے۔)

میں محل استشہاد "لِذِکْرَاكَ" مفعول لہ ہے جو لام تعلیل کی وجہ سے مجرور ہے اور حرکت پیدا ہونے کے لیے علت ہے اور ان دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے، لیکن "تعرونی" فعل کا فاعل هِزَّةٌ ہے اور "ذِکْرٰی" کا فاعل متکلم ہے، اس لیے کہ ذِکْرٰی، لِذِکْرٰی ایاك کے معنی میں ہے۔ اب جب فاعل مختلف ہو گئے تو مفعول لہ لام تعلیل کی وجہ سے وجوباً جر دیا گیا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً" (تا کہ تم ان کی سواری لو، اور وہ باعث زینت بھی ہیں۔ پ۱۴ سورۂ نحل آیت ۸) میں "لِتَرْکَبُوْهَا" اصل میں "لِاَنْ تَرْکَبُوْهَا" ہے، جو گھوڑے، خچر اور گدھوں کے پیدا کرنے کے لیے علت ہے، لیکن فاعل مختلف ہونے کی وجہ سے لام تعلیل کے ساتھ آیا ہے، اس لیے کہ خلق کا فاعل اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے، اور رکوب کا فاعل بنو آدم ہے، لیکن زِیْنَةً بتقدیر لام منصوب پڑھا گیا ہے، کیوں کہ خلق اور تزیین دونوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

نوٹ:- مفعول لہ پر شرائط مفقود ہونے کی صورت میں جر دینے کے لیے لام ہی کی تخصیص نہیں ہے، بلکہ حروف جر میں سے ہر ایسے حرف کے ذریعہ جر دینا جائز ہے جو تعلیل پر دلالت کرے اور وہ لام، مِن، فی، باء ہیں۔ (تسہیل الہدیٰ ص ۲۴۷)

باب المفعول فیه ــــــ مفعول فیہ کا بیان

وَالْمَفْعُوْلُ فِیْهِ، وَهُوَ مَا سُلِّطَ عَلَیْهِ عَامِلٌ عَلٰی مَعْنٰی "فِیْ" مِنْ اِسْمِ زَمَانٍ کَـ "صُمْتُ یَوْمَ الْخَمِیْسِ، اَوْحِیْنًا، اَوْ اُسْبُوْعًا" اَوْ اِسْمِ مَکَانٍ

مُبْهَم، وَهُوَ الْجِهَاتُ السِّتُّ، كَالْأَمَامِ، وَالْفَوْقِ، وَالْيَمِينِ، وَعَكْسِهِنَّ، وَنَحْوُ وَهُنَّ كَعِنْدَ، وَلَدَى، وَالْمَقَادِيرُ كَالْفَرْسَخِ، وَمَا صِيغَ مِنْ مَصْدَرِ عَامِلِهِ، كَـ "قَعَدْتُ مَقْعَدَ زَيْدٍ".

ترجمہ:- اور مفعول فیہ، تو وہ ایسا اسم ہے جس سے پہلے عامل لایا گیا ہو بتقدیر "فی" اسم زمان میں سے ہو، جیسے "صُمْتُ يَوْمَ الْخَمِيسِ" یا "حِيْنًا" یا "أُسْبُوعًا" یا بتقدیر "فی" اسم مکان مبہم میں سے ہو اور وہ جہات ستہ ہیں جیسے اَمام (سامنے) فوق (اوپر) یمین (دایاں) اور ان کے برعکس (یعنی خلف بمعنی پیچھے، تحت بمعنی نیچے، شمال بمعنی بائیں) اور جو بھی اس کے مثل ہیں۔ جیسے عِنْدَ (پاس) لَدَی (نزدیک) اور مقادیر جیسے فرسخ، اور وہ اسماء جو مصدر کے عامل سے لائے گئے ہوں جیسے قَعَدْتُ مَقْعَدَ زَيْدٍ (میں زید کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھا)

تشریح:- جب مصنف "مفعول لہ" کے تفصیلی بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفاعیل خمسہ میں سے چوتھی قسم مفعول فیہ کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا: مفاعیل خمسہ میں سے چوتھی قسم مفعول فیہ ہے اور اسے اسم ظرف بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ ظرف کے معنی برتن کے ہیں۔ اور مفعول فیہ فعل کے واسطے مثل ظرف کے ہوتا ہے، اس وجہ سے اسے ظرف بھی کہا جاتا ہے۔

مفعول فیہ کی تعریف مع فوائد قیود:

والمفعول فيه وهو ما سلط عليه عامل الخ یہاں سے فاضل مصنف "مفعول فیہ" کی تعریف مع فوائد قیود کے بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرمایا: مفعول فیہ ہر ایسے اسم زمان یا مکان کو کہتے ہیں جس سے پہلے عامل لایا گیا ہو معنی فی کی تقدیر کے ساتھ جیسے "صُمْتُ يَوْمَ الْخَمِيسِ" (یہ اسم زمان کی مثال ہے، جس میں یوم الخمیس مفعول فیہ ہے اور بتقدیر فی منصوب ہے۔ اور ترکیب اس طرح ہے۔ صَامَ فعل، تُ ضمیر مرفوع متصل فاعل، یومَ الخمیس مضاف مضاف الیہ سے مل کر مفعول فیہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔) اور جَلَسْتُ أَمَامَكَ (یہ اسم مکان کی مثال ہے، جس میں أمام "مفعول فیہ ہے اور بتقدیر فی منصوب ہے) کیوں کہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی اسم زمان یا مکان "مبہم ہو اور اس سے پہلے اس کا عامل لایا گیا ہو تو وہ اسم زمان یا مکان "مبہم بتقدیر معنی فی منصوب ہوتا ہے۔ اسی کی طرف "على معنى فى" سے اشارہ ہے۔ نیز مصنف نے "على معنى فى" کی قید لگا کر اس ضابطہ سے احتراز کیا ہے کہ اگر کوئی اسم زمان یا مکان ہو اور اس سے پہلے عامل بھی لایا گیا ہو لیکن اس میں معنی فی کا لحاظ نہ ہو تو وہ اسم زمان یا مکان مفعول فیہ نہیں ہو سکتا بلکہ مفعول بہ ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "إِنَّا نَخَافُ مِنْ

رَبِّنَا یَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِیْرًا" (بے شک ہم اپنے پروردگار سے اس دن کا خوف کرتے ہیں جو اداسی اور سختی والا ہوگا۔ پ۲۹، سورۂ دھر، آیت ۱۰) میں "یوماً" منصوب ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے، مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ گرچہ یوماً ظرف زمان ہے اور اس سے پہلے اس کا عامل بھی مذکور ہے، لیکن اس میں معنی فی مقدر نہیں، جب کہ مفعولیت فیہ کی صحت کے لیے تقدیر معنی فی کی شرط ہے، معلوم ہوا کہ درحقیقت یہاں نفس یوم سے ڈرنا مراد ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ" (اس موقع کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کہاں وہ اپنی پیغمبری رکھے۔ پ۸، سورہ انعام، آیت ۱۲۴) میں لفظ "حَيْثُ" ظرف مکان ہے، لیکن مفعول فیہ نہیں ہے بلکہ مفعول بہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ "حَيْثُ" کا عامل فعل مقدر ہے، جس پر اَعْلَمُ دلالت ہے اور اس کی اصل عبارت اس طرح ہے "يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ" اب ترکیب میں حَيْثُ مفعول بہ واقع ہے، کیوں کہ اس میں معنی فی مقدر نہیں، حالاں کہ مفعولیت فیہ کی صحت کے لیے تقدیر معنی فی کی شرط ہے۔

مصنفؒ نے "مِن اسم زمانٍ" کی قید لگا کر اس ضابطہ سے احتراز فرمایا ہے کہ اگر کوئی اسم ایسا ہو جس سے پہلے عامل لایا گیا ہو اور معنی فی مقدر بھی ہو، لیکن وہ زمان یا مکان نہ ہو تو وہ بھی مفعول فیہ نہیں ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ" (اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو۔ پ۵، سورۂ نساء آیت ۱۲۷) میں "اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ" سے پہلے فی کا معنی مقدر ہے، لیکن یہ خود نہ تو ظرف زمان ہے اور نہ مکان۔ لہٰذا یہ مفعول فیہ نہیں ہو سکتا جب کہ کسی اسم کے مفعول فیہ ہونے کے لیے زمان یا مکان ہونا شرط ہے۔

اسم ظرف کی قسمیں مع احکام کے:

مِنْ اِسْمِ زَمَانٍ كَصُمْتُ يَوْمَ الْخَمِيْسِ الخ یہاں سے مصنفؒ اسم ظرف کے احکام کو بیان فرما رہے ہیں، لیکن بطور مقدمہ اسماء ظروف کے اقسام ذہن نشین کر لینا از حد ضروری ہے، تاکہ مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

اولاً اسم ظرف کی دو قسمیں ہیں زمان اور مکان۔ پھر ان دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ ظرف زمان مبہم، ظرف زمان محدود، ظرف مکان مبہم، ظرف مکان محدود۔

ظرف زمان مبہم ایسے ظرف کو کہتے ہیں جس میں وقت کی کوئی حد متعین نہ ہو جیسے دَهْرٌ، حِيْنٌ، متن میں لفظ "حِيْنًا" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ظرف زمان محدود ایسے ظرف کو کہتے ہیں جس میں وقت کی کوئی حد متعین ہو جیسے یوم، لیل،

ہے۔ متن میں لفظ "اسبوعًا" سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ظرف مکان مبہم ایسے ظرف کو کہتے ہیں کہ اس میں جگہ کی حد متعین نہ ہو جیسے جہات ستہ: امام، فوق، یمین، اور ان کے برعکس خلف، تحت، شمال۔ ماتن نے متن میں "او اسم مکان مبهم وهو الجهات السّتّ" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ظرف مکان محدود ایسے ظرف کو کہتے ہیں کہ اس میں جگہ کی حد متعین ہو جیسے دار، مسجد وغیرہ۔

فائدہ:- جملہ اسماء زمان خواہ زمان مبہم ہو یا محدود یا مختص منتہا یا ظرف مکان مبہم ہو۔ (مختص منتہا سے مراد وہ ظرف ہے جو "متیٰ" کے جواب میں واقع ہو جیسے یوم الخمیس۔ محدود سے مراد وہ ظرف ہے جو "کَمْ" کے جواب میں واقع ہو جیسے اسبوع، شهر، حول اور مبہم سے مراد وہ ہے جو ان دونوں میں سے کسی کے جواب میں واقع نہ ہو جیسے حین، وقت) یہ تمام اسماء ظروف تقدیر فی پر بنائے ظرفیت منصوب ہوتے ہیں، اس لیے کہ مبہم مفہوم فعل کا جزء ہے اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب جزء فعل کو علاحدہ علاحدہ مستقل طور پر ذکر کرتے ہیں تو بلا واسطہ حرف جر کے منصوب ہوتا ہے جیسے مفعول مطلق، لہٰذا ظرف زمان بھی تقدیر فی کو قبول کرے گا۔ اور زمان محدود کو زمان مبہم پر محمول کرتے ہیں، اس لیے کہ دونوں ذات یعنی زمانیت میں شریک ہیں۔ اور ظرف مکان مبہم تو اس لیے منصوب ہوتا ہے کہ وہ وصف ابہام میں ظرف زمان مبہم کے شریک ہیں جیسے جلستُ خَلْفَكَ اس میں خلف ظرف مکان مبہم ہے، چوں کہ مقابل پشت جس کے واسطے کوئی حد نہیں اس کے لیے یہ موضوع ہے۔

فائدہ:- ظرف مکان محدود تقدیر فی کے ساتھ منصوب نہیں ہوتا بلکہ فی کا ذکر اس میں ضروری ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا اشتراک زمانۂ مبہم کیساتھ بالکل نہیں، نہ ذات میں، نہ صفت میں، جیسے جلَسْتُ فی المسجدِ، اس صورت میں مفعول فیہ مجرور ہوتا ہے ورنہ تو حرف جارہ کا بولنا بلا وجہ لازم آئے گا۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ مفعول فیہ دو قسم پر ہے ایک وہ جس میں فی مقدر ہوتا ہے اس صورت میں مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جس میں فی ملفوظ ہوتا ہے، اس صورت میں مفعول فیہ مجرور ہوتا ہے ورنہ تو حرف جارہ کا بولنا بلا وجہ لازم آئے گا۔

ظرف مکان مبہم کی قسمیں:

او اسم مكان مُبهم وهو الجهات السّتُّ الخ یہاں سے مصنف ظرف مکان مبہم کے اقسام کی وضاحت فرمارہے ہیں۔ ظرف مکان مبہم کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: اسماء جہات ستہ۔ اور وہ فوق، تحت، اعلیٰ، اسفل، یمین، شمال، ذات

الیمین، ذات الشمال، وراء، امام، ہیں اور جو بھی ان کے ہم معنی ہو، وہ بھی مکان مبہم میں داخل ہیں۔ یہ سارے جوانب ایسے ہیں کہ جن کی حد متعین نہیں ہیں۔ مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وفوق کل ذی علم علیم" (ہر ذی علم پر فوقیت رکھنے والا دوسرا ذی علم موجود ہے۔ پ۱۳، یوسف، آیت ۷۶) "قد جعل ربك تحتك سريا" (تیرے رب نے تیرے پاؤں تلے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ پ۱۶، مریم آیت ۲۴) "والركب اسفل منكم" (اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔ پ۱۰، انفال، آیت ۴۲) "وترى الشمس اذا طلعت تزاور عن كهفهم ذات اليمين، واذا غربت تقرضهم ذات الشمال" (آپ دیکھیں گے کہ آفتاب بوقت طلوع ان کے غار سے دائیں جانب کو جھک جاتا ہے اور بوقت غروب ان کے بائیں جانب کترا جاتا ہے۔ پ۱۵، سورہ کہف، آیت ۱۷) "وكان وراءهم ملك" (اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا۔ پ۱۶، کہف، آیت ۷۹) مذکورہ بالا آیات میں علی الترتیب فوق، تحت، اسفل، ذات اليمين، ذات الشمال، وراء، اسماء جہات ستہ ہیں جو ظرف مکان مبہم کہلاتے ہیں اور یہ سب بتقدیر معنی فی مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔ مصنفؒ نے اپنے قول "عكسهن" سے وراء، تحت، اور شمال کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور نحو "وَنحوهن" سے اگرچہ جہات ستہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن ان کے الفاظ بہت ہیں جیسا کہ ماقبل میں گذرا۔

كعند ولدى کی تشریح:۔ مصنفؒ نے ظرف مکان مبہم کا حکم بیان کیا تھا کہ اس پر نصب آتا ہے اس کے بعد مکان مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صرف جہات ستہ پر نصب آئے گا، حالاں کہ بعض ظروف مکان ایسے ہیں کہ جن پر نصب آتا ہے اور وہ جہات ستہ میں داخل نہیں، اس کا جواب مصنفؒ نے "ونحوهن كعند ولدى" سے خود دے دیا ہے کہ اس قسم کے ظروف کو مکان مبہم کے ساتھ لاحق کیا جائے گا اور ان پر نصب پڑھا جائے گا۔ اس قسم کے ظروف کی مثال عند ولدى سے بیان فرمایا ہے، مکان مبہم کے ساتھ الحاق کرنے کی علت "اشبهها فی شدة الابهام والاحتياج الى ما يبين معناها" سے بیان کیا ہے یعنی عند اور لدى مکان مبہم کے ساتھ شدت ابہام اور احتیاج کے معنی میں شریک ہے، اس وجہ سے ان دونوں پر نصب آیا ہے۔

دوسری قسم: والمقادير كالفرسخ یہاں سے ظرف مکان مبہم کی دوسری قسم کا بیان ہے مکان مبہم کی دوسری قسم اسماء مقادیر مساحات ہیں۔ یعنی وہ اسماء جن سے پیمائش کی مقدار معلوم ہوتی ہے جیسے فرسخ، میل، برید، (فرسخ ایک قدیم پیمانہ مسافت مساوی تین میل انگریزی، میل لمبائی ناپنے کا ایک پیمانہ جو قدیم زمانہ میں چار ہزار ذراع کے بقدر ہوتا تھا۔ برید راستہ کی دو منزلوں کا درمیانی فاصلہ)

تیسری قسم: وما صيغ من مصدر عامله یہاں سے مکان مبہم کی تیسری قسم کا بیان ہے۔

مکان مبہم کی تیسری قسم وہ اسم ظرف ہے جو اپنے عامل کے مصدر سے لایا گیا ہے جیسے جَلَسْتُ مَجْلِسَ زَيْدٍ میں لفظ مَجْلِسَ اپنے عامل جَلَسْتُ کے مصدر جُلوس سے مشتق ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ" (ہم باتیں سننے کے لیے آسمان میں جگہ جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ پ۲۹ سورہ جن، آیت ۹) میں مَقَاعِدَ ظرف ہے جو اپنے عامل نَقْعُدُ کے مصدر القُعُود سے مشتق ہے۔ اگر آپ ذَهَبْتُ مَجْلِسَ زَيْدٍ، یا جَلَسْتُ مَذْهَبَ عَمروٍ کہنا چاہیں تو یہ درست نہیں، کیوں کہ اسم مکان مبہم کا مصدر اس کے عامل کے مصدر کے برخلاف ہو رہا ہے اور یہ جائز نہیں۔

بَابُ المفعولِ مَعَهُ ـــــ مفعول معہٗ کا بیان

وَالْمَفْعُوْلُ مَعَهُ، وَهُوَ اِسْمٌ فَضْلَةٌ بَعْدَ وَاوٍ أُرِيْدَ بِهَا التَّنْصِيْصُ عَلَى الْمَعِيَّةِ مَسْبُوْقَةٍ بِفِعْلٍ أَوْ مَا فِيْهِ حُرُوْفُهُ وَمَعْنَاهُ، كَـ "سِرْتُ وَالنِّيْلَ" وَ "أَنَا سَائِرٌ وَالنِّيْلَ".

ترجمہ:- اور مفعول معہٗ۔ وہ اسم زائد ہے جو اس واؤ کے بعد ہو جس سے تنصیص علی المعیۃ (یعنی مصاحبت ومعیت کے معنی) کا ارادہ کیا گیا ہو۔ اور وہ (واؤ) فعل کے ساتھ، یا ایسے لفظ کے ساتھ جس میں فعل کے حروف اور معنی ہو لایا گیا ہو جیسے "سِرْتُ وَالنِّيْلَ" (میں نیل کے ساتھ چلا) اور "أَنَا سِرْتُ وَالنِّيْلَ"

تشریح:- جب فاضل مصنف مفعول فیہ کی تفصیلات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مفاعیل خمسہ کی پانچویں اور آخری قسم مفعول معہٗ کو بیان کرنا شروع کیا، چنانچہ فرمایا مفاعیل خمسہ کی آخری قسم مفعول معہٗ ہے۔

مفعول معہٗ کی تعریف:

مفعول معہٗ ایسے اسم زائد کو کہتے ہیں جو اس واؤ بمعنی مع کے بعد مذکور ہو جو فعل کے ساتھ یا ایسے لفظ کے ساتھ جس میں فعل کے حروف اور اس کے معنی موجود ہوں، لایا گیا ہو جیسے "سِرْتُ وَالنِّيْلَ" یہاں واؤ بمعنی مع کی مثال ہے جو فعل کے ساتھ لایا گیا ہے اور فعل لفظوں میں موجود ہے اور "أَنَا سَائِرٌ وَالنِّيْلَ" اس واؤ بمعنی مع کی مثال ہے جو باعتبار لفظ کے فعل تو نہیں، لیکن فعل کے حروف موجود ہیں اور فعل کا معنی بھی پایا جا رہا ہے۔

نیز یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اسم زائد کا اس واؤ بمعنی مع کے بعد مذکور ہونا جو فعل کے ساتھ یا معنی فعل کے ساتھ لایا گیا ہے کا مقصد یہ ہے کہ فعل کے معمول کی مصاحبت اس اسم کے ساتھ ہو جائے،

اگر فعل کا معمول فاعل ہے تو صدور فعل میں مصاحبت ہوگی جس طرح فاعل سے صدور ہوتا ہے۔ مفعول معہٗ بھی فاعل کے ساتھ اس میں شریک ہوگا اس سے بھی فعل کا صدور ہوگا جیسے "استوی الماء والخشبۃ" اس میں الخشبۃ اور الماء فاعل کے ساتھ اِستَوٰی میں شریک ہیں، اور اگر فعل کا معمول مفعول ہے تو وقوع فعل میں مصاحبت ہوگی جس طرح مفعول پر فعل واقع ہوتا ہے مفعول معہٗ بھی اس کے ساتھ وقوع فعل میں شریک ہوگا۔ جیسے کفاك وزیدا درهم۔

مفعول معہٗ کی تعریف چند قیود کے ساتھ:

وهو اسمٌ فضلةٌ بعد واو الخ فاضل مصنفؒ نے مفعول معہٗ کی تعریف میں کچھ فصل لا کر چند چیزوں سے احتراز کیا ہے۔

پہلی فصل "الاسم" ہے اس کے ذکر سے وہ فعل منصوب خارج ہو گیا جو واؤ کے بعد آتا ہے جیسے "لَا تَأْكُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبَنَ" (مچھلی کے کھانے اور دودھ کے پینے کو جمع نہ کرو) اس میں اگر چہ واؤ مصاحبت کے معنی میں ہے، لیکن فعل منصوب مفعول معہٗ نہیں ہے، کیوں کہ فعل منصوب سے پہلے "أنْ" پوشیدہ ہے اور أنْ پوشیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسے واؤ کے بعد جو نفی محض کے ساتھ لایا گیا ہو تو "أنْ" پوشیدہ ہوتا ہے۔ لہٰذا فعل کو "أنْ" پوشیدہ کی وجہ سے نصب آرہا ہے مفعول معہٗ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اسی طرح اسم کے ذکر کرنے سے جملہ حالیہ خارج ہو گیا جیسے "جَاءَ زَيْدٌ وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ (زید آیا اس حال میں کہ سورج طلوع ہو رہا تھا، یعنی زید سورج طلوع ہونے کے ساتھ آیا) اس مثال میں واؤ مع کے معنی میں ہے اور یہ جملہ جاء زید مع طلوع الشمس کے مفہوم پر محمول بھی ہے، مگر یہ اسم نہیں بلکہ جملہ حالیہ ہے لہٰذا اس پر حال ہونے کی وجہ سے نصب آیا ہے مفعول معہٗ ہونے کی وجہ سے نہیں۔

دوسری فصل "الفضلة" ہے۔ اس کے ذکر کرنے سے وہ اسم خارج ہو گیا جو واؤ کے بعد ہے اور فعل اس کے ساتھ متعلق ہے جیسے "اشترك زيدٌ وعمرٌو" اس مثال میں فعل اِشتَرَكَ، زید و عمرو دونوں کے لیے شامل ہے، کیوں کہ اشتراک کا تعلق دو آدمیوں کے درمیان ہوتا ہے اور یہ فعل اس سے مستغنی نہیں۔ اسی وجہ سے اِشْتَرَكَ زيد کہنا جائز نہیں، لہٰذا واؤ کے بعد آنے والا اسم زائد نہیں رہا، جب کہ الفضلة سے مراد وہ اسم ہوتا ہے جس کے بغیر بھی کلام تام ہو جائے۔

تیسری فصل بعد "واؤ" ہے۔ بعد "واؤ" کی قید سے وہ اسم خارج ہو گیا جو واؤ کے علاوہ کسی اور حرف مثلاً "مع" کے بعد ہو جیسے جاء نی زیدٌ مع عمرٍو کہا جائے تو اس کو مفعول معہٗ نہ کہا جائے گا، کیوں کہ مع کے بعد آنے والا اسم مجرور ہوتا ہے۔ اور واؤ مصاحبت کے بعد آنے والا اسم بر بنائے مفعول معہٗ منصوب ہوتا ہے۔ اسی طرح باء کے بعد آنے والا اسم بھی خارج ہو گیا، کیوں کہ باء اگر چہ

معاجت کے لیے آتا ہے، لیکن اپنے مابعد اسم کو مجرور کر دیتا ہے نصب نہیں دیتا۔ اس کے برخلاف واؤ معاجت اپنے اسم کو بر بنائے مفعول معہ نصب دیتا ہے۔

چوتھی فصل "ارادة التنصيص على المعيّة" ہے۔ اس کے ذکر کرنے سے وہ اسم خارج ہو گیا جس سے پہلے واؤ فقط عطف کے طور پر آتا ہے جیسے جاء زيدٌ وعمروٌ میں واؤ محض عطف کے لیے ہے۔

مصنف کا قول "مَسْبُوقةٍ بفعلٍ" کی تشریح: یہ عبارت مفعول معہ کی شرط کے لیے بیان ہے اور وہ اس طرح کہ واؤ معاجت کا فعل کے ساتھ لانا ضروری ہے یا ایسے لفظ کے ساتھ جس میں فعل کے حروف اور معنی موجود ہوں۔ اول کی مثال جیسے "سِرْتُ وَالنِّيلَ" اس میں سِرْتُ حقیقتاً فعل ہے اور عامل ہے اور اس کے ساتھ واؤ معاجت لائی گئی ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ" (تم اپنی تدبیر مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو۔ پ ۱۱، سورہ یونس، آیت ۷۱) میں بھی "اَجْمِعُوْٓا" باعتبار لفظ کے حقیقتاً فعل ہے اور اس کے ساتھ واؤ معاجت لایا گیا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد آنے والا اسم بناء بر مفعول معہ منصوب ہوگا۔ ثانی کی مثال جیسے "اَنَا سَائِرٌ وَالنِّيلَ" یعنی "اَنَا اَسِيْرُ وَالنِّيلَ" (یعنی میں نیل کے ساتھ ساتھ چلا) میں لفظ سَائِرٌ لفظاً فعل تو نہیں لیکن فعل کا معنی مفہوم ہوتا ہے اور اس کے حروف پائے جا رہے ہیں۔ اس کو فعل معنوی کہا جاتا ہے۔ اور وہ یہاں عامل ہے۔

كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهٗ کا اعراب: اہل عرب کا قول "كُلُّ رَجُلٍ وَضَيْعَتُهٗ" کے بارے میں صاحب کتاب نے فرمایا کہ نصب پڑھنا جائز نہیں، اگر کوئی اشکال کرے کہ "وَضَيْعَتُهٗ" واؤ بمعنی مع کے بعد واقع ہے، لہٰذا اسے مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھنا چاہیے؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ ضروری نہیں کہ جو اسم واؤ بمعنی مع کے بعد واقع ہو وہ مفعول معہ ہو جیسے مثال مذکور میں واؤ بمعنی مع کے بعد واقع ہے اور مفعول معہ نہیں، اس لیے کہ مفعول معہ ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ معمول فعل کے ساتھ زمان واحد میں مصاحب ہو (یعنی مفعول معہ اور اس کے مصاحب کا زمانہ ایک ہو) جیسے سِرْتُ وَزَيْدًا (اس میں زید مفعول معہ کا زمانہ اور سِرْتُ کے فاعل متکلم کی سیر کا زمانہ ایک ہے) یا مکان واحد میں مصاحب ہو (یعنی مفعول معہ اور فعل کے معمول کی جگہ ایک ہو) جیسے لَوْتُرِكَتِ النَّاقَةُ وَفَصِيْلَتُهَا لَرَضَعَهَا (اگر اونٹنی کو اس کے بچے کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا تو وہ اپنے بچے کو دودھ پلا دیتی یعنی اونٹنی اور اس کے بچے کو ایک جگہ چھوڑ دیا جاتا، اگر دونوں کی جگہ ایک نہ ہو تو دودھ کیسے پلاتی۔) (ایضاح المطالب ص ۳۷۰)

اسی طرح هذا لك وَأَبَاكَ کو نصب کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں، اس لیے کہ اسم اشارہ ہے اگرچہ اس میں أُشِيْرُ فعل کا معنی پایا جا رہا ہے، لیکن فعل کے حروف موجود نہیں۔

باب الاسم الواقع بعد الواو

واؤ کے بعد آنے والے اسم کے احوال

وَقَدْ يَجِبُ النَّصَبُ كَقَوْلِكَ "لَاتَنْهَ عَنِ الْقَبِيْحِ وَاِتْيَانَهُ" وَمِنْهُ "قُمْتُ وَزَيْدًا" وَ "مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا" عَلَى الْاَصَحِّ فِيْهِمَا، وَيَتَرَجَّحُ فِي نَحْوِ قَوْلِكَ "كُنْ اَنْتَ وَزَيْدًا كَالْاَخِ" وَيَضْعُفُ فِي نَحْوِ "قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو".

ترجمہ:- اور کبھی نصب واجب ہوتا ہے جیسے تیرا قول "لَاتَنْهَ عَنِ الْقَبِيْحِ وَاِتْيَانَهُ" (فعل قبیح کو انجام دینے کے ساتھ قبیح سے منع نہ کرو) اور صحیح مذہب کے مطابق "قُمْتُ وَزَيْدًا" اور "مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا" اسی (یعنی نصب پڑھنا واجب ہے) سے ہے۔ اور تیرے قول "كُنْ اَنْتَ وَزَيْدًا كَالْاَخِ" جیسی مثال میں نصب پڑھنا راجح ہوتا ہے۔ اور "قَامَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو" جیسی مثال میں نصب پڑھنا ضعیف ہے۔

واؤ معیت کے بعد آنے والے اسم کے حالات:

واؤ معیت جو فعل لفظی یا فعل معنوی کے ساتھ لایا گیا ہو اس واؤ کے بعد آنے والے اسم کی تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت:- وقد يجب النصب الخ واؤ معیت کے بعد آنے والے اسم پر بربنائے مفعول معہ نصب آنا واجب ہے اور یہ صورت اس وقت پائی جائے گی جب کہ واؤ معیت کے مابعد کا اس کے ماقبل پر عطف جائز نہ ہو، بلکہ ممتنع ہو کسی مانع معنوی کی وجہ سے یا مانع صناعی کی وجہ سے، اس لیے کہ یہاں سوائے نصب کے اور کوئی صورت نہیں ہے۔

مانع معنوی کی مثال جیسے "لَا تَنْهَ عَنِ الْقَبِيْحِ وَاِتْيَانَهُ" (فعل قبیح کو انجام دینے کے ساتھ اس سے مت روک) میں عطف ممتنع ہے مانع معنوی کی وجہ سے۔ اور وجہ امتناع عطف یہ ہے کہ اگر عطف کیا جائے تو لَاتَنْهَ عَنِ الْقَبِيْحِ وَعَنْ اِتْيَانِهِ عبارت ہوگی اور واؤ مصاحبت کا معنی باطل ہو جائے گا، لہٰذا عطف کرنا درست نہیں۔ اور جب عطف کرنا درست نہیں تو بربنائے مفعولیت معہ نصب متعین ہو گیا۔ واؤ معیت کے معنی کو بطلان سے بچانے کے لیے عطف کو ناجائز قرار دینا ہی مانع معنوی ہے، کیوں کہ معنی کا لحاظ کیا گیا ہے۔

مانع صناعی کی مثال جیسے "قُمْتُ وَزَيْدًا" اور "مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا" ہے دونوں مثالوں میں "زَيْدًا" بر مفعول معہ ہونے کی وجہ سے نصب آیا ہے، کیوں کہ دونوں میں عطف کرنا جائز نہیں بلکہ ممتنع

ہے۔ پہلی مثال میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر منفصل نہ آنے کی وجہ سے عطف ممتنع ہے لہذا سوائے نصب کے اور کوئی صورت نہیں پس نصب واجب ہوگا، ہاں اس میں واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف کرنا اس وقت جائز ہوگا کہ اس میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع انا کے ساتھ لائی جائے جیسے قُمتُ انا وزیدًا۔ اس میں زیدًا کا عطف قُمْتُ کی ضمیر متصل پر ہوسکتا ہے، کیوں کہ اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ یہاں مذکور ہے۔

اور ضمیر متصل کی تاکید جب ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جاتی ہے تو عطف کرنا جائز ہوتا ہے اور چوں کہ ضمیر متصل فاعل ہے، اس لیے زید پر بھی بربناء فاعلیت رفع آئے گا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ" (پھر تو تم اور تمہارے باپ دادا بھی یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا رہے۔ پ ۱۷، سورہ انبیاء، آیت ۵۷) میں وَآبَاؤُكُمْ کا عطف كُنْتُمْ کی ضمیر متصل پر ہوسکتا ہے، کیوں کہ اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ یہاں ہے۔

دوسری مثال مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا میں واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف جائز نہیں بلکہ ممتنع ہے اور وجہ امتناع عطف یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور پر عطف کریں تو ضمیر مجرور پر بدون اعادہ جار کے عطف لازم آئے گا اور وہ جائز نہیں ہے ہاں اگر ضمیر مجرور پر عطف کریں اور اعادہ حرف جار کے ساتھ ضمیر مجرور پر عطف ہو جائے تو پھر یہ جائز ہوگا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ" (اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کرائے جاتے ہو۔ پ ۱۸، سورہ مومنون، آیت ۲۲) میں واؤ کے مابعد اَلْفُلْكِ کا واؤ کے ماقبل ضمیر مجرور عَلَيْهَا پر عطف کیا گیا اور ضمیر مجرور پر عطف حرف جار کے اعادہ کے بعد ہوا ہے اس لیے عطف کرنا جائز ہے، لیکن مَرَرْتُ بِكَ وَزَيْدًا میں ایسا نہیں۔

علی الاصح کی قید کی وضاحت:

مصنف ؒ نے علی الاصح فیہما کی قید لگا کر ان حضرات کے مذہب سے احتراز کیا ہے، جنھوں نے ان دونوں مسائل میں عطف کے لیے کسی چیز کی بھی شرط نہیں لگائی ہے، بلکہ یوں کہا کہ "جِئْتُ وَزَيْدًا" جیسی مثال میں واؤ کے مابعد کا ضمیر مرفوع متصل پر عطف کرنا اس کی تاکید ضمیر منفصل انا لائے بغیر درست ہے اور مررت بك وزيدًا میں واؤ کے مابعد کا ضمیر مجرور پر اعادہ حرف جار کے بغیر عطف جائز ہے۔

دوسری حالت: ويترجح في نحو قولك كن انت وزيدًا كا لاخ: واؤ کے مابعد کا عطف اس کے ماقبل پر جائز ہو تو اس وقت بمقابلہ عطف کے مفعول معہٗ پڑھنا زیادہ راجح ہوگا اور بناء

برمفعولیت کے منصوب ہوگا۔ جیسے میرا قول کُنْ اَنْتَ وَزَیْدًا میں واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہوسکتا ہے، اس لیے کہ اس میں ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل اَنْتَ کے ساتھ کی گئی ہے پس عطف جائز ہوگا اور بنا بر عطف کے زید مرفوع پڑھا جائے گا، لیکن مفعول معہٗ پڑھنا زیادہ راجح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آپ "زیدًا" کو کُنْ کی ضمیر پر عطف کریں تو زید مامور ہو جائے گا، حالاں کہ آپ نے اسے حکم دینے کا ارادہ نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے مخاطب اَنْتَ کو حکم دیا ہے کہ تو زید کے ساتھ بھائی کی طرح ہو جا۔ شاعر نے بھی عطف کے جائز ہونے کے باوجود مفعول معہٗ پڑھنے کو راجح قرار دیا ہے

فَكُونُوا أَنْتُمْ وَبَنِي أَبِيكُمْ مَكَانَ الْكُلْيَتَيْنِ مِنَ الطِّحَالِ

(ترجمہ: تم لوگ اپنے باپ کی اولاد کے ساتھ دو گردے اور ایک تلّی کے مانند ہو جاؤ۔ یعنی اس طرح ہو جاؤ گویا دو گردے اور ایک تلّی ہو) اس شعر میں محل استشہاد "وَبَنِي" ہے جو مامور نہیں ہے اور اس کا ماقبل پر عطف بھی نہیں کیا گیا ہے، اس لیے بربنا مفعول معہٗ منصوب ہے اور شاعر کا مقصد بھی یہی ہے، لیکن اس شعر میں واؤ کے مابعد کا ماقبل پر عطف ہوسکتا ہے، اس لیے کہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر منفصل أَنْتُمْ کے ساتھ کی گئی ہے اور بنا بر عطف کے "وَبَنُوا" مرفوع بھی پڑھا جائیگا، لیکن اس وقت شاعر کے مقصد کے خلاف ہوگا، کیوں کہ شاعر کے نزدیک مخاطب مامور ہے وَبَنِي أَبِيكُمْ مامور نہیں۔

تیسری حالت: وَيَضْعُفُ فِي نَحْوِ قُلْمَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو مفعول معہٗ کے مقابلہ میں عطف راجح ہوگا بشرطیکہ عطف کی صورت میں لفظاً ومعنیً میں کوئی ضعف نہ ہو۔ یعنی لفظاً ومعنیً میں بغیر کسی ضعف کے عطف کرنا ممکن ہو جیسے "قُلْمَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو" اس میں عطف ہی اصل ہے اور اس کو ضعیف قرار دینے والا کوئی قرینہ نہیں، لہٰذا یہ راجح ہوگا۔

باب ہٰذا سے متعلق دو مسئلے

(۱) اگر فعل معنوی ہے جو لفظ سے مستنبط ہوتا ہے اور عطف جائز ہو تو صرف عطف متعین ہوگا، یعنی معطوف علیہ کا جو اعراب ہوگا وہ واؤ کے بعد والے اسم کا بھی ہوگا۔ جیسے مالزید وعمرو، اس میں فعل معنوی ہے اور عمرو کا عطف زید پر صحیح ہے، اس لیے عطف کیا جائے گا اور زید کی طرح عمرو بھی مجرور ہوگا۔

(۲) مفعول معہٗ کا عامل فعل یا معنیٔ فعل ہے البتہ واؤ بمعنیٰ مع واسطہ ہے اور واؤ کو اس واسطے اختیار کیا گیا کہ اس کی اصل عطف ہے اور عطف میں جمعیۃ کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ اور جمعیۃ اور معیۃ میں مناسبت ظاہر ہے، جمعیۃ میں واؤ کا ماقبل اور مابعد ایک حکم میں جمع ہوتے ہیں۔ معیۃ میں بھی یہ بات ہوتی ہے۔ (تمت بحث المفاعیل الخمسہ بحمد اللہ تعالیٰ)

بَابُ الْحَالِ ـــــ حال کا بیان

بَابُ الْحَالِ، وَهُوَ: وَصْفٌ، فَضْلَةٌ، يَقَعُ فِي جَوَابِ كَيْفَ، كَـ "ضَرَبْتُ اللِّصَّ مَكْتُوفًا".

ترجمہ:- حال کا بیان، اور یہ وہ وصف زائد ہے جو کیف کے جواب میں واقع ہوتا ہے، جیسے "ضَرَبْتُ اللِّصَّ مکتوفًا" (میں نے چور کو بندھے ہونے کی حالت میں مارا)

تشریح:- فاضل مصنف علیہ الرحمۃ جب مفاعیل خمسہ کی تفصیلات سے فارغ ہوئے تو اب بقیہ منصوبات پر گفتگو کرنے کا ارادہ فرمایا، ان بقیہ منصوبات میں سے ایک حال ہے، جس کی تفصیلات یہاں پیش فرمارہے ہیں، متن کی عبارت کی وضاحت سے پہلے حال کی لغوی و اصطلاحی تعریف کا سمجھنا از حد ضروری ہے، تاکہ متن کے مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

حال کی تعریف:

حال کے لغوی معنی تغیر و تبدل کے ہیں، حال اصطلاحی میں بھی تبدیلی احکام کے اعتبار سے ہوتی رہتی ہے، اس طرح دونوں معنوں میں مناسبت پائی جاتی ہے۔

اصطلاح نحو میں حال وہ اسم نکرہ ہے جو بوقت صدور فعل فاعل کی یا بوقت وقوع فعل مفعول بہ کی یا دونوں کی حالت بیان کرے، فاعل کی مثال جیسے "جاء زیدٌ راکبًا" (آیا زید سوار ہونے کی حالت میں) مفعول بہ کی مثال جیسے "ضَرَبْتُ اللِّصَّ مکتوفًا" (مارا میں نے زید کو بندھا ہوا ہونے کی حالت میں) دونوں کی مثال جیسے "لَقِیتُ عمروًا راکبَینِ" (ملاقات کی میں نے عمرو سے اس حال میں کہ دونوں سوار تھے) اس مثال میں "راکبین" نے فاعل اور مفعول بہ دونوں کی حالت بیان کی ہے، لہٰذا اس کو حال کہیں گے، جس فاعل یا مفعول کی حالت کو بیان کیا جائے اسے ذوالحال کہتے ہیں جیسے "جاء زیدٌ راکبًا" میں "زیدٌ" اور "لقیت عمروًا راکبین" کی ترکیب اس طرح ہوگی لقی فعل، تُ ضمیر ذوالحال اول، عمروًا ذوالحال ثانی، راکبین دونوں سے حال، دونوں ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل اور مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

حال کے لیے چند شرائط:

حال نام ہے ایسے اسم کا جس میں تین شرطیں موجود ہوں (۱) وہ وصف ہو (۲) وہ زائد ہو (۳) کیف کے جواب میں واقع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسے تیرا قول "ضَرَبْتُ اللِّصَّ مَكْتُوفًا"

(مارا میں نے زید کو بندھا ہونے کی حالت میں) اس مثال میں مکتوفاً حال ہے جو صیغہ صفت ہے اسم زائد ہے، اور کیف کے جواب میں واقع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فاضل علامہ علیہ الرحمۃ نے متن کی عبارت "وهو وصف، فضلة، يقع في جواب كيف" کے ذریعہ ان ہی شرائط کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اشکال ۱: یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ ابھی آپ نے دعویٰ کیا کہ حال ایسا اسم ہے جو صیغہ صفت ہو، حالاں کہ باری تعالیٰ کا قول "فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ" (پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو۔ پارہ ۵، سورہ نساء، آیت ۷۱) میں ثُبَاتٍ حال ہے، لیکن وصف نہیں ہے تو اب اس آیت کریمہ سے آپ کا دعویٰ ٹوٹ گیا؟

جواب: چوں کہ اس آیت میں "ثُبَاتٍ" مُتَفَرِّقِيْنَ کے معنی میں ہے جو تقدیراً وصف ہوتا ہے لہٰذا ثبات میں معنی وصف پائے جانے کی وجہ سے اسے حال پڑھا جاتا ہے۔

اشکال ۲: آپ نے حال کے لیے "الفضلة" (یعنی اگر اس اسم کو کلام سے ہٹا دیا جائے تو معنی میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہو) کی قید لگائی ہے، حالاں کہ باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا" (اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، پ ۱۵، سورہ اسراء، آیت ۳۷) میں مَرَحًا حال واقع ہے، لیکن الفضلة نہیں ہے، کیوں کہ اسے ہٹا دیا جائے تو آیت کے معنی میں فساد لازم آئے گا، چنانچہ حال کے لیے الفضلة (اسم زائد) کی قید لگانا باطل ہے اور اس سے آپ کا دعویٰ ٹوٹ رہا ہے؟

جواب: حال کی تعریف میں جو الفضلة کی قید لگائی ہے اس سے ایسا اسم زائد مراد ہے جو جملہ تامہ کے بعد واقع ہو جس کے ساقط کر دینے سے معنی میں بگاڑ پیدا نہ ہو، اگر یہاں ساقط کر دیا جائے تو آیت کا معنی فاسد ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ مرحا جملہ تامہ کے بعد نہیں اور ایسا بھی نہیں جیسا کہ آپ نے سمجھا گویا کہ آپ کا اعتراض حال مؤکدہ کے اعتبار سے ہے اور ہمارا بیان حال مبینہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح کی کیفیت عدی بن رعلاء غسانی شاعر کے کلام میں پیدا ہوئی ہے۔ شعر:

لَيْسَ مَنْ مَاتَ فَاسْتَرَاحَ بِمَيْتٍ   إِنَّمَا الْمَيْتُ مَيِّتُ الْأَحْيَاءِ
إِنَّمَا الْمَيْتُ مَنْ يَعِيشُ كَئِيبًا   كَاسِفًا بَالُهُ قَلِيلُ الرَّجَاءِ

(ترجمہ: مردہ وہ نہیں جو مر کر آرام حاصل کرے، درحقیقت موت تو ان زندوں کی موت ہے، جو غمگینی، افسردگی، خستہ الحال اور کم امیدی کی حالت میں زندگی گذار رہے ہوں۔)

اس شعر میں محل استشہاد كَئِيبًا كَاسِفًا ہے، چوں کہ یہ احوال ایسے ہیں جن سے کلام کا بے نیاز

ہو درست نہیں۔ اس لیے کہ اگر انہیں ساقط کر دیا جائے تو کلام "إنما الميتُ مَن يعيش" ہو جائے گا اور معنی میں تناقض لازم آئے گا، کیوں کہ شئ کو اس کے اضداد پر محمول کرنا ہوگا، لیکن ان احوال کے ذکر کرنے کے بعد تناقض کی صورت پیدا نہ ہوگی، اور معنی میں کوئی فساد بھی لازم نہ آئے گا۔

(شعر مذکور میں کلمہ مَيْت تین مرتبہ اور ایک مرتبہ کلمہ مَيِّت منقول ہوا ہے، مَيْت بسکون الیاء سے مراد وہ مردہ انسان ہے جس سے حیات پرواز کر چکی ہو۔ اور مَيِّت بشد ید الیاء سے مراد نیم مردہ ہے جس میں حیات تو باقی ہو لیکن حس وحواس اور عقل وشعور مفقود ہو گئے ہوں۔ کَئِیب بمعنی حزین، مغموم کاسِف مکسف بمعنی متغیر الحال آدمی۔)

وَشَرْطُهَا التَّنْكِيرُ

ترجمہ:۔ اور اس (یعنی حال) کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو۔

حال کی شرط:

حال کی شرط یہ ہے کہ نکرہ ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ اسم کے اندر نکرہ اصل ہے، کیوں کہ وہ عوارض سے خالی ہوتا ہے، لیکن نکرہ میں کچھ عوارض لاحق کر کے معرفہ بنایا جاتا ہے جیسے رجل نکرہ ہے اس میں جب الف ولام لایا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے اور حال کا مقصد یہ ہے کہ معنی حدثی جس پر فعل دلالت کرتا ہے اور وہ ذوالحال کی طرف منسوب ہے وہ مقید ہو جائے اور مقصد نکرہ سے پورا ہو جاتا ہے تو معرفہ کی کیا ضرورت۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ذوالحال مقید ہوتا ہے اور حال اس کے لیے قید ہے، قید ظاہر ہے کہ قید کا مرتبہ مقید سے کم ہے، لیکن ذوالحال کبھی نکرہ بھی ہو جاتا ہے، تو اگر حال معرفہ ہو تو ذوالحال کے نکرہ ہونے کی صورت میں قید کی فوقیت اور برتری مقید پر ہو جائے گی۔ (بحوالہ تسہیل السامی شرح اردو شرح جامی ص ۳۳۳)

اگر کسی جگہ حال معرفہ ہو جیسے اہل عرب کا قول "اُدْخُلُوا الأوَّلَ فَالأوَّلَ" میں فَالأوَّلَ حال ہے جو کہ معرفہ ہے لیکن اسے نکرہ کی تاویل میں کر کے اوّلاً پڑھا جاتا ہے، اسی طرح "أَرْسَلَهَا العِرَاكَ" میں العِراكَ حال ہے جو کہ معرفہ ہے، لیکن بتاویل نکرہ مُعْتَرِكَةً کے معنی میں پڑھا جاتا ہے۔

وَأَرْسَلَهَا العِرَاكَ کی تحقیق وتاویل: یہ عبارت شاعر اسلام حضرت لبیدؓ کے شعر کا ایک ٹکڑا ہے جس میں انہوں نے اپنے چشم دیدہ واقعہ کا منظر بیان کیا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت لبید ایک مقام پر تھے، وہاں یہ دیکھا کہ ایک حمار وحشی نے اپنی مادینوں کو (مؤنث نیل گایوں کو) پانی پینے کے لیے یکدم سے چھوڑ دیا، ان کو علاحدہ علاحدہ نہیں بھیجا بلکہ پورے غول کی غول کو چھوڑ دیا اور خود نگرانی کے لیے کھڑا ہو گیا تا کہ کوئی شکاری ان پر حملہ نہ کر دے۔ اسی پر حضرت لبید نے یہ شعر کہا، پورا شعر اس طرح ہے۔

وَأَرْسَلَهَا الْعِرَاكَ وَلَمْ يَذُدْهَا ‏ ‏ وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَى نَغَصِ الدِّخَالِ

(ترجمہ: حمار وحشی نے اپنے مادینوں کو ایک ساتھ چھوڑ دیا اور ان کو ازدحام یعنی جمع ہو جانے سے نہیں روکا اور نہ اس کا اندیشہ کیا کہ وہ ایک ساتھ سب کے سب جا کر پانی پینے سے ہو سکتا ہے کہ سیراب نہ ہوں۔)

نغص کے معنی ہیں سیراب نہ ہونا۔ اور دخال کی صورت یہ ہے ایک اونٹ کو پانی پلا کر پھر اس کے بندھنے کی جگہ بھیج دیا جائے، اس کے بعد وہ پیاسے اونٹوں کے درمیان لے جا کر پھر پانی پلایا جائے، تا کہ پہلی مرتبہ اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو ان اونٹوں کو پانی پیتے ہوئے دیکھ کر پی لے اور سیراب ہو جائے اسی طرح ہر اونٹ کے ساتھ یہ صورت کی جائے اس شعر میں "العراك" حال ہے جو معرفہ ہے لیکن اسے نکرہ کی تاویل میں کر لیا گیا ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ" (عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔ پ ۲۸ سورہ منافقون، آیت ۸) اس آیت کریمہ میں "الاذل" حال ہے جو کہ معرفہ ہے لیکن نکرہ کی تاویل میں کر کے "متذللا" کے معنی میں پڑھا جاتا ہے۔

اور اہل عرب کا قول "اِجْتَهِدْ وَحْدَكَ" (تو تنہا کوشش کر) اس مثال میں "وَحْدَكَ" ضمیر خطاب کی طرف مضاف ہونے کی وجہ معرفہ ہے، حالاں کہ ترکیب میں حال واقع ہے، اس لیے اس کو منفرداً کے معنی میں کر لیا گیا جو کہ نکرہ ہے۔ پس یہ صورۃً تو معرفہ ہیں، لیکن حقیقتاً نکرہ ہیں، جس طرح "حَسَنُ الوجه" معرفہ کی صورت میں ہے، لیکن در حقیقت نکرہ ہے معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ اضافت لفظی ہے، جس سے مضاف میں تخفیف حاصل ہوتی ہے، اس سے مضاف معرفہ نہیں ہوتا، اسی طرح العراك میں الف ولام عہد ذہنی ہے اور وحدك میں اضافت ذہنی ہے اور یہ سب نکرہ کے حکم میں ہیں۔

وشرط صاحبها التعريف

یہ باب ذوالحال کے شرائط کے بیان میں

وَشَرْطُ صَاحِبِهَا: اَلتَّعْرِيفُ، أَوِ التَّخْصِيصُ، أَوِ التَّعْمِيمُ، أَوِ التَّأْخِيرُ نَحْوُ (خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ) (فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ) (وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ) لِمَيَّةَ مُوحِشًا طَلَلٌ.

ترجمہ:- اور ذوالحال کی شرط تعریف، یا تخصیص، یا تعمیم، یا تاخیر، جیسے خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ

يَخْرُجُوْنَ (ان کی آنکھیں مارے ذلت کے جھکی ہوئی ہوں گی۔ اور قبروں سے اس طرح نکل رہے ہوں گے۔ پ۲۷، سورۃ قمر، آیت ۷) فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِیْنَ (چاردن میں ہوا جو شمار میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔ پارہ۲۴، سورہ حم سجدہ، آیت ۱۰) وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ (اور جتنی بستیاں منکرین کی ہم نے عذاب سے غارت کی ہیں سب میں نصیحت کے واسطے ڈرانے والے پیغمبر آئے۔ پارہ۱۹، سورۃ الشعراء، آیت ۲۰۸) لِمَيَّةَ مُوْحِشًا طَلَلٌ (ترجمہ آئندہ تشریح میں)۔

تشریح:- فاضل مصنف علیہ الرحمۃ نے اس عبارت میں ذوالحال کی شرائط کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں ذوالحال کے لیے چار شرائط میں سے کسی ایک بھی شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط معرفہ ہونا اس لیے کہ وہ حقیقت میں محکوم علیہ ہے اور اصل محکوم علیہ میں تعریف ہے، لہٰذا وہ معرفہ ہوگا جیسے باری تعالیٰ کا قول "خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ" میں خُشَّعًا، يَخْرُجُوْنَ کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور ضمیر اعرف المعارف ہوتا ہے لہٰذا ذوالحال کا معرفہ ہونا پایا گیا۔

دوسری شرط تخصیص ہونا جیسے باری تعالیٰ کا قول "فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِیْنَ" میں سَوَاءً، اَرْبَعَةِ سے حال ہے اگرچہ اَرْبَعَةِ نکرہ ہے، لیکن اَیَّامٍ کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے خاص کرلیا گیا ہے۔

تیسری شرط عام ہونا جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ" میں لَهَا مُنْذِرُوْنَ، قَرْيَةٍ سے حال واقع ہے اور یہ قریہ سیاق نفی میں واقع ہونے کی وجہ سے نکرہ عامہ ہے۔

چوتھی شرط ذوالحال کا حال سے مؤخر ہونا، جیسے شاعر کا قول ؎

لِمَيَّةَ مُوْحِشًا طَلَلٌ ۔۔۔ يَلُوْحُ كَاَنَّهٗ خِلَلٌ

(ترجمہ: میہ کے ویران کھنڈرات ایسے نظر آتے ہیں گویا وہ چمڑا منڈھے نیام ہیں) یہ کثیر بن عبدالرحمٰن کا کلام ہے جس میں محل استشہاد "طَلَلٌ" ہے جو ذوالحال ہے اور مُوْحِشًا حال ہے اور ذوالحال حال سے مؤخر ہے۔ (مُوحشا بمعنی ویران، طَلَلٌ بمعنی کھنڈرات جمعہ اطلال، خِلَلٌ واحد خلة بمعنی چمڑہ منڈھا ہوا نیام)

ضمیمات باب ہذا

اقسام حال: حال کی اولاً دو قسمیں ہیں محققہ اور مقدرہ۔

محققہ۔ وہ ہے کہ فعل کے صدور وقوع کا زمانہ اور حال کا زمانہ ایک ہو جیسے جَاءَ زَيْدٌ رَاكِبًا۔

مقدرہ۔ وہ ہے کہ فعل کے صدور وقوع کا زمانہ ایک نہ ہو جیسے فادخلوها خالدين کہ بوقت

دخول ظلو نا ممکن ہے۔ پھر حال ثقلہ کی سات قسمیں ہیں (۱) حال منتقلہ اور وہ وہ حال ہے جو اپنے ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے جیسے جاء نی زیدٌ راکبًا (۲) حال مؤکدہ وہ حال ہے جو اکثر اوقات میں اپنے ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا ہے جیسے زیدٌ ابوك عطوفًا مہربانی اکثر اوقات میں باپ سے جدا نہیں ہوتی (۳) حال دائمہ وہ حال ہے جو اپنے ذوالحال سے کبھی جدا نہیں ہوتا جیسے کلفی باللہ شہیدًا (۴) حال متداخلہ وہ حال ہے جس سے دوسرا حال واقع ہو جائے جیسے جاء نی ازشد راکبًا ضاحکًا. ضاحکًا، راکبًا کی ضمیر سے حال ہے (۵) حال مترادفہ وہ حال ہے کہ ایک ہی ذوالحال سے کئی حال واقع ہو جائیں جیسے جاء نی زیدٌ راکبًا ضاحکًا (۶) حال مطلوبہ وہ حال ہے کہ جس کے ذوالحال کی طلب مقصود ہو جیسے یازیدٌ ضاحکًا (۷) حال معنویہ وہ حال ہے جس کا ذوالحال معنوی ہو جیسے هذا زیدٌ قائمًا (مشکل ترکیبوں کا حل ص ۱۴۰)

عوامل حال: حال کے تین عوامل ہو سکتے ہیں (۱) فعل جیسے جاء زیدٌ راکبًا (۲) شبہ فعل یعنی جو عمل میں فعل کے مشابہ ہو جیسے اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، مثلاً زیدٌ ذاھبٌ راکبًا (۳) معنی فعل جس میں فعل کے معنی پائے جاتے ہوں جیسے هذا زیدٌ قائمًا هذا اُشِیْرُ کے معنی میں ہے، معنی فعل سے مراد اشارہ، ندا، تمنی و ترجی و تشبیہ ہیں۔

حذف عامل: اور کبھی بوقت قرینہ عامل کو حذف کرنا بھی جائز ہے، قرینہ حالیہ ہو جیسے سفر میں جانے والے سے کہیں رَاشِدًا مَهْدِيًا (سر صیغہ امر محذوف ہے) یا قرینہ مقالیہ ہو جیسے "اَيَحْسَبُ الانسانُ اَنْ لَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ بَلٰى قَادِرِيْنَ یعنی نَجْمَعُهَا.

بابُ التَّمْيِيْزِ ـــــ تمیز کا بیان

بابٌ: وَالتَّمْيِيْزُ وَهُوَ اِسْمٌ، فَضْلَةٌ، نَكِرَةٌ، جَامِدٌ، مُفَسِّرٌ لِمَا انْبَهَمَ مِنَ الذَّوَاتِ۔

ترجمه:- یہ باب ہے۔ اور تمیز وہ اسم ہے جو زائد ہو، نکرہ ہو، جامد ہو اور ذوات سے ابہام کو دور کرنے والا ہو۔

تشریح:- فاضل مصنفؒ جب حال کی تفصیلات کو بیان کرنے سے فارغ ہو گئے تو اب یہاں سے منصوبات میں سے تمیز کو بیان کرنے کا ارادہ فرمایا۔

تمیز کی تعریف: تمیز وہ اسم نکرہ ہے جو اسم کے ابہام یا نسبت کے اجمال کو دور کرے، جس اسم سے ابہام کو دور کیا جائے ترکیب میں اس کو تمیز کہتے ہیں، الہٰذا عندی رطلٌ زیتًا کی ترکیب ہوگی۔

مبتدا مضاف مضاف الیہ سے مل کر شابت کے متعلق ہو کر خبر مقدم، رطل ممیز، زیتا تمیز سے مل کر مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تمیز کی شرطیں: تمیز کے لیے پانچ شرطیں ہیں (۱) اسم ہو (۲) زائد ہو (۳) نکرہ ہو (۴) جامد ہو (۵) ذات سے ابہام کو دور کرنے والی ہو ــــــ تمیز ابتدائی تین شرطوں میں تو حال کے موافق ہوتی ہے اور اخیر کی دو شرطوں میں مخالف ہوتی ہے، اس لیے کہ حال مشتق ہوتا ہے اور ہیئت کو بیان کرنے والا ہوتا ہے۔ اور تمیز جامد ہوتی ہے اور ذات سے ابہام کو دور کرنے والی ہوتی ہے۔

بَابُ احکامِ التمییز

یہ باب تمیز کے احکام کے بیان میں

وَالْكَثِيْرُ وُقُوْعِهِ بَعْدَ الْمَقَادِيْرِ، كَـ "جَرِيْبٍ نَخْلاً" "وَصَاعٍ تَمْرًا" وَ "مَنْوَيْنِ عَسَلاً" وَالْعَدَدِ، نَحْوُ "أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا" وَ "تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ نَعْجَةً" وَمِنْهُ تَمْيِيْزُ "كَمْ" الاِسْتِفْهَامِيَّةِ، نَحْوُ "كَمْ عَبْدًا مَلَكْتَ" فَأَمَّا تَمْيِيْزُ الْخَبَرِيَّةِ فَمَجْرُوْرٌ مُفْرَدٌ كَتَمْيِيْزِ الْمِائَةِ وَمَا فَوْقَهَا، أَوْ مَجْمُوْعٌ كَتَمْيِيْزِ الْعَشَرَةِ وَمَا دُوْنَهَا، وَلَكَ فِيْ تَمْيِيْزِ الاِسْتِفْهَامِيَّةِ الْمَجْرُوْرَةِ بِالْحَرْفِ جَرٌّ وَنَصْبٌ۔

ترجمہ:- اور تمیز کا وقوع اکثر مقادیر کے بعد ہوتا ہے، جیسے "عندی جریبٌ نخلاً" اور "عندی صاعٌ تمرًا" اور "منوانِ عسلاً" اور عدد کے بعد ہوتا ہے جیسے "احد عشر کوکبًا" اور "تسعٌ وتسعون نعجةً" اور اسی سے کم استفہامیہ کی تمیز ہے جیسے کم عبدًا ملکتَ" بہر حال کم خبریہ کی تمیز تو مفرد مجرور ہوگی مِائَة اور اس سے اوپر کی عدد الف وغیرہ کی تمیز کی طرح، یا جمع مجرور ہوگی عشرة اور اس سے نیچے کی عدد کی تمیز کی طرح، اور کم استفہامیہ مجرور کی تمیز میں حرف جر کی وجہ سے جر اور نصب پڑھنا جائز ہوگا۔

تشریح:- والکثیر وقوعہ بعد المقادیر کی تشریح: فاضل مصنفؒ نے اس عبارت کے ذریعہ ان ائمہ نحو کے اقوال سے احتراز کیا ہے جن لوگوں نے تمیز کو مقادیر کے بعد واقع ہونے کے ساتھ خاص کیا ہے اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہونے کو جائز قرار نہیں دیتے۔ ماتنؒ نے اس سے اس بات کو بیان فرمایا کہ اسم مفرد کی تمیز کا مقادیر کے بعد واقع ہونا خاص نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ کے بعد بھی واقع ہوتی ہے لیکن مقادیر کے بعد کثرت کے ساتھ واقع ہوتی ہے۔

تمیز کی قسمیں: تمیز کی دو قسمیں ہیں (۱) مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرے یعنی اس کا ممیز مفرد مقدار ہوتا ہے نہ کہ جملہ (۲) نسبت سے اجمال کو دور کرے۔

مفرد مقدار سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز کے وقوع کے لیے چار مقامات ہیں۔

مقام اول: مقادیر کے بعد تمیز واقع ہوگی (مقادیر مقدار کی جمع ہے بمعنی وہ آلہ جس سے اندازہ کیا جائے مراد اندازہ اور انکل سے جانچنا) مقادیر سے مراد تین چیزیں ہیں (۱) مساحات بمعنی زمین وغیرہ کی پیمائش جیسے عندی جریبٌ نخلاً (میرے پاس ایک جریب کھجور ہے) جریب ایک آلہ پیمائش ہے جس سے زمین کی پیمائش کی جاتی ہے اس میں جریب کے اندر ابہام تھا یہ نہ معلوم تھا کہ ایک جریب کیا چیز ہے نخلاً نے اس ابہام کو دور کردیا جو مقدار جریب کے بعد واقع ہے۔ ماتن نے اپنے قول "کجریبٍ نخلاً" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ (۲) کیل جیسے "عندي صاعٌ تمراً" (میرے پاس ایک صاع چھوہارا ہے) یہ اس تمیز کی مقدار ہے جو مقدار کیل کے بعد واقع ہے۔ اور کیل سے ابہام کو دور کررہا ہے۔ ماتن نے اپنے قول "صاعٌ تمراً" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۳) وزن جیسے "عندي منوان عسلاً" (میرے پاس دو من شہد ہے) اس میں عسلاً تمیز ہے جو مقدار وزن یعنی منوان کے بعد مذکور ہے اور اس سے ابہام کو دور کررہا ہے۔ متن کی عبارت سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

مقام دوم: عدد کے بعد تمیز واقع ہوگی جیسے "عندي احد عشر درهماً" (میرے پاس گیارہ درہم ہے) اور باری تعالیٰ کا قول "اِنّي رَأَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا" (میں نے گیارہ ستارے کو دیکھا ہے۔ پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۴) یہ دونوں اس تمیز کی مثال ہے جو عدد کے بعد واقع ہے پہلی مثال میں درهماً اور دوسری میں كوكباً عدد سے ابہام کو دور کررہا ہے، کیوں کہ احد عشر مقدار عددی مبہم ہے کہ اس کا مصداق معلوم نہیں کہ میرے پاس کون سی چیز گیارہ ہیں درہم یا دینار یا ان کے علاوہ پس جب درہم اور کوکب بشکل تنوین منصوبی کہا تو تمام محتملات سے امتیاز ہوگیا۔ ماتن نے "والعدد نحو احد عشر كوكباً" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

نوٹ:- یہ بات ذہن نشین رہے کہ اعداد کی تمیز کے بارے میں نحویوں نے چند قواعد مرتب فرمائے ہیں ——— قاعدہ۱: تین سے لے کر دس تک کے اعداد کی تمیز جمع مجرور آتی ہے جیسے ثلاث نسوةٍ اور عشرةُ رجالٍ ——— قاعدہ۲: گیارہ سے لے کر ننانوے تک کی تمیز مفرد منصوب ہوتی ہے جیسے اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا اس میں كوكباً تمیز ہے جو مفرد منصوب ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول اِنَّ هٰذَا اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً (بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس

ننانوے دنبیاں ہیں۔ پارہ ۲۳، سورہ ص آیت ۲۳) میں نعجۃ تمیز ہے جو مفرد منصوب ہے اور حدیث شریف میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ ارشاد رسول ہے "اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ اِسْمًا" (بیشک اللہ کے ننانوے نام ہیں) میں اِسْمًا تمیز ہے جو مفرد منصوب ہے۔

نوٹ:۔ ماتن کا متن میں مقادیر پر عدد کے عطف کرنے سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ عدد مقادیر میں سے نہیں ہے اور یہی اکثر محققین کا قول ہے، کیوں کہ مقادیر سے مقدرات و مصداق مراد نہیں ہیں، بلکہ اس کی مقدار مراد ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر مصداق مراد ہوتی تو اس کی طرف مقدار کی اضافت کرنا درست نہ ہوتی، حالاں کہ مقدار کی اضافت مقدرات کی طرف کی گئی ہے جیسے "عِنْدِیْ مِقْدَارُ رِطْلٍ زَيْتًا" (میرے پاس ایک رطل کی مقدار زیت ہے) لیکن عدد میں ایسا نہیں، لہٰذا آپ عندی مقدار عشرین رجلاً نہیں کہہ سکتے۔ (کہ میرے پاس بیس آدمی کی مقدار موجود ہے)

ہاں!! اگر کہیں یہ عبارت مرقومہ نظر آئے تو دوسرے معنی پر محمول ہوگی، جیسا کہ صاحب تکمیل الہدیٰ نے فرمایا کہ "عندی مقدار عشرین رجلاً" کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک یا ایک سے زائد آدمی جو تیرے پاس ہے بیس آدمی کے برابر ہے یعنی جو شخص تیرے پاس ہے قدر و منزلت اور مقام و مرتبہ میں بیس آدمی کے برابر ہے اور یہ معنی مجازی ہے اور اس مطلب کی طرف ابن درید کے قول سے بھی اشارہ ہوتا ہے۔

وَالنَّاسُ اَلْفٌ مِنْهُمْ کَوَاحِدٍ وَوَاحِدٌ کَالْاَلْفِ اِنْ اَمْرٌ عَنَی

کم کی بحث:

وَمِنْهُ تَمْيِیْزُ كَمْ الاِسْتِفْهَامِیَّۃِ الخ فاضل مصنف نے اس عبارت میں کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی تمیز کے احکام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عدد کی تمیز کی طرح ہی کم استفہامیہ کی تمیز ہوتی ہے، لیکن بطور تمہید کے چند باتیں ذہن نشین فرمالیں تا کہ احکام کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

عدد کی دو قسمیں ہیں (۱) عدد صریح (۲) عدد کنایہ، عدد صریح سے مراد وہ لفظ ہے جو کسی شئ کی تعداد پر صراحۃً دلالت کرے جیسے "کَلِمَ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کوکبًا" میں اَحَدَ عَشَرَ گیارہ کی تعداد پر صراحۃً دلالت کرتا ہے، عدد کنایہ سے مراد وہ اسم ہے جو عدد مبہم پر دلالت کرے جیسے کم، کیوں کہ عربی زبان میں جنس و مقدار کی عدد مجہول سے کنایہ کے واسطے آتا ہے۔

کم کی دو قسمیں ہیں استفہامیہ، خبریہ، کم استفہامیہ وہ ہے جو کسی چیز کی مقدار اور تعداد معلوم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور کم خبریہ وہ ہے جو کسی چیز کی کثرت اور تفاخر کو بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ ان دونوں کی تمیز کا حکم علاحدہ علاحدہ ہے، مثلاً کم استفہامیہ کی تمیز منصوب اور مفرد ہوتی ہے جس طرح اَحَدَ عَشَرَ سے لے کر تِسْعَةٌ وَتِسْعِیْنَ تک کی تمیز مفرد منصوب ہوتی ہے مثلاً کم عبدًا

ملکتُ" اور کم دارًا بنیتُ" میں عبدًا اور دارًا دونوں تمیز ہیں جو منصوب اور مفرد ہیں۔

کم خبریہ کی تمیز ہمیشہ مجرور ہوتی ہے، لیکن کبھی جمع کی حالت میں یعنی جمع مجرور کی شکل میں تمیز آتی ہے جیسا کہ تین سے لے کر دس تک کے اعداد کی تمیز آتی ہے مثلاً کَمْ عَبِیْدٍ ملکتُ" میں عبید تمیز ہے جو جمع مجرور ہے جیسا کہ عشرۃ اَعْبُدٍ ملکتُ اور ثلاثۃ اَعْبُدٍ ملکتُ کہنا درست ہے اور کبھی مفرد مجرور آتی ہے جیسا کہ مائۃ اور الف کی تمیز مفرد مجرور آتی ہے مثلاً کَمْ عبدٍ ملکتُ (میں بہت سارے غلاموں کا مالک ہو گیا) اسی طرح مائۃ عبدٍ ملکتُ اور الف عبدٍ ملکتُ کہنا درست ہے (لیکن دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی ہوتا ہے یعنی مفرد اور جمع دونوں صورتوں میں عدد کی کثرت کو بیان کیا جاتا ہے) متن کی عبارت فَلَمَّا تمییزُ الخبریۃ فمجرورٌ مفردٌ سے اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! صاحب کتاب کی یہ تقریر کہ کم استفہامیہ کی تمیز منصوب اور مفرد ہوتی ہے اور کم خبریہ کی تمیز کبھی مجرور مفرد ہوتی ہے اور کبھی مجرور مجموع ہوتی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ کم اعداد میں سے ہے اور اعداد کے لیے تین مراتب ہیں قلیل، کثیر اور وسط۔ پس مناسب یہ ہے کہ کم کی تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کی طرح پر ہو پھر چوں کہ کم استفہامیہ، کم خبریہ سے اولیٰ درجہ استفہام کے بعد ہے، لہٰذا انسب یہ ہے کہ کم استفہامیہ میں عدد وسط کا لحاظ رکھیں، اس لیے کہ خیر الامور اوسطہا یعنی اس کی تمیز کو منصوب مفرد کریں جیسا کہ عدد وسط کی تمیز کو منصوب مفرد کرتے ہیں، اس کے بعد کم خبریہ باقی رہا اور عدد کے دو مرتبہ باقی ہیں پس ان دونوں مرتبوں کی تمیز کا لحاظ کم خبریہ کی تمیز میں ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ کم خبریہ کی تمیز کو کبھی مجرور مفرد کرتے ہیں اور کبھی مجرور جمع، تا کہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی تمیز عدد کے مراتب ثلاثہ کی تمیز کو شامل ہو جائے۔

وَذٰلِكَ فِي تمییزِ الاستفهامیۃ المجرورۃ بالحرف جرٌّ ونصبٌ کی تشریح: مصنف فرماتے ہیں کہ کم استفہامیہ کی تمیز مفرد اور مجرور لانا بھی درست ہے بشرطیکہ کم استفہامیہ پر حرف جر داخل ہو جیسے "بِکَمْ درھمٍ اشتریتَ؟" بقول جمہور نحاۃ اس مثال میں درھم مِنْ مقدر کی وجہ سے مجرور ہے اضافت کی وجہ سے نہیں، لیکن امام زجاجی کا کہنا ہے کہ اضافت کی وجہ سے مجرور ہے۔

کم کی تمیز سے متعلق چند نکات

تحقیق: کبھی دونوں کی تمیز کے شروع میں مِنْ بیانیہ آتا ہے، اس صورت میں ان دونوں

کی تمیز مجرور ہوگی اور اس وقت قرینہ سے معلوم ہوگا کہ کم استفہامیہ ہے یا کم خبریہ جیسے کم مِنْ رجلٍ لقیتَ " (کتنے آدمیوں سے تو نے ملاقات کی) یہاں کم استفہامیہ ہے، جس کی تمیز پر مِن داخل ہے۔ اور کم مِنْ قَرْيَةٍ اهلكناها " (بہت سی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا) یہاں کم خبریہ کی تمیز پر مِنْ داخل ہے، لیکن جب کَمْ اور اس کی تمیز کے درمیان فعل متعدی کا فصل ہو تو اس وقت تمیز پر مِنْ داخل کرنا واجب ہے جیسے "وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ " تا کہ اس کی تمیز اس فعل متعدی کے مفعول سے ملتبس نہ ہو جائے۔

نکتہ ۲: کم استفہامیہ کی تمیز منصوب ہوتی ہے، حالاں کہ بِكَمْ درهم اشتريتَ ؟ کے اندر تمیز مجرور ہے؟ ایسا کیوں؟ جی ہاں! کم استفہامیہ کی تمیز کا مجرور ہونا کم ہے اور یہ امام سیبویہ کے نزدیک ہے، لیکن صاحب قطر الندیٰ اور خلیل نحوی کہتے ہیں کہ اس سے قبل مِن مقدر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کم پر باء جارہ داخل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، اور امام زجاج کا فرمان ہے کہ اضافت کی وجہ سے مجرور ہے۔

نکتہ ۳: کم استفہامیہ کی تمیز مفرد ہوتی ہے حالاں کہ کم لك غلماناً کے اندر تمیز غلماناً جمع ہے؟

جواب: تمیز کے جمع لانے کا جواز عند الکوفیین ہے اور جواب دراصل یہ ہے کہ غلماناً حال ہے بمعنی مملوکین اور تمیز محذوف ہے یعنی کم نفساً حصل لك مملوكين۔

نکتہ ۴: کم خبریہ کی تمیز مجرور ہوتی ہے، حالاں کہ کم فی الدار رجلاً کے اندر تمیز منصوب ہے؟

جواب: کم خبریہ اور تمیز کے درمیان فصل ہو تو نصب ہی بہتر ہے کم استفہامیہ پر حمل کرتے ہوئے جیسے مثال مذکور میں ہے۔

نکتہ ۵: کم استفہامیہ اور خبریہ ہمیشہ شروع کلام میں واقع ہوتے ہیں اور ترکیب میں عامل کے اعتبار سے ان پر رفع، نصب، جر آتا ہے، لیکن تینوں حالتوں میں ان پر اعراب محلی ہوگا، لفظوں میں کوئی حرکت نہیں آئے گی۔

مقام سوم: مقدار مفرد سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز کے مقام وقوع میں سے تیسرا مقام یہ ہے کہ وہ ایسے اسم کے بعد واقع ہوتی ہے جو مماثلت پر دلالت کرے جیسے باری تعالیٰ کا قول " وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں۔ پارہ ۱۶، سورہ کہف، آیت ۱۰۹) اور اہل عرب کا قول " إِنَّ لَنَا أَمْثَالَهَا إِبِلاً " بے شک ہمارے لیے اس کے مثل اونٹ ہیں) میں مددًا اور ابلاً مماثلت پر دلالت کرنے والے اسم کے بعد واقع ہے اور اس سے ابہام کو

دور کرتی ہے اور مفرد منصوب ہے۔

مقام چہارم: اسم مفرد سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز کے مقام وقوع میں سے چوتھا مقام یہ ہے کہ وہ ایسے اسم کے بعد واقع ہوتی ہے جو مغائرت کے معنی پر دلالت کرے، جیسے إِنَّ لَنَا غَيْرَهَا إِبِلًا میں إِبِلًا مغائرت پر دلالت کرنے والے اسم کے بعد واقع ہے اور مفرد منصوب ہے۔

وَيَكُونُ التَّمْيِيزُ مُفَسِّرًا لِلنِّسْبَةِ، مُحَوَّلًا، كَـ "اشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" وَ "فَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا" وَ "أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا" أَوْ غَيْرَ مُحَوَّلٍ، نَحْوُ "امْتَلَأَ الْإِنَاءُ مَاءً"۔

ترجمہ:- وہ تمیز جو نسبت کے لیے ابہام کو دور کرنے والی ہوتی ہے وہ محول ہوگی جیسے اِشْتَعَلَ الرَّأسُ شَيْبًا، اور فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا، اور اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا، یا غیر محول ہوگی جیسے اِمْتَلَأَ الْاِنَاءُ مَاءً۔

تشریح:- وَيَكُونُ التَّمْيِيزُ مُفَسِّرًا لِلنِّسْبَةِ مُحَوَّلًا الخ دوسری قسم:

اس عبارت میں فاضل مصنفؒ نے تمیز کی دوسری قسم نسبت سے ابہام کو دور کرنے والی ہو کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا، جو تمیز نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) محول (۲) غیر محول۔

محول کی تین صورتیں ہیں (۱) محول عن الفاعل (۲) محول عن المفعول (۳) محول عن مضاف غیر ہما۔

محول عن الفاعل سے مراد وہ تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہو یعنی تمیز ترکیب میں فاعل تھی تو وہاں سے منتقل کر کے تمیز بنا دی گئی ہو۔ جیسے "وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا" (اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا۔ پارہ ۱۶، سورہ مریم، آیت ۴) اس کی اصل اِشْتَعَلَ شَيْبُ الرَّأْسِ ہے، فعل کی اسناد مضاف سے محول کر کے مضاف الیہ کی طرف کردی گئی اور مضاف الیہ کو فاعل بنا دیا گیا اور شیب مضاف کو تمیز کر دیا گیا۔

محول عن المفعول سے مراد وہ تمیز ہے جو مفعول سے منقول ہو یعنی اصل میں مفعول ہو بعد میں اس کو تمیز بنایا گیا ہو جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا" (اور ہم نے زمین سے چشموں کو جاری کر دیا۔ پارہ ۲۷، سورہ قمر، آیت ۱۲) اس کی اصل "فجرنا عیونَ الارضِ" ہے فعل کی اسناد مضاف سے محول کر کے مضاف الیہ کی طرف کردی گئی جو کہ مفعول ہے اور مضاف کو تمیز بنالیا گیا ہے۔

محول عن مضاف غیر ہما سے مراد وہ تمیز ہے جو فاعل اور مفعول کے علاوہ مضاف سے محول ہو اور

"وہ اسم ہے جو اس افعل التفضیل کے بعد واقع ہو جس کی خبر دی گئی ہے اس اسم سے جو تمییز کا مغایر ہے جیسے "زیدٌ اکثرُ منك علمًا" اصل میں علمُ زیدٍ اکثرُ ہے اور باری تعالیٰ کا قول "انا اکثرُ منك مالًا واَعزُّ نفرًا" (میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور جتھے کے اعتبار سے بھی زیادہ مضبوط ہوں۔ پارہ ۱۵، سورہ کہف، آیت ۳۴) اس کی اصل مالی وانا اکثرُ منك ونفری انا اعزُّ منك ہے اس میں مالی نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول بلکہ مبتداء ہے بعد میں مالی کے مضاف کو حذف کر کے تمییز بنایا گیا اور "ی" ضمیر متکلم کو ضمیر منفصل انا سے بدلا گیا ہے اس تمییز کا حکم یہ ہے کہ اگر افعل التفضیل کے بعد حصلا واقع ہو تو اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھنا واجب ہوگا۔ جیسے مالُ زیدٍ اکثرُ مالٍ اس میں اضافت کی وجہ سے جر پڑھا گیا ہے اور اگر افعل التفضیل مضاف ہو تمییز کے علاوہ کی طرف تو نصب پڑھنا واجب ہوگا جیسے "زیدٌ اکثرُ النّاسِ مالًا"۔

او غیرُ محوّلٍ نحو اِمتلأ الاناءُ ماءً کی تشریح: وہ تمییز جو نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے اس کی دوسری قسم غیر محول ہے۔ غیر محول سے مراد وہ تمییز ہے جو کسی سے منقول نہ ہو بلکہ اصلاً ترکیب میں تمییز واقع ہو اور نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہو اور وہ نسبت جملہ میں پائی جاتی ہو جیسے "امتلأ الاناءُ ماءً" (برتن بھرا ہوا ہے پانی کے اعتبار سے) اس میں اِناءٌ میں ابہام تھا کہ نہیں معلوم تھا کہ اناءٌ کس چیز سے بھرا ہوا ہے ماءً نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ اِناءٌ یعنی برتن پانی سے بھرا ہوا ہے۔

یا مشابہٖ جملہ سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مصدر ہے۔ ہر ایک کی مثال ترتیب وار بیان کی جا رہی ہے، غور سے پڑھیے۔

اسم فاعل کی مثال جیسے الحوض ممتلیٔ ماءً اس میں ممتلیٌ میں ضمیر جو حوض کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حوض کس چیز سے بھرا ہوا ہے ماءً نے اس ابہام کو دور کر دیا کہ حوض پانی سے بھرا ہوا ہے۔ اسم مفعول کی مثال جیسے الارض مفجّرة عیونًا (زمین جاری ہے چشموں کے اعتبار سے) اس میں مفجّرۃ میں ضمیر ہے جو ارض کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے یہ نہیں معلوم کہ زمین میں کیا چیز جاری ہے عیونًا سے وہ ابہام دور ہو گیا کہ زمین میں چشمے جاری ہیں۔

صفت مشبہ کی مثال: جیسے زیدٌ حسنٌ وجهًا اس میں حسنٌ میں ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے، یہ نہیں معلوم ہوتا کہ زید کی کیا چیز اچھی ہے وجهًا سے ابہام دور ہو گیا کہ زید کا چہرہ اچھا ہے۔

اسم تفضیل کی مثال: جیسے زیدٌ افضلُ ابًا اس میں افضل میں ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اس میں ابہام ہے، یہ نہیں معلوم کہ زید کس اعتبار سے افضل ہے ابًا نے وہ ابہام دور کر دیا کہ زید کا

باب تفضیل ہے۔
مصدر کی مثال: جیسے اعجبنی طیبه ابا اس میں طیب کی اضافت یا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے اس میں ابہام ہے، یہ نہیں معلوم کہ وہ کس اعتبار سے اچھا ہے، ابا نے ابہام کو دور کر دیا ہے کہ باپ کے اعتبار سے اچھا ہے یہ سب مشابہ جملہ کہلاتے ہیں، اسی طرح جس میں بھی فعل کے معنی پائے جائیں وہ مشابہ جملہ ہوگا۔ (بحوالہ التسہیل السامی فی حل شرح الجامی ص ۳٦٧/ج۱)

وَقَدْ يُؤَكِّدَانِ، نَحْوُ "وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ" وَقَوْلِهِ "مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا" وَمِنْهُ "بِئْسَ الْفَحْلُ فَحْلُهُمْ فَحْلًا" خِلَافًا لِسِيْبَوَيْهِ.

ترجمه:۔ اور کبھی کبھی یہ دونوں (یعنی حال اور تمیز) تاکید کے طور پر لائے جاتے ہیں جیسے "وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ" (اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو) اور اس کا قول "مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا" (روئے زمین کے تمام مذاہب میں سب سے بہتر مذہب ہے) اور اسی تاکید سے "بِئْسَ الْفَحْلُ فَحْلُهُمْ فَحْلًا" ہے، برخلاف امام سیبویہ کے۔

حال اور تمییز کا تاکید کی شکل میں آنا:

وقد يُؤَكِّدَانِ الخ کی تشریح: کبھی کبھی حال اور تمیز دونوں کے دونوں تاکید کے طور پر لائے جاتے ہیں فاعل اور مفعول کی ہیئت بیان کرنے اور ذات سے ابہام کو دور کرنے کے لیے نہیں۔ حال کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِيْنَ" (اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد سے مت نکلو۔ پ۱۲ سورۃ ہود آیت ۸۵) میں مُفْسِدِيْنَ حال ہے جو تاکید کے واسطے لایا گیا ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ" (پھر تم پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے۔ پ۱۰ سورۃ توبہ آیت ۲۵) میں مُدْبِرِيْنَ حال ہے جو تاکید کے طور پر لایا گیا ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا" (اور جس دن کے میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا۔ پ۱٦ سورۃ مریم آیت ۳۳) میں حیًّا تاکید کے طور پر لایا گیا ہے۔
اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا" (حضرت سلیمانؑ مسکرا کر ہنس دیے۔ پ۱۹ سورۃ نمل، آیت ۱۹) میں ضاحکًا بطور تاکید کے مستعمل ہے۔ اسی طرح شاعر نے اپنے کلام میں حال کو بطور تاکید کے استعمال فرمایا ہے

وَتُضِيْءُ فِي وَجْهِ الظَّلَامِ مُنِيْرَةً ۔۔۔ كَجُمَانَةِ الْبَحْرِيِّ سُلَّ نِظَامُهَا

(اور وہ گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں اس طرح روشن و تابناک معلوم ہوتی ہے جیسے دریائی موتی اپنی

وادی میں پیدا ہو گئی ہو۔) اس شعر میں لفظ "مُنِيْرَةً" حال ہے جو بطور تاکید کے لایا گیا ہے۔ یہ لبید بن ربیعہ عامری کا کلام ہے جس میں انہوں نے وحشی گائے کی تعریف کی ہے۔

مذکورہ بالا تمام مثالوں میں حال تاکید کے لیے استعمال کیا گیا ہے جسے کلام میں نہ لاتے تو بھی کوئی حرج نہ تھا۔

اس تمییز کی مثال جو تاکید کے لیے لائی جاتی ہے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا" (یقیناً شمار مہینوں کا جو کہ کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک معتبر ہے بارہ مہینے قمری ہیں۔ پارہ ۱۰، سورۂ توبہ آیت ۳۶) اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً" (اور ہم نے موسیٰ سے تیس شب کا وعدہ کیا اور دس شب کو ان کا تتمہ بنایا سو ان کے پروردگار کا وقت پورے چالیس شب ہو گیا۔ پ ۹، سورۂ اعراف آیت ۱۴۲) پہلی آیت میں محل استشہاد شہرًا اور دوسری آیت میں اربعین لیلۃً تمییز ہے جو تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ شاعر نے بھی اپنے کلام میں تمییز کو بطور تاکید کے استعمال فرمایا ہے جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے والد محترم ابو طالب عبد المطلب نے حضور اکرمؐ کے دین حق کی مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ ‏ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنَا

(ترجمہ: اور بخوبی مجھے معلوم ہے کہ محمد کا دین روئے زمین پر تمام ادیان و مذاہب سے بہتر دین ہے۔)

اس شعر میں محل استشہاد "دِيْنًا" ہے جو تمییز ہے اور بطور تاکید کے استعمال کیا گیا ہے۔

اسی طرح جریر بن عطیہ نے اس شعر میں جس میں انہوں نے اخطل تغلبی نصرانی کی ہجو بیان کی ہے تمییز کے بطور تاکید کے استعمال فرمایا ہے۔

وَالتَّغْلِبِيُّوْنَ بِئْسَ الْفَحْلُ فَحْلُهُمْ ‏ فَحْلًا، وَاُمُّهُمْ زَلَّاءُ مِنْطِيْقُ

(ترجمہ: اور قبیلہ تغلب کے لوگ تو ان کا باوا بہت برا ہے اور ان کی مائیں پتلی سرین والی اور پٹکے والی ہیں۔) اس شعر میں محل استشہاد "فَحْلًا" ہے جو تمییز ہے اور بطور تاکید کے مستعمل ہے۔

نوٹ:- کیا افعال مدح و ذم میں تمییز کو بطور تاکید کے لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں صاحب کتاب اور امام سیبویہ کے درمیان اختلاف ہے امام سیبویہ فرماتے ہیں افعال مدح و ذم میں تمییز کو تاکید کے طور پر لانا جائز نہیں لہٰذا نعم الرجل رجلاً زیدٌ کہنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح بِئْسَ الْفَحْلُ فَحْلُهُمْ فَحْلًا میں فَحْلًا کو تمییز مانتے ہوئے تاکید کے طور پر لانا بھی درست نہیں، بلکہ یہ حال ہے جو تاکید کے واسطے لایا گیا ہے۔

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جس طرح حال بطور تاکید کے استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح تمیز بھی تاکید کے طور پر مستعمل ہوتی ہے اور اس کے جواز پر بے شمار دلائل وشواہد موجود ہیں، لہذا یہ تاویل کرنا کہ شعر میں فضلاً تمیز نہیں، بلکہ حال ہے، چنداں ضرورت نہیں۔ بلکہ نِعْمَ اور بئس کے باب میں تمیز کا دخول حال کے دخول کے بالمقابل زیادہ ہی ہوتا ہے۔

ضمیمات باب ہذا

تحقیق۱: اسم تام تمیز کے منصوب ہونے کا تقاضہ کیوں کرتا ہے؟

جواب: جب اسم تنوین، نون، اضافت کے ساتھ تام ہو جائے گا تو وہ فعل کے مشابہ ہو جائے گا، کیوں کہ فعل اپنے فاعل سے مل کر تام ہو جاتا ہے اور فاعل کے بعد جو اسم آتا ہے وہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے، اسی طرح اسم ان اشیاء کے ذریعہ تام ہو جائے گا اور یہ اشیاء آخر میں آنے کی وجہ سے بمنزلہ فاعل ہوں گی، اب اسم تام کے بعد جو تمیز آئے گی وہ بمنزلہ مفعول ہوگی تو جس طرح مفعول پر نصب آتا ہے تمیز پر بھی نصب آئے گا۔ (تسہیل اساسی کل شرح الجامی ص۳۶۱)

تحقیق۲: اسم کے تام ہونے کی شکلیں کیا ہیں؟

جواب: اسم کے آخر میں نون تثنیہ ہو جیسے عندی قفیزان بُرًّا (۲) اسم کے آخر میں نون جمع ہو جیسے هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاً، یا مشابہ نون جمع ہو جیسے عندی عشرون درهمًا (۳) اسم کے آخر میں تنوین ہو جیسے عندی رطل زيتًا، (۴) اسم مرکب اضافی ہو جیسے علی التمرة مثلُها زُبدًا۔ (مشکل ترکیبوں کا آسان حل)

تحقیق۳: تمیز لانے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اگر تمیز جنس ہو تو اس کو مفرد لایا جائے گا خواہ اسم تام تثنیہ ہو یا جمع ہو، لیکن یہ طریقہ غیر عددی تمیز کا ہے، عددی تمیز کا بیان اپنے موقع پر آئے گا۔ جنس سے مراد جنس منطقی نہیں بلکہ اس سے مراد وہ ہے جس کے اجزاء کل کے مشابہ ہوں کل پر جس اسم کا اطلاق ہوتا ہے اس کے ہر ہر جزء پر بھی اس اسم کا اطلاق ہو اور اگر تمیز جنس نہ ہو تو اس کو اسم تام کے مطابق تثنیہ اور جمع لایا جائے گا۔

تحقیق۴: تمیز کی تقدیم عامل پر کب جائز ہے؟

جواب: تمیز کا عامل اگر اسم تام ہو تو تمیز اپنے عامل پر مقدم نہ ہوگی، کیوں کہ اسم تام اسم جامد ہوگا اور جامد اگرچہ فعل کے مشابہ ہے لیکن وہ مشابہت کمزور ہے، اس لیے جامد عامل ضعیف ہوگا وہ معمول مقدم پر عمل نہ کر سکے گا۔

بَابُ الْمُسْتَثْنٰى بِإِلَّا وَاحواله

مستثنیٰ بعد الاّ کے احوال کا بیان

وَالْمُسْتَثْنٰى بِإِلَّا مِنْ كَلَامٍ تَامٍّ مُوْجَبٍ، نَحْوُ "فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا مِنْهُمْ"، فَإِنْ فُقِدَ الْإِيْجَابُ تَرَجَّحَ الْبَدَلُ فِي الْمُتَّصِلِ، نَحْوُ "مَا فَعَلُوْهُ إِلَّا قَلِيْلٌ مِنْهُمْ"، وَالنَّصْبُ فِي الْمُنْقَطِعِ عِنْدَ بَنِيْ تَمِيْمٍ، وَجَبَ عِنْدَ الْحِجَازِيِّيْنَ نَحْوُ "مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ" مَالَمْ يَتَقَدَّمْ فِيْهِمَا فَالنَّصْبُ نَحْوُ قَوْلِهٖ وَمَالِيَ إِلَّا آلَ أَحْمَدَ شِيْعَةٌ — وَمَالِيَ إِلَّا مَذْهَبَ الْحَقِّ مَذْهَبٌ. أَوْ فُقِدَ التَّمَامُ فَعَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ، نَحْوُ "وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ" وَيُسَمّٰى مُفَرَّغًا.

ترجمہ:- اور کلام تام موجب سے اِلّا کے ذریعہ استثناء کیا گیا ہو جیسے "فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا مِنْهُمْ" اگر موجب ہونا فوت ہو جائے تو مستثنیٰ متصل میں بدل راجح ہوگا جیسے "مَا فَعَلُوْهُ إِلَّا قَلِيْلٌ مِنْهُمْ" بنو تمیم کے نزدیک مستثنیٰ منقطع میں نصب پڑھنا راجح ہے اور اہل حجاز کے نزدیک واجب ہے جیسے مالھم به من علم إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ، جب تک کہ ان دونوں کے درمیان تقدیم وتاخیر کا معاملہ نہ ہو، اگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ پر مقدم کر دیا گیا ہو تو نصب پڑھنا واجب ہوگا، جیسے اس کا قول "ومالی إِلَّا آلَ أَحْمَدَ الخ. یا کلام تام ہونا مفقود ہو جائے تو عوامل کے اعتبار سے اعراب دیا جائے گا جیسے "وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ" اور نام رکھا جاتا ہے مستثنیٰ مفرغ۔

تشریح:- جب مصنفؒ حال اور تمیز کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب منصوبات کی ایک اور قسم مستثنیٰ کو بیان کرنا شروع کیا، لیکن یاد رہے کہ مصنف موصوف نے مستثنیٰ کے بعض مسائل ہی کو بیان فرمایا ہے، لہٰذا ان مسائل کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید کے چند بنیادی باتوں کا الگ سے ذہن نشین کر لینا ازحد ضروری ہے۔

مستثنیٰ کی تعریف:

مستثنیٰ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کو حروف استثناء کے ذریعہ ماقبل کے حکم سے خارج کیا جائے، جیسے جاء نی القومُ الاَّ زیدًا جس اسم کو خارج کیا جاتا ہے اس کو مستثنیٰ کہتے ہیں۔ اور جس اسم کے حکم سے خارج کیا جاتا ہے اس کو مستثنیٰ منہ کہتے ہیں جیسے مذکورہ مثال میں قوم مستثنیٰ منہ ہے اور زیدا مستثنیٰ ہے۔

مستثنیٰ کی قسمیں:

مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) مستثنیٰ متصل (۲) مستثنیٰ منفصل جس کو منقطع بھی کہتے ہیں۔
مستثنیٰ متصل وہ ہے جو الّا یا اس کے اخوات کے ذریعہ مثنیٰ متعدد سے نکالا گیا ہو خواہ وہ مثنیٰ متعدد یعنی مستثنیٰ منہ مذکور ہو یا مقدر، مستثنیٰ منہ ملفوظ کی مثال جیسے جاء نی القومُ الّا زیدًا، اور مستثنیٰ منہ مقدر کی مثال جیسے ماجاء نی الا زیدًا، یا یوں کہیے کہ جو مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو۔
مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ جو الّا واخوات الّا کے بعد مذکور ہو اور متعدد مثنیٰ سے نہ نکالا گیا ہو، یا یوں کہیے کہ جو مستثنیٰ کی جنس سے نہ ہو جیسے جاء نی القومُ الّا حمارًا، ظاہر ہے کہ حمار جنس قوم سے نہیں ہے۔

حروف استثناء کی تعداد:

فاضل مصنفؒ کے نزدیک حروف استثناء دس ہیں: اِلّا، غیر، سوی، لیس، لایکون، ماخلا، ماعدا، خلا، عدا، حاشا

جس کلام میں استثناء ہو اس کی بھی دو قسمیں ہیں: موجب اور غیر موجب۔
موجب وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی، استفہام نہ ہو جیسے جاء نی القومُ الّا زیدًا۔
غیر موجب وہ کلام ہے جس میں نفی، نہی استفہام ہو جیسے ماجاء نی الا زیدٌ۔
مستثنیٰ منہ اگر مذکور نہ ہو تو اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں اور اسی کو کلام غیر تام بھی کہا جاتا ہے جیسے ماجاء نی اِلّا زیدٌ اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس کو غیر مفرغ اور کلام تام کہتے ہیں جیسے جاء نی القومُ الّا زیدًا۔ اس کی ترکیب اس طرح ہوگی۔ جاء فعل، نون وقایہ، یاء ضمیر متکلم مفعول بہ، القوم مستثنیٰ منہ، الّا حرف استثناء، زیدًا مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر جاء کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ مستثنیٰ منقطع کی مثالوں کی ترکیب بھی اسی طرح کیجیے، اب کتاب کے زیر بحث مسائل کو غور سے ملاحظہ فرمائیے۔

مستثنیٰ کے احکام اعراب کے اعتبار سے:

والمستثنیٰ بالّا من کلام تام موجب الخ اس عبارت میں فاضل مصنفؒ نے اس بات کو بیان فرمایا کہ اعراب کے اعتبار سے مستثنیٰ کی چند صورتیں ہیں اور وہ بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔
پہلی صورت: جب کلام تام موجب سے حرف الّا کے ذریعہ استثناء کیا جائے تو شرائط ثلاثہ (کلام تام، موجب اور حرف الّا) کی موجودگی میں مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا واجب ہوگا۔ خواہ مستثنیٰ متصل ہو جیسے قام القوم الّا زیدًا اور باری تعالیٰ کا قول "فَشَرِبُوا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ" (سوب نے اس

سے بے تحاشا پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے سے آدمیوں نے ان میں سے۔ پ ۲ سورہ بقرہ آیت ۲۴۹) ان دونوں مثالوں میں مستثنیٰ متصل ہے اور دونوں پر نصب آیا ہے، یا مستثنیٰ منقطع ہو جیسے قام القوم الا حمارًا اور باری تعالیٰ کا قول "فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون، الا ابلیس۔ (سو سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ پارہ ۱۴ سورہ حجر آیت ۳۱) ان دونوں مثالوں میں مستثنیٰ منقطع ہے جو الا کے ساتھ ہے اور کلام تام موجب سے لایا گیا ہے، اسی لیے مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا واجب ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ابلیس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا، بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے ابلیس معیت کو نہ سمجھ سکا اور نہ اس نے اس امر کا لحاظ کیا کہ حکیم کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا، لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے ہے یا کسی دوسری جنس سے تو اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے، ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے ہے اور انھوں نے دو طرح سے استدلال کیا ہے۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ احادیث نبویہ اس کے من جنس الملائکۃ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آیات قرآنی میں سے بہت سی آیتوں میں ابلیس کو ملائکہ سے استثناء کیا گیا ہے اور استثناء میں اصل استثناء متصل ہے بایں طور کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور چوں کہ ابلیس ملائکہ کی اس صنف کا ایک فرد تھا جس کو جن کہا جاتا ہے، لہٰذا آیت کریمہ الا ابلیس میں ابلیس مستثنیٰ متصل ہوگا۔ دوسری جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ابلیس جنس ملائکہ سے نہیں تھا، بلکہ جنات میں سے تھا، انھوں نے استدلال کیا باری تعالیٰ کے قول "الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ" (سورہ کہف آیت ۵۰) سے لہٰذا یہ مستثنیٰ منقطع ہوگا، متصل نہیں ہوگا، مستثنیٰ متصل میں ما بعد الا کا ماقبل الا میں داخل ہونا ضروری ہے۔

دوسری صورت: فان فقد الایجاب ترجح البدل فی المتصل: فاضل مصنفؒ اس عبارت سے مستثنیٰ کی دوسری صورت کا اظہار فرما رہے ہیں، کلام کا حاصل یہ ہے کہ کلام تام غیر موجب سے حرف الا کے ذریعہ استثناء کیا جائے تو مستثنیٰ کو کون اعراب دیا جائے یہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو مستثنیٰ متصل ہوگا یا منقطع، اگر مستثنیٰ متصل ہے تو پھر اس میں دو صورتیں جائز ہیں (۱) مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کا تابع قرار دیا جائے گا بالفاظ دیگر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے بدل بعض یا بدل کل قرار دیا جائے گا اور جو اعراب مستثنیٰ منہ کا ہے وہی مستثنیٰ پر آئے گا جیسے ماجاء نی احدٌ الا زیدٌ (یہ حالت رفعی کی مثال ہے) ماضربتُ احدًا الا زیدًا (یہ حالت نصبی کی مثال ہے) ما مررتُ باحدٍ الا زیدٍ (یہ حالت جری کی مثال ہے) (۲) یا اصل باب پر قیاس کرتے ہوئے بطور استثناء کے مستثنیٰ کو نصب پڑھا جائے گا جیسے ماجاء نی احدٌ الا زیدًا میں زیدًا مستثنیٰ بعد الا کلام تام غیر موجب میں واقع ہے، اس لیے

اسے نصب پڑھا گیا ہے۔

نوٹ: یہ بات ذہن نشین رہے کہ مستثنیٰ کو بطور استثناء منصوب پڑھنا عمدہ قاعدہ ہے، لیکن موجودہ صورت میں مستثنیٰ منہ کو تابع قرار دینا استثناء کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بہتر ہے۔

کلام غیر موجب کی مثال: یہ بات پہلے معلوم ہو چکی کہ غیر موجب وہ کلام کہلاتا ہے جس میں نفی، نہی، استفہام ہو اب یہاں علی الترتیب مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

نفی کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "ما فعلوہ الا قلیل منھم" (تو بجز معدودے چند لوگوں کے اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا۔ سورۂ نساء پ ۵، آیت ۶۶) اس آیت میں قلیل مستثنیٰ متصل ہے، ابن عامر کے علاوہ تمام قراء حضرات نے مافعلوہُ کے واؤ سے بدل مان کر مستثنیٰ کو مرفوع پڑھا ہے اور ابن عامر نے تنہا اسے بطور استثناء کے منصوب پڑھا ہے۔ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ۔

نہی کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ" (اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے ہاں مگر آپ کی بیوی۔ پ ۱۲، ہود آیت ۸۱) اس آیت میں اِمْرَاَةٌ مستثنیٰ متصل ہے جس کو ابو عمرو اور ابن کثیر نے احدٌ مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دے کر حالت رفع میں پڑھا ہے کیوں کہ مستثنیٰ منہ حالت رفع میں ہے اور بدل اور مبدل منہ دونوں کا ایک ہی اعراب آتا ہے، لیکن اکثر قراء نے بطور استثناء کے یہاں مستثنیٰ کو منصوب پڑھا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

(۱) جب قاعدہ کے لحاظ سے مرفوع پڑھنا راجح ہے اور منصوب پڑھنا مرجوح تو یہاں مستثنیٰ متصل کو رفع کے بجائے نصب کیوں پڑھا گیا اور اکثر قراء نے اسی کو اختیار فرمایا کیوں؟

جواب: چوں کہ قراءت کا مرجع دو مرکز بیت روایت ہے رائے نہیں، اور روایت میں تسلسل کے ساتھ نصب کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے، اسی لیے نصب پڑھا گیا ہے۔

استفہام کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ" (بھلا اپنے رب کی رحمت سے کوئی ناامید ہوتا ہے، بجز گمراہ لوگوں کے۔ پ ۱۴ سورۂ حجر، آیت ۵۶) اس میں الضَّآلُّوْنَ مستثنیٰ متصل ہے۔ تمام قراء نے اسے یَقْنَطُ کی ضمیر سے بدل مان کر مرفوع پڑھا ہے اور یَقْنَطُ ضمیر حالت رفع میں ہے لہٰذا بدل اور مبدل منہ دونوں کا اعراب ایک ہوا، اگر اَلضَّآلِّیْنَ بطور استثناء کے نصب کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے، لیکن پہلی صورت اولیٰ اور راجح ہے کیوں کہ قراءت متواترہ ہے۔

والنصب فی المنقطع عند بنی تمیم الخ مصنفؒ نے اس عبارت میں مستثنیٰ منقطع کے حکم کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا۔ یا مستثنیٰ منقطع ہوگا یعنی مستثنیٰ بعد الا کے کلام تام غیر موجب میں واقع ہوا ہو۔ مستثنیٰ منقطع ہو تو اس مستثنیٰ کو کون سا اعراب دیا جائے، اس سلسلے میں اہل حجاز اور بنو تمیم کے درمیان اختلاف ہے۔

اہل حجاز نصب پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں جیسے ما فیها احدٌ الا حمارًا میں حمارًا کو نصب کے ساتھ پڑھا جائے گا اور قرآن مقدس بھی اہل حجاز کی لغت کے مطابق نازل ہوا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "مالهم به من علمٍ الا اتباعَ الظنّ" مستثنیٰ منقطع ہے جو نصب کے ساتھ ہے۔ اور قبیلہ بنو تمیم والے نصب پڑھنا اور مستثنیٰ منہ سے بدل قرار دیتے دونوں جائز مانتے ہیں اور الا اتباعَ الظنّ کو علمٍ سے بدل قرار دے کر رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

(۲) طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک اعتراض ہوتا ہے کہ بنو تمیم کا یہ کہنا کہ ابدال کی صورت میں رفع پڑھنا جائز ہے اور انہوں نے مستثنیٰ منہ علمٍ سے بدل قرار دے کر مستثنیٰ کو مرفوع پڑھا ہے یہ درست نہیں اس لیے کہ علمٍ حالت جرّی میں ہے مِن کی وجہ سے لہٰذا اتباعُ الظن کو مجرور کا بدل قرار دینے کی صورت میں مجرور ہونا چاہیے نہ کہ مرفوع؟ ——— دراصل قبیلہ بنو تمیم نے علمٍ سے بدل قرار دیا ہے موضع رفع کا اعتبار کر کے کیوں کہ باعتبار لفظ کے علم سے بدل قرار دے کر کسرہ کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں، اس لیے کہ علم کے لیے حرف جر مِن زائدہ ہے اور اتباعُ الظن معرفہ موجب ہے اور مِن زائدہ صرف نکرہ منفیہ یا نکرہ استفہامیہ میں ہی عمل کرتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "ما ترٰی فی خلقِ الرّحمٰنِ مِن تفاوُتٍ فارجعِ البصرَ هل ترٰی مِن فُطورٍ" (تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل تو نہیں نظر آتا ہے۔ پ۲۹ سورۂ ملک آیت ۳) میں "مِن تفاوُتٍ" مبدل منہ اور فُطورٍ بدل ہے اور یہاں مِن زائدہ دونوں جگہوں میں نکرہ منفیہ میں عمل کر رہا ہے، اس لیے فساد معنی کے خوف سے لفظ کا اعتبار نہیں بلکہ موضع علم کا اعتبار کر کے مستثنیٰ کو مرفوع پڑھنا جائز ہوگا۔

تیسری صورت: ملَم یتقدّم فیهما فالنصب الخ کی تشریح: مصنفؒ یہاں سے مستثنیٰ کی تیسری صورت کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا مستثنیٰ بعد الا کے کلام تام غیر موجب میں واقع ہو اور ان دونوں میں تقدیم وتاخیر نہ ہو یعنی مستثنیٰ مقدم ہو تو مستثنیٰ کو مطلقاً منصوب پڑھنا واجب ہوگا خواہ مستثنیٰ متصل ہو یا منقطع۔

مستثنیٰ متصل کی مثال ہے "ما قام الا زیدا القوم" مستثنیٰ منقطع کی مثال ہے "ما فیھا الا حمارا احد" اسی طرح کمیت نامی شاعر نے اپنے کلام میں مستثنیٰ متصل کے مقدم ہونے کی صورت میں منصوب پڑھا ہے جیسے وَمَا لِيَ اِلَّا آلَ اَحْمَدَ شِيْعَةٌ　　وَمَا لِيَ اِلَّا مَذْهَبَ الْحَقِّ مَذْهَبُ
(ترجمہ: اور میرے لیے آل احمد کے علاوہ کوئی جماعت لائق اقتداء نہیں اور بجز مذہب حق کے کوئی مذہب لائق اتباع نہیں۔) اس شعر میں محل استشہاد "آلَ اَحْمَدَ" اور "مَذْهَبَ الْحَقِّ" ہے کیوں کہ یہ دونوں مستثنیٰ ہیں جو کہ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہیں۔

(۳) طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کا تابع قرار دینا کیوں جائز نہیں؟
جواب: دراصل تابع کا متبوع پر مقدم کرنا لازم آتا ہے حالاں کہ تابع کا متبوع پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔

مستثنیٰ مفرغ اور غیر مفرغ کا بیان:

اَوْ فُقِدَ التَّمَامُ فَعَلٰى حَسَبِ الْعَوَامِلِ کی تشریح: فاضل مصنف علیہ الرحمۃ کی عبارت کو حل کرنے سے پہلے بطور تمہید کے یہ سمجھئے کہ مستثنیٰ منہ کے مذکور ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے استثناء کی دو قسمیں ہیں (۱) مفرغ (۲) غیر مفرغ۔
استثناء سے پہلے مستثنیٰ منہ اگر مذکور نہ ہو تو اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں اور اسی کو غیر تام بھی کہتے ہیں جیسے ما جاءنی الا زیدٌ اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس کو غیر مفرغ کہتے ہیں اور اسی کو کلام تام بھی کہا جاتا ہے جیسے جاءنی القوم الا زیدا
زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ اگر مستثنیٰ بعد الا کلام غیر موجب میں واقع ہو اور اس کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ کا اعراب عامل کے تقاضے کے مطابق ہوگا۔ جیسے "ما جاءنی الا زیدٌ" مستثنیٰ پر رفع ہے کیوں کہ اس کا عامل جاء فعل مرفوع ہونے کا تقاضہ کرتا ہے جیسا کہ بغیر الا کے ما قام زیدٌ کہنے کی صورت میں زید مرفوع ہوتا ہے۔ "ما رأیتُ الا زیدا" اس میں مستثنیٰ پر نصب ہے کیوں کہ اس کا عامل رأیتُ مفعول ہونے کا تقاضہ کرتا ہے جیسا کہ ما رأیتُ زیدا کہنے کی صورت میں زیدا بحیثیت مفعول منصوب ہے "ما مررتُ الا بزیدٍ" اس میں باء جارہ کی وجہ سے مستثنیٰ پر جر آیا ہے جیسا کہ ما مررتُ بزیدٍ کہنے کی صورت میں باء کی وجہ سے زید مجرور آیا ہے۔ ان تمام شکلوں میں اسم عامل محذوف سے استثناء ہوگا اور ما قام الا زیدٌ کی تقدیری عبارت "ما قام احدٌ الا زیدٌ" ہوگی اور اسی پر بقیہ کو قیاس کر لیجیے۔
اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس کا حکم ماقبل میں گذر چکا۔

(۴) طالبِ علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

مذکورہ بالا صورت میں اعراب علی حسب العوامل کی دلیل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہوگا تو فعل اپنے مفعول یعنی مستثنیٰ منہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے غیر عامل باقی رہے گا۔ پس جس وقت وہ اپنے سامنے کسی چیز کو دیکھے گا اس میں عمل کرے گا مگر اِلّا کہ اس میں عمل نہ کرے گا، اس لیے کہ وہ حرف ہے پس لامحالہ مابعد اِلّا میں عمل کرے گا۔ اور اس کا اعراب بحسب العوامل ہوگا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بابُ المستثنیٰ بغیر وسوی

اِلّا کے علاوہ حروف استثناء کے عمل کا بیان

وَيُسْتَثْنَى بِغَيْرٍ وَسِوَى خَافِضَيْنِ مُعْرَبَيْنِ بِإِعْرَابِ الْإِسْمِ الَّذِي بَعْدَ "إِلَّا" وَبِخَلَا، وَعَدَا، وَحَاشَا، نَوَاصِبَ أَوْ خَوَافِضَ، وَبِمَا خَلَا، وَبِمَا عَدَا، وَلَيْسَ، وَلَا يَكُونُ، نَوَاصِبَ۔

ترجمہ:- غیرؔ اور سِوَیٰ جارّہ کے ذریعہ استثناء کیا جاتا ہے، اس وقت ان دونوں (یعنی غیر اور سوی) کو وہی اعراب دیا جائے گا جو اِلّا کے بعد آنے والے اسم کا اعراب ہوتا ہے، اور خلا، عدا، اور حاشا کے ذریعہ بھی استثناء کیا جاتا ہے اور یہ سب نصب اور جر دونوں طرح کا اعراب دیتے ہیں۔ اور مَاخَلا، ماعدا، لَيْسَ اور لَايَكُونُ کے ذریعہ بھی استثناء کیا جاتا ہے اور یہ سب نصب دینے والے ہیں۔

اِلّا کے علاوہ حروف استثناء کا عمل:

وَيُسْتَثْنَى بغير وسوى خافضين الخ اس عبارت میں فاضل مصنفؒ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اِلّا کے علاوہ حروف کے ذریعہ استثناء کیا جاتا ہے اپنے مابعد اسم کو کون سا اعراب دے گا۔ تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ اِلّا کے علاوہ جن حروف کے ذریعہ استثناء کیا جاتا ہے، اس کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: بعض حروف تو ایسے ہیں جو دائماً مستثنیٰ کو جر دیتے ہیں اور وہ غیر اور سوی ہے جیسے قام القومُ غيرَ زيدٍ اور قام القومُ سِوَى زيدٍ ان دونوں مثالوں میں زید مستثنیٰ ہے جو غیر اور سوی کی وجہ سے مجرور ہے، کیوں کہ یہ دونوں حروف جارّہ ہیں۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

مُعْرَبَيْنِ بِإِعْرَابِ الاسم الذي بعد "إلّا" یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے،

طالب علمانہ اشکال کا حاصل یہ ہے کہ لفظ غیر کے بعد مستثنیٰ پر جر آتا ہے، لیکن خود لفظ غیر کا اعراب کیا آئیگا؟ تو اس میں تفصیل ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ لفظ غیر کلام موجب میں واقع ہو اور اس کا مضاف الیہ جو اصل میں مستثنیٰ ہے وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو جیسے قام القوم غیرَ زیدٍ تو اس وقت اِلّا کے بعد آنے والے اسم (یعنی مستثنیٰ) جس اعراب کا مستحق ہوتا ہے (یعنی نصب) وہی اعراب غیرَ پر آئے گا، جیسے قام القومُ غیرَ زیدٍ، غیرَ کے نصب کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو قام القومُ اِلّا زیدًا نصب کے ساتھ اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں واقع ہو اور اس کا مضاف الیہ جو اصل میں مستثنیٰ ہے مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو تو اس وقت اِلّا کے بعد آنے والے اسم (مستثنیٰ) پر جس طرح رفع اور نصب آتا ہے اسی طرح غیرَ پر رفع اور نصب آئے گا۔ جیسے ماقام القومُ غیرُ زیدٍ، رفع اور نصب کے ساتھ پڑھنا اسی طرح درست ہے جس طرح ماقام القوم اِلّا زیدًا وَاِلّا زیدٌ درست ہے۔

اور اگر لفظ غیر کلام غیر موجب میں واقع ہو اور اس کا مضاف الیہ جو اصل میں مستثنیٰ ہے وہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو جیسے ماقام القوم غیرَ حمارٍ تو اہل حجاز کے نزدیک غیر کو نصب کے ساتھ پڑھنا واجب ہوگا اور بنو تمیم کے نزدیک رفع اور نصب دونوں کے ساتھ پڑھنا درست ہوگا۔

اور لفظ سِوَیٰ کے بارے میں صاحب کتاب نے فرمایا اسی مذکورہ بالا اصول پر اس کو قیاس کر لیجیے، لیکن اس پر اعراب لفظاً ظاہر نہ ہوگا، بلکہ محلاً آئے گا۔ لیکن امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ لفظ سِوَیٰ کو ظرفیت کی بناء پر ہمیشہ منصوب پڑھنا واجب ہوگا۔

فائدہ ۱: کلام غیر موجب میں لفظ غیر مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو تو اس وقت غیر پر وجوباً نصب آئے گا جیسے ما جاء غیرَ زیدٍ القومُ۔

فائدہ ۲: لفظ غیر کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو عامل کے تقاضے کے مطابق غیر پر اعراب آئے گا۔ جیسے ما جاء نی غیرُ زیدٍ، مارأیتُ غیرَ زیدٍ، ما مَرَرْتُ بغیرِ زیدٍ۔ مذکورہ بالا تمام تقادیر کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ غیر پر وہی اعراب ہوتا ہے جو مستثنیٰ بالا کا ہوتا ہے۔

فائدہ ۳: لفظ غیر کی اصل وضع تو یہ ہے کہ صفت کے لیے ہو جیسے "رَبَّنَا اِنِّی اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِی بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ" غَیْرِ مرکب اضافی ہوکر وَادٍ کی صفت ہے، مگر کبھی کبھی استثناء کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہے۔ اسی طرح لفظ اِلّا اصل میں استثناء کے لیے وضع کیا گیا ہے، لیکن کبھی کبھی غیر کے معنی میں صفت کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے "لَوْ کَانَ فِیْهِمَا آلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" کے اندر اِلّا معنی غیر برائے صفت ہے۔

دوسری قسم: بِخَلا، وَعَدا، وَحَاشا، نَوَاصِبُ اَوْ خَوَافِضُ: حروف استثناء میں سے بعض

حروف وہ ہیں جو کبھی جر دیتے ہیں اور کبھی نصب اور وہ تین ہیں، خلا، عدا اور حاشا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ چوں کہ یہ حروف کبھی حروف جر ہوتے ہیں اور کبھی افعال ماضیہ کی شکل میں مستعمل ہوتے ہیں، اگر آپ انہیں حروف جر تسلیم کرلیں تو ان کے بعد آنے والے اسماء مستثنیٰ مجرور ہوں گے اور اگر آپ انہیں افعال ماضیہ فرض کریں تو مستثنیٰ بربنائے مفعولیت منصوب ہوں گے اور فاعل کی ضمیر ان میں پوشیدہ ہوگی۔

تیسری قسم: وبما خلا، وبما عدا، ولیس، ولایکون، نواصب: بعض حروف تو وہ ہیں جو مستثنیٰ کو فقط نصب دیتے ہیں اور وہ چار ہیں۔ لیس، لایکون، ماخلا، اور ماعدا آپ کہیں گے "قاموا لیس زیدًا، لایکون زیدًا، اور ماعدا زیدًا اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے "مَا اَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عليه فَكُلُوا، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ" (جس شخص نے خون بہایا اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو کھاؤ، دانت اور ناخن نہیں) اس حدیث میں محل استشہاد "لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ" ہے جس میں لَيْسَ حرف استثناء ہے اس کے بعد دونوں اسم مستثنیٰ ہیں جو لَيْسَ کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہیں، کیوں کہ لَيْسَ کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے۔

لبید بن ربیعہ عامری نے بھی اپنے کلام میں اس قاعدہ کا لحاظ کیا ہے ۔

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَامَحَالَةَ زَائِلٌ

(ترجمہ: آگاہ رہو! ہر چیز جو اللہ کے ذکر سے خالی ہو بے کار ہے اور ہر نعمت یقیناً ختم ہونے والی ہے) اس شعر میں محل استشہاد "ما خلا اللّٰه" چوں کہ ماخلا حرف استثناء ہے اور اللّٰه پر بربنائے استثناء نصب آیا ہے۔

نوٹ:- لَيْسَ اور لایکون کے بعد مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے، کیوں کہ مستثنیٰ اس وقت خبر ہوتا ہے اور ان دونوں کا اسم اس میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ ماخلا اور ماعدا کے بعد والا اسم منصوب ہوتا ہے مفعولیت کی بناء پر۔ اور دونوں میں فاعل پوشیدہ ہوگا۔

باب حروف الجر وانواعها

حروف جر کی تعریف اور اس کے اقسام کا بیان

بَابٌ، يُخْفَضُ الْاِسْمُ اِمَّا بِحَرْفٍ مُشْتَرَكٍ، وَهُوَ مِنْ، وَاِلٰى، وَعَنْ، وَعَلٰى، وَفِي، وَاللَّامُ، وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَغَيْرِهٖ، اَوْ مُخْتَصٍّ بِالظَّاهِرِ، وَهُوَ رُبَّ، وَمُذْ، وَمُنْذُ، وَالْكَافُ، وَحَتّٰى، وَوَاوُ الْقَسَمِ، وَتَاؤُهٗ.

ترجمہ:- یہ باب ہے۔ اسم کو جر دیا جاتا ہے یا تو حرف مشترک کی وجہ سے اور وہ مِن،

الی، عن، علی، فی، لام اور باء قسمیہ ہیں۔ اور اس کے علاوہ دیگر معانی کے لیے آتا ہے یا حرف مختص بالقسم کی وجہ سے جر دیا جاتا ہے اور وہ رُبَّ، مُذْ، مُنْذُ، کاف، حتّٰی اور واؤ قسم اور تاء قسم ہیں۔

تشریح:- باب: جب مصنف علیہ الرحمہ مرفوعات اور منصوبات کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مجرورات کو بیان کرنا شروع کیا۔ لیکن متن کی عبارت کی وضاحت سے پہلے چند بنیادی باتوں کا ذہن نشین کر لینا قارئین آئندہ مسائل کے سمجھنے کے لیے ازحد ضروری ہے۔

اسم مجرور کی تعریف:

اس سے مراد وہ اسماء ہیں جو حروف جارہ یا اضافت کی وجہ سے جر دیے جاتے ہیں۔ مجرور بالحرف کی مثال جیسے بزیدٍ، اور مجرور بالاضافت کی مثال جیسے غلامُ زیدٍ، اسم مجرور کی تعریف سے مجرور کی دو قسمیں معلوم ہو گئیں (۱) مجرور بالحرف (۲) مجرور بالاضافت۔ ان دونوں میں سب سے پہلے مجرور بالحرف کا بیان لایا گیا ہے، چوں کہ یہ اصل ہے اور مجرور بالاضافت فرع ہے اور قاعدہ ہے کہ اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے، لہٰذا مجرور بالحرف، مجرور بالاضافت پر مقدم ہوگا۔

حروف جارہ کی تعداد اور اسباب اسقاط:

بقول صاحب کتاب حروف جارہ بیس ہیں۔ ان میں سے سات خَلَا، عَدَا، حَاشَا، لَعَلَّ، مَتٰی، کَیْ اور لولا ساقط کر دیے گئے ہیں، اور وجہ اسقاط یہ ہے کہ چوں کہ خَلَا، عَدَا اور حاشا کا بیان استثناء کی بحث میں آ گیا ہے۔ اس لیے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اور باقی چار یعنی لَعَلَّ، مَتٰی، کَیْ اور لولا شاذ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیے گئے ہیں۔ ان چاروں کے شاذ ہونے کا سبب علاحدہ علاحدہ ہے۔ لَعَلَّ صرف امام عقیل کے نزدیک اپنے مابعد اسم کو جر دیتا ہے اور کسی کے نزدیک نہیں، اسی وجہ سے قبیلۂ عقیل کے شاعر نے اپنے شعر میں لَعَلَّ کو ظاہر کیا ہے۔

لَعَلَّ اللّٰهِ فَضَّلَكُمْ عَلَيْنَا ۔ بِشَيْءٍ أَنَّ أُمَّكُمْ شَرِيْمٌ

(شاید کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو ہم پر فضیلت کسی شئ حقیر کی وجہ سے دی ہے وہ یہ کہ تمہاری ماں ملعونہ ہے۔) اس شعر میں شاعر نے اپنے فریق مخالف کی مذمت کرتے ہوئے مدح و ذم دونوں طرح کے الفاظ کا استعمال فرمایا ہے اور لَعَلَّ کو حرف جارہ شمار کر کے اللہ کو مجرور قرار دیا ہے۔

مَتٰی: یہ صرف امام ہذیلی کے نزدیک اپنے مابعد کو جر دیتا ہے اور کسی کے نزدیک نہیں۔ اسی وجہ سے قبیلہ ہذیل کے شاعر ابو ذوئب ہذیلی نے بادل کی تعریف کرتے ہوئے شعر کہا ہے جس میں مَتٰی نے اپنے مابعد کو جر دیا ہے جیسے

شَرِبْنَ بِمَاءِ الْبَحْرِ ثُمَّ تَرَفَّعَتْ مَتٰى لُجَجٍ خُضْرٍ لَهُنَّ نَئِيجُ

(بادلوں نے سمندر سے پانی پیا پھر پانی کا سبزا ابھرنے لگا بلند ہونے لگا تو ان کے لیے بلند آواز تھی۔)

اس شعر میں محل استشہاد "متٰى لُجَجٍ" ہے۔ (اللُّجَجُ جمع لُجَّةٍ بمعنی معظم الماء۔ نَئِيجٌ وهو الصوت العالي المرتفع) شعر کا مطلب کچھ اس طرح نقل کیا جاتا ہے کہ شاعر نے ام عمرو نامی عورت کو آواز دے کر کہا دیکھو یہ واقعہ عجیبہ دیکھو! کہ بادلوں نے سمندروں سے پانی پیا اور پانی کا ایک سبز کثیر ابھرنے لگا جس کی وجہ سے اس میں سخت اور بلند آواز ہے۔

مَتٰی: حرف ما استفہامیہ کو جر دیتا ہے اور یہ بھی قبیلہ ہذیل کے گمان کے مطابق ہے جو کسی چیز کی علت کے بارے میں اس کے ذریعہ سوال کرنا چاہتے تو کَیْمَہْ بمعنی لِمَہْ استعمال کرتے ہیں اور یہ شاذ ہے۔

لَوْلا: یہ بھی قبیلہ ہذیل کے مطابق صرف ضمیر کو جر دیتا ہے جیسے لولای، اس میں لولا نے متکلم کی ضمیر کو جر دیا ہے اور لولاک میں مخاطب کی ضمیر کو اور لولاہ میں غائب کی ضمیر کو جر دیا ہے اور یہ قلیل اور نادر ہے۔ ایک شاعر نے اپنے شعر میں لولا کے عمل کا ضمیر پر اظہار فرمایا ہے جیسے عمر بن ربیعہ مخزومی قرشی کا شعر

أَوْمَتْ بِعَيْنَيْهَا مِنَ الْهَوْدَجِ لَوْلَاكَ فِي ذَا الْعَامِ لَمْ أَحْجُجِ

(اس نوخیز دوشیزہ نے ہودج کے داخلی حصے سے میری طرف چشم محبت سے اشارہ کیا کہ اگر تو اس سال نہ ہوتا تو میں حج نہ کرپاتی۔ یعنی اس نوخیز دوشیزہ نے اپنی سہیلیوں سے بچتے ہوئے چشم محبت سے میری طرف اشارہ کیا اور بذریعہ اشارہ مجھ سے بتلایا کہ میرا قصد سفر کرنا حج کے لیے نہیں بلکہ شوق لقاء کے لیے ہے۔ لہٰذا تو یہاں نہ ہوتا تو میں یہاں تک نہ پہنچتی۔) اس شعر میں محل استشہاد لولاکَ ہے جس نے مخاطب کی ضمیر کو جر دیا ہے۔ امام مبردؒ نے ضمیر کے ساتھ لولا کے استعمال کا انکار کیا ہے لیکن مذکورہ بالا شعر اور اسی طرح کے استعمالات امام سیبویہ کے لیے حجت ہے، چوں کہ ان کے نزدیک یہ طریقہ بھی ہے۔ مثلاً عمرو بن العاص نے معاویہ بن ابی سفیان کو مخاطب کرتے ہوئے ایک شعر کہا

أَتُطْمِعُ فِينَا مَنْ أَرَاقَ دِمَاءَنَا وَلَوْلَاكَ لَمْ يَعْرِضْ لِأَحْسَابِنَا حَسَنُ

اس شعر میں "لولاکَ" استعمال کیا ہے۔ اسی طرح یزید بن حکم بن ابی عاص ثقفی نے اپنے چچازاد بھائی کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

وَكَمْ مَوْطِنٍ لَوْلَايَ طِحْتَ كَمَا هَوٰى بِأَجْرَامِهِ مِنْ قُلَّةِ النِّيقِ مُنْهَوِي

اس شعر میں لولای ہے لیکن اکثر اہل عرب نے ضمیر منفصل کے ساتھ لولا أنا، لولا أنتَ، لولا هُوَ، استعمال فرمایا ہے اور قرآن کریم میں بھی لولا کا استعمال ضمیر منفصل کے ساتھ ہوا ہے۔ الخ

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ" (اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔ سپارہ ۲۲، سورہ سبا آیت ۳۱)

حروف کی تعداد کے اعتبار سے حروف جارّہ کی صورتیں:

حروف کی تعداد کے اعتبار سے حروف جارہ کی چار صورتیں ہیں۔ ۱ بعض وہ ہیں جو وضع کے اعتبار سے ایک حرفی ہیں اور وہ پانچ ہیں با (ب) لام (ل) کاف (ک) واؤ (و) تا (ت)۔ ۲ بعض دو حرفی ہیں اور وہ چار ہیں مِنْ، عَنْ، فی اور مُذْ۔ ۳ بعض حروف سہ حرفی ہیں اور وہ تین ہیں اِلیٰ، علیٰ اور مُنْذُ بعض چار حرفی ہیں اور وہ صرف حتّٰی ہے۔

باعتبار عمل کے حروف جارّہ کی قسمیں:

يخفض الاسم اما بحرف مشترك الخ فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں باعتبار عمل کے حروف جارہ کی قسمیں پیش کی ہیں، عمل کرنے کے اعتبار سے حروف جارہ کی دو قسمیں ہیں (۱) حرف مشترک۔ اس سے مراد وہ حروف جارہ ہیں جو اسم ظاہر اور اسم ضمیر دونوں کو جر دیتے ہیں اور وہ مِن، اِلیٰ، عَن، علیٰ، فی، لام اور باء ہیں جو قسم اور غیر قسم دونوں کے لیے مستعمل ہے۔

(۲) مختص بالظاہر:۔ اس سے مراد وہ حروف ہیں جو فقط اسم ظاہر کو جر دیتے ہیں اسم ضمیر کو نہیں اور وہ سات حروف ہیں، رُبَّ، مُذْ، مُنْذُ کاف، حتّٰی، واؤ قسمیہ اور تاء قسمیہ۔

حروف مختص بالظاہر کی قسمیں:

وہ حروف جو مختص بالظاہر ہیں ان کی چھ قسمیں ہیں (۱) بعض تو وہ ہیں جو اسم ظاہر یا اسم زمان کو جر دیتے ہیں اور وہ مُذْ اور مُنْذُ ہیں جیسے ما رأيتُهٗ مُذْ يَوْمَيْنِ، ما رأيتُهٗ مُنْذُ يومَ الجمعة.

(۲) بعض وہ ہیں جو صرف اسم ظاہر نکرہ کو جر دیتے ہیں اور وہ رُبَّ ہے جیسے رُبَّ رَجُلٍ عَالِمٍ۔

(۳) بعض حروف وہ ہیں جو معنی جلالت وعظمت پر دلالت کرنے والے لفظ کو جر دیتے ہیں اور وہ تاء ہے جو کبھی تو اس لفظ ربّ کو جر دیتا ہے جو کعبہ کی طرف مضاف ہو اور کبھی لفظ رحمٰن کو جر دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (اور خدا کی قسم میں تمہارے ان بتوں کی گت بناؤں گا۔ پ ۱۷، انبیاء، آیت ۵۷) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا (وہ کہنے لگے خدا کی قسم کچھ شک نہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی۔ پ ۱۳، یوسف آیت ۹۱) اور اہل عرب کا قول تَرَبِّ الكعبة لَاَفْعَلَنَّ كَذَا رب کعبہ کی قسم میں ایسا ضرور بالضرور کروں گا، لیکن یہ قلیل الاستعمال ہے اور اہل عرب "تَالرَّحْمٰنِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا" بھی کہتے ہیں اور یہ پہلے کے بالمقابل اقل الاستعمال ہے۔

بابُ المَجْرُورِ بِالاِضَافَةِ ــــ مجرور بالاضافت کا بیان

اَوْ بِإِضَافَةِ اِسْمٍ عَلٰی مَعْنَی اللَّامِ کَـ "غُلَامِ زَیْدٍ" اَوْ مِنْ کَـ "خَاتَمِ حَدِیْدٍ" اَوْ فِیْ کَـ "مَکْرِ اللَّیْلِ" وَتُسَمّٰی مَعْنَوِیَّةً، لِاَنَّهَا لِلتَّعْرِیْفِ اَوِ التَّخْصِیْصِ، اَوْ بِإِضَافَةِ الْوَصْفِ اِلٰی مَعْمُوْلِهٖ کَـ "بَالِغِ الْکَعْبَةِ" وَ "مَعْمُوْرِ الدَّارِ" وَ "حَسَنِ الْوَجْهِ" وَتُسَمّٰی لَفْظِیَّةً، لِاَنَّهَا لِمُجَرَّدِ التَّخْفِیْفِ.

ترجمہ:- یا اسم کو جر آنے کا بتقدیر لام اسم کی اضافت کی وجہ سے، جیسے غُلَامِ زَیْدٍ، یا بتقدیر مِنْ جیسے خَاتَمِ حَدِیْدٍ، یا بتقدیر فی جیسے مَکْرُ اللَّیْلِ، اور نام رکھا جاتا ہے اس کی اضافت کا اضافت معنویہ کیوں کہ یہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، (یا اسم جر دیا جاتا ہے) وصف کی اس کے معمول کی طرف اضافت کی وجہ سے جیسے بَالِغُ الکعبۃ، اور معمورُ الدار اور حَسَنُ الوَجْہِ. اور نام رکھا جاتا ہے اضافت لفظیہ، کیوں کہ یہ صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔

تشریح:- جب مصنف مجرور بالحرف کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے مجرور بالاضافت کو بیان کرنا شروع کیا، لیکن اس بحث کو سمجھنے سے پہلے چند اصطلاحات کا ذہن نشین کر لینا از حد ضروری ہے تا کہ مذکورۃ الصدر مسائل کا سمجھنا آسان اور سہل ہو جائے۔

مضاف سے مراد وہ اسم ہے جو دوسرے کی طرف منسوب کیا گیا ہو مضاف الیہ سے مراد وہ اسم ہے جس کی طرف دوسرے اسم کی نسبت کی گئی ہو جیسے کتابُ محمدٍ میں کتاب مضاف ہے، کیوں کہ اس کو محمد کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور محمد مضاف الیہ ہے، کیوں کہ اس کی طرف کتاب کی نسبت کی گئی ہے ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ مضاف پر الف لام، اور تنوین نہیں آتے، اس سے نون تثنیہ وجمع بھی گر جاتا ہے اور مضاف اسم نکرہ اور مضاف الیہ معرفہ ونکرہ دونوں ہوتا ہے اور علامت اضافت کا، کے، کی، را، رے، ری، نا، نے، نی ہیں۔ مضاف الیہ مجرور اور مضاف کا اعراب عامل کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

مجرور بالاضافت کی قسمیں:

مجرور بالاضافت کی دو قسمیں ہیں (۱) اضافت معنوی، (۲) اضافت لفظی۔ اضافت معنوی سے مراد وہ اضافت ہے جس میں مضاف صیغہ صفت ہو اور مضاف الیہ اس کا معمول نہ ہو (صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ ہے، اور معمول سے مراد فاعل، یا مفعول ہے اور یہ معمول اضافت سے پہلے تھے اضافت کے بعد معمول نہ کہلائیں گے، مجازاً ماکان کے اعتبار سے ان کو معمول کہہ دیا۔

اضافت معنوی کی صورتیں:

مذکورہ تعریف سے اضافت معنوی کی تین صورتیں نکلتی ہیں۔ (۱) دونوں امور منتفی ہوں۔ یعنی مضاف صیغہ صفت نہ ہو اور مضاف الیہ اس کا معمول نہ ہو جیسے غلامُ زیدٍ، اس میں دونوں منتفی ہیں نہ مضاف صفت ہے اور نہ مضاف الیہ معمول ہے۔

(۲) مضاف صیغہ صفت ہو لیکن مضاف الیہ اس صفت کا معمول نہ ہو جیسے کاتبُ القاضی (قاضی کا کاتب) وَکَاسِبُ عِیَالِہٖ (اس کے اہل وعیال کا کاسب) ان دونوں مثالوں میں مضاف صفت کا صیغہ ہے، کاتب اور کاسب دونوں اسم فاعل ہیں اور مضاف الیہ قاضی اور عیالہ (مضاف مضاف الیہ سے مل کر مضاف الیہ) ہیں۔ یہ دونوں ان دونوں کا معمول نہیں۔ کیوں کہ معمول سے مراد فاعل یا مفعول ہے اور یہ دونوں فاعل یا مفعول نہیں ہیں۔ (۳) مضاف الیہ مضاف کے لیے معمول ہو، لیکن مضاف صیغہ صفت نہ ہو جیسے ضَرْبُ اللِّصِّ، اس میں ضَرْبُ مضاف صیغہ صفت نہیں ہے، لیکن اللص مضاف الیہ مضاف کے لیے معمول ہے، کیوں کہ معمول سے مراد فاعل یا معمول ہے اور اللص مفعول ہے۔ خلاصہ کلام یہ نکلا کہ یہ تینوں شکلیں اضافت معنویہ کہلاتی ہیں۔

اضافت معنویہ کی قسمیں:

او باضافة اسم علی معنی اللام: یہاں سے فاضل مصنفؒ اضافت معنوی کی قسمیں بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ فرمایا اضافت معنوی کی بحکم استقراء تین قسمیں ہیں یعنی ان کا انحصار ان تین قسموں میں استقرائی ہے وہ تین قسمیں یہ ہیں (۱) اضافت بمعنی فی (۲) اضافت بمعنی مِنْ (۳) اضافت بمعنی لام۔

(۱) اضافت بمعنی فی اس جگہ ہوتی ہے، جس جگہ مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو خواہ وہ ظرف زمان ہو یا ظرف مکان جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ" (بلکہ تمہاری رات کی تدبیروں نے، یعنی تدبیر جو رات میں ہوتی ہے۔ پ۲۲ سبا، آیت ۳۳) اس میں اللیل مکرُ کا ظرف ہے اور اضافت بمعنی فی ہے ای بل مکر فی اللیل (لیکن اضافت بمعنی فی استعمال میں کم ہے)۔

(۲) اضافت بمعنی مِنْ جب کہ مضاف الیہ مضاف کے لیے کل ہو (یعنی جنس ہو) یعنی اپنے مضاف اور غیر مضاف دونوں پر صادق ہو، جیسے خاتَمُ حدیدٍ، اس میں حدید مضاف الیہ اور خاتَمُ مضاف ہے اور حدید خاتم اور غیر خاتم دونوں پر صادق ہے یعنی لوہے سے انگوٹھی بھی بنائی جاتی ہے اور اس کے علاوہ اور دوسرے زیورات بھی بنائے جاتے ہیں، لہٰذا خاتَمُ کی حدید کی طرف اضافت بمعنی

من اي خاتمٌ مِنْ حديدٍ، یہی حال بَابُ سَاجٍ (ساگو کا دروازہ) کا ہوگا، لہٰذا خاتمُ حدیدٍ پر قیاس کر لیجیے، کیوں کہ حدید کے ذریعہ خاتم کی اور ساج کے ذریعہ باب کی خبر دینا درست ہے برخلاف یدُ زیدٍ کے، اس لیے کہ یَدْ کے ذریعہ زید کے بارے میں خبر دینا درست نہیں ہے اور یَدْ کا اطلاق زید پر جائز نہیں ہے۔

(۳) اضافت بمعنی لام۔ اس صورت میں ہوتی ہے جہاں مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ مضاف کے لیے ظرف ہو جنس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ اپنے مضاف پر بھی صادق ہو اور اس کے علاوہ پر بھی صادق ہو۔ اضافت بمعنی لام میں مضاف الیہ ایسا نہ ہونا چاہیے اور نہ مضاف کے لیے ظرف ہونا چاہیے، جیسے غلامُ زیدٍ، اس میں زید مضاف الیہ ہے اور یہ غلام کے لیے جنس نہیں ہے یعنی ایسا نہیں ہے کہ غلام اور غیر غلام دونوں پر صادق آئے، بلکہ زید تو مثال مذکور میں آتا ہے، غلام کیسے ہوسکتا ہے، اسی طرح زید غلام کے لیے ظرف بھی نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے یہی حال یَدُ زیدٍ کا ہے کہ اصل عبارت غُلَامٌ لِزَيْدٍ اور يَدٌ لِزَيْدٍ ہے۔

اضافت معنویہ کی وجہ تسمیہ:

وتسمّی معنوية لانها للتعريف او التخصيص الخ: اس عبارت میں فاضل مصنفؒ نے اضافت معنویہ کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی ہے، اضافت معنویہ کو اضافت معنویہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے چوں کہ یہ اضافت ایک امر معنوی کا فائدہ دیتی ہے اور وہ امر معنوی تعریف ہے یا تخصیص (یعنی اضافت معنوی مضاف کے لیے تعریف کا فائدہ دیتی ہے یا تخصیص کا) اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہوگا۔ جیسے غلام زیدٍ، لیکن یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوسکتا ہے کہ مضاف الیہ اگر معرفہ ہو تو مضاف بھی معرفہ ہو جائے گا، اس کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ دراصل اضافت معنوی میں ہیئت ترکیبیہ مضاف کی معلومیت پر دلالت کرتی ہے اس کی وضع ہی اس لیے ہوتی ہے، لہٰذا مضاف الیہ کی معلومیت اور اس کی تعریف مضاف کی طرف سرایت کرے گی، کیوں کہ ان کے درمیان لفظوں میں بہت قوی اتصال ہے بسا اوقات تو مضاف الیہ کو مضاف میں منضم کر دیتے ہیں اور مضاف الیہ کے عوض مضاف میں تنوین داخل کر کے مضاف الیہ کو ختم کر دیتے ہیں، جس طرح مضاف اور مضاف الیہ میں لفظوں میں اتصال ہے اسی طرح ہیئت ترکیبیہ کی وجہ سے معنی کے اعتبار سے بھی اتصال قوی حاصل ہو جائے گا۔

اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو مضاف میں تخصیص پیدا ہو جائے گی یعنی خالص نکرہ نہ رہے گا جیسے غلامُ امْرَأَةٍ (عورت کا غلام) اس میں غلام کی اضافت جب تک امرأة کی طرف نہیں کی گئی تھی اس ←

وقت تک غلام میں تعمیم تھی، مرد اور عورت دونوں کے غلام ہونے کا احتمال تھا۔ اور جب امرأۃ کی طرف اضافت کردی گئی تو اس سے مرد کا غلام خارج ہوگیا، کیوں کہ تخصیص کے معنی ہیں تقلیل الشرکاء اور ظاہر ہے کہ غلام کی اضافت امرأۃ کی طرف کرنے سے غلام رجل خارج ہوجائے گا جس سے قلت حاصل ہوجائے گی۔

اضافت معنوی کی شرط:

اضافت معنوی کی شرط یہ ہے کہ مضاف کو تعریف سے خالی کریں، اس لیے جب مضاف معرفہ ہو تو دو صورتیں ہیں مضاف الیہ معرفہ یا نکرہ ہوگا۔ بر تقدیر اول تحصیل حاصل، اور بر تقدیر ثانی طلب ادنیٰ کے باوجود حصول اعلیٰ کی لازم آتی ہے اور وہ مذموم ہے۔

نوٹ:- اضافت معنوی بعض جگہوں میں تعریف و تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی ہے، بلکہ نکرہ ہی کے حکم میں رہتی ہے، مثلاً مضاف غیر، مثل، شبہ وغیرہ ہو یا مضاف نکرہ کی جگہ واقع ہو مثلاً حال، تمیز، لاء نفی جنس کے اسم کی جگہ واقع ہو تو اب یہ اضافت نکرہ ہی کے حکم میں رہے گی۔

اضافت کی دوسری قسم اضافت لفظیہ:

او بالضافة الوصف الى معموله الخ اس سے پہلے فاضل مصنفؒ نے اضافت معنوی کو بیان فرمایا، کیوں کہ وہ اصل ہے اب اضافت لفظی کو بیان فرما رہے ہیں اضافت لفظی سے مراد وہ اضافت ہے، جس میں مضاف صفت کا صیغہ ہو اور مضاف الیہ اس صفت کا معمول ہو، اگر مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو تو وہ اضافت لفظی نہ ہوگی جیسے غلامُ زیدٍ، اسی طرح اگر صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو تو وہ بھی اضافت لفظی نہ ہوگی جیسے کریم البلد ومصارع مصر اس میں کریم اور مصارع صفت کا صیغہ تو ہیں، لیکن بلد اور مصر ان کا معمول نہیں، کیوں کہ معمول سے مراد فاعل یا مفعول بہ ہے اور بلد اور مصر نہ فاعل ہیں نہ مفعول بہ بلکہ ظرف ہیں۔

اضافت لفظیہ کی صورتیں:

مذکورہ تعریف سے اضافت لفظی کی چند شکلیں نکلتی ہیں (۱) اسم فاعل کی اضافت ہو مضاف الیہ کی طرف جیسے ضاربُ زیدٍ الآن او غداً اس میں اضافت لفظیہ ہے، اس لیے کہ ضارب صیغہ اسم فاعل ہے جو اپنے معمول یعنی مفعول بہ زید کی طرف مضاف ہے۔

(۲) اسم مفعول کی اضافت ہو مضاف الیہ کی طرف جیسے هذا معمورُ الدارِ الآن او غداً اس میں بھی اضافت لفظیہ ہے اس لیے کہ معمور صیغہ اسم مفعول ہے جو اپنے معمول یعنی مفعول بہ الدار کی

طرف مضاف ہے۔

(۳) صفت مشبہ اسم فاعل کے ساتھ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے هذا رجلٌ حسن الوجہ اس میں صفت مشبہ اپنے فاعل یعنی الوجہ کی طرف مضاف ہے۔

کَبَالِغ الْکَعْبَةِ یہ اس اضافت لفظیہ کی مثال ہے جس میں بالغ اسم فاعل ہے جو اپنے معمول یعنی مفعول یہ الکعبۃ کی طرف مضاف ہے۔

معمورُ الدَّارِ یہ اس اضافت لفظیہ کی مثال ہے جس میں معمور اسم مفعول ہے جو اپنے معمول مفعول یہ الدار کی طرف مضاف ہے۔

حَسَنُ الْوَجْهِ یہ اس اضافت لفظیہ کی مثال ہے جس میں صفت مشبہ اپنے فاعل الوجہ کی طرف مضاف ہے۔

اضافت لفظیہ کی وجہ تسمیہ:

وَتُسَمّٰى لفظية لانها المجرد التخفيف: یہاں سے مصنفؒ اضافت لفظیہ کی وجہ تسمیہ بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا، چوں کہ یہ اضافت لفظی لفظ میں ایک امر کا فائدہ دیتی ہے اور وہ صرف تخفیف ہے، تعریف اور تخصیص اس سے حاصل نہیں ہوتی۔ اضافت لفظی میں تخفیف فی اللفظ کس طرح ہوتی ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) تخفیف مضاف کے لفظ میں ہو، پھر اگر مضاف مفرد ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں، اس کی تنوین جو حقیقتاً ہو اس کو حذف کیا جائے جیسے ضَارِبُ زیدٍ، یہ اصل میں ضاربٌ زیدًا تھا، مضاف سے تنوین کو حذف کر دیا گیا، یا مضاف میں جو حکماً تنوین پائی جاتی ہے، اس کو حذف کر دیا جائے جیسے حَوَائِجُ بیتِ اللّٰهِ، اس میں حوائجُ مضاف ہے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اضافت سے پہلے ہی تنوین ساقط ہو گئی تھی، لیکن حکماً موجود ہے اور بوجہ اضافت اس کو ساقط کر دیا گیا ہے۔ اور اگر مضاف مفرد نہیں، بلکہ تثنیہ یا جمع ہے، تو پھر اضافت کے وقت نون تثنیہ اور نون جمع کو ساقط کر دیا جائے گا جیسے ضَارِبَا زیدٍ، ضَارِبُوا زیدٍ۔

(۲) یا تخفیف مضاف الیہ کے لفظ میں ہوگی، اس کی صورت یہ ہوگی کہ مضاف الیہ میں جو ضمیر پائی جاتی ہے اس کو حذف کر کے صفت کے صیغہ میں پوشیدہ کر دیا جائے جیسے القائم الغلام، یہ اصل میں القائمُ غلامُهُ تھا، ہاء ضمیر کو غلامهٗ سے حذف کر کے القائم میں اس کو پوشیدہ کر دیا گیا، پھر القائم کو غلام کی طرف مضاف کر دیا گیا، اَلْقَائِمُ الْغُلَامِ ہو گیا۔

(۳) یا تخفیف مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں ہو جیسے حَسَنُ الْوَجْهِ، یہ اصل میں حَسَنٌ وَجْهُهٗ تھا، پس اضافت سے حَسَنٌ کی تنوین اور وجهه کی ضمیر محذوف ہوگئی اور ضمیر کے عوض میں لام تعریف لے آئے پس مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں تخفیف ہوگئی۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اضافت لفظی صرف تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تعریف و تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی تو اب اس پر متفرع کیا جارہا ہے کہ "هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ" کی ترکیب درست ہوگی، اور وہ اس وجہ سے درست ہوگی کہ اس میں بَالِغَ هَدْيًا کی صفت ہے اور موصوف صفت کے درمیان مطابقت ضروری ہے، موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہو اور بالغ الكعبة میں اضافت لفظی کی وجہ سے صرف تخفیف ہے، معرفہ نہیں بلکہ بَالِغَ جس طرح اضافت سے پہلے نکرہ تھا اب بھی نکرہ ہے، اس لیے هَدْيًا کا نکرہ صفت واقع ہونا صحیح ہے، هَدْيًا بالِغَ الكَعْبَةِ (بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ تک پہنچائی جائے، پ ۷، مادہ آیت ۹۵) اسی طرح "ثَانِيَ عِطْفِهٖ" (تکبر کرتے ہوئے جھگڑا کرتے ہیں، پ ۱۷ حج، آیت ۹) میں ثَانِيَ حال کو عِطْفِهٖ معرفہ کی طرف اضافت کرنے کے ساتھ لانا درست ہے کیوں کہ ثانیاً تنوین کو ساقط کر کے تخفیف کیا گیا ہے۔

بَابُ الاِضَافَةِ لَا تُجَامِعُ التَّنوِيْنَ وَلَا النُّوْنَ

یہ باب ایسی اضافت کے بیان میں جو تنوین اور نون کو جمع نہیں کرتی

وَلَا تُجَامِعُ الْإِضَافَةُ تَنْوِيْنًا وَلَا نُوْنًا تَالِيَةً لِلاِعْرَابِ مُطْلَقًا، وَلَا "اَلْ" اِلَّا فِیْ نَحْوِ "الضَّارِبَا زَيْدٍ" وَ "الضَّارِبُوْا زَيْدٍ" وَ "الضَّارِبُ الرَّجُلِ" وَ "الضَّارِبُ رَأْسِ الْجَانِیْ" وَ "الرَّجُلُ الضَّارِبُ غُلَامِهٖ"۔

ترجمہ:- اضافت تنوین اور اعراب کے لیے آنے والے نون کو مطلقاً جمع نہیں کرتی، اور الف لام کو بھی جمع نہیں کرتی، مگر الضاربا زيدٍ، الضَّارِبُوْا زَيْدٍ، الضَّارِبُ الرَّجُلِ، الضَّارِبُ رَأْسِ الْجَانِیْ، اور الرَّجُلُ الضَّارِبُ غُلَامِهٖ۔

اضافت کے وقت تنوین اور نون کا حکم:

وَلَا تُجَامِعُ الاضافةُ تنوينًا ولا نونًا الخ فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں اضافت کے وقت تنوین اور نون کے سقوط کا حکم بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اضافت تنوین اور اعراب کے لیے آنے والے نون اور الف لام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، یعنی مضاف پر نہ تو تنوین آسکتی ہے اور نہ نون

تثنیہ جمع، اسی طرح الف لام کا دخول بھی ناجائز ہے، جیسے جاءنی غلامٌ (یہاں لفظ غلامٌ اضافت سے پہلے تنوین کے ساتھ ہے، لیکن جب اس کی اضافت کر دی جائے کسی اسم کی طرف تو تنوین ساقط ہوجائے گی اور جاءنی غلامُ زیدٍ پڑھا جائے گا بغیر تنوین کے، کیوں کہ مضاف پر تنوین نہیں آتی۔

(۱) طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ بوقت اضافت مضاف سے تنوین کیوں حذف کر دی جاتی ہے؟

جواب: چوں کہ تنوین کمال اسم پر دلالت کرتی ہے اور اضافت نقصان اسم پر، جس وقت ایک اسم کی اضافت دوسرے اسم کی طرف کی جاتی ہے تو مضاف مضاف الیہ سے اکتساب فیض کرتا ہے اور اکتساب فیض کے لیے مکتسِب کا مکتسَب سے ادنیٰ ہونا ضروری ہے اس لیے مضاف سے تنوین حذف کرکے نقصان اسم کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے، اگر تنوین حذف نہ کیا جائے تو دو خرابی لازم آئے گی، ایک تو ایک ہی شئی کا بیک وقت کامل اور ناقص دونوں ہونا لازم آئے گا، دوسری مضاف کمال اسم پر دلالت کرنے کی وجہ سے مضاف الیہ سے اکتساب فیض نہیں کرسکتا۔

اضافت کی صورت میں مضاف سے تنوین ہی کی طرح نون تثنیہ اور نون جمع بھی ساقط ہوجاتی ہیں جیسے جاءنی مُسْلِمَانِ، ومُسْلِمُوْنَ کی جب اضافت کی جائے تو عبارت جاءنی مُسْلِمَاكَ، مُسْلِمُوْكَ ہوگی، اور باری تعالیٰ کا قول "وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ" (اور جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں۔ پ۱۷، الحج آیت ۳۵) میں بھی اضافت کی وجہ سے نون جمع ساقط ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲):

مضاف تو الف لام سے خالی ہوتا ہے، اس کے باوجود المقيمي الصلوة میں مضاف پر الف لام داخل ہے ایسا کیوں؟ چوں کہ المقيمي الصلوة اضافت لفظیہ کی مثال ہے اور اضافت لفظیہ سے تعریف کا فائدہ اس وقت ہوگا جبکہ مضاف معرف باللام ہو۔ لہٰذا تعریف کا فائدہ دینے کے لیے مضاف پر الف لام داخل کیا ہے۔

اور باری تعالیٰ کا قول "إِنَّكُمْ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ" (تم سب کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا، پ۲۳، الصّٰفّٰت، آیت ۳۸) سے نون جمع ساقط ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "إِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ" (ہم اونٹنی کو نکالنے والے ہیں۔ پ۲۷، قمر آیت ۲۷) میں اضافت کی وجہ سے نون محذوف ہے دراصل میں المقيمين، لذائقونَ اور مرسلون تھا۔

ولا نونا تالية للاعراب کی تشریح: تالیۃ للاعراب کے نون سے مراد نون جمع اور نون تثنیہ ہے، اس قید سے مفرد اور جمع تکسیر کے نون سے احتراز کیا ہے، اسی طرح حینٌ اور شیاطین کے نون سے احتراز کیا ہے، اس لیے کہ یہ نون اعراب کے ساتھ مستقل پڑھے جاتے ہیں اعراب کے لیے لائے نہیں جاتے۔ برخلاف نون تثنیہ اور نون جمع کے کہ یہ دونوں اعراب کے لیے لائے جاتے ہیں، لہٰذا هذا حينٌ يا فتى اور هؤلاء شياطينُ يا فتى میں نون ہمیشہ باقی رہے گا اور ان دونوں کا اعراب ضمہ کے ساتھ آئے گا، چنانچہ جب آپ اضافت کرکے پڑھنا چاہیں اور "أتيك حينَ طلوعِ الشمسِ" اور "هؤلاء شياطينُ الانس" کہیں تو اضافت کے بعد بھی نون باقی رہے گا، اس لیے کہ اعراب کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اظہار اعراب کے لیے لایا نہیں گیا ہے۔

وَلا "ال" کی توضیح: بوقت اضافت مضاف سے الف لام بھی ساقط ہو جاتا ہے، چنانچہ جاء الغلامُ کی جب اضافت کی جائے تو جاء غلامُ زيدٍ پڑھا جائے گا، اس لیے کہ الف لام تعریف کے لیے ہے اور اضافت بھی تعریف کے لیے ہوتی ہے۔ اگر الف لام باقی رکھتے ہوئے اضافت کی جائے اور الغلامُ زيدٍ پڑھا جائے تو اس وقت ایک اسم پر دو تعریفوں کا جمع ہونا لازم آئے گا اور یہ تحصیل حاصل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

نکتہ:- مضاف پر تنوین نہیں آتی حالاں کہ "وَجَعَلْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ" کے اندر بَعْضٍ مضاف ہے، کیوں کہ اس کی اصل بَعْضِهِمْ اور اس پر تنوین داخل ہے۔ **جواب:** در اصل بَعْضٍ پر تنوین تنوین عوض ہے یعنی مضاف الیہ کے عوض میں ہے، اگر تنوین نہ آتی تو پھر اس کو مضاف کہا ہی کیوں کر درست ہوتا، اس لیے کہ اس میں مضاف کہنے کی کوئی علامت موجود نہیں۔

مضاف پر الف لام کے دخول کا جواز:

إلّا في نحو "الضاربا زيدٍ، والضاربو زيدٍ" الخ کی تشریح: مذکورہ الصدر احکامات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مضاف پر الف لام کا دخول جائز نہیں، لیکن صاحب کتاب اس عبارت میں مضاف پر الف لام کے دخول کے جواز کی صورتوں کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں، مضاف پر الف لام کا داخل ہونا جائز ہے بشرطیکہ مضاف صیغہ صفت ہو اور مضاف الیہ اس صفت کا معمول ہو اور مندرجہ ذیل امور خمسہ میں سے کوئی امر موجود ہو۔

(۱) مضاف تثنیہ کا صیغہ ہو جیسے الضاربا زيدٍ، اسی طرح عنترہ بن شداد العبسی نامی شاعر نے بھی مضاف معرف باللام استعمال فرمایا ہے۔ جیسے

وَلَقَدْ خَشِيتُ بِأَنْ أَمُوتَ وَلَمْ تَدُرْ لِلْحَرْبِ دَائِرَةٌ عَلَى ابْنَيْ ضَمْضَمِ
الشَّاتِمَيْ عِرْضِي وَلَمْ أَشْتُمْهُمَا وَالنَّاذِرَيْنِ إِذَا لَمْ أَلْقَهُمَا دَمِي

ان دونوں اشعار میں الشَّاتِمَيْ عِرْضِي مضاف ہے، جو تثنیہ کا صیغہ ہے اور معرف باللام ہے۔

(۲) مضاف جمع مذکر سالم ہو جیسے "اَلضَّارِبُوْ زَيْدٍ" اسی طرح ایک شاعر نے جمع مذکر سالم کو مضاف ہونے کی صورت میں معرف باللام استعمال فرمایا ہے۔

اَلْحَافِظُوْ عَوْرَةَ الْعَشِيْرَةِ لَا يَأْتِيْهِمْ مِنْ وَرَائِهِمْ نَطَفُ

چوں کہ اضافت لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، اس وجہ سے الضاربا زید اور الضاربو زید جائز ہے، اس لیے کہ اول مثال میں نون تثنیہ اور ثانی میں نون جمع کے ساقط ہو جانے سے تخفیف حاصل ہوگئی ہے، اور اَلضَّارِبُ زَيْدٍ کہنا ناجائز ہے، کیوں کہ اس میں اضافت کی وجہ سے تخفیف نہیں ہوتی۔ الضارب میں تنوین تو الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اس میں اضافت کو کوئی دخل نہیں۔

(۳) مضاف الیہ الف لام کے ساتھ ہو جیسے اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ، قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ ناجائز ہوتا، کیوں کہ اضافت کی وجہ سے اس میں تخفیف نہیں ہوتی بلکہ الف ولام کی وجہ سے تنوین حذف ہوئی ہے۔ اور جب اضافت لفظی میں تخفیف نہ حاصل ہو تو ایسی اضافت ناجائز ہوتی ہے، اس لیے اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ بھی ناجائز ہونا چاہیے، لیکن یہ محمول ہے اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ کی مختار وجہ پر اس لیے اس کو جائز قرار دیا ہے، اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ میں تین صورتیں ہیں ان میں مختار صورت یہ ہے کہ اَلْحَسَنُ مضاف ہو اور الوجہ مضاف الیہ مجرور ہو اور چوں کہ اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ اور اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ کے اندر اشتراک ہے، اس لیے یہ بھی جائز ہے اور ان میں اشتراک مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں ہے۔ مضاف میں شرکت اس طرح ہے کہ اَلضَّارِبُ اور اَلْحَسَنُ دونوں صفت کے صیغے ہیں اور معرف باللام ہیں۔ اور مضاف الیہ میں شرکت اس طرح ہے کہ اَلرَّجُلِ اور اَلْوَجْهِ دونوں اسم جنس ہیں اور معرف باللام ہیں۔ اور اَلضَّارِبُ زَيْدٍ میں یہ بات نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مضاف الیہ زید ہے اور وہ نہ اسم جنس ہے اور نہ معرف باللام، اس لیے اَلضَّارِبُ زَيْدٍ کو اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اور جب اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تو اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ پر بھی قیاس کرنا صحیح نہیں، کیوں کہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان اشتراک ہونا چاہیے اور اَلضَّارِبُ زَيْدٍ اور اَلضَّارِبُ الرَّجُلِ کے درمیان اشتراک نہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

(۴) مضاف الیہ مضاف ہو ایسے اسم کی طرف جس میں الف لام ہو جیسے اَلضَّارِبُ رَأْسِ الْجَانِي، اور اَلضَّارِبُ رَأْسِ الرَّجُلِ۔

(۵) مضاف الیہ مضاف ہو ایسے ضمیر کی طرف جو مکرر ہو اس اسم پر جس میں الف لام ہو جیسے مَرَرْتُ بِالرَّجُلِ الضَّارِبِ غُلَامَهُ.

ضمیمات باب هٰذا

موصوف صفت میں جانبین سے اضافت کا امتناع:

اضافت صفت کی موصوف کی طرف یا اضافت موصوف کی صفت کی طرف، یہ دونوں قسم کی اضافت ناجائز ہے، جیسے زَيْدٌ عَلِيْمٌ میں زید موصوف ہے اور عَلِيْمٌ صفت ہے تو اگر زید کی اضافت عَلِيْمٌ کی طرف کریں اور زَيْدُ عَلِيْمٍ کہیں تو ناجائز ہے۔ اور ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صفت حقیقت میں عین موصوف ہے اور مضاف الیہ مضاف کے مغائر ہوتا ہے۔ پس اگر موصوف کو اس کی صفت کی طرف مضاف کریں تو عینیت میں غیریت لازم آئے گی اور لازم باطل پس ملزوم بھی باطل ہے یا یوں کہا جائے کہ موصوف دو حال سے خالی نہیں صفت سے اخص ہوگا یا مساوی اگر اخص ہو تو اضافت اخص الی الاعم کا وقوع سے لازم آئے گا اور وہ ناجائز ہے اور اگر مساوی ہو تو اضافت سے کچھ فائدہ حاصل نہیں، تحصیل حاصل ہے۔ اسی طرح اپنے موصوف کی طرف مضاف ہو تو اس وقت غیریت بجائے عینیت کے لازم آئے گی نیز فوقیت تابع کی متبوع پر لازم آئے گی۔ اور وہ ناجائز ہے۔ (ایضاح المطالب ص ۹۶)

سوال: حضرت الاستاذ! آپ کا یہ کہنا کہ موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف نہیں ہوتا ہم یہ نہیں مانتے، اس لیے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ کلام عرب میں بکثرت موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی ہے جیسا کہ مَسْجِدُ الْجَامِعِ اور صَلٰوةُ الْاُوْلٰى۔ پس یہ قاعدہ کلیہ باطل ہو گیا۔

جواب: دراصل یہ امثلہ مذکور متاول ہیں۔ چنانچہ مسجد الجامع اصل میں مسجد الوقت الجامع تھا، پس جامع اس میں وقت کی صفت ہے نہ کہ مسجد کی، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انسانوں کا جمع کرنے والا نماز کا وقت ہے مسجد نہیں ورنہ تمام اوقات میں انسان مسجد میں مجتمع ہوتے اور یہ باطل ہے۔ (ایضاً ص ۹۷)

دو مماثل اسموں میں اضافت کا امتناع اور اس کا سبب:

جب ایک اسم دوسرے اسم کے ساتھ عموم وخصوص میں مماثل اور مشابہ ہو تو ان میں سے کسی ایک کی اضافت دوسرے کی طرف نہیں ہو سکتی، خواہ وہ دونوں اسم عیاں میں سے ہوں جیسے لَيْثٌ اور اَسَدٌ یا معانی اور احداث میں سے ہوں جیسے مَنْعٌ وَحَبْسٌ، اور یہ اضافت اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بغیر اضافت کے جو معنی ہوتے ہیں اضافت کے بعد بھی وہی معنی رہتے ہیں تو پھر اضافت سے کیا فائدہ۔ مثلاً کسی نے رَأَيْتُ لَيْثَ اَسَدٍ اضافت کے ساتھ کہا تو اس کے معنی وہی ہیں

جو رأیتُ لیثًا کے ہیں۔

نکتہ:- مضاف ہونا اسم کا خاصہ ہے حالاں کہ مُوْزَتْ بِوُتِیْوِ کے اندر حروف فعل ہے اور مضاف ہے؟ جواب: مضاف اس وقت اسم ہوتا ہے جب کہ مضاف الیہ سے قبل حرف جر ظاہر نہ ہو، جیسے غلام زید اور اگر حرف جر ظاہر ہو مقدر نہ ہو تو اس وقت مضاف فعل ہوگا مگر فعل کو مضاف کہنا متروک ہے، اسی لیے فعل و فاعل کی ترکیب کرتے ہیں۔ (شرح جامی)

نکتہ:- کبھی کبھی ایک ہی ترکیب میں متعدد مضاف و مضاف الیہ ہوتے ہیں جیسے بَکْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ۔

نکتہ:- علم ذاتی کی اضافت نہیں ہوتی، لیکن علم صفاتی کی اضافت ہوجاتی ہے جیسے سُبْحَانَهٗ۔ بعض اقوال کے مطابق سبحان اللہ کا صفاتی نام ہے اور اضافت ہو رہی ہے۔

نکتہ:- اضافت معنوی کے اندر مضاف پر الف لام داخل نہیں ہوتا مگر شاذ و نادر جیسے ایک قرأت کے مطابق اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ، الذکر مضاف معرف باللام ہے مگر یہ شاذ ہے اور الثلاثة الاثواب، الخمسة الدراهم مضاف معرف باللام ہے اور ضعف میں اور اس طرح کی ترکیب کلام فصحاء میں متروک ہے۔ البتہ ضرورت شعری کی وجہ سے مضاف پر الف لام داخل ہوجاتا ہے۔ (شرح جامی)

بَابٌ یَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهٖ سَبْعَةُ اَشْیَاء

یہ باب اسماء عاملہ کے بیان میں ہے اور وہ سات ہیں

بَابٌ، یَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهٖ سَبْعَةٌ، اِسْمُ الْفِعْلِ، كَهَيْهَاتَ، وَصَهْ، وَوَیْ بِمَعْنَی بَعُدَ، وَاَسْكُتْ، وَاَعْجَبُ، وَلَا یُحْذَفُ، وَلَا یَتَاَخَّرُ عَنْ مَعْمُوْلِهٖ، وَ كِتَابَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ مُتَاَوَّلٌ، وَلَا یَبْرُزُ ضَمِیْرُهٗ، وَیُجْزَمُ الْمُضَارِعُ فِیْ جَوَابِ الطَّلَبِیِّ مِنْهُ، نَحْوُ مَكَانَكِ تُحْمَدِیْ اَوْ تَسْتَرِیْحِیْ وَلَا یُنْصَبُ۔

ترجمہ:- یہ باب ہے، وہ اسم جو عمل کرتا ہے اپنے فعل کا عامل (وہ) سات ہیں۔ (ان میں سے ایک) اسم فاعل ہے جیسے هَیْهَاتَ، صَهْ، اور وَیْ، اَسْكُتْ، اور اَعْجَبُ کے معنی میں ہیں، اور وہ نہ تو حذف کیا جاتا ہے اور نہ اپنے معمول سے مؤخر ہوتا ہے اور کِتَابَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ تاویل شدہ ہے، اور اس کی ضمیر ظاہر نہیں کی جاتی ہے اور فعل مضارع کو جواب طلب میں واقع ہونے کی بناء پر جزم دیا جائے گا جیسے مَكَانَكِ تُحْمَدِیْ اَوْ تَسْتَرِیْحِیْ، اور اسے نصب نہیں دیا جائے گا۔

اسماء عاملہ کی قسمیں:

بابٌ یَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهٖ سَبْعَةٌ: فاضل مصنف جب اسماء مجرورات کو بیان کرنے سے

فارغ ہوئے تو اب یہاں سے اسمائے عاملہ (یعنی ان اسماء کو بیان کرنا شروع کیا جو اپنے افعال کے عمل کرنے کی طرح عمل کرتے ہیں) کو بیان کرنا شروع کیا، اسماء عاملہ سات ہیں۔

اسم فعل، مصدر، اسم فاعل، امثلہ مبالغہ، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل۔

صاحب کتاب یہاں سے مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق اسماء عاملہ کی وضاحت فرمارہے ہیں۔

اسم فعل کی تعریف اور قسمیں:

اسم فعل، فعل نہیں ہوتا بلکہ بظاہر اسم ہوتا ہے، مگر معنی میں فعل کے ہوتا ہے، خواہ فعل ماضی کے معنی میں ہو جیسے هیهات بَعُدَ کے معنی میں، یا فعل امر کے معنی میں ہو جیسے صَهْ بمعنی اُسْكُتْ، یا فعل مضارع کے معنی میں ہو جیسے وَیْ بمعنی أَتَعَجَّبُ، نیز اسم فعل علامت فعل کو قبول نہیں کرتا ہے۔

کَهَیْهَاتَ، وَصَهْ وَوَیْ الخ فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں اسم فعل کے اقسام کو بیان فرمایا ہے، اسم فعل کی تین قسمیں ہیں (۱) فعل ماضی کے معنی میں ہوگا جیسے هَیْهَاتَ بَعُدَ کے معنی میں۔ یہ اپنے بعد آنے والے اسم کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع دیتا ہے جیسے هَیْهَاتَ زَیْدٌ (دور ہوا زید) ترکیب اس طرح ہوگی، ہیہات اسم فعل بمعنی بَعُدَ فعل ماضی، زیدٌ فاعل، فعل فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ جریر بن عطیہ نے بھی اپنے کلام میں هیهات اسم فعل کو بَعُدَ فعل ماضی کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

فَهَیْهَاتَ هَیْهَاتَ الْعَقِیْقُ وَمَنْ بِهٖ وَهَیْهَاتَ خِلٌّ بِالْعَقِیْقِ نُوَاصِلُهٗ

(ترجمہ:- مقام عقیق اور اس کے باشندے ہم سے دور ہو گئے۔ اور مقام عقیق میں رہنے والے وہ دوست واحباب بھی ہم سے دور ہو گئے جن کے ساتھ ہم صلہ رحمی کا معاملہ کیا کرتے تھے۔) اس شعر میں محل استشہاد هیهات الْعَقِیْقُ، اور هیهات خِلٌّ ہے جو اسم فعل ہے اور بَعُدَ فعل ماضی کے معنی میں مستعمل ہے اور اپنے معمول العقیق اور خِلٌّ کو فاعلیت کی بناء پر رفع دے رہا ہے جیسا کہ بذات خود بَعُدَ اپنے مابعد اسم کو فاعلیت کی بناء پر رفع دیتا ہے۔

(۲) فعل امر کے معنی میں ہو جیسے صَهْ، اُسْكُتْ کے معنی میں، یہ اپنے بعد آنے والے اسم کو مفعول بہ ہونے کی وجہ سے نصب دیتے ہیں جیسے "رُوَیْدَ زَیْدًا" (چھوڑ زید کو) ترکیب اس طرح ہوگی، رُوَیْدَ اسم فعل بمعنی أَمْهِلْ امر حاضر ضمیر أَنْتَ فاعل، زیدًا مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ حدیث شریف میں بھی صَهْ، اُسْكُتْ (خاموش رہ) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے حضورؐ نے فرمایا "إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ وَالْإِمَامُ یَخْطُبُ صَهْ فَقَدْ لَغَوْتَ"

(جب تو نے اپنے ساتھی کو صہ کہا درانحالیکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو کام کیا) اس حدیث میں صہ کو اُسْکُتْ فعل امر کے معنی میں استعمال کیا گیا۔

(۳) فعل مضارع کے معنی میں ہو جیسے وَیْ بمعنی اَعْجَبُ (میں تعجب کرتا ہوں) اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ" (بس جی معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ہوتی۔ پ ۲۰، قصص آیت ۸۲) یعنی کافروں کے کامیاب نہ ہونے پر میں تعجب کرتا ہوں۔

بعض لوگوں نے فرمایا کہ "وَیْ" کی اصل "وَا" بمعنی اَعْجَبُ ہے، جیسا کہ قبیلہ بنو تمیم کا ایک مجہول النسب شخص جو راجز کے نام سے جانا جاتا ہے اس نے اپنے کلام میں لفظ وَیْ کو وَا اَعْجَبُ کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔

وَا، بِأَبِیَ أَنْتَ وَفُوكِ الْأَشْنَبُ   كَأَنَّمَا ذُرَّ عَلَيْهِ الزَّرْنَبُ

(واہ خوب ہے، میرا باپ تجھ پر قربان ہو تو اور تیرا منہ شیریں لعاب اور چمکدار دانتوں والا ہے گویا کہ اس پر خوشبودار پاکیزہ جنگلی پودے بسا دیے گئے ہوں۔) اس شعر میں محل استشہاد "وَا" ہے جو وَیْ بمعنی اَعْجَبُ ہے اور کبھی وَیْ وَاهًا بولا جاتا ہے جیسے شاعر کا قول

وَاهًا لِسَلْمٰى ثُمَّ وَاهًا وَاهًا   يَا لَيْتَ عَيْنَاهَا لَنَا وَفَاهَا

(کیا ہی خوب ہے سلمیٰ، پھر کیا ہی خوب ہے، کاش کہ اس کی آنکھیں اور اس کا منہ ہمیں میسر ہوتے) اس شعر میں محل استشہاد "وَاهًا" ہے، تینوں جگہوں میں یہ اسم فعل بمعنی اَعْجَبُ ہے (اس شعر کے قائل کے بارے میں اختلاف ہے، ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ رؤبہ بن العجاج کا کلام ہے۔ دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ ابو نجم فضل بن قدامہ عجلی کا شعر ہے، اور ابو زید انصاری نے اپنے نوادرات میں اکثر اشعار ابو غول طہوی سے نقل فرمایا ہے جس میں یہ شعر بھی مذکور ہے۔

اسم فعل کے احکام:

ولا يحذف ولا يتأخر عن معموله الخ اس عبارت میں فاضل علام نے اسم فعل کے چند احکام کو بیان فرمایا ہے جو بالترتیب مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلا حکم:- اسم فعل اپنے معمول سے کبھی مؤخر نہ ہوگا۔ (اگر کہیں مؤخر ہے تو تاویل شدہ ہے) چنانچہ "عليكَ زيدًا" اِلْزَمْ زيدًا کے معنی میں ہے اسے زيدًا عليك کہنا درست نہیں، کیوں کہ عليك اسم فعل ہے، جس کا معمول زيدًا ہے اب زيدًا عليك کہنے کی صورت میں اسم فعل کا اپنے معمول سے مؤخر ہونا لازم آرہا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

لیکن امام کسائی نے جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے اسم فعل کا معمول سے مؤخر ہونے کو جائز قرار دیا ہے اور اس پر باری تعالیٰ کے قول "كِتَابَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ" (اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کردیا ہے۔ پ ۵، نساء، آیت ۲۴) سے استدلال کیا ہے، کیوں کہ علیکم کتابَ اللہ کے معنی میں ہے یعنی یہ اِلْزَمُوْهُ کے معنی میں ہے، اور بصریین کے نزدیک کتابَ اللّٰهِ عامل محذوف کا مصدر ہے اور علیکم جار مجرور سے مل کر عامل محذوف سے متعلق ہے اور تقدیری عبارت كَتَبَ اللّٰهُ ذَالِكَ كِتَابًا عَلَيْكُمْ ہے۔ اور عامل کے مقدر ہونے پر باری تعالیٰ کا قول "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ" دلالت کرتا ہے، اس لیے کہ تحریم کتابت کو مستلزم ہے اور اس کی تقدیری عبارت حَرَّمَ اللّٰهُ حَرَامًا عليكم اى تحريمًا عليكم ہے۔

دوسرا حکم: وَيُجْزَمُ المضارِعُ فى جواب الطّلبى منه اسم فعل جب طلب کے معنی پر دلالت کرے تو اس کے جواب میں آنے والا فعل مضارع کا مجزوم ہونا جائز ہے جیسے "نَزَالِ نُحَدِّثْكَ" (اترو ہم تجھ سے بات کریں گے) جزم کے ساتھ ہے جو کہ اِنْزِلْ نُحَدِّثْكَ کے معنی میں ہے، اس عبارت میں نَزَالِ اسم فعل ہے جو طلب کے معنی پر دلالت کرتا ہے اور نُحَدِّثْكَ فعل مضارع جواب میں واقع ہے، اس لیے اس کا مجزوم ہونا جائز ہے۔

اسی طرح عمرو بن مناة (جو عمرو بن النسابہ کے نام سے مشہور ہے) کا کلام بھی مذکورہ حکم پر دلالت کرتا ہے جیسے

وَقَوْلِى كُلَّمَا جَشَأَتْ وَجَاشَتْ   مَكَانَكِ تُحْمَدِى أَوْ تَسْتَرِيْحِي

(ترجمہ:- جب جب تو گھبرائی اور غمزدہ ہوئی تو میرا قول یہی رہا کہ تو ثابت قدم رہ کہ تو تعریف کی جائے گی یا تو آرام پائے گی) اس شعر میں محل استشہاد شعر کا دوسرا مصرعہ ہے، جس میں مَكَانَكِ اصل میں ظرف مکان ہے، لیکن ظرف کے معنی سے نقل کرکے اسم فعل بنایا گیا ہے اب یہ اُثْبُتِى کے معنی میں ہے جو طلب پر دلالت کرتا ہے اور تُحْمَدِى جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور علامت جزم نون کا حذف ہونا ہے۔

تیسرا حکم:- وَلَا يُنْصَبُ جب اسم فعل طلب کے معنی پر دلالت کرے اور اس کے جواب میں فعل مضارع فاء کے بعد آئے تو اسے نصب نہیں دیا جائے گا، چنانچہ آپ مَكَانَكِ فَتُحْمَدِى، اور صَهْ فَنُحَدِّثَكَ نہیں کہہ سکتے، برخلاف امام کسائی کے کہ ان کے نزدیک نصب کے ساتھ پڑھنا درست ہے۔

الثانی: المصدر —— دوسری قسم مصدر کا بیان

وَالْمَصْدَرُ كَضَرْبٍ وَإِكْرَامٍ، إِنْ حَلَّ مَحَلَّهُ فِعْلٌ مَعَ أَنْ، أَوْ مَعَ مَا، وَلَمْ يَكُنْ مُصَغَّرًا، وَلَا مُضْمَرًا، وَلَا مَحْدُودًا، وَلَا مَنْعُوتًا قَبْلَ الْعَمَلِ، وَلَا مَحْذُوفًا، وَلَا مَفْصُولًا مِنَ الْمَعْمُولِ، وَلَا مُؤَخَّرًا عَنْهُ، وَإِعْمَالُهُ مُضَافًا أَكْثَرُ، نَحْوُ: "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ" وَقَوْلِ الشَّاعِرِ "أَلَا إِنَّ ظُلْمَ نَفْسِهِ الْمَرْءُ بَيِّنٌ" وَمُنَوَّنًا أَقْيَسُ، نَحْوُ "أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا" وَبِأَلْ شَاذٌّ، نَحْوُ: وَكَيْفَ التَّوَقِّي ظَهْرَ مَا أَنْتَ رَاكِبُهُ.

ترجمہ:- اور مصدر اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے جیسے ضَرْبًا، اور اِکْرَامًا، جبکہ فعل کا اَنْ یا مَا کے ساتھ مصدر کی جگہ آنا درست ہو، اور مصدر مصغّر نہ ہو، نہ مضمر ہو، نہ محدود ہو، عمل سے پہلے منعوت نہ ہو، نہ محذوف ہو، نہ معمول سے فصل کیا گیا ہو، اور معمول سے مؤخر بھی نہ ہو، اور اس کا عمل کرنا اکثر مضاف ہونے کی حالت میں ظاہر ہوگا جیسے "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ" اور شاعر کا قول "أَلَا إِنَّ ظُلْمَ نَفْسِهِ الْمَرْءُ بَيِّنٌ" اور مصدر کا مُنَوَّن ہونے کی حالت میں عمل کرنا زیادہ قرینِ قیاس ہے جیسے "أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا" اور مصدر کا معرف باللام ہونے کی صورت میں عمل کرنا شاذ ہے جیسے وَكَيْفَ التَّوَقِّي ظَهْرَ مَا أَنْتَ رَاكِبُهُ۔

تشریح:- اپنے فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ کی دوسری قسم "مصدر" ہے لیکن فعل کی طرح عمل کرنے کی شرائط تحریر کرنے سے قبل بطور تمہید کے چند بنیادی باتوں کا جان لینا از حد ضروری ہے، تاکہ مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

مصدر کی تعریف اور اس کا عمل:

والمصدر کَضَرْبٍ واکرام الخ اس عبارت سے فاضل مصنفؒ نے مصدر کی تعریف کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ مصدر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو معنی حدثی (قائم بالغیر) پر دلالت کرے اور فعل پر جاری ہو۔ یعنی اس سے افعال وغیرہ نکلتے ہوں جیسے ضَرْبًا (مارنا) یہ ثلاثی مجرد کی مثال ہے اور اِکْرَامًا (عزت کرنا) یہ بابِ افعال کی مثال ہے۔ (یعنی حدثی سے مراد وہ معنی ہے جو بالذات قائم نہ ہو بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہو جو اس پر غیر سے صادر ہو جیسے ضَرْبٌ اور اکرام کہ ضَرْب اور اِکرام ایک معنی ہے جو بالذات قائم نہیں، بلکہ زید وعمرو وغیرہ کے ساتھ قائم ہے جس سے یہ صادر ہوتے ہیں۔ یا

غیر سے صادر نہیں جیسے موت اور جسامت کہ یہ ایک معنی ہیں جو زید وغیرہ کے ساتھ قائم ہیں، لیکن ان سے صادر نہیں ہوتے ہیں۔

مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، پس اگر مصدر لازم ہو تو فاعل کو رفع دے گا، لیکن مصدر اکثر فاعل کی طرف مضاف ہوتا ہے، اس لیے اس کا فاعل لفظوں میں مجرور ہوگا، جیسے اعجبنی قیامُ زیدٍ اس میں قیام مصدر ہے اور زید اس کا فاعل اور یہ مضاف الیہ ہے اس لیے زید پر لفظا جر ہے۔

اگر مصدر متعدی ہے تو فعل متعدی جیسا عمل کرے گا، یعنی فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دے گا خواہ مصدر ماضی کے معنی میں ہو یا حال کے معنی میں یا استقبال کے معنی میں (یہ فعل لازم اور متعدی دونوں کے لیے عام ہے۔)

یہاں بھی فاعل مصدر کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا، البتہ مفعول پر نصب آئے گا، جیسے اَعْجَبَنِی ضَرْبُ زیدٍ عمروًا، اس میں ضَرْبُ مصدر مضاف ہے اور زید اس کا فاعل مضاف الیہ ہے، اس لیے مجرور ہے اور عمروًا مفعول بہ ہے اس لیے منصوب ہے۔ کبھی مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو جاتا ہے، اس وقت مفعول لفظوں میں مجرور ہوگا اور محلا منصوب ہوگا، جیسے عَجِبْتُ مِنْ ضَرْبِ اللِّصِّ الْجَلَّادُ (میں نے تعجب کیا جلاد کے چور کو مارنے سے) اس میں ضَرْبُ مصدر مضاف ہے اور جلاد ضَرْبُ مصدر کا فاعل ہے، اس لیے اس کو رفع ہے اور مصدر کی اضافت مفعول اللِّصّ کی طرف ہونے کی وجہ سے لفظا مجرور ہے۔

مصدر کے عمل کرنے کی شرطیں:

اِنْ حَلَّ مَحَلَّهُ فِعْلٌ مع اَنْ اَوْ مع مَا: فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں مصدر کے فعل کی طرح عمل کرنے کی شرطیں تحریر فرمائی ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں مصدر اپنے فعل کی طرح عمل کرے گا، بشرطیکہ اس میں شرائط ثلاثہ میں سے کوئی ایک شرط پائی جائے۔

پہلی شرط: فعل کا اَنْ کے ساتھ یا مَا کے ساتھ مصدر کی جگہ آنا درست ہو۔ اَنْ کی مثال جیسے "اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُكَ زَیْدًا" (تعجب میں ڈالتا ہے مجھ کو زید کے تیرے مارنے سے) کو یُعْجِبُنِیْ اَنْ تَضْرِبَ عمروًا پڑھنا درست ہے، کیوں کہ دونوں مثالوں میں خواہ ماضی ہو یا مضارع فعل کا ان کے ساتھ مصدر کی جگہ آنا درست ہے، لہٰذا ان دونوں مثالوں میں مصدر نے فعل جیسا عمل کرتے ہوئے زیدًا اور عمروًا کو بربنائے مفعولیت نصب دیا ہے۔ (ترکیب اس طرح ہوگی۔ اَعْجَبَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم مفعول بہ، ضَرْبُ مصدر مضاف، کاف ضمیر خطاب فاعل مضاف الیہ، زیدًا مفعول بہ،

مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور مفعول سے مل کر فاعل ہوا اعجب فعل کا، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔)

لیکن "يَعْجِبُنِي ضَرْبُكَ زيدًا الآنَ" میں أنْ ضَرَبْتَ مصدر کا قائم مقام نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ أنْ ضَرَبْتَ ماضی کے لیے ہے اور أنْ تَضْرِبَ بھی کہنا درست نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ مستقبل کے لیے ہے ہاں مَا کے ساتھ فعل کو استعمال کرکے ماتضرب کہنا درست ہے، اس لیے کہ اس فعل میں حال کا معنی ہے اور يَعْجِبُنِي ضَرْبُكَ زيدًا الآنَ بھی حال کے معنی میں دلالت کرتا ہے لہٰذا یہ درست ہوا۔

ما مصدریہ کو فعل پر داخل کرکے معنی مصدری مراد لینا درست ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی آیت سے استدلال ہوتا ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "بِمَا رَحُبَتْ" باوجود اپنی فراخی کے۔ پ۱۱، سورہ توبہ آیت ۱۱۸) اور باری تعالیٰ کا قول "وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ" (تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں۔ پ۴، آل عمران آیت ۱۱۸) برحبها، وعنتكم مصدر کے معنی میں ہیں۔

ضَرْبًا زيدًا کی تشریح:- اہل عرب کا قول "ضَرْبًا زَيْدًا" میں زیدًا کو ضربًا کا معمول بنانا جائز نہیں۔ برخلاف نحویوں کی ایک جماعت کے، اس لیے کہ مصدر یہاں اس حالت میں ہے کہ فعل بغیر أنْ اور مَا کے اس کا قائم مقام ہو رہا ہے مثلاً اِضْرِبْ زيدًا کہا جاتا ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ زیدًا منصوب کیوں کر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زیدًا دراصل اس فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جو مصدر کے لیے ناصب ہے۔

اسی طرح اہل عرب کا قول "مَرَرْتُ بِزَيْدٍ فَإذَا لَهُ صَوْتٌ صَوْتَ حِمَارٍ" (میں زید کے ساتھ گذرا اس حال میں کہ اس کی آواز گدھے جیسی آواز تھی) میں دوسرے لفظ صوت کو پہلے لفظ صوت کی وجہ سے نصب دینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ پہلا لفظ صوت ایسا مصدر ہے کہ فعل نہ تو حروف مصدر کے ساتھ مثلاً فاذا له أنْ صَوَّتَ یا أنْ يصوت یا ما يصوت اس کا قائم مقام ہوسکتا ہے اور نہ اس کے بغیر، جب کہ مصدر کو اپنے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ فعل کا أنْ یا مَا کے ساتھ اس کی جگہ آنا درست ہو اور مصدر معنی حدثی پر بھی دلالت کر رہا ہو اور یہ صورت یہاں موجود نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عبارت کا معنی ومفہوم مصدر کو اسم الصوت ہونے کی بناء پر بتاویل فعل مراد لینے سے انکار کر رہا ہے، کیوں کہ عبارت مذکورہ سے مراد یہاں إنَّكَ مَرَرْتَ بِهِ وَهُوَ فِي حَالَةِ تَصْوِيْتِهِ ہے (میں گذرا اس کے ساتھ اس حال میں کہ وہ گدھے کی آواز کی حالت میں تھا) یہ معنی ومفہوم نہیں کہ اس نے گزرنے کے وقت آواز پیدا کی لہٰذا شرط کے مفقود ہونے کی جگہ مصدر کے لیے اپنے فعل جیسا عمل کرنا جائز نہیں۔

دوسری شرط ولم یکن مُصَغَّرًا:- مصنفؒ یہاں سے دوسری شرط بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ مصدر مصغر نہ ہو، کیوں کہ تصغیر حقیر کی تحقیر پر دال ہوتی ہے اس کے وجود کے بعد اور فعل حقارت کو قبول نہیں کرتا ہے، اگر مصغر ہوگا تو وہ فعل جیسا عمل نہیں کرے گا جیسے اَعْجَبَنِیْ ضُرَیْبُكَ زیدًا کہنا درست نہیں، کیوں کہ ضُرَیْبٌ اگرچہ مصدر ہے لیکن مصغر ہونے کی وجہ سے فعل جیسا عمل نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ شرط کے خلاف ہے اس بارے میں کسی بھی نحوی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

بعض نحویوں نے جمع مصدر کو مصغر پر قیاس کرتے ہوئے فعل جیسا عمل کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے، کیوں کہ مصغر اور جمع مصدر میں سے ہر ایک فعل کا مباین ہوتا ہے اور وجہ مباین یہ ہے کہ یہ دونوں اسم کی علامات میں سے ہیں، لیکن اکثر نحویوں نے جمع مصدر کو فعل جیسا عمل کرنے کی اجازت دی ہے اور ان لوگوں نے زہیر بن ابو سلمیٰ مزنی کے کلام سے استدلال کیا ہے۔

وَعَدْتَ وَكَانَ الْخُلْفُ مِنْكَ سَجِيَّةً مَوَاعِيْدَ عُرْقُوْبٍ اَخَاهُ بِيَثْرِبِ

(تو نے وعدہ کیا حالاں کہ وعدہ خلافی کرنا تیری ایسی ہی فطرت ہے جیسا کہ عرقوب کا اس کے بھائی کے ساتھ مقام یثرب میں وعدہ خلافی کرنا فطرت میں داخل ہے۔ سَجِيَّةٌ بمعنی فطرت، خصلت، مواعید میعاد یا موعد کی جمع ہے اور موعد وعد کے لیے مصدر میمی ہے۔ عرقوب سے ایک ایسا آدمی مراد ہے جو وعدہ خلافی کرنے میں ضرب المثل تھا) اس شعر میں محل استشہاد "مواعید عرقوب اخاہ" ہے اس لیے کہ مَوَاعِید میعاد یا موعد کی جمع ہے اور موعد وعد کے لیے مصدر میمی ہے، جو کہ فاعل ومفعول میں فعل جیسا عمل کر رہا ہے، جیسا کہ مفرد ہونے کی حالت میں عمل کرتا ہے اس لیے کہ مواعید کی اضافت فاعل (عرقوب) کی طرف ہے، جو کہ محلاً مرفوع ہے اور اخاہ کو بربنائے مفعولیت الف کی شکل میں نصب دیا جو کہ فتحہ کا قائم مقام ہوتا ہے اور یہ اعراب بالحرف اخاہ کے اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔

تیسری شرط ولا مُضْمَرًا:- مصنفؒ یہاں سے تیسری شرط بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ مصدر ضمیر کی شکل میں نہ ہو، اس لیے کہ ضمیر میں فعل کا لفظ نہیں ہوتا، جب کہ فعل جیسا عمل کرنے کے لیے مصدر میں فعل کا لفظ ہونا ضروری ہے لہٰذا "ضَرْبِیْ زیدًا حَسَنٌ وهو عمروًا قَبِيْحٌ" (زید کو میرا مارنا اچھا ہوا اور عمرو کو مارنا برا ہوا) کہنا جائز نہیں، لیکن کوفیین حضرات نے اسے جائز قرار دیا اور اس پر زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی کے کلام سے استدلال کیا ہے۔

وَمَا الْحَرْبُ اِلَّا مَا عَلِمْتُمْ وَذُقْتُمْ وَمَا هُوَ عَنْهَا بِالْحَدِيْثِ الْمُرَجَّمِ

(لڑائی تو وہی ہے جس کے انجام ونتائج خون ریزی وقتل نفوس کے اعتبار سے تم نے جان لیا اور

غیر یقینی خبر کے ذریعہ تم لڑائی کا صحیح علم نہیں جان سکتے) شعر کا مطلب یہ ہے کہ لڑائی کی حقیقت اس وقت معلوم ہوگی جب تم خون بہا کر اور نفس فنا کر کے اس کا تجربہ کرو، صرف غیر یقینی خبر سن کر لڑائی کی حقیقت باعتبار انجام ونتائج کے معلوم نہیں ہو سکتی گویا کہ شاعر لڑائی کی شدت سے اپنے رفقاء کو ڈرا رہا ہے اور اس میں شمولیت سے منع کر رہا ہے۔

اس شعر میں محل استشہاد "وھو عنھا" ہے۔ کوفیین حضرات نے اس شعر سے استدلال اس طرح کیا کہ ھو ضمیر الحرب کی طرف تو راجع نہیں کیوں کہ الحرب مؤنث ہے اور یہ ضمیر مذکر ہے اور اگر بالفرض والمحال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ضمیر الحرب کی طرف راجع ہے تو پھر فساد معنی لازم آتا ہے کیوں کہ اس وقت شعر کا مفہوم وما الحرب عن الحرب بالحدیث المرجم ہوگا حالاں کہ شاعر کا یہ مقصود نہیں، اور حقیقت یہ الحدیث بالعلم سے کنایہ ہے اور اس وقت شعر کا مفہوم ولیس الحدیث من الحرب بالحدیث المظنون بل ھو الحدیث الصادق المتیقن الموثوق بہ ہوگا۔ پس جب ضمیر القول بالحدیث سے کنایہ ہوگا تو عنہا جار مجرور اس سے متعلق ہوگا اور مصدر کا ضمیر کی شکل میں پایا جانا لازم ہوگا۔ لیکن مصنف فرماتے ہیں اس شعر سے استدلال کرنا مناسب نہیں، کیوں کہ یہ شعر قابل تاویل ہے جس پر قاعدہ کی بنیاد درست نہیں۔

چوتھی شرط ولا محدودا:۔ مصنفؒ یہاں سے چوتھی شرط بیان فرما رہے ہیں، وہ یہ کہ مصدر محدود نہ ہو یعنی اس کی حد متعین نہ ہو، اگر مصدر محدود ہوگا تو وہ اپنے فعل جیسا عمل نہیں کرے گا، چنانچہ أَعْجَبَنِيْ ضَرْبَتُكَ زَيْدًا کہنا جائز نہیں، کیوں کہ اس مثال میں ضربۃ مصدر محدود ہے جو ایک مرتبہ مارنے کے لیے آتا ہے چنانچہ زیدا کو ضربۃ مصدر کی وجہ سے نصب آیا ایسا نہیں ہے، ہاں اگر کسی نے مصدر محدود کو اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہوئے کسی شعر میں پایا تو وہ از قبیل شاذ ہے جو قابل استدلال نہیں جیسے شاعر کا قول ؎

يُحَايِيْ بِهِ الْجَلْدُ الَّذِيْ هُوَ حَازِمٌ بِضَرْبَةِ كَفَّيْهِ الْمَلَا نَفْسَ رَاكِبِ

(یا بہت صابر و جری وہ ہے جو اپنی دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر ایک ایک مرتبہ مار کر شہسوار کے نفس کو پانی سے زندہ کر دیتا ہے۔ شاعر نے ایک ایسے آدمی کا وصف بیان کیا جس کے ساتھ پانی تھا اور دوسرا پانی کا محتاج تھا، بعد مطالبہ اس نے اسے پانی دے دیا اور وضو کے بدلہ میں تیمم کرنے کا قصد کیا گویا اس نے اپنے ساتھی کے نفس کو زندہ کیا جو پانی کا محتاج تھا۔) اس شعر میں محل استشہاد "ضَرْبَةِ كَفَّيْهِ الْمَلَا" ہے جس میں ضَرْبَةِ مصدر محدود ہے جو اپنے فاعل "كَفَّيْهِ" کی طرف مضاف ہے اور اپنے مفعول "الْمَلَا" کو بر بنائے مفعولیت نصب دیا ہے۔ رہی بات "نَفْسَ رَاكِبِ" کے منصوب ہونے کی تو یہ

يَعْلِمِي فعل سے مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور شعر کی ترکیبی عبارت یوں ہوگی۔ يَعْلِمِي بقتلو نفس رَاكِب الْعَجَلَة الَّذِي هو حلال بضربة كلهم الملاه

پانچویں شرط وَلَا مَتَعُوتًا قَبْلَ الْعَمَلِ:- اس عبارت میں فاضل مصنف نے پانچویں شرط تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ مصدر اپنے فعل جیسا عمل کرے گا، جو عمل سے پہلے موصوف نہ ہو اگر موصوف ہوگا تو پھر اپنے فعل جیسا عمل نہیں کرے گا، اور أَعْجَبَنِيْ ضَرْبُكَ الشَّدِيْدُ زَيْدًا کہنا بھی جائز نہیں ہوگا چوں کہ اس مثال میں ضَرْبٌ مصدر کے لیے الشَّدِيْدُ صفت لائی گئی ہے لہٰذا زیدًا کا منصوب ہونا ضَرْبٌ مصدر کی وجہ سے نہیں ہے، اس لیے کہ یہ اپنے فعل جیسا عمل نہیں کر رہا ہے شرط مفقود ہونے کی وجہ سے۔ ہاں اگر صفت کو مصدر سے مؤخر کر کے بیان کیا جائے تو اس وقت مصدر کا فعل جیسا عمل کرنا جائز ہوگا جیسے شاعر کا قول

إِنَّ وَجْدِيْ بِكَ الشَّدِيْدَ أَرَانِيْ ۔۔۔ عَاذِرًا فِيْكَ مَنْ عَهِدْتُ عَذُوْلًا

(یقیناً تجھ سے مجھے سخت محبت ہے اور میری محبت لوگوں کے سامنے ظاہر بھی ہوگئی ہے لہٰذا انہوں نے میرے بارے میں یہ سمجھا کہ تیری محبت میں عذر کروں گا ان کے سامنے جن سے میں نے عذر و ملامت کا وعدہ کیا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "وَجْدِيْ بِكَ الشَّدِيْدَ" ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ وَجْدٌ مصدر ہے جو الشَّدِيْد کا موصوف ہے اور بِكَ جار مجرور سے مل کر مصدر سے متعلق ہے پھر جب اس متعلق کو وصف پر مقدم کر دیا تو مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنا جائز ہو گیا، اگر متعلق کو مؤخر کر دیا جائے اور "إِنَّ وَجْدِيْ الشَّدِيْدَ بِكَ" کہا جائے تو مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنا جائز نہیں ہوگا کیوں کہ اس صورت میں شرط مفقود ہو رہی ہے، حالاں کہ مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عمل سے پہلے موصوف نہ ہو۔

چھٹی شرط وَلَا مَحْذُوْفًا:- فاضل مصنف نے اس عبارت میں چھٹی شرط تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ مصدر محذوف نہ ہو، اگر مصدر محذوف ہوگا تو اس وقت فعل جیسا عمل نہیں کرے گا، کیوں کہ مصدر کو اپنے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے لفظاً مذکور ہونا ضروری ہے، تاکہ الفاظ و حروف کے اعتبار سے فعل کو مصدر کے ساتھ مناسبت برقرار رہے۔ یہ یاد رہے کہ اس شرط کے ذریعہ اس فریق کی تردید فرمائی ہے جس کا نظریہ ہے کہ "مَالَكَ وَزَيْدًا" میں زیدًا مصدر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے اور اصل عبارت "وَمُلَابَسَتُكَ زَيْدًا" ہے اسی طرح اس فریق کے مذہب کی تردید فرمائی ہے جس نے کہا "بِسْمِ اللّٰهِ" کی اصل عبارت اِبْتِدَائِيْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَابِتٌ تھی، مبتدا و خبر حذف کر دیئے گئے اور مبتداء کے معمول کو باقی رکھا اور استدلال میں جریر بن عطیہ کے اس کلام کو پیش کیا ہے جس میں اس نے اخطل تغلبی نصرانی کی

قراءت پیش فرمائی ہے۔

هَلْ تَذْكُرُوْنَ اِلَى الدِّيْرَيْنِ هِجْرَتُكُمْ وَمَسْحَكُمْ صُلْبَكُمْ رَحْمٰنُ قُرْبَانَا

(کیا تم لوگ یاد کرتے رہو اپنا ترک وطنی دو دیر مکی اور صلیبوں کو دونوں معبدوں تک اور تمہارا قول یہ ہے اے ہمارے پروردگار ہماری قربانیوں کو قبول فرما) اس شعر میں محل استشہاد "رَحْمٰنُ" ہے جو مصدر محذوف "اَلْقَوْلُ" کا معمول ہے، مصدر محذوف نے اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہوئے بربنائے مفعولیت نصب دیا ہے، (رحمٰنُ منادی، حروف نداء محذوف کی وجہ سے مبنی علی الضم ہے جو کہ منصوب ہے۔) اور اصل عبارت قولکم یا رحمانُ قُربانَاً ہے۔

ساتویں شرط وَلَا مَفْصُوْلًا مِنَ الْمَعْمُوْلِ: یہاں سے مصنفؒ نے مصدر کے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے ساتویں شرط بیان کی ہے وہ یہ کہ مصدر اپنے معمول سے جدا نہ کیا گیا ہو، اگر مصدر اپنے معمول سے جدا ہوگا تو اس وقت فعل جیسا عمل نہیں کر سکے گا۔ اس عبارت کے ذریعہ فاضل علامؒ نے اس پر رد کیا ہے، جس کا نظریہ ہے کہ "يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ" لِرَجْعِهٖ کے لیے معمول ہے، حالاں کہ ایسی بات نہیں اس لیے کہ مصدر اور معمول کے درمیان خبر کے ذریعہ فصل کیا گیا ہے لہٰذا یومَ کو رَجْعٌ مصدر کی وجہ سے نصب نہیں آیا ہے، بلکہ کسی دوسرے عامل کی وجہ سے آیا ہے۔

آٹھویں شرط وَلَا مُؤَخَّرًا عَنْهُ:۔ مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے آٹھویں شرط یہ ہے کہ وہ اپنے معمول سے مؤخر نہ ہو لہٰذا "أَعْجَبَنِيْ زَيْدًا ضَرْبُكَ" کہنا درست نہیں، کیوں کہ زَیْدًا معمول مقدم ہے۔ اور ضَرْبٌ مصدر اپنے معمول سے مؤخر ہے، مصدر اپنے معمول سے مؤخر ہونے کی صورت میں عمل اس لیے نہیں کر سکتا کہ مصدر عمل کرنے میں ضعیف ہے اور عامل ضعیف معمول مقدم میں عمل نہیں کر پاتا، یہ جمہور نحاۃ کے مذہب کے مطابق ہے، البتہ امام سہیلی نے عمل کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس وقت جب کہ معمول مقدم جار مجرور کی شکل میں ہو اور اس پر استدلال کیا باری تعالیٰ کے قول "لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا" (نہ وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔ پ۱۶، کہف، آیت ۱۰۸) میں حِوَلًا مصدر ہے جو مؤخر ہے اور عَنْهَا جار مجرور سے مل کر متعلق ہے جو معمول مقدم ہے۔

اسی طرح اہل عرب کا قول "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا فَرَجًا وَمَخْرَجًا" میں فَرَجًا مصدر مؤخر ہے اور مِنْ اَمْرِنَا معمول مقدم ہے، جو کہ منصوب ہے۔

مصدر کی قسمیں:

وَاَعْمَلُهٗ مُضَافًا اَكْثَرُ الخ فعل جیسا عمل کرنے والے مصدر کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم: مصدر مضاف یا غیر کی دونوں قسموں کے بالفاعل کثیر الاعمال ہوتا ہے۔

مصدر مضاف کی دو قسمیں ہیں: (۱) مضاف للفاعل (۲) مضاف للمفعول۔ مضاف للفاعل کا مطلب یہ ہے کہ مصدر فاعل کی طرف مضاف ہو، اگر مصدر فاعل کی طرف مضاف ہو تو اس وقت فاعل لفظاً مجرور ہوگا اور معنیً مرفوع۔ اس لیے کہ وہ اس کا فاعل ہے، اور اگر مفعول بہ مذکور ہوگا تو وہ منصوب ہوگا، اسے نحو کی اصطلاح میں اضافت المصدر الی الفاعل کہا جاتا ہے جیسے "وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ" (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ بعض آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ سے دفع کرتے ہیں۔ پ۲، البقرہ آیت ۲۵۱) میں دَفْعُ مصدر، اللّٰہ فاعل کی طرف مضاف ہے اور النَّاسَ بربناء مفعولیت منصوب ہے۔

باری تعالیٰ کا قول "وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ" (اور سبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے، حالانکہ ان کو اس کی ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ سے کھا جاتے تھے۔ پ۶، النساء آیت ۱۶۱) میں اَخْذ مصدر، ھُمْ ضمیر فاعل کی طرف مضاف ہے اور الرِّبٰوا بربناء مفعولیت منصوب ہے، اسی طرح اَكْل مصدر ھُمْ ضمیر فاعل کی طرف مضاف ہے اور اَمْوَالَ النَّاسِ مفعول ہے۔

مضاف للمفعول کا مطلب یہ ہے کہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہو تو اس وقت مفعول بہ لفظاً مجرور ہوگا اور معنیً منصوب اور اگر فاعل ذکر ہوگا تو وہ لفظاً مرفوع ہوگا، نحو کی اصطلاح میں اسے اضافت المصدر الی المفعول کہا جاتا ہے جیسے شاعر کا قول

اَلَا اِنَّ ظُلْمَ نَفْسِهِ الْمَرْءُ بَيِّنٌ اِذَا لَمْ يَصُنْهَا عَنْ هَوًى يَغْلِبُ الْعَقْلَا۔

(یاد رکھو! انسان کا اپنے نفس پر ظلم کرنا واضح ہے، کیوں کہ اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے محفوظ نہیں رکھا، لہٰذا خواہشات نے عقل کو مغلوب کر دیا۔ (اس شعر میں محل استشہاد "ظُلْمَ نَفْسِهِ الْمَرْءُ" ہے جس میں ظُلْمَ مصدر کی اضافت نَفْسِهِ مفعول کی طرف ہو رہی ہے اور اس کے بعد اَلْمَرْءُ فاعل ہے جو لفظاً و معنیً مرفوع ہے۔

نبی آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان وَحِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" میں حِجُّ مصدر کی اضافت اَلْبَيْت کی طرف ہو رہی ہے جو مفعول ہے اور مَنْ اسم موصول الذی کے معنی میں ہے فاعل ہے اور معنیً مرفوع ہے، اسی طرح امام سیبویہ کی کتاب "شواہد سیبویہ" میں فرزدق شاعر کا کلام مذکور ہے جو اضافت المصدر الی المفعول کے قبیل سے ہے۔

تَنْفِىْ يَدَاهَا الْحَصٰى فِىْ كُلِّ هَاجِرَةٍ نَفْىَ الدَّرَاهِيْمِ تَنْقَادُ الصَّيَارِيْفِ

(بے شک یہ اونٹنی شدت تپش کے باوجود نصف النہار کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں سے

سنگریزے کو زمین سے دور کرتی ہے، جیسا کہ دراہم و دنانیر کو پرکھنے والا صیرفی کھوٹے دراہم کو دور کر دیتا ہے۔) دراصل شاعر نے اس شعر میں اپنی اونٹنی کے اوصاف حسنہ کو بیان فرمایا ہے اور شدت گرمی کے باوجود نصف النہار کے وقت راستے قطع کرنا اور سنگریزے کو دور کرنا قوت و صلابت اور سرعت رفتاری سے کنایہ ہے) اس شعر میں محل استشہاد "نَفْيَ الدَّرَاهِيْمَ تَنْقَادُ الصَّيَارِيْفِ" ہے اس طرح کہ نَفْيَ مصدر کی اضافت الدَّرَاهِيْم مفعول کی طرف کی گئی ہے اور اس کے بعد تَنْقَادُ فاعل لایا گیا جو مرفوع ہے، نَفْيَ مصدر تَنْفِي فعل سے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے لفظاً منصوب ہے۔ (ھاجرہ سے مراد نصف النہار عند اشتداد الحر، الدَّرَاهِيْم درہم کی جمع ہے جو اصل میں الدراھم بدون الیاء ہے لیکن کسرہ میں درازی صورت کے لیے یا لاحق ہوگئی ہے۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ درھام کی جمع ہے جیسے قرطاس کی جمع قَرَاطِيْس ہے۔ نَفْيَ بمعنی دفع کرنا، الْحَصٰى بمعنی سنگریزے، تَنْقَادُ نقد مصدر کے معنی میں ہے جیسا کہ تذکار ذکر مصدر کے معنی، الصَّيَارِيْف صیرف کی جمع ہے بمعنی سکے بدلنے والا) یہاں یہ بات دھیان رہے کہ اضافت مصدر الی الفاعل بمقابلہ الی المفعول کے کثیر الاستعمال ہے، کیوں کہ احتیاج فعل یا شبہ فعل پر دو کی اضافت فاعل کی طرف زیادہ ہے۔

دوسری قسم مصدر منون۔ وَمُنَوَّنًا اَقْيَسُ الخ اس عبارت میں فاضل مصنفؒ نے مصدر عامل کی دوسری قسم کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مصدر عامل کی دوسری قسم مصدر منون ہے، مصدر کا منون ہو کر عمل کرنا مضاف ہو کر عمل کرنے کے مقابلہ میں اولی اور اقیس ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مصدر منون باعتبار تنکیر کے فعل کے مشابہ ہوتا ہے یعنی جس طرح مصدر منون ہونے کی حالت میں نکرہ ہوتا ہے، اسی طرح فعل بھی الف لام اور اضافت سے خالی ہونے کی وجہ سے مثل نکرہ ہوتا ہے، کیوں کہ الف لام اور اضافت دونوں علامات اسم میں سے ہیں، لہٰذا مصدر منون باعتبار تنکیر کے فعل کے مشابہ ہوگیا اور جب فعل کے مشابہ ہوگیا تو اب مصدر کا اپنے فعل جیسا عمل کرنا اولی ہوگا جیسے باری تعالیٰ کا قول "اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا" (یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو۔ پ ۳۰، بلد آیت ۱۵) کی تقدیری عبارت "اَوْ اَنْ يُطْعِمَ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا" ہے، جس میں اِطْعَامٌ مصدر منون ہو کر فعل جیسا عمل کر رہا ہے اور یہ باعتبار تنکیر کے فعل کے مشابہ ہوتا ہے۔

تیسری قسم مصدر معرف باللام۔ وَبِاَلْ شَاذٌ الخ مصدر عامل کی تیسری قسم مصدر معرف باللام ہے، کبھی مصدر عامل معرف باللام ہوتا ہے، لیکن مصدر کا عمل لام کے ساتھ شاذ ہے۔ یعنی کبھی کبھی مصدر معرف باللام ہونے کی شکل میں اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے، لیکن معرف باللام ہونے کی صورت میں فعل جیسا عمل کرنا قیاس اور استعمال دونوں اعتبار سے شاذ ہے۔ جیسے شاعر کا قول۔

عَجِبْتُ مِنَ الرِّزْقِ الْمُسِيْءِ إِلٰهَهُ وَمِنْ تَرْكِ بَعْضِ الصَّالِحِيْنَ فَقِيْرًا

(گنہگار آدمی کو اس کے معبود کے رزق دینے اور بعض نیکوکاروں کو فقر کی حالت میں چھوڑ دینے کی وجہ سے مجھے تعجب ہے۔ یعنی اس بات پر مجھے سخت تعجب ہے کہ گنہگار آدمی کو پروردگار رزق دیتا ہے اور اپنے برگزیدہ بندوں کو فقر و فاقہ کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔) اس شعر میں محل استشہاد "الرِّزْقِ الْمُسِيْءِ إِلٰهَهُ" ہے، وجہ استدلال اس طرح ہے کہ "الرِّزْقِ" مصدر معرف باللام کی اضافت اس کے مفعول "المسيء" کی طرف ہے جو لفظاً مجرور ہے اور معنی منصوب ہے اور اس کے بعد "إلٰهَهُ" فاعل ہے لیکن مصدر معرف باللام کا یہ عمل قیاساً اور استعمالاً دونوں اعتبار سے شاذ ہے۔ قیاساً شذوذ کی مختصر توجیہ یہ ہے کہ مصدر فعل پر محمول ہونے کے ساتھ عمل کرتا ہے اور مصدر کا الف لام کے ساتھ مقترن ہونا فعل سے مشابہت نہ رکھنے کو دور کر دیتا ہے لہٰذا عدم مناسبت کی بناء پر یہ عمل شاذ ہے۔

اور استعمالاً شذوذ کی توجیہ یہ ہے کہ کلام عرب میں اس طرح کی ترکیب نادر الوجود ہے اس لیے کہ مصدر اس فعل کی تقدیر میں ہوتا ہے جو ان کے ساتھ ہوتا ہے اور فعل یا ان پر لام تعریف کا داخل ہونا جائز نہیں۔ پس مناسب یہ ہے کہ مصدر مؤول بہ پر بھی لام داخل نہ ہو، لیکن چوں کہ مصدر عامل بالذات ہے اس لیے اس پر لام تعریف کا داخل ہونا بر سبیل قلت جائز ہے۔

ضمیمات باب ہذا

مصدر و اسم مصدر میں فرق: مصدر وہ اسم ہے جس سے افعال و اسماء مشتق ہوں، اور اردو میں اس کا ترجمہ کرتے ہوئے "نا" آئے، اور اسم مصدر سے فعل وغیرہ مشتق نہیں ہوتے اور وہ مصدر کے معنی میں ہوتا ہے جیسے سواء اسم مصدر ہے بمعنی استواء، اسی طرح غَسْلٌ بمعنی اِغْتِسَال۔

مصدر اور فعل میں فرق: مصدر سے فاعل حذف کیا جا سکتا ہے نہ کہ فعل سے جیسے "وَاِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا"۔

مصدر اور مفعول مطلق میں فرق: مصدر کے اندر معنی حدثی بھی ہوتے ہیں اور اس سے افعال بھی مشتق ہوتے ہیں جب کہ مفعول مطلق میں صرف اتنی قید ہے کہ وہ اپنے فعل کے ہم معنی ہیں اس سے فعل کا مشتق ہونا ضروری نہیں ہے، چنانچہ أَهْلَكَهُ اللّٰهُ وَيْحَةً میں وَيْحَةً مفعول مطلق ہے اور اپنے فعل کے ہم معنی ہے۔ مگر مصدر نہیں ہے، لہٰذا ہر مصدر مفعول مطلق تو بن سکتا ہے، مگر ہر مفعول مطلق کا مصدر ہونا ضروری نہیں ہے۔ (بحوالہ مشکل ترکیبوں کا آسان حل ص ۳۳۰)

شاذ و نادر میں فرق: شاذ تین معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) خلاف قیاس (۲) غیر فصیح

(٣) قلیل الاستعمال۔ شاذ کی تین قسمیں ہیں (١) کوئی کلمہ قاعدہ کے خلاف ہو اور استعمال کے مطابق ہو (٢) قاعدہ کے مطابق ہو اور استعمال کے خلاف ہو اور یہ دونوں مقبول ہیں (٣) دونوں کے خلاف ہو اور یہ غیر مقبول ہے۔ اور نادر وہ ہے جو موافق قیاس ہو۔ لیکن قلیل الاستعمال ہو۔

فعل پر تنوین کیوں؟ فعل پر تنوین نہیں آتی، حالاں کہ لَنَسْفَعًا صیغہ جمع متکلم پر تنوین داخل ہے، اسی طرح لَيَكُوْنًا پر بھی۔ ایسا کیوں؟ **الجواب:** لَنَسْفَعًا اور لَيَكُوْنًا پر جو تنوین نظر آرہی ہے وہ نون خفیفہ ہے، فقط رسم الخط کے اعتبار سے تنوین ہے، دراصل لَنَسْفَعَنْ اور لَيَكُوْنَنْ ہے اور قرآن کریم کا رسم الخط چوں کہ توقیفی ہے اس لیے اسی طرح لکھا جائے گا۔

اَلثَّالِثُ: اِسْمُ الْفَاعِلِ: وَشُرُوطُ اِعْمَالِهِ

تیسری قسم: اسم فاعل اور اس کے عمل کرنے کی شرطوں کے بیان میں

وَاسْمُ الْفَاعِلِ كَضَارِبٍ وَمُكْرِمٍ، فَاِنْ كَانَ بِاَلْ عَمِلَ مُطْلَقًا اَوْ مُجَرَّدًا فَبِشَرْطَيْنِ، كَوْنِهِ حَالًا اَوْ اِسْتِقْبَالًا، وَاعْتِمَادِهِ عَلٰى نَفْيٍ اَوْ اِسْتِفْهَامٍ اَوْ مُخْبَرٍ عَنْهُ اَوْ مَوْصُوْفٍ، وَ "بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ" عَلٰى حِكَايَةِ الْحَالِ، خِلَافًا لِلْكِسَائِيِّ، وَ "خَبِيْرٌ بَنُوْ لِهْبٍ" عَلَى التَّقْدِيْمِ وَالتَّاخِيْرِ، وَتَقْدِيْرُهُ: خَبِيْرٌ كَظَهِيْرٍ، خِلَافًا لِلْاَخْفَشِ.

ترجمہ:۔ اور اسم فاعل (بھی اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے) جیسے ضَارِبٌ اور مُكْرِمٌ، پس اگر (اسم فاعل) الف لام کے ساتھ ہو تو مطلقاً عمل کرے گا، یا الف لام سے خالی ہو تو پھر دو شرطوں کے ساتھ عمل کرے گا حال یا استقبال کی صورت میں (یعنی جب اسم فاعل مجرد عن اللام ہو تو اس وقت اپنے فعل جیسا عمل کرے گا بشرطیکہ وہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو) اور اس کا اعتماد حرف نفی یا حرف استفہام، یا مخبر عنہ یا موصوف ہو، اور بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ، حکایت حال پر محمول ہے، اس میں امام کسائی کا اختلاف ہے، اور خَبِيْرٌ بَنُوْ لِهْبٍ، تقدیم و تاخیر پر محمول ہے، اور اس کی تقدیری عبارت خَبِيْرٌ كَظَهِيْرٍ ہے، لیکن امام اخفش نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

اسم فاعل سے مراد اور اس کا عمل:

واسم الفاعل كضارب الخ فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ میں سے تیسری قسم اسم فاعل ہے۔ خط کشیدہ عبارت سے فاضل مصنفؒ نے اسم فاعل کی تعریف و مثال کی طرف اشارہ فرمایا

ہے۔ اسم فاعل ایسے وصف کو کہتے ہیں جو کام کرنے والے پر دلالت کرے اور مضارع کے حرکات سکنات پر جاری ہو سکے جیسے ضَارِبٌ، یہ ثلاثی کی مثال ہے اور مُکْرِمٌ رباعی کی مثال ہے۔

اسم فاعل فعل معروف کا عمل کرتا ہے یعنی لازم ہونے کی صورت میں فاعل کو رفع اور مفعول مطلق مفعول لہ، مفعول معہ، مفعول فیہ، حال، تمیز، اور مستثنیٰ کو نصب دیتا ہے اور متعدی ہونے کی صورت میں فاعل کو رفع اور مفعول بہ، مفعول مطلق، مفعول لہ، معہ، فیہ، حال، تمیز اور مستثنیٰ کو نصب دیتا ہے۔

اسم فاعل کی صورت:

قَوْلُهُ: فَإِنْ كَانَ بِأَلْ عَمِلَ مُطْلَقًا الخ کی تشریح: اس عبارت میں فاضل مصنف نے اسم فاعل کے عمل کرنے کی صورتیں تحریر فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم فاعل کی دو صورتیں ہیں، یا تو معرف باللام ہوگا یا الف لام سے خالی ہوگا۔ اگر معرف باللام ہے تو مطلقاً عمل کرے گا خواہ زمانہ ماضی میں ہو یا حال میں یا استقبال میں جیسے جاءَ الضَّارِبُ زَيْدًا أَمْسِ، یہ ماضی کی مثال ہے اور اَلْآنَ حال کی مثال ہے اور غدًا استقبال کی مثال ہے۔ مطلقاً عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ لام موصول کے ساتھ معرف ہو یا لام تعریف کے ساتھ تو اس پر تمام زمانے برابر ہیں۔ یعنی اس وقت وہ مفعول بہ میں عمل کرے گا خواہ وہ بمعنی ماضی ہو خواہ بمعنی حال یا خواہ بمعنی استقبال۔ نیز اس وقت کسی چیز پر اعتماد کی بھی شرط نہیں ہے۔ اس لیے کہ لام موصول داخل ہونے کے وقت اسم فاعل بحسب معنی فعل ہے اگرچہ بحسب صورت اسم ہے اور فعل کے عمل کرنے کے لیے اس میں تمام زمانے برابر ہیں پس اَلضَّارِبُ بمعنی اَلَّذِیْ ضَرَبَ ہے جیسے جاءَ الضَّارِبُ زَيْدًا أَمْسِ أَوِ الْآنَ، أَوْ غَدًا (وہ آیا جو زید کو گزشتہ کل مارا یا اس وقت مارتا ہے یا کل کو مارے گا) یعنی اَلضَّارِبُ کو ماضی مراد لیا جائے تو ضَرَبَ کے قائم مقام ہوگا، اور اگر حال یا استقبال مراد لیا جائے تو يَضْرِبُ کے قائم مقام ہوگا۔ فعل جس طرح تمام حالتوں میں عمل کرتا ہے اسی طرح اسم فاعل اس کے قائم مقام ہو کر عمل کرے گا اور امرء القیس بن حجر الکندی کا وہ کلام جو اس وقت کہا تھا جب کہ بنو اسد نے اس کے باپ کو قتل کر دیا اور اس سے خون بہا کا مطالبہ کے لیے نکلا مذکورہ شعر سے قبل امرء القیس کا یہ شعر ہے۔

وَاللّٰهِ لَا يَذْهَبُ شَيْخِي بَاطِلًا   حَتّٰى أُبِيْرَ مَالِكًا وَكَاهِلًا

(قسم خدا کی میرے باپ کا خون بیکار اور رائیگاں نہیں جا سکتا عنقریب میں قبیلہ مالک اور کاہل کو ہلاک کر دوں گا)

اَلْقَاتِلِيْنَ الْمَلِكَ الْحُلَاحِلَا   خَيْرَ مَعَدٍّ حَسَبًا وَنَائِلَا

(شرافت خاندانی اور داد و دہش کے اعتبار سے سرفراز قبیلہ معد کے نیک با ہمت بادشاہ کو انہوں

نے قتل کر دیا) اس شعر میں محل استشہاد "الْقَاتِلِيْنَ الْمَلِكَ" ہے جو فعل ماضی قتل کے معنی میں ہے، کیوں کہ قبیلہ اسد والوں نے اس کے والد کو اس سے پہلے قتل کر دیا تھا، اور فعل کی طرح عمل کرتے ہوئے الْمَلِكَ الْحُلَاحِلَا مفعول بہ کو بر بناء مفعولیت نصب دے رہا ہے۔

أَوْ مُجَرَّدًا فَبِشَرْطَيْنِ كَوْنِهِ حَالًا أَوْ اِسْتِقْبَالًا الخ اور اگر اسم فاعل الف لام سے خالی ہو تو دو شرطوں کے ساتھ فعل کی طرح عمل کرے گا۔ پہلی شرط: یہ کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو، فعل ماضی کے معنی میں نہ ہو، اور یہ شرط اسم فاعل کا فعل مضارع کے ساتھ صورۃً اور معنیً مشابہ ہونے کی وجہ سے عمل کرتا ہے، لہٰذا ضروری ہوا کہ وہ معنی میں حال یا استقبال کے ہو تا کہ مضارع کے ساتھ مشابہت معنوی بھی متحقق ہو جائے، لیکن امام کسائی، ہشام اور ابن مضاء نے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ فعل ماضی کے معنی میں ہونے کی صورت میں بھی اسم فاعل کو عمل دلایا جائے گا اور انہوں نے باری تعالیٰ کا قول "وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ" (اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔ پ ۱۵، کہف آیت ۱۸) سے استدلال کیا ہے کہ بَاسِطٌ اسم فاعل ہے جو بَسَطَ فعل ماضی کے معنی میں ہے اور آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا جو مذکور ہوا۔ فاضل مصنف نے مخالفین کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ آیت حکایت حال مراد لینے پر دلالت کرتی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بَاسِطٌ اسم فاعل کی جگہ يَبْسُطُ فعل مضارع کا وقوع درست ہو رہا ہے۔ اور وَكَلْبُهُمْ يَبْسُطُ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ کہہ سکتے ہیں۔ اور حکایت حال مراد لینے کی دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ حالیہ ہے۔ اس میں واؤ حال کے لیے ہے اور باری تعالیٰ کا قول "وَنُقَلِّبُهُمْ" کو وَقَلَّبْنَاهُمْ نہیں کہہ سکتے، ان قرائن کی بناء پر آیت کریمہ حکایت حال پر دلالت کرتی ہے لہٰذا مخالفین کا استدلال کرنا قابل قبول نہیں۔

دوسری شرط: یہ کہ وہ نفی، یا استفہام، یا مخبر عنہ (مبتداء) یا موصوف، یا موصول، یا ذوالحال پر اعتماد کیے ہوئے ہو اور اعتماد کے لغوی معنی تکیہ کرنے کے ہیں۔ اور مرادی معنی یہ ہے کہ اسم فاعل اپنے سے پیشتر کے ساتھ کچھ نہ کچھ علاقہ رکھتا ہو اور یہاں مراد یہ ہے کہ اسم فاعل سے پیشتر یہ چیزیں ہوں جن پر اسم فاعل تکیہ کیے ہوئے ہو یعنی وہ اسم فاعل ان سے کچھ نہ کچھ علاقہ رکھتا ہو۔

حرف نفی کی مثال جیسے شاعر کا قول ؎

خَلِيْلَيَّ مَا وَافٍ بِعَهْدِيْ أَنْتُمَا إِذَا لَمْ تَكُوْنَا لِيْ عَلَى مَنْ أُقَاطِعُ

(اے میرے دوستو! تم دونوں میرے پیمان (محبت) کو پورا کرنے والے نہ ہو سکو گے جب تک کہ تم ان لوگوں کے مخالف ہو کر میرے (مددگار) نہ ہو جاؤ جن سے میں قطع تعلق رکھتا ہوں) اس شعر میں محل استشہاد "مَا وَافٍ أَنْتُمَا" ہے کہ وَافٍ صیغہ صفت، اسم نفی پر اعتماد کی شرط کے ساتھ أَنْتُمَا کو رفع

دے رہا ہے۔ واضح رہے کہ واف کو خبر مقدم اور انتما کو مبتداء مؤخر نہیں بنایا جا سکتا ورنہ خبر کا مفرد اور مبتداء کا تثنیہ ہونا لازم آئے گا۔ اس شعر میں ان لوگوں پر رد ہے جو مبتداء کی قسم ثانی میں ضمیر منفصل کو صیغہ صفت کا فاعل بنانے کے حق میں نہیں ہے۔ استفہام پر اعتماد کی مثال:

أَقَاطِنٌ قَوْمُ سَلْمَى أَمْ نَوَوْا ظَعَنَا   إِنْ يَظْعَنُوا فَعَجِيبٌ عَيْشُ مَنْ قَطَنَا

(کیا سلمی کی قوم قیام کرنے والی ہے یا اس نے کوچ کا ارادہ کر لیا ہے، اگر کوچ کرے گی تو اس شخص کا جینا عجیب ہو جائے گا جو یہاں مقیم رہے گا۔) اس شعر میں محل استشہاد "أَقَاطِنٌ قَوْمُ سَلْمَى" ہے کہ قَاطِنٌ استفہام پر اعتماد کے ساتھ قوم کو رفع دے رہا ہے۔

مخبر عنہ یعنی مبتداء پر اعتماد کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ" (اللہ تعالیٰ اپنا کام جس طرح چاہے پورا کر کے رہتا ہے پ ۲۸، الطلاق آیت ۳) اس آیت میں إِنَّ اللّٰهَ مخبر عنہ ہے اور بالغ اسم فاعل ہے یہ مخبر عنہ پر اعتماد کے ساتھ اپنے معمول کو رفع دے رہا ہے۔

دوسری مثال: جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ أَبُوهُ (زید اس کا باپ کھڑا ہے) اس میں اسم فاعل سے پہلے مبتداء ہے یہاں اسم فاعل لازم ہے اس نے صرف فاعل کو رفع دیا ہے۔ تیسری مثال زَيْدٌ ضَارِبٌ أَبُوهُ عَمْرًوا (زید مارنے والا ہے اس کا باپ عمرو) یہاں اسم فاعل متعدی ہے، اس لیے ابوہ کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع دیا ہے اور عمروا کو مفعول ہونے کی وجہ سے نصب دیا ہے۔

موصوف پر اعتماد کی مثال: جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ أَبُوهُ زَيْدًا، (میں گذرا ایسے آدمی کے پاس سے جس کا باپ زید کو مار رہا تھا) اس مثال میں رجلٍ موصوف ہے جو ضاربٌ اسم فاعل سے پہلے ہے اور یہ ضاربٌ ضَرَبَ کے معنی میں ہے جس نے اپنے فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیا ہے۔ ترکیب اس طرح ہوگی مَرَرْتُ فعل با فاعل با حرف جار، رجل موصوف، ضاربٌ شبہ فعل۔ أَبُ مضاف ھا ضمیر مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر ضاربٌ شبہ فعل کا فاعل اور زیدا مفعول بہ شبہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر رجل کی صفت، موصوف صفت سے مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہوا مَرَرْتُ فعل کے فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور شاعر کا قول إِنِّي حَلَفْتُ بِرَافِعِينَ أَكُفَّهُمْ   بَيْنَ الْحَطِيمِ وَبَيْنَ حَوْضَيْ زَمْزَمِ

(میں نے حطیم اور زمزم کے دونوں حوضوں کے درمیان اپنی ہتھیلیاں اٹھا کر دعا مانگنے والے لوگوں کے سامنے قسم کھائی۔) اس شعر میں محل استشہاد "بِرَافِعِينَ أَكُفَّهُمْ" ہے، اس سے پہلے لفظ "الْقَوْمِ" موصوف محذوف ہے، رَافِعِينَ جس پر اعتماد کر کے مفعول بہ اکفھم کو نصب دے رہا ہے اپنا معمول بنا کر شعر کی تقدیری عبارت إِنِّي حَلَفْتُ بِقَوْمٍ رَافِعِينَ أَكُفَّهُمْ الخ ہے۔

اسم موصول پر اعتماد کی مثال: جیسے جاء نی القائم ابوہ (آیا میرے پاس وہ شخص جس کا باپ کھڑا ہے۔) اس میں اسم فاعل سے پہلے الف ولام ہے جو اسم موصول کے معنی میں ہے اور اسم فاعل نے اپنے فاعل ابوہ کو رفع دیا ہے۔ ترکیب اس طرح ہوگی جاء فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم مفعول بہ القائم میں الف ولام بمعنی الذی اسم موصول، قائم شبہ فعل، ابو مضاف، ھا ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر شبہ فعل کا فاعل، شبہ فعل اپنے فاعل سے مل کر صلہ ہوا اسم موصول کا، اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر جاء کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

ذوالحال پر اعتماد کی مثال: جیسے جاء نی زیدٌ راکبًا غلامُہ فرسًا (آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ اس کا غلام گھوڑے پر سوار تھا) اس میں اسم فاعل سے پہلے ذوالحال ہے اور اسم فاعل نے اپنے فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیا ہے۔ ترکیب اس طرح ہوگی۔ جاء فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم مفعول بہ، زیدٌ ذوالحال، راکبًا شبہ فعل، غلام مضاف، ھاء ضمیر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے مل کر راکبًا کا فاعل فرسًا مفعول بہ، راکبًا شبہ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر حال، ذوالحال حال سے ملکر جاء کا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسم فاعل کے عمل کے لیے اعتماد کی یہ شرط اس کی مشابہت کے ساتھ قوی کرنے کے لیے بڑھا دی گئی ہے، کیوں کہ وہ مثل فعل کے اپنے صاحب کی طرف مسند ہوگا، اسی طرح ہمزہ استفہام، اور ما نافیہ پر اعتماد سے اس کی فعل کے ساتھ مشابہت قوی ہو جاتی ہے، اس واسطے کہ یہ اکثر فعل پر داخل ہوتے ہیں۔

وَخَبِيْرٌ بنو لِهْبٍ علی التقدیم والتاخیر. فاضل مصنفؒ نے اس عبارت سے ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ کہ اسم فاعل مجرد من اللام ہونے کی صورت میں دو شرطوں کے فعل جیسا عمل کرتا ہے۔

پہلی شرط: یہ کہ وہ بمعنی حال یا استقبال ہو۔ فعل ماضی کے معنی میں نہ ہو، اور دوسری شرط یہ کہ وہ نفی، یا استفہام یا مخبر عنہ، یا موصوف وغیرہ پر اعتماد کیے ہوئے ہو۔ یہ جمہور نحاۃ کا مذہب ہے، لیکن امام اخفشؒ کا مذہب یہ ہے کہ اسم فاعل کو مطلق عمل دلانا درست ہے، مذکورہ بالا چیزوں میں سے کسی چیز پر اعتماد کی کوئی ضرورت نہیں اور انہوں نے اس شعر سے استدلال کیا ہے۔

خَبِيْرٌ بَنُوا لِهْبٍ فَلَاتَكُ مُلْغِيًا مَقَالَةَ لِهْبِيٍّ إِذَا الطَّيْرُ مَرَّتِ

(بنولہب زجر وعیافہ کو جاننے والے ہیں، پس جب ان میں سے کوئی بات کہے تو تو اس کی تصدیق کر، تیرے سامنے جو پرندہ گزرے اسے بیکار مت سمجھو۔) اس شعر میں محل استشہاد "خبیرٌ بنو لہب" ہے استدلال اس طور پر کیا ہے کہ خبیرٌ مبتداء ہے اور بنو لہب خبیرٌ کا فاعل ہے جو کہ خبر

کے قائم مقام ہے اور یہ "خبیر" صیغہ صفت اپنے فعل جیسا عمل کرتے ہوئے اپنے فاعل کو رفع دیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے نہ تو حرف نفی ہے اور نہ استفہام، اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً عمل والا نا جائز ہے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس شعر میں کلمات کو تقدیم وتاخیر پر محمول کریں گے کہ بنو لہب مبتداء مؤخر ہے اور خبیرٌ خبر مقدم ہے، لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ مبتداء وخبر میں تقدیم وتاخیر ہوئی تو پھر مبتداء تو جمع ہے اور خبر واحد ہے اور مبتداء جمع کے لیے خبر جمع آتی ہے، حالانکہ یہاں مبتداء جمع کی خبر مفرد کے ذریعہ دی جارہی ہے جو کہ درست نہیں، مصنفؒ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس شعر میں خَبِیْرٌ فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل کا وزن کبھی کبھی جماعت کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَالِكَ ظَهِيْرٌ" (فرشتے آپ کے مددگار ہیں۔ پ۲۸ تحریم آیت ۴) اس آیت میں ملائکۃ مبتداء جمع ہے جس کی خبر ظہیر سے دی گئی جو کہ فعیل کے وزن پر ہے اور یہ جمع کے معنی میں مستعمل ہے۔ (فلا اشکال علیہ)

النوع الرّابع: امثلة المبالغة

چوتھی قسم۔ امثلہ مبالغہ کا بیان

وَالْمِثَالُ هُوَ: مَا حُوِّلَ لِلْمُبَالَغَةِ مِنْ فَاعِلٍ إِلَى فَعَّالٍ أَوْ فَعُوْلٍ أَوْ مِفْعَالٍ، بِكَثْرَةٍ أَوْ فَعِيْلٍ أَوْ فَعِلٍ، بِقِلَّةٍ، نَحْوُ "أَمَّا الْعَسَلَ فَأَنَا شَرَّابٌ"

ترجمہ:۔ اور مثال، اور یہ وہ ہے جو مبالغہ کے لیے فاعل سے فعّال، یا فعول، یا مفعال کی طرف منتقل کرلیا گیا ہو جو بکثرت مستعمل ہیں، یا فَعِیْل یا فَعِل کی طرف محوّل ہو تو قلیل الاستعمال ہیں جیسے "أَمَّا الْعَسَلَ فَأَنَا شَرَّابٌ"۔

تشریح:۔ والمثال وھو ماحول للمبالغة مفاعل الخ اپنے فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ کی چوتھی قسم مبالغہ کی پانچ مثالیں ہیں۔ ان امثلہ مبالغہ سے مراد وہ مثالیں ہیں جو اسم فاعل سے مبالغہ کے لیے محوّل کرلیے گئے ہوں اور وہ یہ ہیں، فَعَّال، فَعُول، مِفْعَال، فَعِیل، فَعِل، ان امثلہ مبالغہ کے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے تمام تفصیلات وشرائط وہی ہیں جو اسم فاعل کے لیے مقرر ہیں (فلیراجع الیها) نیچے ہر ایک کی مثال دی جارہی ہے۔

فعّال کی مثال: جیسے قلاخ بن حزنی بن جناب کا شعر ۔

أَخَا الْحَرْبِ لَبَّاسًا إِلَيْهَا جِلَالَهَا وَلَيْسَ بِوَلَّاجِ الْخَوَالِفِ أَعْقَلَا

(اے فخر ہے اس بات پر کہ وہ بہادر ہے، جانباز لڑا کو ہے لڑائی کے رعب ودبدبہ کو بحسن خوبی

قول کرنے والا ہے، اور فخر اس بات پر کرتا ہے کہ وہ پاکدامن ہے، اپنی پڑوسی عورتوں پر ان کے شوہروں کی عدم موجودگی میں بھی حملہ نہیں کرتا (مقاربت نہیں کرتا) اس شعر میں محل استشہاد لَبَّاسًا إِلَيْهَا جِلَالَهَا ہے طریقہ استدلال یہ ہے کہ لَبَّاسًا فَعَّال کے وزن پر صیغہ مبالغہ ہے جو فاعل سے محول ہے اور اسم فاعل کی طرح عمل کرتے ہوئے اپنے مفعول "جِلَالَهَا" کو بربناء مفعولیت نصب دیا ہے، اور اسم فاعل کی شرائط میں سے اس سے پہلے ذوالحال موجود ہے جس پر اعتماد کر رہا ہے۔

اعراب ترکیبی:

أَخَا الْحَرْبِ (مراد جانباز لڑا کو جو میدان میں ہر دم لڑتا رہے) أَخَا اس شعر سے پہلے والے مصرعہ میں لفظ "بِلَزْقِع" ہے، جس کی ضمیر مستتر سے یہ حال واقع ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور مضاف ہے، الحرب مضاف الیہ ہے، لَبَّاسًا حال ثانیہ ہے، إِلَيْهَا جار مجرور سے مل کر لَبَّاسًا سے متعلق ہے، جِلَالَهَا (یہ جل کی جمع ہے بمعنی زرہ اور آہنی لباس) لَبَّاسًا کا معمول جو بربناء مفعولیت منصوب ہے اس ضمیر کی طرف مضاف ہے جو حرب کی طرف راجع ہے۔ وَلَاج (بہت زیادہ داخل ہونے والا، بار بار آمد و رفت کرنے والا) الخوالف خالفة کی جمع ہے بمعنی عمود الخیمہ، أَعْقَلَا (بمعنی گھبراہٹ کی وجہ سے آواز کا رندھ جانا) پڑوسی عورتوں پر یلغار کرنے سے کنایہ ہے) اس شعر سے پہلے والا شعر کچھ اس طرح ہے۔

فَإِنْ تَكُ فَاتَتْكَ السَّمَاءُ فَإِنَّنِي ‏ ‏ بِلَزْقِعِ مَا حَوْلِي مِنَ الْأَرْضِ أَطْوَلَا

فعول کی مثال: جیسے ضَرُوْبٌ بِنَصْلِ السَّيْفِ سُوقَ سِمَانِهَا (تو تلوار کی دھار سے اس کی موٹی پنڈلیوں کو بہت مارتا ہے) اس شعر میں محل استشہاد "ضَرُوْبٌ" ہے جو فعول کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے اور فاعل سے محول ہے اور اسم فاعل کے فعل کی طرح عمل کرتے ہوئے اپنے مفعول "سُوقَ سِمَانِهَا" کو مخبر عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے بربناء مفعولیت نصب دیا ہے، اگرچہ وہ مخبر عنہ محذوف ہے۔ (یہ ابو طالب بن عبد المطلب کا کلام ہے جس کو امیہ بن مغیرہ مخزومی کے انتقال پر ملال پر مرثیہ کہتے ہوئے کہا ہے چوں کہ وہ بہت ہی فیاض مہمان نواز خلیق آدمی تھا، اس لیے اس کی مہمان نوازی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ مرثیہ کہا۔ اس کا پہلا مصرعہ۔ إِذَا عَدِمُوا زَادًا فَإِنَّكَ عَاقِرٌ ہے۔

مفعال کی مثال: جیسے اہل عرب کا قول إِنَّهُ لَمِنْحَارٌ بَوَائِكَهَا (بے شک وہ اونٹنی کے رگوں کو بہت کاٹتا ہے) میں مِنْحَارٌ مخبر عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے مابعد بَوَائِكَهَا کو بربناء مفعولیت نصب دیا ہے۔

فَعِیْل کی مثال: جیسے وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ دُعَآءَ مَنْ دَعَاهُ (اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی پکار کو خوب سننے والا ہے جو اس کو پکارتا ہے) میں سَمِیْعٌ فَعِیْل کے وزن پر صیغہ مبالغہ ہے جو مخبر عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے دُعَآءَ کو نصب دے رہا ہے۔

فَعِل کی مثال: جیسے شاعر کا قول۔

أَتَانِیْ أَنَّهُمْ مَزِقُوْنَ عِرْضِیْ جِحَاشُ الْكِرْمِلَیْنِ لَهَا فَدِیْدُ

(مجھے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ بے شک وہ لوگ میری آبروریزی کرنا چاہتے ہیں اور میں ہوں کہ ان لوگوں کی نہ پرواہ کرتا ہوں اور نہ مرعوب ہوتا ہوں، کیوں کہ وہ لوگ میرے نزدیک گدھے کے بچوں کے مانند ہے جو پانی پینے کے لیے چیخ و پکار کرتے ہوئے آئے) اس شعر میں محل استشہاد "مَزِقُوْنَ عِرْضِیْ" ہے، مَزِقُوْن جمع، واحد مَزِقٌ ہے جو صیغہ مبالغہ ہے فاعل سے محول ہے اور مخبر عنہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے مابعد عِرْضِیْ کو معنًی نصب دے رہا ہے۔ (یہ زید الخیر کا کلام ہے جس کا نام زید الخیل تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر زید الخیر رکھا۔)

اعراب ترکیبی:

"وَأَتَانِیْ" فعل ماضی، نون وقایہ اور یاء متکلم مفعول بہ ہے "أَنَّهُمْ" کی ضمیر غائبین کی طرف راجع ہے جو اسم ہے "مَزِقُوْنَ" خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے "عِرْضِیْ" مفعول بہ ہے مَزِقُوْنَ کے لیے جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہے "جِحَاشُ" ہے جو جحش کی جمع ہے بمعنی ولد الحمار۔ اور یہ الْكِرْمِلَیْنِ کی طرف مضاف ہے، الکرملین کرمل کا تثنیہ ہے بمعنی جبل طی کا پانی، "فَدِیْدٌ" بمعنی صوت آواز۔

نوٹ:- امثلہ مبالغہ میں سے فعّال، فعول و مفعال کثیر الاستعمال ہیں۔ اور فعیل، فعِل قلیل الاستعمال ہیں، لیکن یہ تمام کے تمام تکرار فعل کا تقاضہ کرتے ہیں اسی بناء پر ایک مرتبہ مارنے والے شخص کو ضرّاب کہنا درست نہیں۔ (فقس علیہ الباقی) ___ امثلہ مبالغہ احکام و اعمال میں من وعن اسم فاعل کی طرح ہیں یہ امام سیبویہ اور ان کے ہمنواؤں کا مذہب ہے، اس سلسلے میں دلیل اہل عرب سے سماع ہے، لیکن کوفیین حضرات کے نزدیک ان میں سے کسی کو بھی عمل دلانا جائز نہیں۔ فعل مضارع کے وزن اور اس کے معنی سے مخالفت کی بناء پر، لیکن مذکورہ بالا مثالوں کی روشنی میں کوفیین پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ امثلہ مبالغہ کے بعد آنے والے اسماء کو نصب کس وجہ سے آیا تو اس کا آسان جواب کہ فعل مقدر عامل ناصب ہے، کوفیین حضرات کے نزدیک اسم منصوب کو امثلہ مبالغہ پر مقدم کرنا جائز نہیں تو اس پر اہل عرب کے قول "أَمَّا الْعَسَلَ فَأَنَا شَرَّابٌ" کے ذریعہ اشکال وارد ہوگا کہ الْعَسَلَ اسم منصوب

مقدم ہے جس کا عامل شَرَّابٌ ہے اور اس کی تائید ابو ذؤیب ہذلی کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔

قلی دِینَهٗ وَاهْتَاجَ لِلشَّوْقِ اِنَّهَا   عَلَی الشَّوْقِ اِخْوَانَ الْعَزَاءِ هَیُوجٌ

اس شعر میں اِخْوَانَ الْعَزَاءِ، هَیُوجٌ صیغہ مبالغہ کا معمول ہے جو مقدم ہے اور هَیُوجٌ نے بربناء مفعولیت نصب دیا ہے، بعض بصریین فَعِیْل اور فَعِل کو عمل دلانا پسند نہیں کرتے بقیہ کو عمل دلاتے ہیں۔ اور امام جرمی نے فَعِل کو عمل دلانا پسند فرمایا لیکن فَعِیْل کے عمل دلانے سے انکار کر دیا، اس لیے فَعِل توعَلِمَ، سَمِعَ، فَهِمَ کے وزن پر ہے، لیکن فَعِیْل کسی فعل کے وزن پر نہیں، لہٰذا فعل جیسا عمل نہیں کر سکتا۔

النوع الخامس: اسم المفعول

پانچویں قسم۔ اسم مفعول کا بیان

وَاسْمُ الْمَفْعُولِ، كَمَضْرُوْبٍ وَمُكْرَمٍ، وَيَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهٖ، وَهُوَ كَاسْمِ الْفَاعِلِ۔

ترجمہ:- اور اسم مفعول جیسے مَضْرُوْبٌ، مُكْرَمٌ، بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے اور اسم مفعول شرائط وتفاصیل کے اعتبار سے اسم فاعل کی طرح ہوتا ہے۔

تشریح:- واسم المفعول کمضروب ومکرم فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں یہ بیان فرمایا کہ فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ میں سے پانچویں قسم اسم مفعول ہے۔ اسم مفعول ایسے اسم کو کہتے ہیں جو اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل واقع ہو جیسے مضروبٌ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل ضرب واقع ہوا ہے یہ ثلاثی کی مثال ہے۔ اور مُكْرَمٌ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر اکرام واقع ہوا ہے یہ رباعی کی مثال ہے۔

اسم مفعول کا عمل:

اسم مفعول اپنے فعل مجہول جیسا عمل کرتا ہے اور مفعول نائب فاعل ہوتا ہے جیسے جَاءَ الْمَضْرُوْبُ عَبْدُهٗ، میں عَبْدُهٗ کو رفع دیا گیا ہے مضروب کی وجہ سے جو ضُرِبَ فعل ماضی مجہول کے معنی میں ہے اور عَبْدُهٗ اس کا نائب فاعل ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے جاء الذی ضُرِبَ عبدهٗ کے عبد ضُرِبَ کا نائب فاعل ہے۔

اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے شرائط:

ویعمل عمل فعله وهو كاسم الفاعل اس عبارت سے فاضل مصنفؒ نے اسم مفعول

کے فعل جیسا عمل کرنے کے لیے شرائط کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے شرائط کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے بھی وہی شرائط ہیں جو اسم فاعل کے عمل کے لیے ہیں یعنی الف لام سے خالی ہونے کی صورت میں حال یا استقبال کے معنی میں ہو اور چھ چیزوں میں سے کوئی چیز اس سے پہلے ہو ہر ایک کی مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

(۱) زَيْدٌ مَضْرُوبٌ عَبْدُهُ (زید اس کا غلام مارا جاتا ہے یا مارا جائے گا) اس میں مضروب فعل مجہول يُضْرَبُ کے معنی میں ہے جس سے عبدہ مفعول کو نائب فاعل ہونے کی حیثیت سے رفع دیا ہے اور زمانہ حال پر دلالت کرتا ہے، لیکن امام کسائی کا اس میں اختلاف ہے، اختلاف کے لیے اسم فاعل کی بحث کی طرف رجعت کیجیے۔

نیز یہ مجرد پر اعتماد کی مثال بھی بن سکتی ہے اس کا ترجمہ ہوگا (زید مارا گیا ہے اس کا غلام) اس میں اسم مفعول سے پہلے مجرد ہے۔ (۲) جاء زید مضروبا غلامه (آیا زید اس حال میں کہ اس کا غلام مارا گیا) اس میں اسم مفعول سے پہلے ذوالحال ہے (۳) هذا رجل مضروبٌ ابوهُ (یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کا باپ مارا گیا) اس میں اسم مفعول سے پہلے اسم موصوف ہے (۴) جاء المضروب غلامه (یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کا غلام مارا گیا) اس میں اسم مفعول سے پہلے اسم موصول ہے۔ (۵) أمضروبٌ ابوه (کیا اس کا باپ مارا گیا ہے) اس میں اسم مفعول سے پہلے ہمزہ استفہام ہے (۶) مَا مَضْرُوبٌ أَبُوهُ (نہیں مارا گیا اس کا باپ) اس میں اسم مفعول سے پہلے حرف نفی ہے۔

نوٹ:- جمہور نحاۃ کے نزدیک مضروبٌ الزیدان کہنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اسم مفعول کے شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہیں ہے۔ نہ تو حال واستقبال کے معنی میں ہے اور نہ ہی اس سے پہلے اشیاء ستہ میں سے کوئی چیز ہے، لیکن امام اخفش نے اس میں اختلاف کیا ہے، اختلافی صورت کی وضاحت کے لیے اسم فاعل کی بحث کا مطالعہ کیا جائے۔

اسم مفعول اور مفعول بہ میں فرق:

اسم مفعول مشتق ہوتا ہے اور اسم مفعول ثلاثی مجرد سے مفعولٌ کے وزن پر آتا ہے اور غیر ثلاثی مجرد سے اس باب کے اسم فاعل کے وزن پر آتا ہے فرق صرف یہ ہوگا کہ اسم مفعول میں آخری حرف سے پہلا حرف مفتوح ہوگا جیسے مُكَرَّمٌ یہ تو اسم مفعول کا بیان ہوا، اور مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو اور لہٰذا مفعول بہ میں مشتق ہونے کی کوئی قید نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کسی خاص وزن پر آنے کی قید ہے لہٰذا ضَرَبْتُ زَيْدًا مفعول بہ ہے نہ کہ اسم مفعول۔

اسم فاعل اور اسم مفعول کے درمیان فرق:

اسم فاعل تو فعل لازم و متعدی دونوں سے بنایا جاتا ہے جیسے قَائِمٌ وَضَارِبٌ اور اسم مفعول صرف فعل متعدی ہی سے بنایا جاتا ہے الا یہ کہ اگر فعل لازم سے بنایا جائے تو حرف جار یا ظرف کے ساتھ ممکن ہے جیسے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ، زَيْدٌ مُنْطَلَقٌ بِهِ۔ (محمد ناظم پاشی)

النوع السادس: الصفة المشبهة

چھٹی قسم۔ صفت مشبہ کا بیان

وَالصِّفَةُ الْمُشَبَّهَةُ بِاسْمِ الْفَاعِلِ الْمُتَعَدِّى لِوَاحِدٍ، وَهِيَ: الصِّفَةُ الْمَصُوغَةُ لِغَيْرِ تَفْضِيلٍ لِإِفَادَةِ الثُّبُوتِ، كَحَسَنٍ، وَظَرِيفٍ، وَطَاهِرٍ، وَضَامِرٍ، وَلَا يَتَقَدَّمُهَا مَعْمُولُهَا، وَلَا يَكُونُ أَجْنَبِيًّا، وَيُرْفَعُ عَلَى الْفَاعِلِيَّةِ أَوِ الْإِبْدَالِ، وَيُنْصَبُ عَلَى التَّمْيِيزِ أَوِ التَّشْبِيهِ بِالْمَفْعُولِ بِهِ، وَالثَّانِي يَتَعَيَّنُ فِي الْمَعْرِفَةِ، وَيُخْفَضُ بِالْإِضَافَةِ۔

ترجمہ:- اور صفت مشبہ باسم الفاعل ایک کی طرف متعدی ہوتا ہے، اور یہ وہ صفت ہے جو افادہ ثبوت کے لیے بغیر فضیلت وفوقیت کے لایا گیا ہو جیسے حَسَنٌ، ظَرِيفٌ، طَاهِرٌ، ضَامِرٌ، اور صفت مشبہ کا معمول اس پر مقدم نہیں ہو سکتا اور نہ وہ اجنبی ہوگا، اور صفت مشبہ فاعلیت کی بناء پر یا ابدال کی وجہ سے رفع دیا جاتا ہے، اور تمیز یا مشابہ بالمفعول بہ ہونے کی صورت میں نصب دیا جائے گا، اور دوسری صورت معرفہ میں متعین ہوتی ہے، اور اضافت کی وجہ سے جر دیا جاتا ہے۔

تشریح:- فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ کی چھٹی قسم صفت مشبہ باسم الفاعل ہے جو ایک کے لیے متعدی ہوتا ہے۔

صفت مشبہ کی تعریف:

صفت مشبہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو مصدر سے نکلے اور ایسی ذات پر دلالت کرے جس کے ساتھ معنی مصدری بطور ثبوت (تینوں زمانوں سے قطع نظر) قائم ہوں۔

دوسری تعریف: صفت مشبہ اس صفت کو کہتے ہیں جو موصوف کی طرف ثبوت کی نسبت کا فائدہ دینے کے لیے بغیر کسی تفضیل کے لائی گئی ہو۔ افادہ حدوث کے لیے نہیں۔ جیسے "مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ" میں حَسَنٌ صیغہ صفت ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ معنی

صدری بطور ثبوت قائم ہو۔

صفت مشبہ اور اسم تفضیل میں فرق:

یہ امر مسلّم ہے کہ صفت مشبہ اور اسم تفضیل دونوں صفات پر دلالت کرتے ہیں، لیکن دوسرے کے مقابلے میں فضیلت اور عدم فضیلت کے اعتبار سے قدرے فرق ہے۔ وہ یہ کہ اسم تفضیل ایسے اسم کہتے ہیں جس میں معنی مصدری دوسرے کے مقابلہ میں زیادتی کے ساتھ پائے جاتے ہوں جیسے أفضَلُ، أعلَمُ، لیکن صفت مشبہ میں موصوف کے لیے بطور ثبوت کے معنی مصدری بغیر زیادتی کے پائے جائے۔

صفت مشبہ اور اسم فاعل میں فرق:

اسم فاعل اور صفت مشبہ میں فرق یہ ہے کہ اسم فاعل میں مصدری معنی عارضی طور پر بطور حدوث وتجدد کے پائے جاتے ہیں، اور صفت مشبہ میں مصدری معنی ثبوت اور دوام کے ساتھ پائے جاتے ہیں، جیسا کہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ میں حُسن آدمی کے چہرے کے لیے ثابت ہے اور یہ بطور حدوث وتجدد کے نہیں ہے، لیکن مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ عمروًا میں ضَارِب حدوث وتجدد کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح مَرَرْتُ بِرَجُلٍ مَضْرُوبٍ میں مضروب اسم مفعول بھی حدوث وتجدد پر محمول ہے۔

صفت مشبہ باسم الفاعل کی وجہ تسمیہ:

والصفة المشبهة باسم الفاعل: صفت مشبہ کو صفت مشبہ باسم الفاعل کہا جاتا ہے اس کی کئی وجہیں ہیں۔

(۱) صفت مشبہ کی اصل مرفوع ہوتا ہے نہ کہ منصوب جیسا کہ اسم فاعل مرفوع ہوتا ہے (۲) یہ فعل قاصر سے ماخوذ ہے جو اسم فاعل ہے اور خود اسم فاعل فعل سے ماخوذ ہے (فعل قاصر وہ فعل ہے جو صرف فاعل پر پورا نہ ہو بلکہ فاعل کی خبر یعنی صفت بیان کرنے کی ضرورت ہو جیسے کَانَ، صَارَ، وغیرہ۔ (النحو الوافی ص ۲/۱۵۰) (۳) صفت مشبہ سے حدوث کا قصد نہیں کیا گیا ہے، البذا یہ فعل کا مباین بھی ہوگا، کیوں کہ فعل بطور حدوث کے دلالت کرتا ہے۔ (۴) صفت مشبہ اسم فاعل کے ساتھ مصدری معنی میں مشابہت رکھتا ہے اور جس طرح اسم فاعل واحد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی۔ مثلا حَسَنٌ، حَسَنَةٌ، حَسَنَانِ، حَسَنَتَانِ، حَسَنُونَ اور حَسَنَاتٌ کہا جاتا ہے جیسا کہ ضَارِبٌ، ضَارِبَةٌ، ضَارِبَانِ، ضَارِبَتَانِ، ضَارِبُونَ، اور ضَارِبَاتٌ کہا جاتا ہے، لیکن صفت مشبہ اسم تفضیل کے مشابہ نہیں ہوگا، کیوں کہ اکثر وبیشتر احوال میں تثنیہ، جمع اور مؤنث نہیں لائے جاتے، اسی

وجہ سے اسم کو فاعل کے ساتھ بھی مشابہت جائز نہیں ہے۔

اسم فاعل اور اسم تفضیل میں فرق:

(۱) اسم فاعل صرف معنی فاعلیت کو بتلاتا ہے، جب کہ اسم تفضیل معنی فاعلیت کی زیادتی کو بتلاتا ہے۔ (۲) اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں ۱۔ الف لام کے ساتھ ۲۔ مِن کے ساتھ ۳۔ اضافت کے ساتھ جب کہ اسم فاعل میں یہ شرط نہیں ہے (۳) اسم فاعل کا واحد، تثنیہ، جمع، مذکر مؤنث ہر وقت لانا درست ہے، لیکن اسم تفضیل کا اکثر اوقات تثنیہ جمع اور مؤنث لانا جائز نہیں۔

(مشکل ترکیبوں کا حل ص ۳۲۹)

صفت مشبہ کا عمل:

صفت مشبہ مطلقاً بغیر زمانہ حال یا استقبال کی شرط کے اپنے فعل لازم کا سا عمل کرتا ہے، اس لیے کہ وہ بمعنی ثبوت ودوام ہوتا ہے نہ بمعنی حدوث اور زمانہ حال یا استقبال کی شرط حدوث کے وقت لگائی جاتی ہے، لیکن اس کے عمل کے لیے موصول کے سوا باقی امور مذکورہ پر اعتماد شرط ہے، موصول پر عدم اعتماد اس لیے ہے کہ در حقیقت وہ لام داخلہ جسے موصولہ سے تعبیر کیا جاتا ہے بالاتفاق موصولہ نہیں ہے۔

المتعدی بو لحیو سے مراد۔ اس عبارت سے مصنفؒ اس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ صفت مشبہ تو فعل لازم کی طرح عمل کرتا ہے، لیکن اپنے مابعد اسم کو نصب دیتا ہے۔

یہاں سے یہ بات واضح رہے کہ صفت مشبہ کا عمل اپنے فعل سے اس لیے زائد ہوتا ہے کہ صفت مشبہ اپنے معمول کو رفع فاعل ہونے کی وجہ سے دیتا ہے اور نصب اس وقت دیتا ہے جب وہ معمول معرفہ ہو مفعول کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے نہ کہ مفعولیت کی وجہ سے، اس لیے کہ فعل لازم مفعول کو نہیں چاہتا اور نکرہ ہو تو نصب تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا بخلاف اس کے فعل کے کہ وہ معمول کو نصب نہیں دیتا۔

چند امور میں صفت مشبہ اسم فاعل کا مخالف ہوتا ہے

پہلا فرق: کَحَسَنٍ وَظَرِیْفٍ، وطَلِعٍ وضَامِرٍ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ صفت مشبہ چند امور میں اسم فاعل کے برخلاف ہوتا ہے۔ پہلا فرق یہ ہے کہ صفت مشبہ کبھی کبھی مضارع کے حرکات وسکنات پر جاری نہیں ہوتا ہے اور کبھی جاری ہوتا ہے اول کی مثال جیسے حَسَنٌ اور ظَرِیْفٌ (خوش مزاج ہونا، چالاک ہونا) یہ دونوں ایسے صفت مشبہ ہیں جو یَحْسُنُ اور یَظْرُفُ کی شکل میں نہیں آسکتے ہیں۔ اور ثانی کی مثال جیسے طَاهِرٌ (پاک ہونا) اور ضَامِرٌ (لاغر ہونا) یہ دونوں یَطْهُرُ اور

يَضْمُرُ کی شکل میں پڑھے جاتے ہیں، بقول صاحب کتاب پہلی صورت کثیر الاستعمال ہے مگر بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ لازم ہے حالاں کہ ایسی بات نہیں، اس کے برخلاف اسم فاعل ہمیشہ مضارع کے حرکات وسکنات پر جاری ہوتا ہے جیسے ضَارِبٌ يَضْرِبُ کے معنی میں جاری ہوتا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۱):

حضرت الاستاذ! صاحب کتاب نے فرمایا "صفت مشبہ کبھی کبھی مضارع کے حرکات وسکنات پر جاری نہیں ہوتا ہے جیسا کہ اس کی مثال سے ظاہر ہے، اس کے برخلاف اسم فاعل ہمیشہ مضارع کے حرکات وسکنات پر جاری ہوتا ہے۔ صاحب کتاب کا یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ "دَاخِلٌ" اسم فاعل ہے جس کا عین کلمہ مکسور ہے اور فعل مضارع "يَدْخُلُ" آتا ہے جو مضموم العین ہے اور یہ تحقیق ہے کہ ضمہ کسرہ کا مقابل نہیں ہو سکتا، لہٰذا حرکات کے اعتبار سے اسم فاعل مضارع کے مطابق نہیں ہے؟ صاحب کتاب نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اسم فاعل کا فعل مضارع کے حرکات وسکنات پر جاری ہونے کا مطلب ہے کہ حرکت کے مقابلہ میں کوئی حرکت ہی آئے بعینہٖ اسی حرکت کا آنا لازم نہیں ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲):

مصنفؒ کے جواب پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قَائِمٌ اسم فاعل اور يَقُوْمُ فعل مضارع میں حرکات وسکنات کا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ہے، کیوں کہ قَائِمٌ کا دوسرا حرف ساکن ہے اور يَقُوْمُ کا دوسرا حرف متحرک ہے، حالاں کہ ساکن کے بالمقابل ساکن اور متحرک کے بالمقابل متحرک آنا چاہیے لہٰذا آپ کا دعویٰ کرنا درست نہیں۔ فاضل مصنفؒ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے غور وفکر کیے بغیر جلد بازی میں اعتراض کر دیا حالاں کہ میں نے جو جواب دیا اسی کے مطابق قَائِمٌ اور يَقُوْمُ کا اعراب موجود ہے، وہ اس طرح کہ قَائِمٌ کا دوسرا حرف ساکن ہے اور فعل مضارع يَقُوْمُ کا بھی دوسرا حرف ساکن ہے بظاہر جو ضمہ نظر آرہا ہے در اصل وہ حرف ثالث سے منقول ہو کر آیا ہے چوں کہ يَقُوْمُ اصل میں يَقْوُمُ تھا، واؤ متحرک ماقبل ساکن واؤ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دے دیا يَقُوْمُ ہو گیا۔ (یہ تعلیل دراصل گردان کے زبان پر ثقیل ہونے کی وجہ سے جاری کی گئی ہے)

دوسرا فرق: صفت مشبہ معنی ثبوت پر دلالت کرتا ہے اور اسم فاعل حدوثی معنی پر دلالت کرتا ہے۔

تیسرا فرق: اسم فاعل، ماضی، حال، استقبال تینوں زمانوں میں استعمال کیا جاتا ہے، برخلاف صفت مشبہ کے یہ ہمیشہ فقط حال کے لیے مستعمل ہوتا ہے، ماضی اور استقبال کے لیے بالکل نہیں، کیوں کہ باب الصفات میں یہی اصل ہے یعنی صفت مشبہ مطلقاً بغیر زمانہ (ماضی، حال، استقبال) کی شرط کے آتا

فعل لازم کا ساعل کرتا ہے اور وہ ہمیشہ حال کے لیے مستعمل ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ بمعنی ثبوت و دوام اور استمرار ہوتا ہے نہ بمعنی حدوث، اور زمانہ ماضی، حال، یا استقبال کی شرط حدوث کے وقت لگائی جاتی ہے۔

مصنفؒ نے لِإفَادَةِ الثُّبوت سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

چوتھا فرق: ولا يتقدمها معمولها: صفت مشبہ کا معمول اس پر کبھی بھی مقدم نہیں ہوتا، جب کہ اسم فاعل کا معمول اس پر مقدم ہو جاتا ہے، لہٰذا "زيدٌ وَجْهَهٗ حَسَنٌ" میں وَجْهَهٗ کو نصب کے ساتھ پڑھنا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ اس مثال میں معمول اپنے عامل پر مقدم ہے جو اصل کے برخلاف ہے، نیز صفت مشبہ عامل ضعیف ہوتا ہے جو معمول مقدم میں عمل کرنے سے قاصر ہے اور عامل ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فَرْعُ الفَرْعِ ہے، اس لیے کہ صفت مشبہ اسم فاعل کا فرع ہے اور خود اسم فاعل فعل کا فرع ہے، لہٰذا صفت مشبہ فرع کا فرع ہوا جو عامل ضعیف کی علامت ہے۔ برخلاف اسم فاعل کے کہ اس کا معمول مقدم ہوتا ہے، لہٰذا "زيدٌ أبَاهُ ضَارِبٌ" کہنا جائز ہوگا، اس مثال میں ابَاهُ معمول مقدم ہے جو کہ چہ اصل کے برخلاف ہے، لیکن اسم فاعل عامل قوی ہوتا ہے اور اصل یعنی فعل کا فرع ہے، چنانچہ اس کے معمول کے مقدم ہونے کے باوجود عمل کرنا آسان ہے۔

پانچواں فرق: ولا يكون اجنبياً صفت مشبہ کا معمول اجنبی نہیں ہو سکتا بلکہ سببی ہونا ضروری ہے، برخلاف اسم فاعل کے کہ اس کا معمول کبھی سببی بھی ہوتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ أبَاهُ اور کبھی اجنبی ہوتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ عمرواً

سببی سے مراد: تین امور میں سے کسی ایک کے ہونے کو مراد لے سکتے ہیں۔ اول یہ کہ معمول موصوف کی ضمیر کے ساتھ متصل ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ وَجْهُهٗ، اس مثال میں وَجْهُهٗ معمول ہے جو موصوف کی ضمیر ہٗ کے ساتھ متصل ہے۔ دوم یہ کہ معمول موصوف کی ضمیر کے قائم مقام کے ساتھ متصل ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ اس مثال میں اَلْوَجْهِ معمول ہے جو موصوف کی ضمیر کے قائم مقام الف لام کے ساتھ متصل ہے، اس لیے کہ الف لام اس ضمیر کے قائم مقام ہے جو مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ سوم یہ کہ معمول کے ساتھ موصوف کی ضمیر پوشیدہ ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ وَجْهًا اصل میں وَجْهًا مِنْهُ تھا۔

صفت مشبہ کے معمول کی تین حالتیں:

ويرفع على الفاعلية او الابدال فاضل مصنفؒ یہاں سے صفت مشبہ کے معمول کے احوال کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرمایا۔ باعتبار اعراب کے صفت مشبہ کے معمول کی تین حالتیں ہیں۔

پہلی حالت: یہ کہ معمول مرفوع ہو جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ حَسَنٍ وَجْهُهُ. اور معمول کا مرفوع ہونا دو اعتبار سے ہے اول یہ کہ معمول فاعلیت کی بناء پر مرفوع ہوگا (یعنی معمول صفت کا فاعل ہوگا) البتہ اس وقت صفت کا ضمیر سے خالی ہونا ضروری ہے، کیوں کہ اس وقت اس کا معمول خود اس کا فاعل ہے اگر ضمیر لائی جائے تو ایک شئ کے لیے دو فاعل کا اجتماع لازم آئے گا، حالاں کہ ایک شئ کے لیے دو فاعل نہیں ہو سکتے اور یہ متفق علیہ قاعدہ ہے۔ دوم یہ کہ صفت کی ضمیر مستتر سے بدل ہو کر مرفوع ہو۔ امام فارسی نے اسے جائز قرار دیتے ہوئے باری تعالیٰ کے قول سے استدلال کیا ہے "جَنّٰتِ عَدْنٍ مُفَتَّحَةً لَهُمُ الْأَبْوَابُ" (ہمیشہ رہنے کے باغات جن کے دروازے اُن کے واسطے کھلے ہوں گے۔ پ ۲۳، ص آیت ۵۰) طریقہ استدلال یہ ہے کہ مُفَتَّحَةً میں ضمیر نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور الابوابُ کو اس ضمیر مرفوع سے بدل بعض من الکل مان لیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ بدل کا اعراب وہی ہوتا ہے جو مبدل منہ کا ہوتا ہے۔

دوسری حالت: وينتصب على التمييز او التشبيه بالمفعول به الخ اس عبارت میں صفت مشبہ کے معمول کی دوسری حالت بیان کی گئی ہے چنانچہ فرمایا صفت مشبہ کا معمول منصوب ہوگا، لیکن معمول کا منصوب ہونا دو حال سے خالی نہیں، یا تو معمول نکرہ ہوگا جیسے "وَجْهًا" یا معرفہ ہوگا جیسے "اَلْوَجْهَ" اگر معمول نکرہ ہے تو اس کو دو اعتبار سے نصب آئے گا۔ اول یہ کہ معمول تمییز ہوگا اور یہی قول راجح ہے جیسے "زيد الحسن وَجْهًا" دوم یہ کہ مفعول بہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی مفعول صفت کے لیے نہیں آتا، کیوں کہ صفت مشبہ لازم ہوتا ہے۔ اور اگر معمول معرفہ ہے تو حقیقۃً طور پر مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا جیسے "زيد الحسنُ الْوَجْهَ" کیوں کہ تمییز معرفہ نہیں ہوتی ہے، برخلاف کوفیین حضرات کے کہ ان کے نزدیک صفت مشبہ کا معمول اگر معرفہ ہو تو بھی تمییز کی تاویل میں ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ صاحب کتاب نے والثّاني يتعين في المعرفة کہہ کر فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اصل ضابطہ بھی ہے ایسا نہیں جیسا کہ کوفیین نے کہا ہے۔

تیسری حالت: ويخفض بالاضافة فاضل مصنف نے اس عبارت میں صفت مشبہ کے معمول کی تیسری حالت کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں صفت مشبہ کا معمول اضافت کی وجہ سے مجرور ہوگا جیسے زيدٌ الْحَسَنُ الْوَجْهِ۔

نوٹ:۔ معمول کے مجرور و منصوب ہونے کی صورت میں صفت مشبہ میں مرفوع علی الفاعلیۃ کی ضمیر مستتر کا فرض کرنا لازم ہوگا، صفت مشبہ کے معمول کی مذکورہ بالا تینوں حالتوں میں حالت رفع

اصل ہے اور نصب رفع کی فرع ہے اور جر نصب کی فرع ہے۔

نوٹ:- صفت مشبہ، مشابہ بالمفعول، مفعول مطلق، مفعول فیہ، مفعول لہ، حال تمیز کو نصب دیتا ہے، صفت مشبہ کے مشابہ بالمفعول کے علاوہ باقی مفعولات میں عمل کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے۔

(النحو الوافی جلد ۳/ص ۳۰۱)

النوع السابع:۔ اسم التفضيل

اسم تفضیل کا بیان

وَاسْمُ التَّفْضِيلِ، وَهُوَ الصِّفَةُ الدَّالَّةُ عَلَى الْمُشَارَكَةِ وَالزِّيَادَةِ كَـ "أَكْرَمَ" وَيُسْتَعْمَلُ بِمِنْ، وَمُضَافًا لِنَكِرَةٍ، فَيُفْرَدُ وَيُذَكَّرُ، وَبِأَلْ فَيُطَابِقُ، وَمُضَافًا لِمَعْرِفَةٍ فَوَجْهَانِ، وَلَا يَنْصِبُ الْمَفْعُولَ مُطْلَقًا، وَلَا يَرْفَعُ فِي الْغَالِبِ ظَاهِرًا إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْكُحْلِ.

ترجمہ:- اور اسم تفضیل: اور وہ وہ وصف ہے جو مشارکت و زیادت پر دلالت کرے، جیسے اکرم اور وہ استعمال کیا جاتا ہے مِنْ کے ساتھ، اور نکرہ کی طرف مضاف ہونے کی حالت میں، چنانچہ اس وقت وہ مفرد اور مذکر لایا جائے گا، اور الف لام کے ساتھ تو اس وقت اپنے موصوف کے مطابق ہوگا، اور معرفہ کی طرف مضاف ہونے کی حالت میں تو اس وقت دو صورتیں ہوں گی، اور وہ مطلقاً مفعول کو نصب نہیں دے گا، اور علماء کی ایک بڑی جماعت کے قول کے مطابق اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا ہے، مگر مسئلہ کحل میں (یعنی مسئلہ کحل میں اسم تفضیل اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے)۔

تشریح:- اپنے فعل کی طرح عمل کرنے والے اسماء عاملہ کی ساتویں قسم اسم تفضیل ہے۔

اسم تفضیل کی تعریف:

واسم التفضيل وهو الصفة الدالة الخ اس عبارت میں فاضل مصنف نے اسم تفضیل کی تعریف بیان فرمائی ہے، اسم تفضیل ایسی صفت کو کہتے ہیں جو مشارکت اور اپنے غیر کے مقابلہ میں معنی مصدری کی زیادتی پر دلالت کرے، جیسے أَكْرَمُ (زیادہ عزت والا) أَعْلَمُ (زیادہ جاننے والا) أَفْضَلُ (زیادہ فضیلت والا)

اسم تفضیل کے صیغے:

اسم تفضیل کا صیغہ أَفْعَلُ مذکر کے لیے ہے اور فُعْلَى مؤنث کے لیے ہے، اور اس میں خَيْرٌ

اور شَرٌّ داخل ہیں، اس لیے کہ یہ اصل میں اَخْيَرُ اور اَشَرُّ تھے، نیز یہ صیغے صرف ثلاثی مجرد سے آتے ہیں۔ ثلاثی مزید اور رباعی مجرد ومزید سے نہیں آتے، اس لیے کہ ثلاثی مزید اور رباعی سے اس وزن پر آنا محال ہے، کیوں کہ اگر حروف کم کیے جائیں تو لفظاً اور معنیً خلل لازم آتا ہے اور اگر حروف کم نہ کریں تو وزن اَفْعَلُ سے بڑھ جائے گا۔ اور پھر ثلاثی مجرد بھی اس سے آتا ہے جس میں لون وعیب کے معنی نہ ہوں، اس واسطے کہ اس سے جس میں لون وعیب کے معنی ہوں غیر تفضیل کے لیے اَفْعَلُ صفت کا صیغہ آتا ہے۔ پس اگر اَفْعَلُ تفضیل کو بھی اس سے بنایا جائے تو اَفْعَلُ تفضیل کا اَفْعَلُ صفت سے التباس ہوگا جیسے اَسْوَدُ (سیاہ رنگ والا) اَعْوَرُ (کانا) ان کی مؤنث سَوْدَاءُ اور عَوْرَاءُ آتی ہے مثلاً اگر اَسْوَدُ کہیں تو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس سے مراد سیاہ رنگ والا ہے یا زیادہ سیاہ رنگ والا، اور عیب سے مراد عیب ظاہری ہے نہ باطنی لہٰذا اَجْهَلُ (زیادہ جہالت والا) اور اَبْلَدُ (زیادہ بلادت والا) سے جو جہل اور بلادت سے مشتق ہیں اور عیوب باطنہ ہیں۔ اور اگر فعل ثلاثی مجرد سے زائد ہو یا ثلاثی مجرد سے ہو جس میں لون وعیب کے معنی ہیں تو اس وقت واجب ہے کہ اَفْعَلُ کے وزن پر ثلاثی مجرد سے لفظ شدت یا کثرت یا قوت، یا ضعف یا قباحت یا حسن وغیرہ سے جو مقصود کے موافق ہو صیغہ بنائیں۔ تاکہ وہ مبالغہ اور شدت اور کثرت پر دلالت کرے، اس کے بعد اس فعل کے مصدر کو جس سے اسم تفضیل بنانا ممتنع ہے بنا بر تمیز منصوب کریں جیسے هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ اِسْتِخْرَاجًا۔ وہ اس سے از روئے نکالنے کے زیادہ سخت ہے۔ (مصباح النحو ص ۳۳۸)

اسم تفضیل کے استعمال کی صورتیں:

وَيُسْتَعْمَلُ بِمِنْ وَمُضَافًا لِلنَّكِرَةِ فَيُفْرَدُ وَيُذَكَّرُ الخ فاضل مصنفؒ یہاں سے اسم تفضیل کے استعمال کے طریقے کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طرح سے ہوتا ہے۔ پہلا طریقہ: اسم تفضیل ہر حال میں مفرد اور مذکر ہوگا خواہ موصوف مؤنث ہو یا تثنیہ یا جمع، اور یہ دو صورتوں میں ہے (۱) اسم تفضیل کے بعد مِنْ آئے جو مفضول کے لیے جر دینے والا ہو، جیسے تیرا قول "زَيْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو" (زید زیادہ افضل ہے عمرو سے) کو الزيدان افضلُ من عمرو، والزيدون افضلُ من عمرو، وهند افضل من عمرو، والهندان افضل من عمرو، والهندات افضل من عمرو، مذکورہ الصدر تمام مثالوں میں اسم تفضیل اَفْضَلُ مفرد مذکر مذکور ہوا ہے، کیوں کہ اس کے بعد مِنْ آرہا ہے، مِنْ کے آنے کی صورت میں اسم تفضیل کو کسی اور طرح استعمال کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ علامت تانیث یا علامت جمع کی مثلاً جب اس پر داخل ہو تو دو صورتیں ہیں یا تو قبل از مِنْ داخل ہوں گی یا بعد

از مِن، قبل از مِن داخل ہونا جائز نہیں، اس لیے کہ مِنْ شدت اتصال کی وجہ سے مثل جزوکلمہ کے ہے پس اس وقت علامت تانیث یا جمع کا وسط کلمہ میں داخل ہونا لازم آئے گا، اور وہ محال ہے۔

اور اگر علامت تانیث وجمع بعد از مِن داخل ہوں تو یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ مِنْ حقیقت میں دوسرا کلمہ ہے۔ پس اس وقت ایک کلمہ کی علامت کا ادخال دوسرے کلمہ پر لازم آتا ہے۔ اور قباحت اس کی اظہر من الشمس ہے۔ اور باری تعالیٰ کا قول "اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰى اَبِيْنَا مِنَّا" (وہ وقت قابل ذکر ہے جب کہ ان کے بھائیوں نے گفتگو کی کہ یوسف اور ان کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔ پ۱۲، یوسف آیت ۸) میں يُوْسُفُ اور اَخُوْهُ موصوف ہیں جو تثنیہ ہیں اس کے باوجود اسم تفضیل اَحَبُّ مفرد مذکر لائے، کیوں کہ اس کے بعد حرف مِنْ آیا ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ" (آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں۔ پ۱۰، توبہ آیت ۲۴) میں اَحَبَّ اسم تفضیل مفرد مذکر مذکور ہے، حالاں کہ موصوف جمع کے ساتھ ہے، لیکن اسم تفضیل کے بعد مِنْ آیا ہے، لہٰذا وجود شرط کے مطابق اسم تفضیل مفرد مذکر لائے۔

(۲) یہ کہ اسم تفضیل کسی نکرہ کی طرف مضاف ہو تو اس وقت بھی ہر حال میں اسم تفضیل مفرد مذکر ہی آئے گا، جیسے زيد اَفْضَلُ رجلٍ، وَالزيدانِ اَفْضَلُ رَجُلَيْنِ، والزيدون افضلُ رجالٍ، وهندٌ افضلُ امرأةٍ والهندانِ افضلُ امرأتينِ، والهنداتُ افضلُ نِسْوَةٍ.

دوسرا طریقہ: وَبِاَلْ فيطابِقُ اس عبارت میں اسم تفضیل کے استعمال کا دوسرا طریقہ ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ اسم تفضیل اپنے موصوف کے مطابق ہوگا یعنی جیسا موصوف ہوگا ویسا ہی اسم تفضیل آئے گا مذکر کی صورت میں مذکر، مؤنث کی صورت میں مؤنث، واحد، تثنیہ اور جمع کی صورت میں واحد، تثنیہ اور جمع آئے گا۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ اسم تفضیل الف لام کے ساتھ ہو۔ جیسے زيدٌ الْاَفْضَلُ، والزيدانِ الْاَفْضَلانِ، وَالزيدونَ الْاَفْضَلُوْنَ، وَهِنْدُ الْفُضْلٰى، والهندانِ الْفُضْلَيَانِ، والهنداتُ الْفُضْلَيَاتُ اَوِ الْفُضَلُ. اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم تفضیل اور مِن ہوا موصوف صفت ہیں اور تطابق کے لیے کوئی مانع نہیں ہے، اس وجہ سے موافقت ضروری ہے۔

تیسرا طریقہ: ومضافًا لمعرفةٍ فوجهان اس عبارت میں فاضل مصنفؒ نے اسم تفضیل

کے استعمال کا تیسرا طریقہ ذکر فرمایا ہے، وہ یہ کہ اسم تفضیل کا اپنے موصوف کے مطابق ہونا اور مطابق نہ ہونا دونوں صورتیں جائز ہیں اور یہ اس وقت ہے جب کہ اسم تفضیل مضاف ہو کسی معرفہ کی طرف جیسے الزیدان افضلُ القومِ بھی کہنا جائز ہے، اور الزیدون افضلا القومِ کہنا بھی جائز ہے، اور اسی طرح باقی مثالوں کو قیاس کر لیجیے، لیکن موصوف کے مطابق نہ ہونا زیادہ فصیح ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عدم مطابقت کا لحاظ کرتے ہوئے فرمایا ہے "وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ" (اور آپ تو ان کو حیات دنیا کا حریص عام آدمیوں سے بھی بڑھ کر پائیں گے۔ پ ۱، بقرہ آیت ۹۶) اس آیت میں اَحْرَصَ اسم تفضیل ہے، جو اپنے ماقبل موصوف کے مطابق نہیں ہے، اگر مطابق ہوتا تو اَحْرَصِی ہوتا یاء کے ساتھ، اور قرآن میں موصوف کے مطابق ہونا بھی بیان کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اَكَابِرَ مُجْرِمِيهَا" (اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے رئیسوں ہی کو جرائم کا مرتکب بنایا۔ پ ۸، انعام آیت ۱۲۳) اس آیت میں اَكَابِرَ اسم تفضیل جمع کا صیغہ ہے جو اپنے ماقبل موصوف كُلَّ قَرْيَةٍ کے مطابق ہے۔

اور ابن السراج نے اس تیسرے طریقہ میں بھی اسم تفضیل کو مفرد مذکر لانے کو واجب قرار دیا ہے، لیکن اس آیت کریمہ کے ذریعہ ان کا دعویٰ مردود ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسم تفضیل کا اپنے موصوف کے مطابق لانا اور مطابق نہ ہونا دونوں صورتیں جائز ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے؟

دراصل مفرد لانا تو اس لیے جائز ہے کہ یہ اسم تفضیل مستعمل بمن کے ساتھ مفضل علیہ کے مذکور ہونے میں مشابہ ہے اور مستعمل بمن میں ہمیشہ افراد واجب ہے، لہٰذا مشابہت مذکور کی وجہ سے مشابہ میں بھی یہ جائز رکھا ہے کہ وہ بھی مفرد ہو، لیکن چوں کہ اس کی دوسری چیز کے ساتھ مشابہت ہے لہٰذا اس میں افراد واجب نہیں۔

نوٹ:- اسم تفضیل کا ان تینوں سے خالی ہونا ناجائز ہے پس زید افضلُ بغیر کسی استعمال کے ناجائز ہے، ہاں اگر مفضل علیہ قرائن سے معلوم ہو سکتا ہو تو وہاں اس کا مقدر ہونا جائز ہے، اور اس وقت اس کا وجوہ ثلٰثہ میں سے بغیر کسی وجہ کے استعمال کرنا جائز ہے جیسے اللّٰہ اکبر اَیْ اکبرُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اور اَكْبَرُ كُلِّ شَیْءٍ، اور جیسے زیدٌ کریمٌ وخالدٌ اکرمُ اَیْ اکرمُ من زیدٍ اور اسم تفضیل میں دو استعمال کا جمع ہونا ناجائز ہے۔ پس زیدٌ الافضلُ من عمرو کہنا ناجائز ہے۔

اسم تفضیل کا عمل اور حکم:

وَلَا يَنْصِبُ الْمَفْعُولَ مُطْلَقًا یہاں سے فاضل مصنفؒ اسم تفضیل کے عمل اور حکم کو بیان فرما

رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسم تفضیل مفعول بہ کو مطلقاً نصب نہیں دیتا خواہ مفعول بہ مظہر ہو خواہ مضمر، کیوں کہ اسم تفضیل کا مفعول مفضول علیہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا، اور مفضول علیہ جب مذکور ہوتا ہے تو مجرور ہوتا ہے، پس اس میں وہ بواسطہ حرف جر عمل کرتا ہے، اس کے استدلال میں علماء نے فرمان الٰہی کو پیش فرمایا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِه" (بالیقین آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے، جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے۔ پ۸ انعام آیت ۱۱۸) میں اَعْلَمُ اسم تفضیل ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مَنْ، اَعْلَمُ کا مفعول بہ ہے حالاں کہ مَنْ اَعْلَمُ کا مفعول بہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ مفعول کو نصب دیتا ہی نہیں بلکہ مَنْ یہ ایسے فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے جو اَعْلَمُ پر دلالت کرتا ہے اور اصل عبارت "يَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ" ہے۔

وَلَا يَرْفَعُ فِي الْغَالِبِ ظَاهِرًا اس بات پر تمام نحویوں کا اتفاق ہے کہ اسم تفضیل ضمیر مستتر کو رفع دیتا ہے یعنی اسم تفضیل کا فاعل ہمیشہ ضمیر غائب ہوتی ہے، جیسے زيدٌ افضلُ من عمرو، افضل میں ایک ضمیر مستتر ہے جو زیدٌ کی طرف لوٹ رہی ہے، وہی ضمیر افضلُ کا فاعل ہے، لیکن اسم تفضیل کا فاعل اسم ظاہر ہوگا یا نہیں، یعنی اسم ظاہر کو رفع دے گا یا نہیں، اس سلسلے میں اہل عرب کے درمیان اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ اسم تفضیل مطلقاً اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ افضلُ منه أبوهُ، میں افضلُ اسم تفضیل بشکل نحو حالت جری میں ہے، کیوں کہ یہ رجل مجرور کی صفت ہے اور صفت کا اعراب وہی ہوتا ہے جو موصوف کا ہوتا ہے اور الابُ کو فاعلیت کی بناء پر رفع دیا گیا ہے۔ بقول مصنفؒ یہ لغت قلیل الاستعمال ہے اور اکثر اہل عرب کا کہنا ہے کہ اسم تفضیل اسم ظاہر میں کبھی بھی عمل نہیں کرتا (یعنی کبھی بھی اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا ہے)

طالبعلمانہ اشکال اور اس کا جواب:

اسم تفضیل ضمیر مستتر کو رفع دیتا ہے بربناء فاعلیت، لیکن اسم ظاہر کو رفع نہیں دیتا ایسا کیوں؟

دراصل اسم تفضیل ایک ضعیف عامل ہے اور ضمیر مستتر ضعیف معمول ہے، لہٰذا ضعیف عامل اپنے ضعیف معمول میں عمل کرسکتا ہے، لیکن اسم ظاہر قوی معمول ہے اور قوی معمول میں ضعیف عامل عمل نہیں کرسکتا اور بعض اہل عرب نے دلیل کے طور پر جو مثال پیش کی ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں، کیوں کہ اس میں خبر مقدم ہے اور اَبُوْهُ مبتداء مؤخر ہے اور افضلُ کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو اس کی طرف عود کر رہی ہے۔

مسئلۃ الکحل کی توضیح:

اِلَّا فِي مَسْئَلَةِ الْكُحْلِ اسم تفضیل اسم ظاہر کو نہ رفع دیتا ہے اور نہ اسے اپنا معمول بناتا ہے۔

ہاں صرف ایک صورت ہے جس میں اس کا فاعل اسم ظاہر ہوتا ہے وہ "مسئلہ الکحل" ہے، مسئلہ الکحل کے ذریعہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اسم تفضیل کے فاعل مظہر میں عمل کرنے کے لیے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، اگر تین شرطیں پائی جائیں گی وہاں اسم تفضیل فاعل مظہر میں عمل کرے گا، اور وہ تین شرطیں یہ ہیں۔

(۱) کلام میں نفی ہو (۲) اس کے بعد اسم جنس ہو جو اسم تفضیل کا موصوف کہلائے (۳) اس کے بعد مفضل ہو دو اعتبار سے (یعنی ایسا ہو کہ جو اس شیٔ کے اعتبار سے مفضل ہو اور دوسری شیٔ کے اعتبار سے مفضل علیہ بھی ہو، لیکن دو اعتبار سے ہو) ناچیز راقم السطور شرائط ثلثہ کی کچھ تفصیل اس طرح کرتا ہے۔

اول یہ کہ اسم تفضیل باعتبار لفظ کے ایک شیٔ کی صفت ہو اور باعتبار معنی اس شیٔ کے متعلق کی صفت ہو اور اس حالیکہ وہ اس شیٔ کے متعلق اور دوسری شیٔ میں مشترک ہو۔

دوم یہ کہ وہ متعلق شیٔ ایسا ہو کہ جو اس شیٔ کے اعتبار سے مفضل ہو اور دوسری شیٔ کے اعتبار مفضل علیہ بھی ہو لیکن دو اعتبار سے۔ سوم یہ کہ وہ اسم تفضیل منفی ہو جیسے "مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكُحْلُ مِنْهُ فِي عَيْنِ زَيْدٍ" (میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا کہ اس کی آنکھ میں سرمہ اس سرمہ سے زیادہ اچھا ہو جو زید کی آنکھ میں ہے) اس مثال میں پہلے اثبات کے معنی کا لحاظ کرنا چاہیے تا کہ کلام کے معنی ظاہر ہو جاویں اور پھر اس کے بعد نفی کے معنی کا۔ اس مثال میں أَحْسَنُ اسم تفضیل کا صیغہ لفظ کے اعتبار سے تو رجلاً کی صفت ہے اور معنی کے اعتبار سے متعلق رجل یعنی کحل کی صفت ہے جو چشم رجل اور چشم زید میں مشترک ہے۔ اور یہ کحل باعتبار عین رجل مفضل ہے۔ اور باعتبار عین زید مفضل علیہ ہے۔ اور أَحْسَنُ کا فاعل یہاں کُحل ہے جو اسم ظاہر ہے اور أَحْسَنُ اس میں عمل کر رہا ہے۔ اس میں نفی کے سوا باقی سب شرطیں ظاہر ہو گئیں، لیکن جب اس پر نفی داخل ہوئی تو اسم تفضیل مثبت سے منفی ہو جائے گا۔ اور تینوں شرطیں پائی جائیں گی۔ اور نفی کے بعد کُحل باعتبار عین رجل مفضل علیہ ہے اور باعتبار عین زید مفضل ہے، اور نفی کے بعد مقصود زید کے آنکھ کے سرمہ کی تعریف ہے، اس مثال میں ما نافیہ ہے اور رَجُلًا مفعول بہ رأیتُ فعل کا ہے اور أَحْسَنُ اسم تفضیل ہے جو الکحل میں عمل کر رہا ہے اور الکحل اسم ظاہر ہے جو أَحْسَنُ کا فاعل ہے۔

شاعر کا قول مَا رَأَيْتُ امْرَأً أَحَبَّ إِلَيْهِ الْبَذْلُ مِنْهُ إِلَيْكَ يَا ابْنَ سِنَانٍ۔ (میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا کہ خرچ کرنا اس کی طرف زیادہ اچھا ہو بہ نسبت تیری طرف اے ابن سنان۔) اس شعر میں أَحَبَّ اسم تفضیل کا صیغہ لفظ کے اعتبار سے تو اِمْرَءًا کی صفت ہے اور معنی کے اعتبار سے اَلْبَذْلُ کی صفت ہے جو اِمْرَءًا اور اِبْنَ سِنَانٍ کے خرچ کرنے میں مشترک ہے اور أَحَبَّ اسم

تفضیل اَلْبِذْلُ اسم ظاہر کو بربناء فاعلیت رفع دے رہا ہے۔

نوٹ:۔ جس طرح اسم تفضیل سے پہلے نفی کا ہونا ضروری ہے اسی طرح نفی کی جگہ میں استفہام کا ہونا جائز ہے جیسے هَلْ رایتُ رجلاً احسن فی عینه الكحل منه فی عین زید نیز نفی کی جگہ نہی کا استعمال بھی جائز ہے، جیسے لایکن احدٌ احبَّ الیه الْخَیْرُ منهُ اِلَیْكَ۔ (محمد ماجد حاشیہ)

بابُ التّوابع ــــــ توابع کا بیان

بَابُ التَّوابِعِ۔ یَتْبَعُ مَا قَبْلَهُ فِی اِعْرَابِهِ خَمْسَةٌ۔

ترجمه:۔ توابع کا بیان۔ تابع سے مراد وہ ثانی اسم ہے جو اعراب میں اپنے سابق اسم کے موافق ہو اور وہ پانچ ہیں۔

تشریح:۔ بابُ التوابع اب تک ایسے اسموں کا بیان تھا جن پر اعراب اصلی تھا یعنی ان کے اوپر ان کے عامل کا اثر بغیر کسی واسطے کے تھا اب ایسے اسموں کا بیان ہے جن پر اعراب اصل نہیں ہے، بلکہ پہلے اسم کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے۔ توابع تابع کی جمع ہے اور صفت سے اسمیت کی طرف منقول ہے، اس لیے کہ فاعل وصفی کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی، بلکہ فاعل اسمی کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے، جیسا کہ کاہل مابین الکتفین کی جمع کواہل آتی ہے۔

تابع ماخوذ ہے تبعٌ پیروی کرنا، چوں کہ یہ بھی اسم اپنے ماقبل کی پیروی کرتا ہے اعراب میں اس وجہ سے ایسے اسم کو تابع کہتے ہیں۔

توابع کی قسمیں:

خمسةٌ تابع کی پانچ قسمیں ہیں صفت، تاکید، عطف بیان، عطف نسق اور بدل۔ علامہ جامی اور ان کے ہمنواؤں کے نزدیک تابع کی چار قسمیں ہیں۔ انہوں نے عطف بیان اور عطف نسق دونوں کو ایک شمار کیا ہے عطف کی مناسبت کی وجہ سے۔

بابُ النّعت ــــــ نعت کا بیان

النَّعْتُ، وَهُوَ: التَّابِعُ، الْمُشْتَقُّ اَوِ الْمُؤَوَّلُ بِهِ، الْمُبَايِنُ لِلَفْظِ مَتْبُوعِهِ.

ترجمه:۔ نعت، اور وہ ایسا تابع ہے جو مشتق ہو یا مؤول بہ ہو، اپنے متبوع (یعنی منعوت) کے لفظ کو واضح کرنے والا ہو۔

تشریح:- النعت وھو التابع الخ اس عبارت میں فاضل مصنف نے نعت کی تعریف بیان فرمائی ہے جو چند قیود پر مشتمل ہے۔ نعت وہ ایسا تابع ہے جو مشتق ہو یا مؤول بہ ہو اپنے متبوع کے لفظ کے لیے وضاحت کرنے والا ہو۔ اس تعریف میں تابع بمنزلہ جنس کے ہے جو پانچوں توابع کو شامل ہے، اور تعریف کے باقی الفاظ بمنزلہ فصل کے ہیں۔ مثلاً "المشتق او المؤول بہ" فصل اول ہے جو بقیہ توابع کے لیے مخرج ہے، کیوں کہ بقیہ توابع نہ تو مشتق ہوتے ہیں اور نہ ہی مؤول بہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ تاکید کی بحث میں جاء القومُ اجمعون اور جاء زیدٌ زیدٌ کہا جاتا ہے ان دونوں مثالوں میں اجمعون اور زیدٌ بطور تاکید ہے جو غیر مشتق اور غیر مؤول بہ ہے۔

اور عطف بیان اور بدل کی بحث میں "جاء زیدٌ ابو عبداللّٰہ" کہا جاتا ہے جس میں ابو عبداللہ عطف بیان بھی ہوسکتا ہے اور زیدٌ سے بدل بھی، لیکن یہ نہ تو مشتق ہے اور نہ ہی مؤول بہ ہے اور عطف نسق کی بحث میں جاء زیدٌ وعمروٌ کہا جاتا ہے جس میں عمروٌ عطف نسق ہے لیکن یہ مشتق اور مؤول بہ نہیں، بلکہ تمام کے تمام جامد ہیں۔ اسی طرح بقیہ امثلہ کو قیاس کرلیا جائے۔ ہاں صرف تاکید لفظی مشتق ہوتا ہے جیسے جاء زیدٌ الفاضلُ الفاضلُ میں اول فاضل نعت ہے اور ثانی فاضل تاکید لفظی ہے، لیکن اسے بھی فصل ثانی "المبائن للفظ متبوعہ" نے نعت کی تعریف سے خارج کردیا ہے کیوں کہ تاکید اپنے متبوع کی تکرار کے لیے آتا ہے اور نعت اپنے منعوت کی وضاحت کے لیے آتا ہے۔

طالبعلمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! صاحب کتاب کا یہ کہنا کہ نعت ہی مشتق یا مؤول بہ ہوتا ہے دیگر توابع کی یہ خصوصیات نہیں، حالاں کہ میرے پاس کچھ مثالیں ایسی ہیں جو نعت نہیں، بلکہ دیگر توابع ہیں اور مشتق ہیں، مثلاً قال ابوبکر ن الصدیق، قال عمر ن الفاروق، ان دونوں مثالوں میں الصدیق اور الفاروق، ابوبکر اور عمر کے لیے عطف بیان اور بدل واقع اور مشتق ہیں، اور یہ دونوں کے دونوں نعت نہیں ہیں، اسی طرح رایتُ کاتباً وشاعراً نعت نہیں، بلکہ عطف نسق ہے اور مشتق ہے لہٰذا مصنف کا دعویٰ ٹوٹ گیا۔

جواب: الصدیق اور الفاروق اگرچہ دونوں مشتق ہیں، مگر وہ خلیفہ کے لقب ہونے کی وجہ سے زید وعمرو کی طرح بابُ الاعلام سے لاحق ہوگئے، اور زید وعمرو دونوں جامد ہیں لہٰذا اس باب سے لاحق ہونے والے اسماء والقاب بھی جامد ہوں گے لہٰذا باب الاعلام سے متعلق ہونے کی وجہ سے یہ دونوں مشتق نہیں رہے۔

اور ہاں لفظ "شَاعِرًا" تو یہ نعت ہے جس کا منعوت محذوف ہے اور وہ منعوت معطوف ہے، اسی طرح کَاتِبًا حقیقت میں مفعول نہیں ہے، بلکہ وہ مفعول کے لیے صفت ہے، اور اصل عبارت رَأَیْتُ رَجُلًا کَاتِبًا وَرَجُلًا شَاعِرًا ہے۔

نعت کی قسمیں:

نعت کی دو قسمیں ہیں (۱) نعت بحال منعوت (اس کو نعت حقیقی بھی کہتے ہیں) (۲) نعت بحال متعلق موصوف (اس کو نعت سببی بھی کہتے ہیں)

نعت بحال منعوت سے مراد وہ نعت ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع میں ہو جیسے جملہ نی رجلٌ عالمٌ اس میں رجل موصوف ہے عالمٌ صفت ہے، علم نے رجل کی صفت کو بیان کیا ہے کہ وہ عالم ہے، اور یہ نعت دس چیزوں میں سے بیک وقت چار چیزوں میں اپنے موصوف کے مطابق ہوگی۔ ۱۔ رفع، نصب اور جر میں سے ایک۔ ۲۔ واحد، تثنیہ اور جمع میں سے ایک ۳۔ معرفہ اور نکرہ میں سے ایک ۴۔ تذکیر و تانیث میں سے۔

نعت بحال متعلق موصوف سے مراد وہ صفت ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کے متبوع کے متعلق میں ہو، جیسے جاءنی رجل عالمٌ ابوہُ (میرے پاس ایسا مرد آیا جس کا باپ عالم ہے) عالمٌ ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو رجل (متبوع) کے متعلق (ابوہُ) میں ہے۔

بابُ فائدۃِ النّعت ــــ نعت کے فوائد کا بیان

وَفَائِدَتُہٗ تَخْصِیْصٌ، أَوْ تَوْضِیْحٌ، أَوْ مَدْحٌ أَوْ ذَمٌّ، أَوْ تَرَحُّمٌ، أَوْ تَوکِیْدٌ.

ترجمہ:- اور نعت کا فائدہ تخصیص، یا توضیح، یا مدح، یا ذم، یا ترحم یا تاکید ہے (یعنی نعت تخصیص، توضیح، مدح، ذم، ترحم۔ یا تاکید کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

تشریح:- وفائدتہ تخصیص الخ یہاں سے فاضل مصنف نعت کے فوائد کو بیان فرما رہے ہیں کہ نعت (صفت) تخصیص، توضیح، مدح، ذم، ترحم، اور تاکید وغیرہ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

نعت برائے تخصیص: نعت منعوت کی تخصیص کے واسطے آتی ہے جب کہ دونوں نکرہ ہوں یعنی منعوت میں اشتراک کم ہو جاتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ کَاتِبٍ میں کاتب اور رجل دونوں نکرہ ہیں، رجل کاتب اور غیر کاتب بھی میں برابر تھا، جب کَاتِبٌ اس کی نعت ذکر کردی تو اس میں اشتراک کم ہوگیا۔ (تخصیص قلت اشتراک و ابہام کا نام ہے)

نعت برائے توضیح: نعت منعوت کی وضاحت کے واسطے آتی ہے جب کہ منعوت معرفہ ہو جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ الْخَيَّاطِ اس مثال میں زیدٌ منعوت معرفہ ہے اور الخیاط اس کی نعت ہے جو برائے توضیح آئی ہے (توضیح سے مراد رفع احتمال ہے)

نعت برائے مدح وذم: کبھی نعت منعوت کی اچھائی اور برائی بیان کرنے کے واسطے آتی ہے جب کہ موصوف اس صفت کے ساتھ معروف ومشہور ہو۔ مدح کی مثال جیسے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اس میں اللہ موصوف ہے اور الرّحمٰن اور الرّحیم صفت برائے مدح ہے۔

ذم کی مثال: جیسے اعوذ باللّٰہ مِنَ الشیطٰن الرجیم (پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کے ساتھ مردود شیطان سے) میں الشیطان منعوت ہے اور الرّجیم برائے ذم اس کی نعت ہے، کیوں کہ شیطان رجیم کی صفت کے ساتھ معروف ومشہور ہے۔

صفت برائے ترحم: نعت منعوت پر ترحم کے واسطے بھی آتی ہے جیسے اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ عَبْدَكَ الْمِسْكِيْنَ" (اے اللہ تو اپنے محتاج بندے پر رحم فرما) اس میں المسکین صفت عبد موصوف پر رحم کھانے کے واسطے آئی ہے۔

صفت برائے تاکید: کبھی کبھی نعت منعوت کی تاکید کے واسطے بھی آتی ہے، جب کہ منعوت اس معنی کو متضمن ہو جس پر صفت دلالت کر رہی ہے جیسے باری تعالیٰ کا قول "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" (یہ پورے دس ہوئے۔ پ۲ البقرہ آیت ۱۹۶) میں عَشَرَة کی تاء خود برائے تکملہ ہے، اس کے باوجود کاملہ صفت محض تاکید ہے۔ اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ" (پھر جب صور میں یکبارگی پھونک ماردی جائے گی۔ پ۲۹، حاقہ آیت ۱۳) میں نفخۃ کی تاء خود برائے وحدت ہے، لہٰذا واحدۃ صفت محض تاکید ہے۔

بَابُ مَا يَتْبَعُ فِيْهِ مَنْعُوْتَهٗ

جن چیزوں میں نعت اپنے منعوت کے تابع ہوتی ہے اس کا بیان

وَيَتْبَعُ مَنْعُوْتَهٗ فِيْ وَاحِدٍ مِنْ اَوْجُهِ الْاِعْرَابِ، وَمِنَ التَّعْرِيْفِ وَالتَّنْكِيْرِ، ثُمَّ اِنْ رَفَعَ ضَمِيْرًا مُسْتَتِرًا تَبِعَ فِيْ وَاحِدٍ مِنَ التَّذْكِيْرِ وَالتَّاْنِيْثِ، وَوَاحِدٍ مِنَ الْاِفْرَادِ وَفَرْعَيْهِ، وَاِلَّا فَهُوَ كَالْفِعْلِ، وَالْاَحْسَنُ "جَاءَنِيْ رَجُلٌ قُعُوْدٌ غِلْمَانُهٗ" ثُمَّ "قَاعِدٌ" ثُمَّ "قَاعِدُوْنَ".

ترجمہ:- اور نعت اپنے منعوت کے تابع ہوتی ہے، اعراب (یعنی رفع، نصب اور جر) کی

شکلوں میں سے کسی ایک میں۔ اور تعریف وتنکیر میں سے کسی ایک میں، پھر اگر نعت رفع دینے والی ہو موصوف کی ضمیر مستتر کو تو تذکیر اور تانیث میں سے کسی ایک میں، اور افراد اور اس کے فروعات (تثنیہ وجمع) میں سے کسی ایک میں (تابع ہوگی) ورنہ وہ فعل کی طرح ہوگی، اور جاء نی رجل قعود غلمانہ پھر قاعد، پھر قاعدون کہنا احسن ہے۔

تشریح:- یہاں سے فاضل مصنفؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ نعت اپنے منعوت کا کتنی چیزوں میں متابعت کرتی ہے تو یہ بات ذہن نشیں رہے کہ اعراب کے اعتبار سے اسم کی تین حالتیں ہیں رفع، نصب اور جر اور افراد کے اعتبار سے تین حالتیں ہیں، مفرد، تثنیہ اور جمع، تذکیر وتانیث کے اعتبار سے دو حالتیں ہیں مذکر اور مؤنث، اور تعریف وتنکیر کے اعتبار سے بھی دو حالتیں ہیں نکرہ اور معرفہ، اسم کی یہ کل دس حالتیں ہوگئیں۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ کسی بھی اسم میں بیک وقت یہ دس حالتیں جمع نہیں ہوسکتیں، کیوں کہ ان میں سے بعض بعض کے برعکس اور متضاد ہیں، اور دو متضاد چیزوں کا اجتماع بیک وقت کسی بھی جگہ ناجائز ہوتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ایک اسم بیک وقت مرفوع، منصوب، اور مجرور نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح معرفہ اور نکرہ کا اجتماع بھی درست نہیں۔ اور نہ مفرد، مثنیٰ، مجموع کا اجتماع درست ہے، اسی طرح تذکیر وتانیث کا اجتماع بھی درست نہیں ہوتا۔

ویتبع منعوتہ فی واحد من اوجہ الاعراب الخ فاضل مصنفؒ فرماتے ہیں کہ نعت کا جن دس چیزوں تعریف، تنکیر، تذکیر، تانیث، افراد، تثنیہ جمع، رفع، نصب اور جر میں موصوف کے مطابق ہونا ضروری ہے، ان میں سے کسی بھی اسم میں بیک وقت چار چیزوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ تذکیر وتانیث میں سے کوئی ایک، تعریف وتنکیر میں سے کوئی ایک، رفع، نصب اور جر میں سے کوئی ایک، مفرد، تثنیہ اور جمع میں سے کوئی ایک، جیسے جاء نی زیدٌ (میرے پاس زید آیا) اس مثال میں زید کا مفرد، مذکر، معرفہ، مرفوع ہونا پایا گیا ہے، اگر لفظ زید کے بجائے رجلٌ کہا جائے تو اس وقت نکرہ معرفہ کا بدل ہوجائے گا اور بقیہ ساری شکلیں وہی ہیں۔ اگر زیدٌ کے بجائے الزیدان یا الرجال کہہ دیا جائے تو اس صورت میں تثنیہ یا جمع مفرد کے بدل ہوں گے، اور بقیہ سابق صورتیں ہی ہوں گی، اور اگر زیدٌ کی جگہ ھندٌ پڑھا جائے تو اس صورت میں تانیث تذکیر کا بدل ہوگی، اور بقیہ سابق صورتیں موجود رہیں گی، لہٰذا رأیت زیدًا کہنے کی صورت میں یا مررت بزید کہنے کی صورت میں نصب یا جر رفع کا بدل ہوگا، اور باقی سابق صورتیں موجود ہوں گی، بعض اہل عرب کے نزدیک نعت اپنے منعوت کی دس چیزوں میں سے کسی چار چیزوں میں بیک وقت موافقت کرتی ہے، اور انہوں نے اس

سے یہ مراد لیا کہ چار چیزوں میں نعت اپنے منعوت کا ہر وقت ہر حال میں موافقت کرے گی اور یہ موافقت کرنا لازم اور ضروری ہے، بقول صاحب کتاب یہ ٹھوس بات نہیں، کیوں کہ نعت کا حکم یہ ہے کہ یہ اپنے منعوت کا پانچ چیزوں میں سے صرف دو میں ہر حال میں متابعت کرے گی، اور وہ دونوں یہ ہیں (۱) اعراب کی مختلف شکلوں میں سے کوئی ایک (۲) تعریف وتنکیر میں سے کوئی ایک۔

نوٹ:- یہ بات ذہن نشین رہے کہ نعت اعراب میں اور تعریف وتنکیر میں اپنے منعوت کی کبھی بھی مخالفت نہیں کرسکتی، بلکہ موافقت کرنا لازم اور ضروری ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۱):

حضرت! صاحب کتاب نے یہ دعویٰ کیا کہ اعراب میں نعت کے لیے منعوت کی مخالفت کرنا جائز نہیں، بلکہ موافقت واجب اور ضروری ہے تو یہ اہل عرب کے قول "ھٰذا جُحرُ ضَبٍّ خَرِبٍ" (یہ گوہ کا ویران سوراخ ہے) سے ٹوٹ رہا ہے، کیوں کہ اس مثال میں جُحرٌ موصوف مرفوع کی صفت خَرِبٍ مکسور لائے ہیں، تو اب یہاں موصوف حالت رفع میں اور صفت حالت جر میں پائے گئے لہٰذا ان دونوں کے درمیان موافقت قائم نہیں ہوئی؟۔

ہاں جناب! آپ کا اعتراض تو واقعی قابل قبول ہے مگر ہمارے پاس اس کا بھی جواب ہے وہ یہ کہ کبھی کبھی اعراب قرب وجوار یعنی پڑوس کی وجہ سے دے دیا جاتا ہے لہٰذا خَرِبٍ کو بجائے رفع کے ضَبٍّ پڑوسی کی وجہ سے کسرہ دے دیا گیا ہے، کیوں کہ ضَبٍّ مکسور ہے ورنہ خربٍ پر ضمہ تقدیری موجود ہے جیسے شاعر کا قول قَدْ یُوخَذُ الْجَارُ بِجُرْمِ الجَارِ (کہ پڑوسی کو پڑوسی کے جرم کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے) اس شعر سے استدلال معنوی اعتبار سے ہے کہ پڑوسی کو قرب کی بناء پر مجرم پڑوسی کا شریک جرم قرار دیا جاتا ہے اسے قرابت کی وجہ سے مابعد اسم کو اپنے ماقبل اسم کا اعراب دے دیا جاتا ہے، حالاں کہ حقیقی اعراب اس کا غیر ہوتا ہے۔ نیز خَرِبٍ کو مکسور پڑھنا یہ بعض اہل عرب کا قول ہے ورنہ اکثر اہل عرب کے نزدیک خَرِبٌ کو حالت رفع میں ہی پڑھا گیا ہے۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب (۲):

مصنفؒ کا دعویٰ کہ تعریف وتنکیر میں بھی نعت کے لیے منعوت کی موافقت کرنا ضروری ہے۔ تو یہ دعویٰ باری تعالیٰ کے قول "وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ لُمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ" (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لیے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہو اور روبرو طعنہ دینے والا ہو، جو غایت حرص سے مال جمع کرتا ہو اور اس کو بار بار گنتا ہو۔ پ۳۰، ہمزہ) کے ذریعہ ٹوٹ رہا ہے، کیوں کہ اس آیت میں وَيْلٌ

إِكْلِي هَمْزَةٍ لُمَزَةٍ موصوف نکرہ ہے اور اس کی صفت اَلَّذِی معرفہ ہے تو پھر موصوف صفت میں مطابقت کہاں رہی۔ دراصل موصوف اضافت کے ساتھ ہے اور اضافت معرفہ کے اقسام میں سے ہے، لہذا موصوف معرفہ ہوا اور صفت بھی معرفہ ہے، اب مطابقت قائم ہوگی۔ (فلا اعتراض علیہ)

طالبعلمانہ اشکال اور اس کا جواب (۳):

حضرت الاستاذ! قرآن کریم کی آیت "حٰمٓ، تَنْزِیلُ الکتاب مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیزِ الْعَلِیمِ، غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ" (حم، یہ کتاب اُتاری گئی ہے اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے، ہر چیز کا جاننے والا ہے، گناہ کا بخشنے والا ہے اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے، سخت سزا دینے والا ہے، قدرت والا ہے۔ پ ۲۴، سورہ مومن آیت ۱، ۲، ۳) میں لفظ "اَللّٰهُ" موصوف معرفہ ہے اور اس کی صفت شَدِیدِ الْعِقَابِ نکرہ ہے تو پھر یہاں ان دونوں کے درمیان مطابقت نہیں رہی۔

دراصل شَدِیدِ صفت مشبہ ہے اور صفت مشبہ کی اصل نکرہ ہوتا ہے، اس لیے اس کی اصلیت کا اعتبار کرتے ہوئے شدید نکرہ لایا گیا ہے۔

نوٹ:- یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسم کو دوسرے اسم سے قرب وجوار کی بناء پر اس اسم کا اعراب دے دیا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں اسماء میں لفظی اعتبار سے مناسبت قائم ہو، اگرچہ معنوی اعتبار سے مخالفت ہو، لیکن یہ ضابطہ نعت کو منعوت کی موافقت کرنے سے نہیں روک سکتا، جیسا کہ ضابطہ ہے "مبتداء اور خبر دونوں مرفوع ہوتے ہیں" لیکن یہ ضابطہ حسن بصریؒ کی قراءت "اَلْحَمْدِ لِلّٰهِ" (دال کو کسرہ کے ساتھ پڑھنا لام کے کسرہ کا اتباع کرتے ہوئے) کی وجہ سے ٹوٹ سکتا ہے، اسی طرح مَنْ زَیْدًا نصب کے ساتھ، یا مَنْ زَیْدٍ جر کے ساتھ، یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ اس شخص سے سوال کریں جس نے کہا رَأَیْتُ زَیْدًا، یا مَرَرْتُ بِزَیْدٍ، تو آپ مَنْ زَیْدًا نصب کے ساتھ اور مَنْ زَیْدٍ جر کے ساتھ کہیں گے، تاکہ حکایت اعراب کے ذریعہ آپ کا کلام اس کے کلام کے ساتھ مربوط ہو جائے۔

خلاصہ کلام ایک نعت اعراب میں اور تعریف وتنکیر میں ہر وقت اپنے منعوت کی موافقت کرتی ہے اور ضروری ہے۔

ثُمَّ إِنْ رَفَعَ ضَمِیرًا مُسْتَتِرًا تَبِعَ فِی وَاحِدٍ مِنَ التَّذْکِیرِ وَالتَّأْنِیثِ الخ

فاضل مصنفؒ یہاں سے اس بات کو بیان فرما رہے ہیں کہ مابقیہ پانچ یعنی مفرد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث میں نعت کا منعوت کی متابعت کرنا واجب اور ضروری نہیں ہے تو پھر کیا حکم ہے؟ صاحب کتاب

خود فرماتے ہیں باقی حالتوں میں یعنی تذکیر و تانیث، افراد، تثنیہ اور جمع میں صفت فعل کے مشابہ ہوتی ہے یعنی فعل کے حالات جو فاعل کے اعتبار سے ہوتے ہیں صفت کے وہی حالات فاعل کے اعتبار سے ہوں گے، جن کی تفصیل یہ ہے (۱) اگر نعت منعوت کی ضمیر اگر نعت کا فاعل ہو تو ان پانچ چیزوں میں سے دو میں نعت اپنے منعوت کے مطابق ہوگی، لہٰذا اس وقت اشیاء عشرہ میں سے چار میں موافقت قائم ہوگی جیسا کہ سابق میں اہل عرب کا قول آچکا ہے، جیسے "مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَائِمٍ، وَبِرَجُلَيْنِ قَائِمَيْنِ، وَبِرِجَالٍ قَائِمِيْنَ، وَبِامْرَأَةٍ قَائِمَةٍ، وَبِامْرَأَتَيْنِ قَائِمَتَيْنِ، وَبِنِسْوَةٍ قَائِمَاتٍ، کہنا درست ہے، جیسا کہ فعل میں مررت برجل قام وبرجلين قاما، وبرجال قاموا، وبامرأة قامت، بامرأتين قامتا، وبنسوة قُمْنَ کہنا درست ہے۔

(۲) اور اگر وصف اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو (یعنی نعت کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو) تو اس وقت تذکیر و تانیث ہونے میں وصف اسم ظاہر کے مطابق ہوگا، اگر فاعل مذکر ہو تو صفت کو مذکر لایا جائے گا، اگر مؤنث حقیقی ہو تو صفت کو مؤنث لایا جائے گا منعوت کے مطابق نہیں۔ جیسا کہ فعل جو وصف کے قائم مقام ہو اپنے فاعل کے مطابق ہوتا ہے، جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قَائِمَةٍ أُمُّهُ میں اُم کی تانیث کی وجہ سے صفت مؤنث لائی گئی ہے، مذکر موصوف کی طرف رخ بھی نہیں کیا گیا، اس میں قائمة کا فاعل أُمُّهُ مؤنث ہے اس لیے قائمة کو مؤنث لایا گیا ہے، حالاں کہ اس کا موصوف مذکر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اس جملہ کو جملہ فعلیہ میں بدلا جائے تو عبارت قَامَتْ أُمُّهُ ہوتی ہے لہٰذا نعت کا مؤنث لانا درست ہو گیا۔

اسی طرح اس کے برعکس "مَرَرْتُ بِامْرَأَةٍ قَائِمٍ أَبُوْهَا" کہنا درست ہے، کیوں کہ أَبٌ کے مذکر ہونے کی وجہ سے صفت مذکر لائے ہیں، مؤنث موصوف کی طرف رخ بھی نہیں کیا ہے، اس مثال میں قائم کا فاعل أَبُوْهَا مذکر ہے، اس لیے قَائِمٌ مذکر لایا گیا ہے، حالاں کہ اس کا موصوف مؤنث ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جملہ فعلیہ میں بدل کر قَامَ أَبُوْهَا کہا جاتا ہے ــــ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا" (اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں پ۵، سورۂ نساء آیت ۷۵) سابقہ مثالوں پر قیاس کر لیجیے۔

(۳) فاعل اگر ظاہر ہو تو صفت کو ہمیشہ مفرد لایا جائے گا خواہ فاعل تثنیہ ہو یا جمع ہو جیسا کہ فعل میں واجب ہوتا ہے، مثلاً مَرَرْتُ بِرَجُلَيْنِ قَائِمٍ أَبَوَاهُمَا، مَرَرْتُ بِرِجَالٍ قَائِمٍ آبَاؤُهُمْ، کہا جائے گا جیسا کہ جملہ فعلیہ میں قام أبواهما اور قَامَ آبَاؤُهُمْ کہا جاتا ہے اور جن لوگوں نے قَامَا أَبَوَاهُمَا اور أَكَلُوْنِي الْبَرَاغِيْثُ کہتے ہوئے صفت صیغہ تثنیہ اور جمع سالم لائے انہوں نے کہا اصل قَائِمَيْنِ أَبَوَاهُمَا، اور قَائِمِيْنَ آبَاؤُهُمْ کہنا درست ہے، تو اس کے قائم مقام فعل کا بھی اسی طرح

استعمال کرنا درست ہوگا۔

والاحسن جاء نی رجل قعود غلمانہ الخ فاضل مصنفؒ یہاں سے اس بات کو بیان فرما رہے ہیں کہ تمام نحویوں نے صفت کو جمع تکسیر لانا اس وقت جائز قرار دیا ہے جب کہ اسم مرفوع جمع ہو جیسے مَرَرْتُ بِرِجَالٍ قِیَامٍ آبَاؤُهُمْ، اور مَرَرْتُ بِرَجُلٍ قُعُوْدٍ غِلْمَانُهُ کہنا بھی درست ہے، چوں کہ جمع تکسیر مفرد کے حکم میں ہوتی ہے، اور جمع تکسیر لانا مفرد کے مقابلہ میں اَحْسَن ہے، جیسا کہ مفرد جمع صحیح کے مقابلہ میں احسن تھا، صاحب ایضاح الطالب تحریر فرماتے ہیں کہ ترکیب قعود غلمانہٗ جائز ہے نہ حسن ہے اور نہ ضعیف ہے، اس لیے کہ قعود اگر چہ جمع ہے اور غلمانہ اس کا فاعل ہے مگر چوں کہ وہ جمع تکسیر ہے اور جمع تکسیر حکم میں مفرد کے ہوتی ہے لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ گویا وہ جمع ہی نہیں۔

ضمیمات باب هٰذا

نکتہ۱: ضمیر کسی صفت کے ساتھ موصوف نہیں ہوتی، اس لیے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب معرفہ کی تمام قسموں میں اعرف اور واضح ہیں اور یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ مقصود توصیف معرفہ سے اس کی توضیح ہے، پس جب یہ دونوں اوضح ہیں تو اب ان دونوں کی توضیح کی حاجت نہیں۔ باقی رہی ضمیر غائب اس کو طرداً للباب ان دونوں پر حمل کر لیا گیا ہے پس ثابت ہوا کہ ضمیر موصوف نہ ہوگی۔

سوال: ضمائر غائبہ موصوف واقع ہوئی ہے جیسے لا الٰہ الّا اللہ ھو العزیز الحکیم کہ اس میں العزیز الحکیم، ھُوَ کی صفت ہے؟ جواب: صفت نہیں بلکہ بدل ہے، دوسرا جواب ھُو ضمیر نہیں ہے، بلکہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے اور اس وقت یہ سکون واؤ ہے۔

نکتہ۲: ضمیر کسی چیز کی صفت بھی نہ ہوگی، اس لیے کہ صفت وہ ہے جو کہ ان معنی پر کہ موصوف میں نہیں دلالت کرتی ہے اور ضمیر چوں کہ ذات پر دلالت کرتی ہے اور اس معنی پر دلالت نہیں کرتی جو کہ ذات میں پائے جاتے ہیں لہٰذا وہ صفت نہ ہوگی۔

نکتہ۳: موصوف اگر معرف باللام ہو تو اس کی صفت کی صرف دو صورتیں ہیں یا معرف باللام ہوگی یا معرف باللام کی طرف بلاواسطہ یا بالواسطہ مضاف ہوگی، جیسے جاء نی الرَّجُلُ الفاضِل، اس میں صفت معرف باللام ہے، جاء نی الرَّجُلُ صاحِبُ الفرسِ (میرے پاس ایسا آدمی آیا جو گھوڑے والا ہے) اس مثال میں صفت معرف باللام کی طرف مضاف ہے، جاء نی الرَّجُلُ صاحِبُ لجام الفرس (میرے پاس ایسا آدمی آیا جو گھوڑے کی لگام والا ہے) یعنی اس کے پاس گھوڑے کی لگام ہے، اس مثال میں صفت معرف باللام کی طرف مضاف ہونے والے کی طرف مضاف ہے۔

نکتہ ۴: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موصوف معرف باللام کی صفت اسم موصول واقع ہوتی ہے جیسے جاءنی الرّجل الذی کان عندك امس (میرے پاس ایسا آدمی آیا جو کل تیرے پاس موجود تھا) ایسے ہی موصوف اگر علم ہو تو بھی یہی تفصیل ہوگی۔

نکتہ ۵: جاء نی رجلٌ اِضْرِبْهٗ جملہ انشائیہ صفت، خبر، حال، صلہ نہیں بنتا، حالاں کہ مثال مذکور میں اِضْرِبْهٗ رَجُلٌ کی صفت بن رہا ہے۔ جواب واقعی جملہ انشائیہ صفت نہیں بنتا مگر تاویل بعید کے ساتھ بن جاتا ہے، لہٰذا مثال مذکور میں تاویل کی جائے گی، یعنی جاء نی لرجل مقولٌ فی حقہٖ اِضْرِبْهٗ (میرے پاس ایسا آدمی آیا جس کے حق میں کہا گیا ہے اِضْرِبْهٗ یعنی وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو مارنے کا حکم دیا جائے۔

نکتہ ۶: قالوا اِنّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ (پ ۲۷، ع ۱) مرکب توصیفی میں مطابقت کا ہونا ضروری ہے، حالاں کہ قوم واحد ہے اور مجرمین جمع ہے لہٰذا مطابقت نہیں ایسا کیوں؟

جواب: قومٌ اگرچہ لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع ہے لہٰذا مطابقت موجود ہے یاد رہے کہ قوم کا لفظ مردوں کی جماعت کے لیے بولا جاتا ہے جیسے لایسخر قوم من قوم عسٰی ان یکونوا خیرًا منهم ولا نساءٌ من نساءٍ۔

نکتہ ۷: مَرَرْتُ بِامْرَأَةٍ عالِمٍ اَبُوْهَا، اِمْرَأَةٌ موصوف ہے اور عالم صفت، مگر تذکیر وتانیث میں مطابقت نہیں ہے؟ جواب یہ صفت بحال متعلق موصوف ہے، جو تذکیر وتانیث میں موصوف کے مطابق نہیں ہوتی بلکہ اپنے فاعل کے مطابق ہوتی ہے، کما فی قولہ تعالیٰ ربّنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها اس آیت میں الظالم القرية کی صفت ہے۔

نکتہ ۸: مَرَرْتُ برجلٍ حَسَنِ الْوَجْهِ، موصوف (رجل) نکرہ ہے اور صفت (حسن الوجه) اضافت کے ساتھ ہے اور اضافت معرفہ کے اقسام میں سے ہے، گویا مطابقت نہیں رہی؟

جواب: حَسَنِ الوجهِ میں اضافت لفظی ہے جو تعریف وتخصیص کا فائدہ نہیں دیتی، بلکہ اس سے الفاظ میں تخفیف مقصود ہوتی ہے لہٰذا موصوف وصفت دونوں نکرہ ہی رہے۔

باب: یَجُوزُ قَطْعُ الصِّفَةِ ــــــ صفت کے محذوف ہونے کا بیان

وَيَجُوزُ قَطْعُ الصِّفَةِ الْمَعْلُومِ مَوْصُوفُهَا حَقِيقَةً اَوِ ادِّعَاءً، رَفْعًا بِتَقْدِيرِ هُوَ، وَنَصْبًا بِتَقْدِيرِ اَعْنِي اَوْ اَمْدَحُ، اَوْ اَذُمُّ، اَوْ اَرْحَمُ.

ترجمہ:۔ صفت معلومہ کا حذف کرنا جائز ہے، اس کا موصوف حقیقتاً معلوم ہو یا مجازاً

معلوم ہو، حالت رفع میں ھو کی تقدیر کے ساتھ اور حالت نصب میں أعنی، یا أمدح، یا أذم یا أرحم کی تقدیر کے ساتھ۔ (اعراب آتا ہے)

صفت کے محذوف ہونے کی صورتیں:

ويجوز قطع الصلة المعلوم فاضل مصنفؒ نے یہاں سے اس بات کو بیان فرمایا کہ مرکب توصیفی سے صفت کو حذف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب موصوف بغیر صفت کے معلوم ومشہور ہو تو اس وقت آپ کے لیے صفت کا لانا اور ترکیب سے حذف کر دینا دونوں صورتیں جائز ہیں۔

مدح کی مثال: مثلاً جب صفت برائے مدح ہو تو "الحمدُ لِلّٰهِ الحمِيدُ" کہنا اور فقط الحمد لله کہنا دونوں درست ہیں، صفت لانے کی صورت میں امام سیبویہ کے نزدیک صفت کو جر دیا جائے گا اور الحمد لله الحميد پڑھا جائے گا۔ اور أمدحُ کی تقدیر کے ساتھ نصب (الحميدَ) پڑھا جائے گا اور ھو کی تقدیر کے ساتھ رفع (الحميدُ) پڑھا جائے گا۔ اور امام سیبویہ نے استدلال میں فرمایا کہ ہم نے بعض اہل عرب سے اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ الحمدُ للّٰهِ ربَّ العلمين (ربَّ کے نصب کے ساتھ) تو ہم نے امام یونس سے اس کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ یہ عربی اصول قواعد کے مطابق ہے۔

صفت برائے ذم کی مثال: جب صفت برائے ذم ہو مثلاً "وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ" (اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے) تو جمہور نحویوں نے صفت لانے کی صورت میں رفع کے ساتھ پڑھنے کو پسند فرمایا یعنی حَمَّالَةُ الحطب اور امام عاصمؒ نے نصب کیساتھ پڑھنے کو ترجیح دیا ہے۔

صفت برائے ترحم کی مثال:۔ جب صفت برائے ترحم ہو مثلاً "مَرَرْتُ بِزَيْدٍ الْمِسْكِيْنِ" تو صفت لانے کی صورت میں جر کے ساتھ پڑھنا جائز ہے اور ھُوَ کی تقدیر کے ساتھ رفع اور أرْحَمُ کی تقدیر کے ساتھ نصب پڑھا جائے گا۔

صفت برائے توضیح کی مثال: جب صفت برائے توضیح ہو مثلاً "مَرَرْتُ بِزَيْدٍ التَّاجِرِ" تو صفت لانے کی صورت میں جر دیا جائے گا، اور ھو کی تقدیر کے ساتھ رفع اور أعنی کی تقدیر کے ساتھ نصب پڑھا جائے گا یہ بات ذہن نشین رہے کہ موصوف حقیقتاً معلوم ہو یا مجازاً معلوم ہو، صفت کے حذف کرنے میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لیکن موصوف کے حقیقتاً معلوم ہونے کی صورت میں صفت کا حذف کرنا مشہور ہے۔ اور مذکورہ بالا تمام مثالیں موصوف حقیقتاً معلوم کی تھیں۔ اور موصوف مجازاً معلوم ہو تو اس وقت بھی صفت کا حذف کرنا جائز ہے، اور امام سیبویہ نے اپنی کتاب میں اس پر دلیل پیش فرمائی ہے وہ

یا کہ مررت لقومك الکرام نصب یا رفع کے ساتھ پڑھنا جائز ہے جب کہ مخاطب کو موصوف بتانا ہیں گویا کہ آپ انہیں جانتے ہیں۔

باب التوکید ــــــ توکید کا بیان

وَالتَّوكِيدُ، وَهُوَ إِمَّا لَفْظِيٌّ، نَحْوُ "أَخَاكَ أَخَاكَ إِنَّ مَنْ لَا أَخَالَهُ" وَنَحْوُ "أَتَاكِ أَتَاكِ اللَّاحِقُونَ احْبِسِ احْبِسِ" وَنَحْوُ "لَا لَا أَبُوحُ بِحُبِّ بَثْنَةَ إِنَّهَا" وَلَيْسَ مِنْهُ "دَكًّا دَكًّا" وَ "صَفًّا صَفًّا"

ترجمہ:- اور توکید، اور وہ یا تو لفظی ہوگی جیسے أَخَاكَ أَخَاكَ إِنَّ مَنْ لَا أَخَالَهُ، اور جیسے أَتَاكِ أَتَاكِ اللَّاحِقُونَ الخ اور جیسے لَا لَا أَبُوحُ بِحُبِّ بَثْنَةَ إِنَّهَا، اور دَكًّا دَكًّا اور صَفًّا صَفًّا توکید لفظی سے نہیں ہے۔

تشریح:- توابع کی دوسری قسم "توکید" ہے، اسے تاکید (بالہمزہ) بھی کہا جاتا ہے اور فَأْسٌ اور رَأْسٌ کی تعلیل پر قیاس کرکے ہمزہ کو الف سے بدل کر تاکید بھی پڑھا جاتا ہے، مؤکد تاکید ہی کا دوسرا نام ہے، اور مؤکد وہ پہلا لفظ ہے جس کی تاکید لائی گئی ہے۔

تاکید کی تعریف:

تاکید وہ تابع ہے جو فعل کی نسبت کو یا حکم کے شمول کو ایسا پختہ کرے کہ سامع کو شک باقی نہ رہے، جیسے زَيْدٌ نَفْسُهُ (زید خود ہی آیا) اس میں آنے کی جو نسبت زید کی طرف کی گئی ہے، اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید زید خود نہ آیا ہو، بلکہ اس کا قاصد آیا ہو یا اس کی اطلاع آئی ہو نَفْسُهُ نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔ جاء الرَّكْبُ كُلُّهُمْ (قافلہ سارا آیا) اس میں جو آنے کا حکم قافلہ پر لگایا گیا ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید پورا قافلہ نہ آیا ہو اور حکم اکثر افراد کے اعتبار سے لگایا ہو كُلُّهُمْ نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔

تاکید کی قسمیں:

وهو اما لفظی اس عبارت کے ذریعہ مصنفؒ نے تاکید کے اقسام کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تاکید کی دو قسمیں ہیں (۱) تاکید لفظی (۲) تاکید معنوی۔ پہلے تاکید لفظی کے احکام ومسائل بیان فرمایا ہے، بعد میں تاکید معنوی کو بیان کریں گے۔

تاکید لفظی کی تعریف:

پہلے لفظ کو مکرر لانا بعینہٖ خواہ یہ تاکید اسم میں ہو یا فعل میں یا حرف میں۔

تاکید لفظی اسمی کی مثال جیسے ابراہیم ابن ہرمۃ القرشی کا کلام۔

أَخَاكَ أَخَاكَ، إِنَّ مَنْ لَا أَخَا لَهُ ... كَسَاعٍ إِلَى الْهَيْجَا بِغَيْرِ سِلَاحِ

(اپنے بھائی کے دامن الفت ومحبت کے مضبوطی سے تھام لو، کون ہے جس کا بھائی بغیر ہتھیار کے ہو وہ جنگ کی طرف سعی کر سکتا ہے) اس شعر میں محل استشہاد "أَخَاكَ أَخَاكَ" ہے، اس طرح کہ پہلے أَخَاكَ پر فعل محذوف إِحْفَظْ یا إِلْزَمْ کی تقدیر کی وجہ سے بربناء مفعولیت نصب دیا گیا ہے اور دوسرے أَخَاكَ کو پہلے کی تاکید لفظی اسمی ہونے کی وجہ سے نصب پڑھا جا رہا ہے۔

تاکید لفظی فعلی کی مثال جیسے

فَأَيْنَ إِلَى أَيْنَ النَّجَاةُ بِبَغْلَتِي ... أَتَاكِ أَتَاكِ اللَّاحِقُونَ إِحْبِسِ احْبِسِ

(تو کہاں تک جائے گا اور کہاں تک میرے خچر سے نجات پائے گا، ملنے والے تیرے پاس آنے ہی والے ہیں تو ٹھہر جا۔) اس شعر میں محل استشہاد "أَتَاكِ أَتَاكِ" اور "إِحْبِسِ إِحْبِسِ" ہے، اس شعر کی تقدیری عبارت دراصل اس طرح ہے أَيْنَ تَذْهَبُ إِلَى أَيْنَ النَّجَاةُ بِبَغْلَتِي، پہلے أَيْنَ میں فعل عامل کو حذف کر دیا گیا ہے اور أَتَاكِ أَتَاكِ میں فعل اور مفعول کو دہرایا گیا ہیں، اور اللَّاحِقُونَ پہلے أَتَاكِ کا فاعل ہے دوسرے کا نہیں، اس لیے کہ دوسرا فعل أَتَاكِ پہلے کی تاکید کے لیے ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ دونوں أَتَاكِ کا اللاحقون ایک ساتھ فاعل واقع ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں فعل لفظاً متحد ہیں لہٰذا معنیٰ بھی کلمہ واحدہ کے حکم میں اتار دیا گیا اور بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ دونوں فعلوں میں سے ایک میں ضمیر لانا ضروری ہوگا جیسے أَتَوْكِ أَتَاكِ اللَّاحِقُونَ، دوسرے فعل کو عمل دلانے کی صورت میں کہا جائے گا اور أَتَاكِ أَتَوْكِ اللَّاحِقُونَ پہلے فعل کو عمل دلانے کی صورت میں کہا جائے گا۔ اور شاعر کا قول إِحْبِسِ إِحْبِسِ جملہ کے لیے تکریر ہے اور یہ دونوں فعل ہیں کیوں کہ ضمیر مستتر فعل میں ملفوظ بہ کی قوت میں شامل ہوتی ہے۔

تاکید حرفی کی مثال: جیسے جمیل بن عبداللہ بن معمر العذری کا کلام

لَا لَا أَبُوحُ بِحُبِّ بَثْنَةَ إِنَّهَا ... أَخَذَتْ عَلَيَّ مَوَاثِقًا وَعُهُودًا

(میں بثنہ کی الفت ومحبت کو قطعاً ظاہر نہیں کروں گا اس لیے کہ اس نے مجھ سے عہد وپیمان لیا ہے) اس شعر میں محل استشہاد "لا لا" ہے، ان دونوں حروف میں اول لا حرف نفی ہے۔ اور دوسرا لا پہلے کے لیے تاکید لفظی حرفی ہے۔

وليس منه نكا نكا الخ فاضل مصنفؒ یہاں سے ایک اختلافی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا قول كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَجَاءَ رَبُّكَ

وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (ہرگز ایسا نہیں جیسا کہ تم سمجھتے ہو جس وقت زمین کو توڑ توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور آپ کا پروردگار اور جوق در جوق فرشتے آویں گے۔ پ۳۰، الفجر آیت ۲۱، ۲۲) میں دَكًّا دَكًّا اور صَفًّا صَفًّا تاکید لفظی ہی کی مثال بن سکتی ہے یا نہیں، تو اس سلسلے میں صاحب کتاب اور جمہور نحاۃ کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ یہ دونوں تاکید لفظی ہی کی مثال نہیں بن سکتی، اور جمہور نحاۃ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں مثال بن سکتی ہیں۔ صاحب کتاب کی دلیل یہ ہے کہ دَكًّا دَكًّا کی تفسیر دَكًّا بعد دَكٍّ سے کی جاتی ہے اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک دَكّ کے بعد دوسری دَكّ بطور تکرار کے لائی جائے گی یہاں تک کہ زمین پراگندہ غبار ہو جائے۔ اور صَفًّا صَفًّا کی تفسیر یہ ہے کہ ہر آسمان کے فرشتے اتریں گے پھر ایک صف کے بعد دوسری صف لگا کر جنات وانسان کو گھیر لیں گے۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ دوسرے دَكًّا اور صَفًّا پہلے کے لیے تاکید نہیں ہوگی، بلکہ اس سے تکرار مراد ہوگی۔ جیسا کہ عَلَّمْتُهُ الْحِسَابَ بَابًا بَابًا کہا جاتا ہے کہ میں نے اسے ایک ایک باب کا حساب دیا، اس میں دوسرا بابًا پہلے کے لیے تاکید کے طور پر نہیں بلکہ بطور تکرار کے ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے صاحب کتاب فرماتے ہیں مؤذن کے کلمات "اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر" میں دوسرا اللّٰہ اکبر پہلے کے لیے بطور تاکید نہیں بلکہ دوسری تکبیر پیدا کرنے کی غرض سے لایا جاتا ہے، لیکن امام ابن جنی کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ دوسرا اللّٰہ اکبر پہلے تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ رہا سئلہ قَدْقَامَتِ الصَّلٰوةُ، قدقامت الصلوة کا تو اس میں دوسرا جملہ خبر ثانی ہے جو پہلی خبر کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔

الکلام علی المعنوی ـــــ تاکید معنوی کا بیان

أَوْ مَعْنَوِيٌّ، وَهُوَ بِالنَّفْسِ، وَالْعَيْنِ مُؤَخَّرَةً عَنْهَا، إِنِ اجْتَمَعَتَا، وَتُجْمَعَانِ عَلَى أَفْعُلٍ مَعَ غَيْرِ الْمُفْرَدِ، وَبِكُلٍّ لِغَيْرِ مُثَنًّى إِنْ تَجَزَّأَ بِنَفْسِهِ أَوْ بِعَامِلِهِ، وَبِكِلَا وَكِلْتَا لَهُ إِنْ صَحَّ وُقُوعُ الْمُفْرَدِ مَوْقِعَهُ وَاتَّحَدَ مَعْنَى الْمُسْنَدِ، وَيُضَفْنَ لِضَمِيرِ الْمُؤَكَّدِ، وَبِأَجْمَعَ وَجَمْعَاءَ وَجَمْعِهِمَا غَيْرَ مُضَافَةٍ.

ترجمہ:- یا تاکید معنوی ہوگی، اور وہ (یعنی تاکید معنوی) نفس اور عین کے ذریعہ ہوگی، اگر نفس اور عین دونوں جمع ہو جائیں تو عین کو نفس سے مؤخر کیا جائے گا۔ اور مفرد کے علاوہ میں ان دونوں کی جمع أَفْعُلٌ کے وزن پر لائی جاتی ہے، اور مثنیٰ کے علاوہ کے لیے كُلٌّ کے ذریعہ تاکید لائی جاتی ہے

بشرطیکہ جس کی تاکید لائی جائے ذات کے اعتبار سے اس کے اجزاء ہو سکیں، یا عامل کے اعتبار سے اجزاء ہو سکیں، اور کِلا اور کِلْتا کے ذریعہ تاکید لائی جاتی ہے، بشرطیکہ مفرد کا اس کی جگہ واقع ہونا درست ہو۔ اور مسند کے معنی کو متحد ہو اور ان تمام کی مؤکد کے ضمیر کی طرف اضافت کی جا رہی ہو، اور اَجْمَعُ، جمعاء اور ان دونوں کی جمع کے ذریعہ بھی تاکید لائی جاتی ہے غیر مضاف ہونے کی صورت میں۔

تشریح:- او معنویٌ فاضل مصنفؒ یہاں سے تاکید کی دوسری قسم تاکید معنوی (جو معنی کی طرف منسوب ہے اور معنی کا لحاظ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے) کی بحث بیان فرما رہے ہیں۔

تاکید معنوی کی تعریف:

تاکید معنوی وہ تاکید ہے جس میں نئے مخصوص الفاظ سے تاکید لائی جائے، اور تاکید معنوی گنے چنے مخصوص الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے، اور ان الفاظ کے غیر کے ساتھ نہیں ہوتی ہے وہ الفاظ یہ ہیں نَفْسٌ، عَيْنٌ، كِلَا، كِلْتَا، كُلٌّ، اَجْمَعُ، اَكْتَعُ، اَبْتَعُ، اَبْصَعُ ان کے علاوہ اور الفاظ تاکید معنوی کے نہیں ہیں۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

تاکید معنوی کے لیے تو مذکورہ الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ بھی آتے ہیں، جیسے اِنَّ، لام ابتداء، نون تاکید وغیرہ تو ان محدود الفاظ میں حصر کیسے درست ہوگا؟

جواب: تاکید معنوی کے جو آٹھ الفاظ آتے ہیں ان سے مطلق تاکید مراد نہیں کہ مذکورہ اعتراض وارد ہو، بلکہ توابع کی تاکید مراد ہے اور اِنَّ و لام ابتداء وغیرہ مطلق تاکید کے لیے آتے ہیں۔

نفس اور عین کے ذریعہ توکید کی توضیح:

وهو بالنفس والعين مُؤَخَّرَةً عنها الخ یہاں سے مصنفؒ تاکید معنوی کے الفاظ محصورہ کی وضاحت فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں نفسٌ اور عینٌ تو یہ دونوں الفاظ ذات سے ابہام کو دور کرنے کے لیے آتے ہیں، جیسے جاء زیدٌ کہنے کی صورت میں آنے کی جو نسبت زید کی طرف کی گئی ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ زید اپنی ذات کے اعتبار سے آیا، (یعنی خود ہی آیا) اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا قاصد یا اس کی اطلاع آئی، یا اس کا مراسلہ آیا، لیکن جب نَفْسُهٗ تاکید لے آئے اور جاء زیدٌ نفسُهٗ کہا تو اس نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔ یہ دونوں الفاظ (یعنی نفس اور عین) واحد، تثنیہ اور جمع تینوں کی تاکید کے لیے آتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ واحد مذکر اور مؤنث کی تاکید میں ان دونوں کو واحد لایا جائے گا، البتہ ضمیروں میں فرق ہوگا۔ واحد مذکر میں ضمیر واحد مذکر، اور واحد مؤنث میں ضمیر واحد مؤنث

لائی جائے گی، جیسے جاء نی زیدٌ نفسُہ، جاءتنی ھندٌ نفسُھا، تثنیہ مذکر ومؤنث کی تاکید میں ان دونوں کو جمع لایا جائے گا اور ان کے ساتھ تثنیہ کی ضمیر لائی جائے گی جیسے جاء الزیدان أنفسُھما، جاءتنی الھندان أنفسُھما اور ابن کیسان نے بعض عرب سے نفسلھما نقل فرمایا ہے، لیکن اول اولیٰ ہے، چوں کہ دو چیزوں کا جمع ہونا جس جگہ ہر دو کا اتصال اور معنی ہو عرب کے نزدیک مکروہ ہے۔ اور جمع کی تاکید میں ان دونوں کو جمع لایا جائے گا اور جمع مذکر میں جمع مذکر کی اور جمع مؤنث میں جمع مؤنث کی ضمیر لائی جائے گی، جیسے جاء نی الزیدون أنفسُھم اور جاءتنی الھندات أنفسُھنّ۔

لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے کہ نفس اور عین کو تاکید کے طور پر لانے کے لیے ایک شرط ہے یہ کہ ان دونوں کی ایسی ضمیر کی طرف اضافت ہو رہی ہو جو مؤکد کے مطابق ہو، مذکورہ بالا مثالوں میں غور کر لیجیے۔ نیز مذکورہ بالا تمام صورتیں اس وقت ہوں گی جب کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ تاکید لائی جائے۔ اور اگر ان دونوں کے ذریعہ بیک وقت تاکید لائی جائے تو اس وقت نفسٌ کو پہلے لانا اور عینٌ کو مؤخر کرنا ضروری ہوگا۔ جیسے جاء زیدٌ نفسُہ عینُہ کہا جائے گا، اور جاء زیدٌ عینُہ نفسُہ کہنا درست نہیں ہوگا۔

وتُجمعان علی أفعُلٍ مع غیرِ المفرد۔ ان دونوں الفاظ کے ذریعہ تثنیہ اور جمع کی تاکید لانے کی صورت میں یہ دونوں الفاظ أفعُلٌ کے وزن پر آئیں گے جیسے أنفُسٌ، أعیُنٌ۔

کُلٌّ کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتیں:

وبِکُلٍّ لِغیرِ مُثنّی الخ فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں کُلٌّ کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتوں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں لفظ "کُلٌّ" الفاظ عموم سے ارادت خصوص کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جیسے جاء القومُ کہنے کی صورت میں آنے کی جو نسبت قوم کی طرف کی گئی ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ ساری قوم آئی یا قوم کے کچھ مخصوص حضرات آئے لیکن جب کُلٌّ تاکید لائے آئے اور جاء القوم کُلُّھم کہا تو اس نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔

لفظ کُلٌّ کے ذریعہ تاکید لانے کی چند شرطیں ہیں (۱) لفظ کُلٌّ غیر تثنیہ یعنی واحد اور جمع کی تاکید کے واسطے آئے گا (۲) اس کے مؤکد کے اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہے یعنی جس کی تاکید لائی جائے اس کے اجزاء ہوں اور ان اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہو خواہ یہ تفریق ذات کے اعتبار سے ہو جسے تفریق حسی کہا جاتا ہے یعنی ان اجزاء کی جدائی دیکھنے میں آسکتی ہو یا عامل کے اعتبار سے ہو جیسے تفریق حکمی کہا جاتا ہے۔

اول کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "فسجد الملائکۃ کُلُّھم اجمعون" (سو سارے کے سارے

فرشتوں نے سجدہ کیا۔ پ۱۴، الحجر آیت ۳۰) اس آیت میں الملائکۃ مؤکد ہے جو بیت سے افراد پر مشتمل ہے اور ان افراد میں جدائی ہوسکتی ہے۔ ثانی کی مثال جیسے "اِشْتَرَیْتُ الْعَبْدَ کُلَّہٗ" اس میں عبد مؤکد ہے اور اس کے اجزاء میں جدائی نہیں ہوسکتی لیکن خریدنے کی صورت میں تفریق ہوسکتی ہے کہ اس کا نصف یا چوتھائی یا اس کا تہائی حصہ خریدا جائے۔ اس لیے کُلٌّ سے تاکید لانا درست ہے، اور اگر جاء العبد کُلُّہٗ کہیں تو درست نہیں ہوگا، کیوں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ غلام ذات کے اعتبار سے یا عامل کے اعتبار سے متجزی ہو کہ غلام کا نصف یا چوتھائی حصہ آئے بلکہ غلام اگر آئے گا تو پورے اجزاء کے ساتھ آئے گا۔

(۳) کُلٌّ کے ساتھ ایسی ضمیر متصل ہو جو مؤکد کے مطابق ہو، اور بعض لوگوں کی قراءت "اِنَّا کُلًّا فِیْھَا" (کہ ہم سب بھی دوزخ میں ہیں۔ پ۲۴، غافر آیت ۴۸) کا تاکید کی بحث سے کوئی تعلق نہیں، کیوں کہ اس آیت میں لفظ کُلٌّ کے ساتھ ایسی ضمیر جو مؤکد کی طرف عائد ہو متصل نہیں ہے حالاں کہ اس ضمیر کا متصل ہونا شرط ہے، لہٰذا شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے اسے جملہ مؤکدہ نہیں کہا جاسکتا، لیکن امام زمخشری اور فراء رحمہما اللہ نے مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جملہ مؤکدہ ہے۔

(۴) لفظ کُلٌّ باختلاف ضمیر آتا ہے پس واحد مذکر میں کُلَّہٗ اور واحد مؤنث میں کُلَّھَا اور جمع مذکر میں کُلَّھُمْ اور جمع مؤنث میں کُلَّھُنَّ۔ اور کُلٌّ کے علاوہ باقی الفاظ باختلاف صیغہ آتے ہیں۔

کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ تاکید کی صورتیں:

وَبِکِلَا وَکِلْتَا لَہٗ اِنْ صَحَّ وُقُوْعُ الْمُفْرَدِ مَوْقِعَہٗ الخ فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتیں تحریر فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کِلَا اور کِلْتَا یہ دونوں الفاظ معنی کُلٌّ کے درجہ میں ہوتے ہیں جیسے جاء الزیدانِ کہنے کی صورت میں ایک ساتھ آنے کی جو نسبت الزیدان کی طرف کی گئی ہے وہ ظاہر ہے، لیکن اس میں احتمال ہے کہ ان دونوں میں کا ایک آیا ہو اور مراد احد الزیدین ہو، جیسا کہ مفسرین حضرات نے باری تعالیٰ کا قول "لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ" (یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں کیا گیا۔ پ۲۵، زخرف آیت ۳۱) کے بارے میں فرمایا کہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ دونوں بستیوں میں سے کسی ایک بستی کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا تو گویا کہ جاء الزیدان میں احد الزیدین کا احتمال ہے، لیکن جب کِلَاھُمَا تاکید لائے تو یہ احتمال مرتفع ہوگیا۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ تاکید چند شرطوں کے ساتھ لائی جاتی ہیں۔

(۱) کِلَا اور کِلْتَا کے ذریعہ جس کی تاکید لائی جائے وہ تثنیہ پر دلالت کرنے والا ہو، کِلَا

مثنیٰ مذکر کی تاکید کے لیے اور کلتا مثنیٰ مؤنث کے لیے آتا ہے، عام اس سے کہ وہ مثنیٰ اصطلاحی ہو خواہ مفرد کہ بواسطہ حرف عطف اس پر دلالت کرتا ہے، دونوں قسم کے مثنیٰ کے لیے آتا ہے جیسے قام زیدٌ وعمروٌ کلاھُمَا (مثنیٰ کی قید لگانے سے مفرد اور جمع سے احتراز ہو گیا کہ ان دونوں کی تاکید کلا اور کلتا سے نہیں کی جاتی ہے۔)

(۲) صیغہ واحد کا اس کی جگہ آنا درست ہو، لہٰذا صحیح مذہب کے مطابق "اختصم الزیدان کلاھما" تاکید کے ساتھ کہنا درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ کلام اختصم احدُ الزیدین کا احتمال نہیں رکھتا، حالانکہ تاکید رفع احتمال کے لیے آتا ہے، چنانچہ احتمال نہ ہونے کی وجہ سے تاکید کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۳) کلا اور کلتا کی طرف جس کی نسبت کی گئی ہے وہ معنی میں مختلف نہ ہو بلکہ متحد ہو، اگر معنی مختلف ہو تو پھر ان دونوں الفاظ کے ذریعہ تاکید لانا درست نہیں، لہٰذا مات زیدٌ وعاش عمروٌ کلاھما کہنا درست نہیں، کیوں کہ کلاھما کے ذریعہ جن مؤکد کی تاکید لائی گئی ہے وہ معنی مختلف ہیں لہٰذا عدم اتحاد کی بناء پر تاکید لانا درست نہیں۔

(۴) کلا اور کلتا کے ساتھ ایسی ضمیر متصل ہو جو مؤکد کے مطابق ہو۔

اِنْ صَحَّ وقوعُ المفرد مَوْقِعَهُ اس عبارت میں فاضل مصنفؒ نے کلا اور کلتا کے ذریعہ تاکید لانے کی دوسری شرط تحریر فرمائی ہے۔

واتّحد معنی المسند اس عبارت میں تیسری شرط ذکر کی گئی ہے۔

ویضفن لضمیر المؤکد اس عبارت میں چوتھی شرط ذکر کی گئی ہے۔

وبِاَجْمَعَ وجمعاء الخ کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتیں:

وباجمع وجمعا وجمعھا غیر مضافة: فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں اَجْمَعَ اور جَمْعَا کے ذریعہ تاکید لانے کی صورتوں کو بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ تاکید معنوی کے الفاظ میں سے اجمع جمعاء اور ان دونوں کی جمع اجمعون، جُمَعُ ہیں، ان الفاظ کے ذریعہ تاکید لانے کا طریقہ یہ ہے کہ عموماً لفظ "کُلٌّ" کے بعد ان الفاظ کے ذریعہ تاکید لائی جاتی ہے، اسی وجہ سے ان کے ساتھ تاکید لانے میں ضمیر نہیں لائی جاتی (یعنی ضمیر کی طرف ان کی اضافت نہیں ہوتی) بلکہ ان چاروں صیغوں میں تغیر واقع ہوتا ہے، جس اسم کی تاکید منظور ہو اسی کے مطابق ان صیغوں کو لایا جائے، چنانچہ واحد مذکر کی تاکید میں ان کو واحد مذکر جیسے اِشْتَرَیْتُ العبدَ کُلَّهُ اَجْمَعَ، اور واحد مؤنث کی تاکید میں ان کو واحد مؤنث جیسے اِشْتَرَیْتُ الاَمَةَ کُلَّھَا جَمْعَاءَ، اور جمع مذکر کی تاکید میں ان کو جمع مذکر جیسے

اِشْتَرَيْتُ الْعَبِيْدَ كُلَّهُمْ اجمعين، اور جمع مؤنث کی تاکید میں ان کو جمع مؤنث جیسے اِشْتَرَيْتُ الْاِمَاءَ كُلَّهُنَّ جُمَعَ اور باری تعالیٰ کا قول "فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ" میں جمع مذکر کی تاکید میں اجمعون کو جمع مذکر کی شکل میں لایا گیا ہے۔

نوٹ۱:- لفظ کُلٌّ کے بغیر بھی اَجْمَعُ کے ذریعہ تاکید لائی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ (اور میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔ پارہ۱۴، حجر آیت ۳۹) اور "وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے۔ پارہ۱۴، حجر آیت ۴۳) ان دونوں آیتوں میں لفظ کُلٌّ کے بغیر اجمعین کو بطور تاکید لایا گیا ہے، اسی طرح آقائے نامدار فخر موجودات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "اِذَا صَلَّى الْاِمَامُ جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ" (جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم سب کے سب بیٹھ کر نماز پڑھو) میں بھی اجمعون بغیر کُلٌّ کے تاکید لمذکور ہے۔ جب اجمعون کے ذریعہ فَصَلُّوْا کی ضمیر کی تاکید لائی جائے تو اس وقت یہ حال رفع میں ہوگا اور اگر حال مانا جائے تو حالت نصب میں ہوگا، لیکن یہ ضعیف ہے، کیوں کہ حال کے لیے نکرہ آنا لازم ہوتا ہے اور یہاں اجمعون ضمیر کی طرف تقدیراً اضافت معرفہ ہے۔

نوٹ۲:- صاحب کتاب فرماتے ہیں میرے قول "اجمع بجمعاء، وجمعهما" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں کا تثنیہ نہیں آتا، چنانچہ اجمعان اور جمعاوان نہیں کہا جاسکتا، یہ جمہور بصریین کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے، کیوں کہ کلام عرب میں اس کے برخلاف سماع کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ اَكْتَعُ، اَبْتَعُ، اَبْصَعُ، یہ تینوں اَجْمَعُ کے تابع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان تینوں کا استعمال اَجْمَعُ کے ساتھ ہی ہوگا۔ بلا اجمع کے ان الفاظ کا استعمال ضعیف ہے۔

تکملہ۱: ضمیر مرفوع متصل کی جب نَفْسٌ و عَيْنٌ کے ذریعہ تاکید لائی جائے تو پہلے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ذریعہ لاتے ہیں جیسے "ضَرَبْتَ اَنْتَ نَفْسَكَ" زيد اكرمني هو نفسه، مثال مذکور میں تا ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لفظ نفسك ہے جو کہ بعد تاکید لانے ضمیر منفصل انت کے لائی گئی ہے۔ (ایضاح المطالب ص۱۰۶)

اس لیے کہ اگر ضمیر متصل کی تاکید اولاً ضمیر منفصل کے ساتھ نہ لائیں تو بعض موقع میں تاکید کا التباس فاعل کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً جب ہم منفصل کے ذریعہ تاکید لائے بغیر زيد اكرمني نفسه کہیں تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ نَفْسُهٗ فاعل ہے یا فعل میں ضمیر مرفوع مستتر ہے، وہ فاعل ہے اور نفسهٗ اس کی تاکید ہے، پس اس التباس سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اولاً ضمیر متصل کی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لانے کو ضروری قرار دیا گیا۔

نکتہ: جلدنا کلاں، کلا کے ذریعہ تثنیہ کی تاکید لاتے ہیں، حالاں کہ اس مثال میں جلدنا جمع متکلم کا صیغہ اور نا ضمیر مؤکد ہے۔ جواب: جمع متکلم بالفرق الواحد کے لیے ہے اور اس کے اندر تثنیہ کا ترجمہ بھی ملحوظ ہوتا ہے۔ (ایضاح الطالب ص ۱۰۷)

باب: الفرق بين التوكيد والنعت

توکید معنوی اور نعت کے درمیان فرق کے اسباب کا بیان

وهِيَ بِخِلافِ النُّعُوتِ: لايجوزُ أنْ تتعاطفَ المُؤكِّداتُ، وَلا أنْ يُتْبَعْنَ نكرةً، ونَدَرَ "يَالَيْتَ عِدَّةَ حَوْلٍ كُلِّهِ رَجَبُ"

ترجمہ:- اور یہ (یعنی توکید معنوی کے الفاظ) نعت کے برخلاف ہوتے ہیں۔ چند مؤکدات کا (یعنی توکید معنوی کے چند الفاظ کے جمع ہونے کی صورت میں) ایک دوسرے پر عطف کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح الفاظ توکید کا نکرہ کے تابع ہونا جائز نہیں اور یہ بات یالیت عدة حول کله رجب کی توجیہ نادر الوجود ہے۔

تشریح- وهي بخلاف النعوت الخ یہاں سے فاضل مصنف باب النعت کے مسائل میں سے ایسے دو مسائل کو بیان فرما رہے ہیں جو تاکید معنوی کے برخلاف ہیں۔

المسئلة الاولى- لايجوز ان تتعاطف المُؤكِّداتُ: جب ایک منعوت کے لیے مکرر نعت آئے تو اس وقت الفاظ نعت کا عطف کے ساتھ لانا بھی درست ہے اور بغیر عطف کے بھی لانا درست ہے۔

عطف کے ساتھ لانے کی مثال جیسے باری تعالیٰ کا قول "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى، وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى، وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى" (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اور جو مومن آپ کے ساتھ ہیں اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجیے، جس نے ہر چیز کو بنایا پھر اس کو ٹھیک بنایا، اور جس نے تجویز کیا پھر راہ بتائی، اور جس نے زمین سے چارہ نکالا۔ پارہ ۳۰ سورۃ الاعلیٰ آیت ۴۲) میں رَبِّ منعوت ہے، جس کے لیے چند نعوت آئے ہیں جو عطف کے ساتھ لائے گئے ہیں۔ (آیت میں الفاظ نعوت واضح ہیں۔)

دوسری مثال جیسے شاعر کا قول ۔

إلى المَلِكِ القَرْمِ وَابْنِ الهُمَامِ وَلَيْثِ الكَتِيبَةِ فِي المُزْدَحَمْ

(اس نے معزز بادشاہ، اور ابن الہمام اور فوج کے سپہ سالار کی طرف میدان کارزار میں بھیجا)

اس شعر میں "القلاقل" منعوت ہے جس کی متعدد نعتیں حرف عطف کے ساتھ لائی گئی ہیں۔ القرم اصل میں اس خوبصورت طاقتور بچھڑے کو کہا جاتا ہے جو جفتی کے لیے تیار کیا گیا ہے، پھر شجاعت میں مناسبت کی بناء پر باہمت انسان کو القرم کہا جانے لگا ہے۔ (الیث الکتیبۃ، لیث بمعنی شیر، اور کتیبۃ بمعنی لشکر کا ایک دستہ، یہاں فوج کا سپہ سالار اور کمانڈر مراد ہے۔)

بغیر عطف کے لانے کی مثال: جیسے باری تعالیٰ کا قول "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ، هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ، مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ" (اور آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو، بے وقعت ہو، طعنے دینے والا ہو، چغلیاں لگاتا پھرتا ہو، نیک کام سے روکنے والا ہو، حد اعتدال سے گزرنے والا ہو، گناہوں کا کرنے والا ہو۔ پ ۲۹ القلم، آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲) اس آیت میں کُلّ موصوف ہے جس کی متعدد نعتیں بغیر عطف کے آئی ہیں۔

المسئلۃ الثانیۃ: وَلَا أَنْ يَتْبَعَ نَكِرَةً: نعت جس طرح منعوت کے معرفہ ہونے میں اتباع کرتی ہے اسی طرح نکرہ ہونے میں بھی اتباع کرتی ہے۔ مذکورہ بالا ان دونوں مسائل میں تاکید معنوی کے الفاظ نعت کے خلاف ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک جملہ میں تاکید کے چند الفاظ جمع ہوں تو آپ عطف کے ساتھ الفاظ تاکید کو نہیں لا سکتے، لہٰذا جاء زید نفسه وعینه کہنا جائز نہ ہوگا، اسی طرح جاء القوم كُلُّهم واجمعون بھی کہنا جائز نہیں ہوگا، اور اس کی علت یہ ہے کہ یہ ایک معنی کے حکم میں ہوتا ہے اور شیٔ کو اس کی ذات پر عطف نہیں کیا جاتا ورنہ عطف الشیٔ علی نفسه لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔ برخلاف نعوت کے اس لیے کہ ان کے معنی ایک دوسرے کے برخلاف ہوتے ہیں۔ اسی طرح الفاظ تاکید کا نکرہ کے تابع ہونا جائز نہیں ہے، چنانچہ جاء رجل نفسه نہیں کہا جائے گا۔ اور عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ تاکید کے الفاظ معرفہ ہوتے ہیں اور معرفہ نکرہ کا تابع نہیں ہوتا لہٰذا الفاظ تاکید کا نکرہ کے تابع ہونا درست نہیں۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

مصنفؒ کے اس دعویٰ پر کہ معرفہ نکرہ کے تابع نہیں ہوتا عبداللہ بن مسلم بن جندب الہذلی کے اس شعر کے ذریعہ اعتراض ہوگا۔

لَكِنَّهُ شَاقَهُ أَنْ قِيلَ ذَا رَجَبٌ ... يَا لَيْتَ عِدَّةَ حَوْلٍ كُلِّهِ رَجَبُ

(لیکن اس نے اس کو پسند کیا کہ اسے رجب والا کہا جائے یا وہ کاش کہ رجب پورے سال کا مجموعہ ہو جائے۔)

اس شعر میں كُلَّهٖ الفاظ تاکید میں سے ہے اور حِدّةَ حَوْلٍ مؤکد نکرہ ہے تو جب الفاظ تاکید نکرہ کے تابع نہیں ہوتا تو پھر اس شعر میں كُلَّهٖ تاکید حِدّةَ حَوْلٍ نکرہ کے تابع کیسے ہوا۔

جواب: شاعر کا قول شاذ ہے ضرورت شعری کی بناء پر شاعر نے اس طرح استعمال کیا ہے۔

بابُ عَطْفِ الْبَیان ـــــ عطف بیان کی وضاحت

وَعَطْفُ الْبَيَانِ، وَهُوَ تَابِعٌ، مُوَضِّحٌ، أَوْ مُخَصِّصٌ، جَامِدٌ، غَيْرُ مُؤَوَّلٍ۔

ترجمہ:- اور عطف بیان۔ اور وہ ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کو واضح کرنے والا یا مخصوص کرنے والا ہو، جامد ہو، اور غیر مؤول ہو۔

تشریح:- وعطف البیان الخ فاضل مصنفؒ یہاں سے ابواب توابع کا تیسرا باب عطف بیان کی وضاحت کر رہے ہیں۔

عطف کی لغوی واصطلاحی تعریف:

شئ سے رُخ پھیر لینے کے بعد پھر اسی شئ کی طرف رجوع کرنا۔ اصطلاح میں عطف کی دو قسمیں ہیں (۱) عطف بحرف، اسی کو عطف نسق بھی کہتے ہیں، اس کی تفصیلی بحث آئندہ آنے والی ہے (۲) عطف بیان، مندرجہ ذیل اسی بحث کے متعلق ہے۔

عطف بیان کی تعریف:

عطف بیان ایسا تابع ہے، جو اپنے متبوع کو واضح اور روشن کردے، یا خاص کردے، جامد ہو، مؤول نہ ہو، اسی طرح صفت بھی نہ ہو، عطف بیان دو مشہور ناموں میں سے ایک مشہور نام ہوتا ہے جیسے جاء زیدٌ ابو الحسنات (زید آیا جو ابوالحسنات کے ساتھ مشہور ہے) اس میں زید علم ہے اور ابوالحسنات کنیت ہے، دوسری مثال قال نعمانُ ابو حنیفه، اس میں ابوحنیفہ عطف بیان ہے اور نعمان متبوع ہے۔ یہ بات دھیان میں رہے کہ عطف بیان کا اپنے متبوع سے مشہور اور واضح ہونا ضروری نہیں یہاں بوقت اجتماع توضیح کا فائدہ دینا ضروری ہے۔

عطف بیان کی تعریف مشتمل بر فوائد قیود:

وھو تابع، مُوَضِّحٌ، اومُخَصِّصٌ الخ فاضل مصنفؒ نے عطف بیان کی جو تعریف کی ہے وہ چند قیودات پر مشتمل ہے، اس طرح سے کہ تابع جنس ہے جو پانچوں توابع کو شامل ہوتا ہے، لیکن مصنفؒ کا قول "مُوَضِّحٌ أَوْ مُخَصِّصٌ" (پہلا معرفہ کے لیے، دوسرا نکرہ کے لیے) فصل اول ہے

جس سے تاکید خارج ہوگئی، جیسے جاء زیدٌ نفسُهٗ کیوں کہ تاکید ایسا تابع ہوتا ہے جو متبوع کے حال کو ثابت کرے نسبت میں یا شمول میں، اور عطف بیان ثابت کرنے کے لیے نہیں آتا فقط وضاحت یا تخصیص کے لیے آتا ہے، اسی طرح عطف بحرف جیسے جاء زید وعمرو خارج ہوگیا، اس لیے کہ عطف بحرف وہ ہے جو حروف عطف کے بعد آئے، اور یہ بتائے کہ جو نسبت متبوع کی طرف ہوری ہے وہی نسبت تابع کی طرف بھی ہے، اور نسبت سے دونوں ہی مقصود ہیں، لیکن یہ بات عطف بیان میں نہیں، اور بدل بھی خارج ہوگیا جیسے اکلتُ الرغیفَ ثلثَهٗ چوں کہ بدل مقصود بالنسبت ہوتا ہے اور اس کا متبوع محض تمہید کے لیے ذکر کیا جاتا ہے جب کہ عطف بیان خود مقصود بالنسبت نہیں ہوتا بلکہ فقط توضیح کے لیے آتا ہے، نیز بدل بحکم عامل کو چاہتا ہے۔

مصنف کا قول "جامدٌ" یہ فصل ثانی ہے جس سے نعت خارج ہوگئی، اس لیے کہ نعت مشتق ہوتی ہے جامد نہیں۔ مصنف کا قول "غیرُ مؤوّلٍ" یہ فصل ثالث ہے، اس سے وہ نعت خارج ہوگئی جو جامد واقع ہے، لیکن مؤوّل بہ ہے، جیسے مَرَرْتُ بزیدٍ هذا میں هذا جامد ہے، لیکن یہ مشتق کی تاویل میں ہے، اسی طرح مررتُ بقاعٍ عرفجٍ (میں رتیلی زمین والے راستے سے گذرا) یہ قاع اور عرفج لفظاً تو جامد ہیں لیکن مشتق کی تاویل میں ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مَرَرْتُ بزیدٍ هذا کا مطلب "مَرَرْتُ بزیدٍ المشارِ الیه" ہے، اور مَرَرْتُ بقاعٍ عرفجٍ کا مطلب مَرَرْتُ بقاعٍ خشنٍ ہے۔

بابُ المُوافقةِ بینَ العطفِ ومَتبُوعِه

عطف بیان اور اس کے متبوع کے درمیان موافقت کی صورتیں

فیُوافِقُ متبُوعَهٗ.

ترجمہ:۔ پس عطف بیان اپنے متبوع کے موافق ہوگا۔

تشریح:۔ جس طرح نعت اپنے متبوع کی وضاحت کے لیے اور تخصیص کے لیے آتا ہے، اسی طرح عطف بیان بھی اپنے متبوع کی وضاحت اور تخصیص کے لیے آتا ہے، نیز جس طرح نعت دس چیزوں میں متبوع کے تابع ہوتا ہے، اسی طرح عطف بیان بھی ان دس چیزوں میں اپنے متبوع کے موافق ہوتا ہے، (تعریف، تذکیر وتانیث، افراد، تثنیہ، جمع، رفع، نصب، جر)

کاقسم باللّٰهِ أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ، وَهٰذَا خَاتَمٌ حَدِيْدٌ.

ترجمہ:۔ جیسے اقسم باللّٰه ابوحفص عمر (قسم کھائی اللہ کی ابوحفص عمر نے) اور

هذا خاتمُ حديدٌ (یہ لوہے کی انگوٹھی ہے)

تشریح:- فاضل مصنفؒ عطف بیان کی وضاحت فرمانے کے بعد اب اس کی مثال تحریر فرما رہے ہیں، چنانچہ موصوف نے عطف بیان کی دو مثالیں تحریر فرمائی (۱) أقسمَ باللهِ أبوحفصٍ عُمرُ (قسم کھائی اللہ کی ابو حفص عمر نے) (۲) هذا خاتمٌ حديدٌ (یہ لوہے کی انگوٹھی ہے) ان دونوں مثالوں کے ذریعہ انہوں نے عطف بیان کی تعریف کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عطف بیان معرفہ کے لیے وضاحت کرنے والا، اور نکرہ کے لیے تخصیص کرنے والا ہوتا ہے، پہلی مثال میں عمر عطف بیان ہے باوجود یکہ وہ ابو حفص کی صفت نہیں، مگر اس کی وضاحت کرتا ہے اور ابو حفص سے عمر بن خطابؓ کی ذات عالی مراد ہے۔

پہلی مثال کا پس منظر:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسم اور کنیت میں سے جو زیادہ مشہور ہوتا ہے اسی کو عطف بیان کہا جاتا ہے، پس اس جگہ چوں کہ عمر کا نام بہ نسبت ان کی کنیت ابو حفص کے زیادہ مشہور تھا، اس لیے عمر کو عطف بیان کہا گیا، یہ مصرعہ مذکور ایک اعرابی کا قول ہے جو حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگا کہ میرا مکان دور ہے اور میری اونٹنی دبلی اور اس کی پیٹھ زخمی ہے اور اس کے پیر میں سوراخ ہے آپ ایک اونٹنی مجھ کو دیجیے، حضرت عمرؓ نے اس کے جواب میں قسم کھا کر فرمایا کہ تم جھوٹے ہو اس کو دینے سے انکار کر دیا، اعرابی یہ سن کر چلا گیا اور اپنی اونٹنی کے پیچھے تجریلی زمین پر چلتا ہوا یہ شعر پڑھتا جاتا تھا۔

أقسمَ باللهِ أبوحفصٍ عُمرْ مَا مَسَّها مِنْ نَقَبٍ ولا دَبَرْ

حضرت عمرؓ نے اس کے کلام کو سن کر فرمایا اللّٰهمَّ صَدِّقْ صَدِّقْ، پھر آپ نے اعرابی کو دوبارہ بلا کر سچا پایا اور اس کو اونٹ دیا۔

دوسری مثال کا پس منظر:

وهذا خاتمٌ حديدٌ: متن کی عبارت "هذا خاتمٌ حديدٌ" میں حديدٌ عطف بیان ہے اعراب کے اعتبار سے تین صورتیں ہو سکتی ہیں (۱) اضافت کی صورت میں بتقدیر مِنْ جر پڑھنا جیسے هذا خاتمُ حديدٍ، أی مِنْ حديدٍ (۲) بربناء تمیز یا حال نصب پڑھنا جیسے هذا خاتمٌ حديدًا (۳) متبوع کا تابع قرار دے کر رفع پڑھنا جیسے ہذا خاتمٌ حديدٌ جن لوگوں نے بربناء تمیز نصب پڑھنے کی تخریج کی ہے انہوں نے کہا کہ حديدٌ عطف بیان ہے اور جن لوگوں نے بربناء حال نصب پڑھنے کی تخریج کی انہوں نے کہا کہ صفت ہے، لیکن ان دونوں قول میں پہلے یعنی بربناء تمیز نصب پڑھنا

ہوتی ہے، اس لیے کہ یہ جملہ نکرہ ہے لہٰذا اس کا حال یا صفت ہونا تو درست ہے لیکن ۔ اور اکثر نحویوں نے اسے عطف بیان تسلیم کرنے سے صراحۃً انکار کر دیا، کیوں کہ اس صورت میں عطف بیان کا نکرہ ہو کر نکرہ کے تابع ہونا لازم آتا ہے۔

لیکن مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عطف بیان کا نکرہ ہو کر نکرہ کے تابع ہونا درست ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول "وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ" (اور اس کو ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو کہ پیپ لہو ہوگا۔ پ ۱۳، ابراہیم، آیت ۱۶) میں صَدِيدٍ عطف بیان ہے اور نکرہ ہے اور نکرہ کے تابع بھی ہے اور باری تعالیٰ کا قول "أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ" (خواہ کفارہ مساکین کو کھانا دے دیا جائے۔ پ ۷، مائدہ آیت ۹۵) میں امام فارسیؒ نے فرمایا کہ طعام کا عطف بیان قرار دینا بھی جائز ہے اور بدل بنانا بھی جائز ہے۔

الفرق بين العطف والبدل ـــــ عطف بیان اور بدل میں فرق

وَيُعْرَبُ بَدَلَ كُلٍّ مِنْ كُلٍّ، إِنْ لَمْ يَمْتَنِعْ إِحْلَالُهُ مَحَلَّ الْأَوَّلِ. كَقَوْلِهِ. أَنَا ابْنُ التَّارِكِ الْبَكْرِيِّ بِشْرٍ ـــــ وَقَوْلِهِ ـــ أَيَا أَخَوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلًا.

ترجمہ:- اور اسے (یعنی تابع کو) بدل کل من کل کا اعراب دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس اسم کا پہلے اسم (متبوع) کے قائم مقام ہونا درست ہو، جیسے انا ابن التارك الخ (میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر کو چھوڑنے والا ہے) اور أيا أخوينا عبد شمس الخ (اے ہمارے بھائی عبد شمس اور نوفل)۔

تشریح:- وَيُعْرَبُ بَدَلَ كُلٍّ مِنْ كُلٍّ یہاں سے فاضل مصنفؒ اس بات کو بیان فرما رہے ہیں کہ ہر وہ اسم جس پر عطف بیان کا حکم لگانا درست ہو اور عطف بیان ہو کر متبوع کی وضاحت یا تخصیص کے لیے مفید ہو تو اس اسم پر بدل کل من کل کا حکم لگانا بھی درست ہے جو کلام کے معنی کو ثابت کرنے اور اس کے تاکید کے لیے مفید ہو تکرار عامل کی نسبت کے ساتھ بشرطیکہ اس اسم کا پہلے اسم (متبوع) کے قائم مقام ہونا درست ہو۔

عطف بیان اور بدل میں فرق:

إِنْ لَمْ يَمْتَنِعْ إِحْلَالُهُ مَحَلَّ الْأَوَّلِ الخ یہ بات ذہن نشین رہے کہ عطف بیان اور بدل کے درمیان فرق معنی کے اعتبار سے تمام حالتوں میں ظاہر اور عیاں ہے، اس لیے کہ بدل مقصود بالنسبت ہے اور عطف بیان مقصود بالنسبت نہیں۔ پس اس کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ ان دونوں کے درمیان فرق لفظ کے اعتبار سے ہے جو کہ پوشیدہ تھا، اسی لیے مصنفؒ نے اسی فرق کو

بیان کرتے ہوئے بطور تمہید کے کہا کہ بعض حضرات کے نزدیک صرف ایک مسئلہ میں فرق ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک دو مسئلوں میں، اور بعض فرماتے ہیں کہ دو سے زائد مسائل میں فرق قائم ہے۔ بقول صاحب کتاب ان لم یمتنع احلاله محل الاول ان تمام اقوال کے لیے جامع ہے یہاں اس کے دو مثالیں تحریر کی جارہی ہیں۔

پہلی مثال: اَنَا ابنُ التَّارِكِ البَكرِيِّ بِشرٍ عطف بیان اور بدل میں فرق از روئے احکام لفظی کے انا ابن التَّارِكِ الخ میں واقع ہے۔ مکمل شعر اس طرح ہے۔

اَنَا ابنُ التَّارِكِ البَكرِيِّ بِشرٍ عَلَيهِ الطَّيرُ تَرقُبُهُ وُقُوعَا

(میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر کو چھوڑنے والا ہے، اس حال میں کہ پرندے اس پر واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔)

شعر کا مطلب:- یہ مرار بن سعد بن نضلہ بن اشتر فقعسی کا کلام ہے، جس نے شجاعت و دلیری کی وجہ سے فخریہ طور پر یہ شعر کہا کہ میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر جیسے بہادر شخص کو میدان کارزار میں قتل کر کے چھوڑ دیتا ہے، اس حال میں کہ اس پر پرندے واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں کہ اس کی روح اس کے بدن سے نکلے اور ہم اس کو کھائیں، (البکری سے مراد قبیلہ بکر بن وائل اور بشر سے مراد بشر بن عمرو بن مرثد) طریقہ استدلال یہ ہے کہ اس شعر سے مراد ہر وہ ترکیب جس میں عطف بیان کا متبوع معرف باللام ہو جس کی طرف صفت معرف باللام مضاف ہو جیسے "الضَّارِبُ الرجل زيدٍ اور انا ابن التارك البكرى بشرٍ" مثال مذکور میں "بِشرٍ" عطف بیان ہے اور "البكرى" اس کا متبوع ہے، جو معرف باللام ہے اور اس کی طرف "التَّارِكِ" معرف باللام مضاف ہے، اور اس وقت اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن جب بِشرٍ کو البكرى سے بدل کل مان لیا جائے تو قباحت لازم آئے گی، کیوں کہ بدل کی صورت میں مبدل منہ کا جو عامل ہوتا ہے وہی بدل کا بھی ہوتا ہے، اس لیے اگر بشرٍ کو بدل بنایا جائے تو البكرى مبدل منہ ہوگا، اور اس کا عامل "التَّارِكِ" ہے، کیوں کہ بدل کا مبدل منہ کی جگہ آنا جائز ہوتا ہے اور قاعدہ مذکورہ کی بناء پر التَّارِكِ عامل ہوگا بِشرٍ کا بھی، اس صورت میں تقدیر عبارت أنا ابن التارك بشرٍ ہوئی یعنی التَّارِكِ مضاف ہوگا بِشرٍ کی طرف، اور یہ اضافت "الضَّارِبُ زيدٍ" کے مثل ہوگی جو ناجائز ہے، کیوں کہ معرف باللام کا غیر معرف باللام کی طرف مضاف ہونا لازم آتا ہے جو قباحت سے خالی نہیں۔ اس کی تفصیل بحث "باب الاضافۃ" میں آچکی ہے۔

شعر کی ترکیب:- أنَا مبتداء، ابن مضاف، التَّارِكِ شبہ فعل، البكرى مبدل منہ، اور بشرٍ بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر التَّارِكِ کا مفعول بہ، علیہ خبر مقدم، طیرُ مبتداء مؤخر سے مل کر

جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر محل کے اعتبار سے التَّارِكَ کا مفعول ثانی ہے یہ اس وقت ہے جب التَّارِكَ بمعنی مصیر ہو۔ جس کے معنی ہیں کردینے والا۔ اور اگر اس کے معنی ہوں چھوڑنے والا تو پھر علیه الطیرُ التَّارِكَ کا مفعول ثانی نہ ہوگا، بلکہ البکری سے حال ہوگا، تَرَقُّبَهٗ یا اپنے فاعل سے مل کر طَيْرٌ سے حال ہے بشرطیکہ طیرٌ کو علیه کے عامل عالقٌ کا فاعل بنایا جائے۔ اور اگر طیرٌ مبتداء موخر ہے اور علیه خبر مقدم ہوتو پھر تَرَقُّبَهٗ علیه کے عامل کائنٌ کی ضمیر سے حال ہوگا، وُقُوعًا واقع کی جمع ہے، جس طرح شهود شاهد کی جمع ہے۔ یہ تَرَقُّبَهٗ کی ضمیر هی سے حال ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی واقعة حول البکری مترقبة لخروج رُوْحِه.

دوسری مثال: أَيَا أَخَوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلاً ـــــ عطف بیان اور بدل از روئے احکام لفظی کے فرق کی دوسری مثال میں صاحب کتاب نے طالب بن ابو طالب کے کلام کو پیش کیا ہے، (جو امیر المومنین حضرت علیؓ کے سگے بھائی اور حضورؐ کے چچازاد بھائی ہیں، انھوں نے اپنے کلام میں پیارے مدنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی اور مقتولین بدر پر آنسو بہاتے ہوئے یہ کلام کیا)

أَيَا أَخَوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلاً ۔۔۔ أُعِيْذُكُمَا بِاللّٰهِ أَنْ تُحْدِثَا حَرْبًا

(اے ہمارے بھائی عبد شمس اور نوفل، میں تم دونوں کو لڑائی پیدا کرنے سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔)

اس شعر میں محل استشہاد "أَيَا أَخَوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلاً" ہے۔ طریقہ استدلال یہ ہے کہ عَبْدَ شَمْسٍ عطف بیان ہے اور أَخَوَيْنَا اس کا متبوع ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن جب عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلاً کو أَخَوَيْنَا سے بدل مان لیا جائے تو قباحت لازم آئے گی اور بدل ماننا جائز بھی نہ ہوگا، کیوں کہ بدل ماننا اس صورت میں جائز ہوتا ہے جب کہ بدل کا مبدل منہ کی جگہ واقع ہونا درست ہو۔ لہٰذا اگر بدل مان لیا جائے تو تقدیر عبارت "أَيَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلاً" ہوگی اور یہ جائز نہیں، کیوں کہ أَخَوَيْنَا منادیٰ ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب منادیٰ پر اسم مجرد من اللام کا عطف کیا جائے تو اسے منادیٰ مستقل کا حکم دینا واجب ہوتا ہے، لہٰذا نَوْفَلاً کو منادیٰ تسلیم کرلیا جائے تو منادیٰ مستقل ہونے کی وجہ سے مبنی علی الضم پڑھنا واجب ہوگا۔ اس لیے کہ منادیٰ جب مفرد معرفہ ہوتا ہے تو اس وقت منادیٰ مستقل ہونے کی وجہ سے مبنی علی الضم پڑھنا لازم اور ضروری ہوتا ہے۔

يَانَوْفَلاً بالنصب کہنا جائز نہ ہوگا، اور بدل ماننے کی صورت میں یا نَوْفَلاً ہی پڑھا جائے گا، کیوں کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا اعراب ایک ہی ہوتا ہے۔ اور مبدل منہ منادیٰ مضاف ہونے کی وجہ سے مبنی علی النصب ہے لہٰذا مناسبت قائم نہ ہونے کی وجہ سے بدل بنانا جائز نہیں۔ لہٰذا أَيَا أَخَوَيْنَا عَبْدَ شَمْسٍ وَنَوْفَلَ پڑھا جائے گا۔

بابُ عطف النسق ــــ عطف نسق کا بیان

وَعَطْفُ النَّسَقِ بِالْوَاوِ.

ترجمہ:- اور عطف نسق واؤ کے ساتھ ہوتا ہے۔

تشریح:- یہاں سے فاضل مصنف توابع کی چوتھی قسم عطف بحرف کو بیان فرمارہے ہیں، اس کو عطف نسق بھی کہتے ہیں، کیوں کہ اس میں معطوف اور معطوف علیہ ایک نسق پر ہیں۔ یعنی دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ لیکن زیر بحث مسائل کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید کے چند مقدمات کا سمجھنا ازحد ضروری ہے۔

عطف بحرف کی لغوی واصطلاحی تعریف:

عطف کی لغوی تعریف تو عطف بیان میں گذر گئی، بہر حال نسق تو وہ ایسا تابع ہے جس کے درمیان اور اس کے متبوع کے درمیان حروف عطف میں سے کوئی ایک تو سط قائم کرنے والا ہو۔ اصطلاح نحو میں عطف بحرف ایسا تابع ہے جو حروف عطف کے بعد آئے اور یہ بتائے کہ جو نسبت متبوع کی طرف ہورہی ہے وہی نسبت تابع کی طرف ہے، اور نسبت سے دونوں ہی مقصود ہیں، متبوع کو معطوف علیہ اور تابع کو معطوف کہتے ہیں جیسے جاءَ زیدٌ وعمروٌ (زید اور عمرو دونوں آئے) اس میں جآء کی نسبت جس طرح زید کی طرف ہے اسی طرح عمرو کی طرف بھی ہے۔

حروف عطف دس ہیں: واوٌ، فاءٌ، ثُمَّ، حتّی، إمّا، أوْ، أمْ، لا، بَلْ، لٰکِنْ۔

معطوف ومعطوف علیہ کا حکم:

(۱) معطوف اپنے معطوف علیہ کے ساتھ حکم میں شریک ہوتا ہے یعنی جو احوال معطوف علیہ پر اس کی ذات کے اعتبار سے آتے ہیں وہی احوال معطوف پر بھی پیش آئیں گے۔

(۲) ضمیر مرفوع متصل پر اگر عطف کیا جائے تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جائے بعد میں عطف کیا جائے، جیسے ضَرَبْتُ أنا وزیدٌ اس میں ضَرَبْتُ کے اندر جو ضمیر متصل ہے اس پر زیدٌ کا عطف کیا گیا ہے، لیکن اسے پہلے أنا کے ساتھ اس کی تاکید لائی گئی ہے۔

(۳) البتہ اگر ضمیر مرفوع متصل کے درمیان اور اس کے معطوف کے درمیان فصل واقع ہوجائے تو پھر تاکید لانے کی ضرورت نہیں۔ جیسے ضَرَبْتُ الْیَوْمَ زیدٌ اس میں الْیَوْمَ کا فصل آگیا ہے، اس

لیے تاکید نہیں لائی گئی۔

(۴) ضمیر مجرور پر اگر عطف کیا جائے تو جار کا اعادہ ضروری ہے یعنی اگر معطوف علیہ حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو تو معطوف پر بھی وہی حرف جر داخل کیا جائے جیسے مَرَرْتُ بِكَ وَبِزَيْدٍ۔

(۵) اور اگر معطوف علیہ مضاف کی وجہ سے مجرور ہو تو معطوف میں بھی اس مضاف کا اعادہ کیا جائے گا، جیسے "اَلْمَالُ بَيْنِي وَبَيْنَ زَيْدٍ" اس میں یاء متکلم معطوف علیہ ہے، اور زید معطوف ہے، اور جس طرح معطوف علیہ لفظ بَيْنَ کی وجہ سے مجرور ہے، اس طرح معطوف میں بھی دوبارہ بَيْنَ کو لایا گیا ہے، جس کی وجہ سے معطوف میں بھی جر آگیا ہے، ضمیر میں سب مبنی ہیں، اس لیے ان پر اعراب باعتبار محل کے ہوگا، اس مثال میں بھی بَيْنِي کی یاء ضمیر متکلم میں جر محلا ہوگا۔

نوٹ:- صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ میں نے زیر بحث مسئلے کے آغاز میں حروف عطف کی تعریف وتعداد تحریر نہیں فرمائی، چوں کہ طلبہ کے سامنے بالکل عیاں اور واضح ہے۔ لہذا میں نے اس کی صرف تفسیر وتوضیح بیان کرنے پر اکتفاء کیا، اور عطف النسق بالواو کی تفصیلی بیانات سے مجمع حروف عطف کی تفصیلی بیانات کی طرف اشارہ کیا ہے، یکے بعد دیگرے ہر ایک کی وضاحت آرہی ہے۔ (فانتظروا إني معكم من المنتظرين)

وَهِيَ لِمُطْلَقِ الْجَمْعِ.

ترجمہ:- اور واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔

تشریح:- واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے خواہ معطوف علیہ اور معطوف میں ترتیب ہو یا نہ ہو جیسے "جاء نی زیدٌ وعمروٌ" اس کا مطلب یہ ہے کہ زید اور عمرو دونوں آئے۔ امام سیرافیؒ نے فرمایا کہ بصرہ اور کوفہ کے تمام نحاۃ اور اہل لغت کا اس بات پر اجماع ہے کہ واؤ جمع کے لیے آتا ہے بغیر ترتیب کے، جیسے جاء زیدٌ وعمرو، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید اور عمرو دونوں آئے۔ (یعنی دونوں کے دونوں آنے میں شریک ہیں) لیکن اس کلام میں تین مفہوم کا احتمال ہوتا ہے۔ (۱) یہ کہ زید اور عمرو دونوں ایک ساتھ آئے (۲) یہ کہ ان دونوں کا آنا ترتیب کے ساتھ ہو یعنی پہلے زید آئے پھر عمرو آئے۔

(۳) یہ کہ ان دونوں کا آنا برعکس ہو یعنی پہلے عمرو آئے پھر زید آئے، پس اگر ان امور میں سے کوئی ایک کسی دوسری دلیل سے ثابت ہو تو وہ متعین ہوگا، جیسا کہ معیت کا معنی مفہوم ہوتا ہے، باری تعالی کے قول "وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ" (اور جب کہ اٹھا رہے تھے ابراہیم دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسماعیل بھی۔ پ ۱، بقرہ آیت ۱۲۷) میں اس آیت میں ابراھیم

معطوف علیہ اور اسماعیل معطوف، واؤ حرف عطف معیت کے معنی میں ہے، اور معطوف معطوف علیہ کے حکم میں شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں نے ایک ساتھ بیت اللہ کی دیواریں اٹھائیں، جیسا کہ ترتیب کا معنی مفہوم ہوتا ہے باری تعالیٰ کے قول "اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا، وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا، وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا" (جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلا دی جائے گی اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور آدمی کہے گا اس کو کیا ہوا۔ پ۳۰ زلزال آیت ۱،۲،۳) میں۔ اس آیت میں پہلا جملہ معطوف علیہ اور دوسرا اور تیسرا معطوف ہے۔ اور واؤ حرف عطف ترتیب کے لیے ہے، اس طرح کہ پہلے زمین میں بھونچال آئے گا، اس کے بعد زمین اپنے دفینوں کو نکال پھینکے گی، اس کے بعد انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا۔ اور جیسا کہ ترتیب کے برعکس معنی مفہوم ہوتا ہے، باری تعالیٰ کا قول "وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا" (اور یہ بعث کے منکرین کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس دنیوی حیات کے اور کوئی حیات نہیں ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ پ۲۵، الجاثیہ آیت ۲۴) میں، اس میں مرنے کے بعد زندہ ہونے کی خبر منکر بعث کو دی جا رہی ہے کہ ہم مر جائیں گے اور پھر زندہ کیے جائیں گے، ترتیب کے برخلاف، حالاں کہ پہلے زندگی آتی ہے پھر آخر میں موت ہوتی ہے۔

مصنف علیہ الرحمۃ کا فیصلہ کن قول: صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا اقوال نحاۃ و اہل لغت میں سے اکثر اہل علم لوگوں کے اقوال ہیں ایسا نہیں جیسا کہ امام سیرافی نے کہا کہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے بغیر ترتیب کے، اور اسی پر نحویوں اور لغویوں کا اجماع ہے، بلکہ بعض کوفیین سے یہ مروی ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے آتا ہے، ان کی جانب سے آیت بالا کا جواب یہ ہوگا کہ دراصل آیت سے مراد ہمارے بڑے انتقال کرتے رہیں گے اور ہمارے چھوٹے پیدا ہوتے رہیں گے، پس ہم زندہ رہیں گے۔ بقول مصنف یہ مفہوم مراد لینا بعید از عقل ہے، کیوں کہ اہل عرب کے قول "اِخْتَصَمَ زَيْدٌ وَعَمْرٌو" (زید اور عمرو نے باہم لڑائی کی) کے ذریعے اعتراض واقع ہو جائے گا، اس لیے کہ زید معطوف علیہ اور عمرو معطوف ہے اور واؤ مطلق جمع کے لیے ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زید اور عمرو دونوں نے باہم جھگڑا کیا۔ اس میں واؤ مطلق جمع کے لیے ترتیب کے لیے نہیں ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ واؤ ترتیب کے لیے آتا ہے صحیح نہیں اس مثال کے ذریعہ مسئلہ پوری طرح منکشف ہو جاتا ہے کہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتا ہے، ترتیب کے لیے نہیں، اگر ترتیب کے لیے آتا تو فاء اور ثُمَّ کے ذریعہ اس مثال میں عطف کرنا جائز ہوتا، کیوں کہ فاء اور ثُمَّ دونوں ترتیب کے لیے آتے ہیں، لیکن اس مثال میں فاء اور ثُمَّ کے ذریعہ عطف کرنا اہل عرب کے نزدیک ناجائز ہے۔ لہٰذا اس مثال میں فاء یا ثُمَّ کا واؤ کی جگہ اور واؤ کا ان دونوں کی جگہ استعمال

کرنا درست نہیں، اگر واو ان دونوں کی طرح ہوتا تو یقیناً اس کے ساتھ عطف کرنا جائز ہوتا جیسا کہ مثال مذکور میں فاء یا ثُمَّ کے ساتھ عطف کرنا جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ واو مطلق ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے آتا ہے۔

وَالْفَاءُ لِلتَّرْتِيْبِ وَالتَّعْقِيْبِ.

ترجمہ:- اور فاء ترتیب اور تعقیب کے لیے آتا ہے۔

تشریح:- والفاء للترتيب الخ فاء ترتیب کے لیے آتا ہے بغیر مہلت کے، یعنی فاء کے ماقبل کے لیے حکم پہلے ثابت ہوتا ہے اور مابعد کے لیے فوراً بعد، اس میں تاخیر نہیں ہوتی، چنانچہ جب جاء زيدٌ فعمروٌ کہا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ زید کے آنے کے بعد ہی عمرو فوراً بغیر مہلت کے آیا، اس مثال میں تین احتمال ہیں (۱) حکم میں شریک ہونا یعنی آنے کا جو حکم ہے اس میں زید اور عمرو دونوں شریک ہیں خواہ زید پہلے آیا ہو یا عمرو۔ (۲) ترتیب ہے، پہلے زید آیا پھر عمرو آیا (۳) تعقیب کا بھی احتمال ہے کہ زید کے بعد عمرو آیا بغیر مہلت کے۔

والتَّعْقِيْبُ ہر چیز کا تعقیب اس کے مقدار کے مطابق ہوتا ہے، جب آپ کہیں "دَخَلْتُ الْبَصْرَةَ فَبَغْدَادَ" (کہ میں بصرہ آیا پھر بغداد) اور بصرہ اور بغداد کے درمیان تین دن کی مسافت ہے، اور یہ مسافت معلوم و مشہور ہے، تو اگر آپ تین دن کے بعد بغداد آئے تو یہ عادۃً تعقیب ہوگا، اور جب آپ چار یا پانچ دن کے بعد داخل ہوئے تو پھر یہ عادۃً تعقیب نہ ہوگا، اور اس کے لیے یہ کلام کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

فاء کا دوسرے معنی میں استعمال:

صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ فاء تو اصلاً ترتیب و تعقیب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، لیکن کبھی کبھی دوسرے معنی میں بھی استعمال کرلیا جاتا ہے، مثلاً کبھی کبھی تو سببیت کے لیے آتا ہے اور جملہ عاطفہ میں یہی کثیر الاستعمال ہے، سببیت کا مطلب ہے کہ فاء کا ماقبل مابعد کے لیے سبب ہو، جیسے تیرا قول "سَهَا فَسَجَدَ" (اس سے چوک ہوئی تو اس نے سجدہ کیا) اس میں سجدہ کرنے کا سبب چوک ہوتا ہے، اور فاء سببیہ ہے، اسی طرح "زَنٰى فَرُجِمَ" (اس نے زنا کیا تو رجم کیا گیا) اس مثال میں رجم کیے جانے کا سبب زنا کرنا ہے، اور "سَرَقَ فَقُطِعَ" (اس نے چوری کی تو ہاتھ کاٹا گیا) اس میں قطع ید کا سبب سَرَق ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَتَلَقّٰى آدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ" (بعد ازاں حاصل کرلیے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی۔ پ۱، بقرہ،

آیت۲۲) اس آیت میں متوجہ ہونے کا سبب تعظیم الفاظ ہے۔ اور کبھی کبھی جواب شرط میں ربط کے لیے استمرار کے طور پر لیا جاتا ہے یعنی جملہ شرطیہ میں جزاء پر وہ جو داخل ہوتا ہے، بشرطیکہ شرط و جزاء دونوں شرط کی وجہ سے مستقبل کے لیے ہو، اور جواب واقع پر دلالت کرتا ہو جیسے "مَنْ یَاْتِیْنِیْ فَاِنِّیْ اُکْرِمُہٗ" (جو شخص میرے پاس آئے گا میں اس کی تعظیم کروں گا) جواب شرط میں فاء ربط کے لیے لایا گیا ہے، اسی لیے جب کہا جائے "مَنْ دَخَلَ دَارِیْ فَلَہٗ دِرْہَمٌ" تو داخل ہونے کی وجہ سے درہم کے مستحق ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔

اور اگر فاء حذف کر دیا جائے تو اس وقت اس معنٰی کا احتمال ہوگا اور اس کے لیے درہم کے اقرار کا احتمال ہوگا لیکن جس وقت فاء عاطفہ کو جملہ میں عطف کے لیے استعمال کیا جائے تو مذکورہ تمام معانی سے خالی ہوتا ہے یعنی فاء عاطفہ کے واسطے سے معطوف معطوف علیہ کے ساتھ بلاتوقف لاحق ہوتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول "اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی، وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی، وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی، فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی، (اور جس نے تجویز کیا، پھر راہ بتلائی، اور جس نے چارہ نکالا، پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا، پ۳۰، اعلیٰ آیت ۲،۳،۴،۵) میں فاء عاطفہ ہے جو معطوف کو معطوف علیہ کے ساتھ بلاتوقف ملاتا ہے۔

معنی ثُمَّ —— ثُمَّ کی توضیح

وَثُمَّ لِلتَّرْتِیْبِ وَالتَّرَاخِیْ.

ترجمہ:- اور ثُمَّ ترتیب اور تراخی کے لیے ہوتی ہے۔

تشریح:- "ثُمَّ" ترتیب اور تراخی کے لیے ہوتی ہے، یعنی ثُمَّ کے ماقبل کے لیے حکم پہلے ثابت ہوتا ہے اور مابعد کے لیے بہت دیر میں جیسے جاء زیدٌ ثُمَّ عمروٌ کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عمرو زید کے بہت دیر بعد آیا، ثُمَّ بھی فاء کی طرح تین امور کا فائدہ دیتی ہے، فاء کی بحث میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔ (فلیراجع الیہا) باری تعالیٰ کا قول "وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ" (اور ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی، پھر ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ۔ پ۸، اعراف، آیت۱۱) میں ثُمَّ ترتیب کے لیے ہے اور آیت کی اصل عبارت بحذف مضاف اس طرح ہے، ولقد خلقنا آباءکم ثُمَّ صَوَّرْنا آباءکم.

معنی حَتّٰی —— حتّٰی کی توضیح

وَحَتّٰی لِلْغَایَةِ التدریج.

ترجمہ:- اور حتّٰی غایت اور تدریج کے لیے آتا ہے۔

تشریح:- حتّٰی غایت اور تدریج کے لیے آتا ہے، غایت کا مطلب کسی شئ کا آخری حصہ ہونا یعنی انتہا کو کہتے ہیں۔ تدریج کا مطلب جو کچھ حتّٰی کے ماقبل ہے اس کو کے بعد دیگرے ختم کرتے ہوئے انتہا تک پہنچ جائے، اور وہ انتہا اسم معطوف ہے اسی لیے معطوف کا معطوف علیہ کے لیے جزء ہونا ضروری ہے، خواہ معطوف معطوف علیہ کا جزء تحقیقی اعتبار سے ہو جیسے "أَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتّٰى رَأْسَهَا" (میں نے مچھلی کھائی یہاں تک کہ اس کا سر) اس میں السَّمَكَةَ معطوف علیہ حتّٰی عاطفہ رَأْسَهَا معطوف ہے جو معطوف علیہ کا جزء ہے تحقیقی طور پر۔

یا معطوف معطوف علیہ کا جزء تقدیری اعتبار سے ہو، جیسے شاعر کا قول۔

أَلْقَى الصَّحِيفَةَ كَيْ يُخَفِّفَ رَحْلَهُ وَالزَّادَ حَتّٰى نَعْلَهُ أَلْقَاهَا

(اس نے خط کو ڈال دیا تا کہ اپنے کجاوے کو ہلکا کر دے، اور توشہ کو ڈال دیا یہاں تک کہ اپنے جوتے کو بھی ڈال دیا۔) اس شعر میں محل استشہاد "حَتّٰى نَعْلَهُ" حالت نصب میں ہے، اس میں نعل معطوف ہے اور جو اس کے ماقبل ہے وہ معطوف علیہ ہے، نعل اگر چہ اپنے ماقبل کا جزء تحقیقی نہیں ہے لیکن بسبب تاویل جزء تقدیری تو ضرور ہے، کیوں کہ کلام کا مفہوم ہے کہ اس نے ثقیل ہونے کی وجہ سے تمام چیزوں کو ڈال دیا یہاں تک کہ اپنے جوتے کو بھی ڈال دیا۔

شعر کا مطلب: امام اخفش نے عیسیٰ بن عمران سے نقل کیا ہے کہ یہ ابو مروان نحوی کا کلام ہے جیسے قصہ متلمس اور عمرو بن ہند سے فرار کے متعلق پڑھ دیا ہے، شعر کا پس منظر یہ ہے کہ عمرو بن ہند نے ابو مروان نحوی کے اپنے پاس سے دور فرار اختیار کرنے کی صورت میں غضبناک ہو کر اپنے عامل کے پاس رقعہ ارسال کیا جس میں یہ حکم صادر فرمایا کہ فوراً ابو مروان نحوی کو قتل کر دیا جائے، وصول رقعہ کے بعد متلمس کو یہ اشتباہ ہوا کہ شاید یہ خط وافر مقدار میں داد و دہش حاصل کرنے کے لیے حکم نامہ بن کر آیا ہے، لیکن بعد ملاحظہ جب حکم قتل کا علم ہوا تو اسے دریا میں ڈال دیا۔

لَا لِلتَّرْتِيبِ

ترجمہ:- حتّٰی ترتیب کے لیے نہیں آتا۔

تشریح:- فاضل مصنفؒ یہاں سے فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کا یہ گمان ہے کہ حتّٰی ترتیب کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ ثُمَّ اور فاء ترتیب کا فائدہ دیتی ہے، حالاں کہ ایسی بات نہیں ہے درحقیقت حتّٰی مطلق جمع کے لیے آتا ہے واؤ کی طرح، اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے "كُلُّ شَيْءٍ

بِقَضَاءٍ وَقَدَرٍ حَتَّى الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ " (ہر چیز قضاء اور قدر کے ساتھ ہے یہاں تک کہ تنگدستی اور خوشحالی بھی) اس حدیث میں حتّی ترتیب کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ قضاء اور قدر کے درمیان ترتیب نہیں ہے بلکہ مقضیات اور مقدرات کے ظہور میں ترتیب ہے۔ طریقہ استشہاد یہ ہے کہ واؤ جس طرح مطلق جمع کے لیے آتا ہے حتّی بھی اسی طرح آتا ہے، اگر واؤ ترتیب کے لیے آتا تو لازماً قضاء وقدر کے درمیان ترتیب ہوتی، اسی طرح حتّی بھی اگر ترتیب کے لیے ہوتا تو پھر قضاء وقدر اور عجز وکیس کے درمیان ضرور ترتیب ہوتی۔ لیکن ایسا نہیں۔

طالبعلمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! حتّی کے عمل پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ "اَكَلْتُ السَّمَكَةَ حَتَّى رَأْسَهَا" میں حتّی مشہور حروف جار میں سے ہے مگر اس کے بعد رفع، نصب بھی پڑھا جارہا ہے ایسا کیوں؟

جواب: حتّی کی تین قسمیں ہیں (۱) عاطفہ (۲) ابتدائیہ (۳) جارّہ۔

حتّی ابتدائیہ کے بعد رفع آتا ہے، لہٰذا مثال مذکور میں عبارت ہوگی حتّی رَأْسُهَا مَأْكُولٌ (مبتداء وخبر) اور حتّی عاطفہ کی شکل میں نصب ہوگا، بمعنی اَكَلْتُ السَّمَكَةَ وَرَأْسَهَا، اور حتّی کا مدخول معطوف علیہ کا جز ضعیف ہوگا یا جز قوی، اور حتّی جارہ کی شکل میں جر ہوگا، حتّی رَأْسِهَا

معنٰی أَوْ۔ اَوْ کی وضاحت

وَ "اَوْ" لِاَحَدِ الشَّيْئَيْنِ اَوِ الْاَشْيَاءِ، مُفِيْدَةً بَعْدَ الطَّلَبِ التَّخْيِيْرَ اَوِ الْاِبَاحَةَ، وَبَعْدَ الْخَبَرِ الشَّكَّ اَوِ التَّشْكِيْكَ.

ترجمہ:- اور "اَوْ" دو یا چند چیزوں میں سے کسی ایک امر مبہم کے لیے طلب کے بعد تخییر کا فائدہ دینے کے لیے آتا ہے، یا اباحت کا فائدہ دیتا ہے اور خبر کے بعد شک یا تشکیک کا فائدہ دیتا ہے۔

تشریح:- وَ "اَوْ" لِاَحَدِ الشَّيْئَيْنِ الخ یہاں سے مصنفؒ اس حرف عاطف کو بیان کر رہے ہیں جو دو یا چند چیزوں میں سے کسی ایک امر مبہم کے لیے آتا ہے، اور وہ "اَوْ" ہے۔ "اَوْ" کبھی تو دو امروں میں سے کسی ایک غیر متعین امر کے لیے آتا ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" (ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے۔ پ۱۵، کہف آیت ۱۹) اور کبھی چند امور میں سے کسی ایک امر مبہم کے لیے آتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ" (سو اس کا کفارہ دس محتاجوں کو

کھانے کھلانا ہے اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو کھانے کو دیا کرتے ہیں یا ان کو کپڑا دینا یا ایک گردن (یعنی ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا۔ پ ۷، مائدہ آیت ۸۹) مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہورہا ہے کہ "أوْ" دو یا دو سے زیادہ چیزوں میں سے کسی ایک غیر متعین شیٔ کے لیے حکم ثابت کرتا ہے، اسی وجہ سے دو یا دو سے زائد چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے سَوَاءٌ عَلَيَّ أَقُمْتَ أَوْ قَعَدْتَ کہنا جائز ہے، کیوں کہ لفظ سواءٌ دلالت کرتا ہے دو چیزوں کے برابر ہونے پر۔ اسی وجہ سے سواءٌ عَلَيَّ هذا الشيءِ کہنا ممنوع ہے اس لیے کہ یہاں دو چیزوں کے درمیان برابری نہیں پائی گئی۔

اَوْ کے استعمال کی صورتیں:

مفهمة بعد الطلب التخيير او الاباحة الخ صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ "أوْ" کے لیے استعمال کی چار شکلیں ہیں، دو تو طلب کے بعد اور وہ تخییر اور اباحت ہے، اور دو خبر کے بعد اور وہ شک اور تشکیک ہے۔

طلب کے بعد کا مطلب ہے کہ صیغۂ طلبیہ کے بعد "أوْ" آئے تو اس وقت اس اَوْ کا دو مفہوم ہوگا (۱) کبھی تو تخییر پر دلالت کرے گا (۲) اور کبھی اباحت پر دلالت کرے گا۔ تخییر کی مثال جیسے تیرا قول "تَزَوَّجْ هِنْدًا أَوْ أُخْتَهَا" (تو ہندہ سے شادی کر یا اس کی بہن سے) اباحت کی مثال جیسے "جَالِسِ الْحَسَنَ أَوِ ابْنَ سِيْرِيْنَ" (تو حسن بصری کی مجلس اختیار کر یا ابن سیرین کی مجلس)

سوال: جب صیغۂ طلبیہ کے بعد اَوْ تخییر اور اباحت دونوں کے لیے آتا ہے تو ان دونوں کے درمیان فرق کیا رہا، اور فرق کا اندازہ کیسے لگایا جائے گا۔

جواب: جس وقت اَوْ کے ماقبل اور مابعد کے درمیان جمع کرنا ناجائز ہو تو اس وقت اَوْ تخییر کے لیے ہوگا، اور اگر جمع کرنا جائز ہو تو اباحت کے لیے ہوگا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہندہ اور اس کی بہن کا مخاطب کے لیے ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اور حسن اور ابن سیرین کی مجلس کے درمیان جمع کرنا مخاطب کے لیے جائز ہے۔

وبعد الخبر الشك او التشكيك: اور "أوْ" خبر کے بعد یعنی جملہ خبریہ کے بعد آئے تو شک اور تشکیک کے لیے آئے گا، شک کی مثال۔ جیسے تیرا قول "جاء زيدٌ او عمروٌ" (زید آیا یا عمرو) اس میں یہ تو معلوم ہے کہ زید اور عمرو میں سے کوئی ایک آیا ہے، لیکن متعین طور پر یہ معلوم نہیں آنے والا کون ہے، لہٰذا یہاں پر اَوْ شک کے لیے ہے۔

تشکیک کی مثال جیسے جاء زيدٌ أوْ عمروٌ (زید آیا یا عمرو) اس میں یہ معلوم ہے کہ زید اور عمرو

میں سے کوئی ایک آیا ہے، اور متعین طور پر یہ معلوم ہے کہ آنے والا کون ہے لیکن مخاطب پر ابہام کرنا چاہتا ہے کہ تم تعیین کرکے بتاؤ کہ وہ کون ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد "فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِيْنَ" میں اَوْ تخییر کے لیے مستعمل ہے، کیوں کہ حانث ومؤمن ان کفارات کے درمیان بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَأْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ آبَائِكُمْ" (تمہارے لیے کچھ مضائقہ نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر سے۔ پ ۱۸ نور آیت ۶۱) میں اَوْ اباحت کے لیے مستعمل ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" میں اَوْ شک کے لیے ہے۔ باری تعالیٰ کا قول "وَاِنَّا اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ" (اور بے شک ہم یا تم ضرور راہ راست پر ہیں یا صریح گمراہی میں ہیں۔ پ ۲۲ سبا آیت ۲۴) میں اَوْ تشکیک کے لیے مستعمل ہے۔

"اَمْ" کی توضیح

وَ "اَمْ" بِطَلَبِ التَّعْيِيْنِ بَعْدَ هَمْزَةٍ دَاخِلَةٍ عَلٰى اَحَدِ الْمُسْتَوِيَيْنِ.

ترجمہ:۔ اور "اَمْ" طلب تعیین کے لیے آئے گا بشرطیکہ دو مستوی چیزوں میں سے کسی ایک پر داخل ہونے والے ہمزہ کے بعد واقع ہو۔

تشریح:۔ "اَمْ" حروف عاطفہ میں سے ہے، یہ اس بات کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں میں سے کسی ایک کے لیے غیر متعین طور پر حکم ثابت ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ متکلم کو قطعی طور پر معلوم ہو کہ دونوں میں سے کسی ایک کے لیے غیر متعین طور پر ضرور ثابت ہے جیسے تیرا قول۔ "اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌو" میں شک ہے کہ حکم کس کو ثابت ہے، ذات متعین میں شک اور ابہام ہے لہٰذا مخاطب سے اس کے بارے میں سوال کرے کہ وہ اس کی تعیین کردے، چنانچہ مخاطب کے لیے تعیین کے ذریعے جواب دینا لازم اور ضروری ہوگا، نعم یا لا سے جواب دینا درست نہیں۔

اَمْ کی دو قسمیں ہیں، اَمْ متصلہ جسے اَمْ معادلہ بھی کہتے ہیں (اَمْ معادلہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمزہ استفہام کے بعد معادلہ یعنی برابری کے لیے آتا ہے اور دو میں سے ایک کی تعیین مطلوب ہوتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ان دو اسموں میں سے ایک پر ہمزہ داخل ہوتا ہے جن کی طرف نسبت کرنے کا حکم یکساں اور برابر ہے اور دوسرے پر اَمْ داخل ہوتا ہے اور ان دونوں کے مابین ایسا لفظ ہوتا ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اور وہ مثال مذکور میں لفظ "عِنْدَكَ" ہے) نیز اسے اَمْ متصلہ بھی کہتے ہیں (اَمْ متصلہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے ماقبل اور اپنے مابعد کو اس طرح ملا دیتا ہے کہ ایک دوسرے سے

نیاز نہیں ہوسکتا)۔ اَمْ کی دوسری قسم منقطعہ ہے جو ام متصلہ کی شرائط کے برخلاف ہوتا ہے اَمْ متصلہ کی تین شرطیں ہیں (۱) یہ کہ ام سے پہلے ہمزہ استفہام آئے (۲) ہمزہ کے بعد جو چیز آئے وہی اَمْ کے بعد بھی آئے، اگر ہمزہ کے بعد اسم آئے تو ام کے بعد بھی اسم آنا ضروری ہوگا جیسے أزیدٌ عندك أم عمروٌ، اور اگر ہمزہ کے بعد فعل آئے تو اَمْ کے بعد بھی فعل آنا ضروری ہوگا، جیسے أقعد زیدٌ أمْ قامَ، (۳) وہی باتیں جو تشریح کے ذیل میں گذریں۔

لا، لکِن، بَلْ کی توضیح

وَلِلرَّدِّ عَنِ الْخَطَاءِ فِی الْحُکْمِ "لَا" بَعْدَ اِیْجَابٍ، وَ "لٰکِنْ" وَ "بَلْ" بَعْدَ نَفْیٍ وَلِصَرْفِ الْحُکْمِ اِلٰی مَا بَعْدَھَا "بَلْ" بَعْدَ اِیْجَابٍ۔

ترجمہ:- اور حکم میں خطاء سے لوٹنے کے لیے "لا" ایجاب کے بعد، اور "لٰکِنْ" اور "بَلْ" نفی کے بعد، اور اپنے مابعد کی طرف حکم پھیرنے کے لیے "بَلْ" ایجاب کے بعد آتے ہیں۔

تشریح:- بطور تمہید چند مفید باتیں ذہن نشین کر لیجیے۔ لا، بَلْ، لکِنْ، یہ تینوں یہ بتانے کے لیے آتے ہیں کہ معطوف علیہ اور معطوف میں سے ایک متعین کے لیے حکم ثابت ہے لیکن ہر ایک میں تعیین کی صورت مختلف ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ "لَا" معطوف سے اس حکم کی نفی کرتا ہے جو معطوف علیہ کے لیے ثابت کیا گیا ہے جیسے جاء زیدٌ لا عمروٌ (میرے پاس زید آیا عمرو نہیں آیا) "بَلْ" یہ معطوف علیہ سے اعراض کرکے معطوف کے لیے حکم ثابت کرتا ہے جیسے جاء زیدٌ بل عمروٌ زید کے لیے آنا ثابت کیا گیا تھا مگر نے آکر اس سے اعراض کرکے عمرو کے لیے آنا ثابت کیا۔ "لٰکِنْ" یہ استدراک کے لیے ہے یعنی پہلے کلام سے جو وہم پیدا ہوا تھا اس کو دور کرنے کے لیے آتا ہے جس جملہ میں یہ آتا ہے اس سے پہلے جملہ سے زید کے آنے کی نفی کی گئی ہے اس میں شبہ پیدا ہو گیا کہ جس طرح زید نہ آیا ہو سکتا ہے کہ عمرو بھی نہ آیا ہو لٰکِنْ نے آکر اس وہم کو دور کر دیا کہ ایسی بات نہیں جیسا کہ تم وہم کر رہے ہو عمرو آیا ہے۔

ان تینوں حروف کے درمیان امتیازی فرق:

وللرّدّ عن الخطاء فی الحکم "لا" بعد ایجاب الخ تمہیدی کلمات ملاحظہ کر لینے کے بعد متن کی وضاحت کیجئے۔ یہ تینوں کے تینوں چند احکام میں مشترک ہوتے ہیں۔ (۱) عاطفہ ہونے میں، (۲) حکم میں غلطی سے درستگی کی طرف سامع کو لوٹانے کا فائدہ دینے میں یہ تینوں مشترک ہیں۔ مگر یہ تینوں چند احکام میں مختلف بھی ہوتے ہیں، مثلاً "لا" قصر قلب اور قصر افراد کے لیے ہوتا ہے (اس کی تین

قسمیں ہیں، قصر قلب، قصر افراد، اور قصر تعیین۔ مخاطب جس صفت پر موصوف کو منحصر کرنے کا اعتقاد رکھتا ہے متکلم اس کی جگہ دوسری صفت پر منحصر کرے۔ مثلاً مخاطب کا اعتقاد یہ ہے کہ زید صفت قعود کے ساتھ متصف ہے، مگر متکلم اس کا رد کرتے ہوئے کہتا ہے ماَ زَيدٌ اِلَّا قَائِمٌ (زید کھڑا ہی ہے) یعنی مخاطب کا اعتقاد غلط ہے صحیح بات یہ ہے کہ زید صفت قیام کے ساتھ متصف ہے صفت قعود کے ساتھ متصف نہیں ہے، اسی کو قصر قلب کہا جاتا ہے۔

اگر مخاطب کا اعتقاد یہ ہو کہ ایک وصف میں دو موصوف شریک ہیں مثلاً یہ اعتقاد ہو کہ ہاشم اور مسعود دونوں کھڑے ہیں یعنی کھڑے ہونے میں دونوں شریک ہیں، لیکن متکلم اس کو رد کرتے ہوئے کہتا ہے "ما قائم الا هاشم" ہاشم ہی کھڑا ہے، یعنی وصف قیام ہاشم پر منحصر ہے اور مسعود سے منفی ہے، اسی کا نام قصر افراد ہے۔ اگر مخاطب دو صفتوں کے درمیان متردد ہو اور متکلم ان دونوں میں سے ایک کو متعین کر دے، مثلاً مخاطب اس بارے میں متردد ہے کہ معلوم نہیں زید قیام کے ساتھ متصف ہے یا قعود کے ساتھ پس متکلم نے ایک یعنی صفت قیام کو متعین کرتے ہوئے کہا "ما زیدٌ الا قائمٌ" (زید کھڑا ہی ہے بیٹھا نہیں ہے) اسی کا نام قصر تعیین ہے۔ (تکمیل الامانی ج ۲ ص ۱۸۶)

اور "بَلْ" اور "لٰكِنْ" صرف قصر قلب کے لیے ہوتے ہیں۔ جیسے "جاء نی زیدٌ لا عمروٌ" اس شخص کی تردید میں جس کا خیال ہو کہ عمرو آیا زید نہیں یا دونوں کے دونوں ساتھ آئے، اور "ما جاء نی زیدٌ لٰكِنْ عمروٌ" یا "بَلْ عمروٌ" اس شخص کی تردید کے لیے ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ زید آیا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ "لا" کے ذریعہ اثبات کے بعد عطف لایا جاتا ہے اور "بَلْ" کے ذریعہ نفی کے بعد عطف لایا جاتا ہے، اور "لٰكِنْ" کے ذریعہ بھی نفی کے بعد عطف لایا جاتا ہے، کبھی کبھی "بَلْ" کے ذریعہ اثبات کے بعد عطف لایا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معطوف علیہ سے جس حکم کی نفی کی گئی ہے اس کی نفی معطوف سے نہ ہوگی، بلکہ معطوف کے لیے حکم ثابت ہوگا اور معطوف علیہ سے یا تو حکم کی نفی بدستور باقی رہے گی یا اس کو ایسا سمجھا جائے گا گویا اس کا ذکر ہی نہیں ہوا۔ یعنی اس کے لیے نہ تو کسی حکم کو ثابت کیا گیا ہے اور نہ نفی کی گئی ہے ان کے نزدیک مثال مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ عمرو آیا ہے اور زید یا تو نہیں آیا یا وہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہے، یعنی ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اور "اِمّا" غیر عاطفہ ہے بقول مصنف یہی درست ہے، اور جہاں نحو کی کتابوں میں امام فارسی اور امام جرجانی نے اس کو حروف عاطفہ میں شمار کیا ہے وہ چوک ہوگئی ہے۔

بابُ البَدلِ ـــــ بدل کا بیان

وَالْبَدَلُ، وَهُوَ تَابِعٌ مَقْصُوْدٌ بِالْحُكْمِ، بِلَا وَاسِطَةٍ، وَهُوَ سِتَّةٌ، بَدَلُ كُلٍّ، نَحْوُ "مَفَازًا حَدَائِقَ" وَبَعْضٍ، نَحْوُ "مَنِ اسْتَطَاعَ" وَاشْتِمَالٍ، نَحْوُ "قِتَالٍ فِيْهِ". وَإِضْرَابٍ، وَغَلَطٍ، وَنِسْيَانٍ، نَحْوُ "تَصَدَّقْتُ بِدِرْهَمٍ دِيْنَارٍ" بِحَسَبِ قَصْدِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِيْ، أَوِ الثَّانِيْ وَسَبْقِ اللِّسَانِ أَوِ الْأَوَّلِ وَتَبَيَّنَ الْخَطَاءُ.

ترجمہ:- اور بدل، اور یہ ایسا تابع ہے جو بلا واسطہ مقصود بالحکم ہوتا ہے، اور وہ چھ ہیں بدل کل جیسے "مَفَازًا حَدَائِقَ" اور بعض جیسے "مَنِ اسْتَطَاعَ" اور اشتمال جیسے "قِتَالٍ فِيْهِ" اور اضراب، غلط اور نسیان جیسے "تَصَدَّقْتُ بِدِرْهَمٍ دِيْنَارٍ" اول اور ثانی کے قصد کے اعتبار سے، یا ثانی کا قصد ہو اور زبان سبقت کر جائے، یا اول کا قصد ہو، اور خطا واضح ہو جائے۔

تشریح:- جب مصنف توابع کی چوتھی قسم عطف بحرف کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے پانچویں قسم "البدل" کو بیان کرنا شروع کیا۔

بدل کی تعریف:

والبدل وهو تابع مقصود بالحكم الخ بدل لغت میں عوض کو کہتے ہیں اور اس کی تائید ارشاد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے "عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا" (امید کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس سے بہتر بدل عطا فرمائے۔ پ۲۹ القلم آیت ۳۲) اس آیت میں بدل عوض کے معنی میں ہے۔

اصطلاح نحو میں بدل ایسا تابع ہے جو بلا واسطہ مقصود بالحکم ہو (بدل ایسے تابع کو کہتے ہیں جو خود ہی مقصود بالنسبت ہو اس کا متبوع مقصود نہ ہو۔)

فوائد قیود: بدل کی اصطلاحی تعریف چند فوائد قیود پر مشتمل ہے، اس طرح کہ "تابع" جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے، اور مصنف کا قول "مقصود بالحکم" فصل اول ہے، جس سے نعت اور تاکید خارج ہو گئی، کیوں کہ نعت متبوع کی حالت کو بیان کرتی ہے اور تاکید متبوع کی نسبت کو یا شمول کے تحت شامل ہونے کو ثابت کرتی ہے، یہ دونوں بذات خود مقصود بالحکم نہیں ہوتے۔ اور مصنف کا قول "بِلَا وَاسِطَةٍ" یہ فصل ثانی ہے، جس سے عطف بحرف خارج ہو گیا، جیسے جملہ زیدٌ وعمروٌ کیوں کہ عطف بحرف ایسا تابع ہے جو مقصود بالحکم تو ہوتا ہے لیکن حرف عطف کے واسطے سے۔

بدل کی قسمیں:

وهو ستة بدل کی چھ قسمیں ہیں (۱) بدل کل من کل (۲) بدل بعض (۳) بدل اشتمال (۴) بدل اضراب (۵) بدل غلط (۶) بدل نسیان۔

بدل کل من کل کی وضاحت:

بدل کل سے مراد ایسا تابع ہے کہ وہ اور اس کا مبدل منہ دونوں کا مصداق ایک ہی ہو (بدل کل من کل کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا اسم مکمل طور سے اس حکم میں شریک ہو جس میں اول کا مین شریک ہے) جیسے تیرا قول "جاء نی محمد ابو عبدالله" اور باری تعالیٰ کا قول "مفازًا حدائق" ان دونوں مثالوں میں محمد اور مفازًا مبدل منہ ہے اور ابو عبدالله اور حدائق بدل کل ہے۔

سوال: یہاں ایک طالبعلمانہ اعتراض ہوتا ہے کہ تمام نحویوں نے الف لام کے ساتھ بدل الکل من الکل کہا ہے جب کہ مصنف نے بغیر الف لام کے بدل کل من کل کہا ایسا کیوں؟

جواب: مصنف کا بغیر الف لام کے بدل کل من کل کہا اس مذہب سے ڈرتے ہوئے جنہوں نے کل پر الف لام داخل کرنے کو نا جائز قرار دیا ہے، اور امام زجاجی نے اس کو یعنی الف لام کے دخول کو تمام قسموں میں جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ مصنف لوگوں کی موافقت کرنے میں امام زجاجی سے چوک ہوگئی ہے۔

بدل بعض من کل کی وضاحت:

بدل بعض ایسا بدل ہے جو اپنے متبوع یعنی مبدل منہ کا جز ہو اور اس کا حصہ ہو جیسے تیرا قول "أكلتُ الرَّغِيفَ ثُلُثَهُ" (چپاتی یعنی اس کا تہائی حصہ میں نے کھایا) اس میں الرغیف مبدل منہ ہے اور ثلثه بدل ہے اور ثلثه رغیف کا جز ہے، اور باری تعالیٰ کا قول "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" اس آیت میں مَنِ اسْتَطَاعَ النَّاس کا بدل ہے اور یہی مشہور ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حِجُّ الْبَيْتِ: مَنِ اسْتَطَاعَ فاعل واقع ہے اور اصل جملہ اس طرح ہے "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ أَنْ يَحُجَّ مُسْتَطِيعُهُمْ" اور امام کسائی کا مذہب ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہو کر مبتداء ہے اور جواب محذوف ہے، اصل جملہ اس طرح ہے "مَنِ اسْتَطَاعَ فَلْيَحُجَّ" مصنف فرماتے ہیں کہ کلام کے تام ہونے کے امکان کی صورت میں حذف ہونے کا دعویٰ کرنا اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ تقاضہ کرے گا کہ تمام لوگوں پر جو صاحب استطاعت ہو حج کرنا واجب ہے، یہ معنی و مفہوم مراد لینا بالاتفاق باطل ہے پس پہلا قول یعنی مَنِ اسْتَطَاعَ یہ النَّاس سے بدل

واقع ہے یہی مراد لینا درست ہے۔

بدل اضراب، غلط، نسیان کی وضاحت:

اہل عرب کا قول "تَصَدَّقْتُ بِدِرْهَمٍ دِيْنَارٍ" تین باتوں کا احتمال رکھتا ہے، مثلاً تو نے بطور خبر دی "تَصَدَّقْتُ بِدِرْهَمٍ" (میں نے ایک درہم صدقہ کیا) پھر تیرے سامنے ظاہر ہوا کہ مجھے اس طرح بیان کرنا چاہیے "تَصَدَّقْتُ بِدِيْنَارٍ" یہی بدل اضراب ہے، اور اگر تو نے تصدق بالدینار کی خبر دینے کا ارادہ کیا لیکن زبان درہم کی طرف سبقت کر گئی یہ بدل الغلط ہے، اور اگر تصدق بالدرھم کی خبر دینے کا عزم کیا پھر جب تکلم کیا تو اس قصد کا فساد ظاہر ہو گیا یہ بدل النسیان ہے۔

نوٹ:- بسا اوقات اکثر طلبہ پر بدل الغلط اور نسیان کے درمیان فرق مشتبہ ہو جاتا ہے اسی کو ہم نے بیان کر دیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ غلط کا تعلق زبان سے ہے۔ اور نسیان کا تعلق دل سے ہے۔

بَابُ الْعَدَدِ

بَابٌ، اَلْعَدَدُ مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَى تِسْعَةٍ يُؤَنَّثُ مَعَ الْمُذَكَّرِ وَيُذَكَّرُ مَعَ الْمُؤَنَّثِ دَائِمًا، نَحْوُ: "سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ" وَكَذَالِكَ الْعَشَرَةُ إِنْ لَمْ تُرَكَّبْ، وَمَا دُوْنَ الثَّلَاثَةِ وَفَاعِلٌ كَثَالِثٍ وَرَابِعٍ عَلَى الْقِيَاسِ دَائِمًا، وَيُفْرَدُ فَاعِلٌ، أَوْ يُضَافُ لِمَا اشْتُقَّ مِنْهُ، أَوْ لِمَا دُوْنَهُ، أَوْ يَنْصِبُ مَا دُوْنَهُ۔

ترجمه:- یہ باب ہے، تین سے لے کر نو تک کا عدد معدود مذکر کے ساتھ مؤنث اور معدود مؤنث کے ساتھ مذکر ہمیشہ لایا جائے گا جیسے سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ (سات راتیں اور آٹھ دن) اور اسی طرح دس بشرطیکہ وہ مرکب نہ ہو، اور جو عدد تین سے کم ہے اور فاعلٌ کے وزن پر ہے جیسے ثالثٌ، رابعٌ، تو وہ ہمیشہ قیاس کے مطابق ہوگا۔ اور فاعلٌ کے وزن پر آنے والا عدد مفرد لایا جائے گا، یا اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہوگا، یا اپنے مشتق منہ کے علاوہ کی طرف مضاف ہوگا، یا اپنے مشتق منہ کے علاوہ کو نصب دے گا۔

تشریح:- سابق عبارت میں فاضل مصنفؒ ابواب توابع کا پانچواں باب "بدل اور اس کی جمع اقسام" کو تمام تر تفصیلات کے ساتھ بیان کرنے سے فارغ ہوئے تو اب یہاں سے اسمائے عدد کے تمام احکامات کو بیان کرنا شروع کیا۔

اسمائے عدد کی تعریف اور اس کے اصول:

اسمائے عدد وہ الفاظ ہیں جن کو افراد اشیاء کی تعداد و مقدار بیان کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے، جیسے "ثلثة رجال" میں ثلثة اسم عدد ہے جو رجال تین فرد پر دلالت کرتا ہے۔ (غایۃ التحقیق ص۳۹۵)

سوال: رَجُلٌ، رَجُلَانِ، مِئَةٌ، مِثْنَانِ، ذِرَاعٌ، ذِرَاعَانِ، بھی تو کیت و مقدار پر دلالت کرتے ہیں تو ان کو بھی عدد کہنا چاہیے، جب کہ ایسا نہیں ہے تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ یہ الفاظ جنسیت کے اعتبار سے مقدار پر دلالت کرتے ہیں۔ (تحریر سنبث ص۳۱۵)

تمام اعداد کی اصل بارہ کلمے ہیں، واحدٌ سے لے کر عشرٌ تک، گیارہواں مِائَةٌ (ایک سو) اور بارہواں لفظ ألفٌ (ایک ہزار ہے) پہلے جز و کو عدد اور ممیز کہتے ہیں، اور دوسرے جزء کو معدود، تمیز اور ممیز کہتے ہیں۔

عدد کے استعمال کا طریقہ:

مِنْ ثلاثةٍ الی تسعةٍ الخ اب یہاں سے مصنف ہر ایک کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ الفاظ عدد تین قسموں پر مشتمل ہیں۔

پہلی قسم: کچھ وہ اعداد ہیں جو تذکیر و تانیث میں ہمیشہ قیاس کے مطابق ہیں یعنی اگر معدود (جس چیز کا عدد بیان کیا جائے) مذکر ہو تو عدد بھی مذکر لایا جائے گا، اور اگر معدود مؤنث ہو تو عدد بھی مؤنث لایا جائے گا، اور وہ واحد اور اثنان ہے یعنی اگر معدود واحد مذکر ہو تو اس کے لیے لفظ واحد مذکر لایا جائے گا، اور اگر معدود واحد مؤنث ہو تو اس کے لیے لفظ واحدۃ لایا جائے گا، تثنیہ مذکر کے لیے اِثْنَانِ اور تثنیہ مؤنث کے لیے اثنتان و ثِنْتَانِ لایا جائے گا۔ اسی طرح وہ اعداد جو فاعِلٌ کے وزن پر ہوں وہ بھی قیاس کے مطابق ہوں گے، جیسے واحدٌ اور اِثْنَانِ، وثانٍ، وثالثٌ، ورابعٌ عاشِرٌ تک مذکر کے لیے، اور واحدۃ اثنتانِ، وثانیة وثالثة، ورابعة، عاشِرَةٌ تک مؤنث کے لیے قیاس کے مطابق ہے۔

دوسری قسم: کچھ وہ الفاظ عدد ہیں جن کا استعمال ہمیشہ خلاف قیاس ہوتا ہے یعنی معدود مذکر کے لیے عدد مؤنث اور معدود مؤنث کے لیے عدد مذکر لایا جائے گا وہ تین سے لے کر نو تک کے اعداد ہیں۔ چنانچہ مذکر کے لیے "ثَلٰثَةُ رِجالٍ، أَرْبَعَةُ رجالٍ، خمسة رجال، ستةُ رجالٍ، سبعةُ رجالٍ، ثمانیة رجالٍ، تسعة رجالٍ، اور مؤنث کے لیے ثلث نسوة، اربعُ نسوة، خمس نسوة، ستُّ نسوة، سبعُ نسوة، ثمانِ نسوة، تسع نسوة کہا جاتا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا" مقرر کر دیا اس کو اُن پر سات رات اور آٹھ دن لگاتار۔ (پ ۲۹، الحاقۃ آیت ۷)

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک طالبعلمانہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ فاضل مصنفؒ نے فرمایا کہ تین سے نو تک اعداد خلاف قیاس آتے ہیں مذکر کے لیے علامت تانیث لائی جاتی ہے جیسے ثلاثۃ رجال، اور مؤنث کے لیے علامت تانیث نہیں لائی جاتی جیسے ثلاث نسوۃ تو آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

شارح موصوف، صاحب کتاب کی طرف سے یہ جواب تحریر فرمایا کہ "جمع باعتبار جماعت کے مؤنث ہے لہٰذا عدد میں اس کی علامت تانیث لائی جائے گی، تا کہ تمیز اور تمیز میں مناسبت باقی رہے۔ پھر جب مذکر میں تین سے لے کر دس تک علامت تانیث نہیں لائی جائے گی، تا کہ مذکر اور مؤنث کے درمیان فرق ہو سکے۔ اگر کوئی کہے کہ برعکس کیوں نہیں کیا گیا تو جواب یہ ہے کہ بوجہ اصالت اور شرافت کے مذکر مقدم ہے۔ پس اولاً اس کے حال پر نظر کی گئی، اور علامت تانیث اس کو دی گئی، اس کے بعد مؤنث کا لحاظ کیا، اور مذکر اور مؤنث میں فرق کرنے کے لیے اس میں علامت مؤنث کی نہیں لائے۔

تیسری قسم: وكذالك العشرة ان لم تركب الخ وہ عدد ہے جس کی دو حالتیں ہیں اور وہ عشرۃ ہے، اگر اسے مرکب استعمال کیا جائے تو قیاس کے مطابق ہوگا یعنی معدود مذکر کے لیے مذکر ہوگا اور معدود مؤنث کے لیے مؤنث ہوگا جیسے "ثَلَاثَةَ عَشَرَ عَبْدًا" معدود مذکر ہونے کی صورت میں عَشَرَ مذکر ہے، اور ثَلَاثَ عَشْرَةَ أَمَةً معدود مؤنث ہونے کی صورت میں عَشْرَةَ مؤنث ہے، اور اگر بغیر مرکب کیے استعمال کیا جائے تو خلاف قیاس ہوگا یعنی معدود مذکر کے لیے عَشَرَةَ مؤنث اور معدود مؤنث کے لیے عَشْرَ مذکر لایا جائے گا جیسے عَشَرَةُ رِجَالٍ، اور عَشْرُ إِمَاءٍ، تذکیر و تانیث کی مثال ہے۔

وہ اسماء عدد جو فاعلٌ کے وزن پر ہو:

وما دون الثلاثة وفاعلٌ كثالثٍ الخ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین فرمالیں کہ وہ اسماء عدد جو فاعلٌ کے وزن پر ہیں ان کی چار حالتیں ہیں

پہلی حالت: مفرد ہو جیسے آپ کا قول ثانٍ، ثالثٌ، رابعٌ، خامسٌ، سادسٌ، سابعٌ، ثامنٌ، تاسعٌ، عاشرٌ ——— ان تمام کا مفہوم ایک ہوتا ہے کیوں کہ عدد میں فاعل کا وزن مرتبہ بتلانے کے لیے آتا ہے لہٰذا دوسرے نمبر والے کو ثانٍ، تیسرے نمبر والے کو ثالث، چوتھے نمبر والے کو رابعٌ، علی ہذا القیاس۔ دسویں نمبر والے کو عاشر کہا جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ دوسرے کسی عدد کی

طرف مضاف نہ ہو۔

دوسری حالت: یہ کہ وہ عدد اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہو جیسے "ثَانِي اثْنَيْنِ" و ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ورابعُ اربعةٍ کا مفہوم ہے دو میں کا ایک، تین کا ایک، چار کا ایک، عدد اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں مرتبہ اور افراد پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ اس کا استعمال بالا لحاظ ترتیب ہر فرد پر ہوتا ہے یعنی دو کا دوسرا، جس وقت وہ دونوں نماز میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ" (جس وقت اس کو نکالا تھا کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے نماز میں۔ پ۱۰ سورۃ توبہ آیت ۴۰) میں محل استشہاد ثَانِيَ اثْنَيْنِ ہے کہ ثَانِي اپنے مشتق منہ اِثْنَيْنِ کی طرف مضاف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ" (بیشک کافر ہوئے جنھوں نے کہا اللہ ہے تین میں کا ایک۔ پ۶، مائدہ آیت ۷۳) میں محل استشہاد ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ کی ثَالِثُ اپنے مشتق منہ ثَلَاثَةٍ کی طرف مضاف ہے۔

تیسری حالت: یہ کہ وہ عدد اپنے مشتق منہ کے علاوہ کی طرف مضاف ہو، جیسے آپ کا قول "ثَالِثُ اثْنَيْنِ، وَرَابِعُ ثَلَاثَةٍ، وَخَامِسُ أَرْبَعَةٍ، ان تینوں مثالوں میں فاعلٌ کے وزن پر آنے والا عدد اپنے مشتق منہ کے علاوہ کی طرف مضاف ہو رہا ہے اور تینوں مثالوں کا مطلب دو کو اپنی ذات سے تین بنانے والا، اور تین کو اپنی ذات سے چار بنانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَى ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ، وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ" (کہیں نہیں ہوتا مشورہ تین کا جہاں وہ نہیں ہوتا ان میں کا چوتھا، اور نہ پانچ کا جہاں وہ نہیں ہوتا اُن میں چھٹا۔ پ۲۸ مجادلہ آیت ۷)

چوتھی قسم: یہ کہ وہ عدد اپنے سے کم مقدار والے عدد کو نصب دے جیسے "رَابِعٌ ثَلَاثَةً" رَابِعٌ تنوین اور ثَلَاثَةً نصب کے ساتھ مذکور ہے، جیسا کہ آپ جَاعِلُ الثَّلَاثَةِ أَرْبَعَةً کہیں تو درست ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ عدد اپنے مشتق منہ کی طرف مضاف ہوتے ہوئے اپنے سے کم مقدار والے عدد کو نصب دے سکتا ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں اختلاف ہے۔

صاحب کتاب کا اٹل فیصلہ ہے کہ یہ صورت قطعاً جائز نہیں، لیکن امام اخفش اور ثعلب فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔

ضمیمات باب هٰذا

ایک سے لے کر دس تک کے استعمال کی ساری شکلیں تو صاحب کتاب نے تحریر فرمادی لیکن اس

کے بعد کے اعداد کی شکلیں مذکور نہیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اعداد استعمال کی حرز کہ شکلوں کوتحریر کر دوں تاکہ قارئین حضرات کے لیے مسائل کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

دس کے بعد عدد مرکب ہوگا لیکن دوکلموں یعنی دہائیوں اور اکائیوں کے درمیان حرف عطف نہ آئے گا، اور گیارہ بارہ کے استعمال قیاس کے مطابق ہوگا، یعنی مذکر کے لیے، دونوں جزء مذکر ہوں گے، اور مؤنث کے لیے دونوں جزء مؤنث ہوں گے، جیسے احد عشر رجلا، اثنا عشر رجلا، احدی عشرة امرأة، اثنتا عشرة امرأة، تیرہ سے لے کر انیس تک کے استعمال میں پہلا جزء خلاف قیاس ہوگا اور دوسرا جزء قیاس کے مطابق ہوگا، چنانچہ مذکر کے لیے ثلثة عشر رجلاً، اربعة عشر رجلاً، خمسة عشر رجلاً، ۔۔الی۔۔ تسعة عشر رجلاً کہا جائے گا۔ ان میں پہلا جزء مؤنث اور دوسرا جزء مذکر ہے، اور مؤنث کے لیے ثلث عشرة امرأة، اربع عشرة امرأة ۔۔الی۔۔ تسع عشرة امرأة کہا جائے گا، ان میں پہلا جزء مذکر اور دوسرا جزء مؤنث ہے۔

بیس کا عدد مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے یکساں ہے، چنانچہ عشرون رجلاً اور عشرون امرأة کہا جائے گا۔ مذکر اور مؤنث میں کوئی فرق نہ ہوگا، یہی حال نوے تک تمام دہائیوں کا ہے، یعنی ثلثون، اربعون، خمسون، ستّون، سبعون، ثمانون، تسعون کا استعمال مذکر اور مؤنث کے لیے یکساں ہے۔

بیس کے بعد عدد مرکب ہوگا اور یہاں اکائیوں اور دہائیوں کے درمیان حرف عطف لایا جائے گا اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بیس سے لے کر نوے تک کی تمام دہائیوں کے بعد والے دو عدد یعنی اکیس، بائیس، اکتیس، بتیس، اکتالیس، بیالیس، اکیاون، باون، اکسٹھ، باسٹھ، اکہتر، بہتر، اکیاسی، بیاسی، اکیانوے، بانوے، ان سب کا استعمال قیاس کے مطابق ہوگا۔

یعنی مذکر کے لیے پہلا جزء مذکر لائیں گے، اور مؤنث کے لیے پہلا جزء مؤنث لائیں گے، جیسے احد وعشرون رجلاً، اور احدی وعشرون امرأة، اثنان وعشرون رجلاً، اثنتان وعشرون امرأة کہیں گے، ان مثالوں میں مذکر کے اندر پہلا جزء مذکر ہے، اور مؤنث میں پہلا جزء مؤنث ہے، دوسرا جزء دہائی ہے اس لیے مذکر اور مؤنث دونوں میں ایک ہی طرح رہے گا۔

تیئس سے لے کر انتیس تک کا استعمال خلاف قیاس ہوگا، یعنی مذکر کے لیے پہلا جزء مؤنث اور مؤنث کے لیے پہلا جزء مذکر لایا جائے گا، دوسرا جزء دہائی ہونے کی وجہ سے مذکر و مؤنث دونوں میں یکساں رہے گا، اکیس سے لے کر انتیس استعمال کا جو طریقہ ہے وہی طریقہ ہر دہائی کے بعد آنے والے اعداد کے استعمال میں جاری کیجیے، ننانوے تک یہی صورت رہے گی، اس کے بعد سو کے عدد میں مذکر اور

مؤنث دونوں کے لیے لفظ مأة لایا جائے گا، مذکر دتانیث میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

مأة کی طرح اس کے تثنیہ اور الف اس کے تثنیہ کا حال ہے، ان میں مذکر اور مؤنث میں کوئی فرق نہ کیا جائے گا، جس طرح مائة رجل اور مائة امرأة کہا جاتا ہے، اسی طرح مائتا رجل، مائتا امرأة، الف رجل، الف امرأة، الفا رجل، الفا امرأة کہا جائے گا۔

اعداد کی تمیز کی شکلیں:

(۱) ایک اور دو کی تمیز میں جو لفظ ان کی تمیز بن سکتا ہے اسی کو ذکر کرتے ہیں معدود کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں خواہ مذکر ہو یا مؤنث، مثلاً ایک مرد کے لیے صرف رجل کہیں گے واحد رجل نہ کہیں گے، اور دو کے لیے رجلان کہیں گے، اس کے ساتھ اثنان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح مؤنث میں امرأة، امرأتان کہہ دینا کافی ہے، ان کے ساتھ واحدة اور اثنتان ذکر کرنے کی حاجت نہیں۔

(۲) البتہ ایک اور دو کے بعد جتنے اعداد ہیں وہ سب اپنی تمیز کے ساتھ ذکر کیے جاتے ہیں ان کی تمیز کا طریقہ یہ ہے کہ تین سے لے کر دس تک کی تمیز جمع مجرور لائی جائے گی، خواہ لفظاً جمع ہو جیسے ثلثة رجال، یا معنی کے اعتبار سے جمع ہو جیسے ثلثة رھط، لیکن اگر تین سے لے کر نو تک کی تمیز مئة کا لفظ واقع ہو تو پھر جمع نہ لائی جائے گی جیسے ثلث مأة، تسع مأة، حالاں کہ قیاس کا تقاضہ تھا کہ ثلث مات ثلث مئین کہا جاتا۔

(۳) اور گیارہ سے لے کر ننانوے تک کی تمیز مفرد منصوب ہوگی۔

(۴) مأة اور الف اور اس کے تثنیہ کی تمیز مفرد مجرور ہوگی، جیسے مأة رجل، مائتا رجل، الف رجل، الفا رجل، الاف رجل کہیں گے۔

باب موانع الصرف ــــــ اسباب منع صرف کا بیان

بابٌ: مَوَانِعُ صَرْفِ الْإِسْمِ تِسْعَةٌ، يَجْمَعُهَا:-

وَزْنُ الْمُرَكَّبِ عُجْمَةٌ تَعْرِيفُهَا   عَدْلٌ وَوَصْفُ الْجَمْعِ زِدْ تَأْنِيثَا

كَأَحْمَدَ، وَأَحْمَرَ، وَبَعْلَبَكَّ، وَإِبْرَاهِيمَ، وَعُمَرَ، وَأُخَرَ، وَأُحَادَ، وَمَوْحَدَ، إِلَى الْأَرْبَعَةِ، وَمَسَاجِدَ، وَدَنَانِيرَ، وَسَلْمَانَ، سَكْرَانَ، وَفَاطِمَةَ، وَطَلْحَةَ، وَزَيْنَبَ، وَسَلْمَى، وَصَحْرَاءَ

ترجمہ:- یہ باب ہے، اسم کے منصرف ہونے کے موانع (یعنی اسم کے غیر منصرف ہونے

کے اسباب ۹ ہیں جس کو شعر نے جمع کیا ہے، وزنُ المرکب عجمة الخ (وزن فعل، ترکیب، عجمہ، معرفہ، عدل، وصف، جمع، تانیث، الف ونون (امکان) جیسے أحْمَدُ، أحْمَرُ، بعلبكُّ، ابراهيم، عمر، أخر، أحاد، مَوْحَدَ، اربعة تک، اور مساجد، دنانیر، سلمان، سکران، فاطمہ طلحہ زینب، سلمیٰ، صحراء۔

تشریح:۔ حرکات کے اعتبار سے اسم معرب میں اصل منصرف ہے اگر اسم میں نو اسباب منع صرف میں سے دو اسباب پائے جاویں یا ایک سبب قائم مقام دو سبب قائم مقام دوسبب کے پایا جاوے تو وہ اسم اصل سے خارج ہو جائے گا، ایک شاعر نے اسباب منع صرف کو ایک شعر میں جمع فرمایا ہے۔ اجمع، وزنٌ، عادلاً، أنِّث، بمعرفة، ركِّبْ، وزِدْ عجمة، فالوصف، قد كملا

اقول صاحب کتاب پر شعر متن میں ذکر کردہ شعر جو ابن نحاس کا ہے اس سے بہتر ہے۔

متن میں جس ترتیب سے میں نے مثالیں تحریر فرمائی ہیں اسی ترتیب سے اسباب منع صرف کو بیان کر رہا ہوں، لیکن اسباب منع صرف کی وضاحت سے قبل بطور تمہید کے چند مفید باتیں اور کچھ اصطلاحات ذہن نشین فرمالیں جو اسباب تسعہ کے سمجھنے میں ان شاء اللہ ثابت ہو۔

غیر منصرف کی تعریف اور حکم:

غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس کے اندر نو علتوں میں سے بیک وقت دو علت یا ایک ایسی علت موجود ہو جو دو علت کے قائم مقام ہو۔ غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین داخل نہیں ہوتی، البتہ ضرورت شعری، قافیہ بندی اور تناسب کی وجہ سے نیز زحاف (یعنی فن عروض کی بحروں کے ارکان کے تغیر) سے بچنے کے لیے غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین داخل ہو جاتی ہے، نیز غیر منصرف مضاف نہیں بنتا، نہ ہی اس پر الف لام داخل ہوتا ہے، لیکن اگر اس کو مضاف بنا دیا جائے یا اس پر الف لام داخل کر دیا جائے تو اب وہ منصرف کے حکم میں ہو جائے گا، اور اس پر کسرہ داخل کرنا جائز ہوگا (جب کہ عامل کسرہ کا مقتضی ہو) جیسے مَرَرْتُ بِأَحْمَدِكُمْ، اور مَرَرْتُ بِالْأَحْمَدِ (مبادی العربیہ ص ۲۷)

طالبعلمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین داخل نہ ہونے کی وجہ کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر منصرف کو فعل کے ساتھ فرع ہونے میں مشابہت ہے یعنی جس طرح غیر منصرف میں دو فرعیتیں ہیں اسی طرح فعل کے اندر بھی دو فرع ہیں (۱) فاعل کا محتاج ہونا (۲) مصدر سے مشتق ہونا، لہذا جب فعل سے مشابہت ہوگئی تو چوں کہ فعل پر کسرہ اور تنوین داخل نہیں ہوتی تو غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین

داخل نہیں ہوگی۔

علت کی تعریف اور اسباب منع صرف:

موانع صرف للاسم تسعۃ علت وہ چیز ہے کہ جب وہ کلام میں پائی جائے تو مخاطب پر ضروری ہے کہ اس کے مناسب معاملہ کرے۔ (حاشیہ شرح جامی)

فاضل مصنفؒ نے فرمایا کہ اسباب منع صرف نو ہیں، جن کو ابن نحاس نامی شاعر نے اس شعر میں جمع فرمایا ہے۔ وَزْنُ الْمُرَكَّبِ عُجْمَةٌ تَعْرِيْفُهَا عَدْلٌ وَوَصْفُ الْجَمْعِ زِدْ تَأْنِيْثَا

شاعر نے جس طرح سے اسباب منع صرف کو اپنے اس شعر میں ترتیب دیا ہے، صاحب کتاب نے اسی ترتیب سے ہر ایک سبب کی علاحدہ علاحدہ تشریح فرمائی ہے۔

پہلا سبب۔ وزن فعل:

كَأَحْمَدَ اسم کا ایسے وزن پر ہونا جو اوزان فعل میں شمار کیا جاتا ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل ہی کے ساتھ خاص ہو، اسم کے اندر اگر پایا جائے تو منقول ہو کر جیسے قُتِّلَ اور ضُرِبَ، اور اگر وہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو پھر اس کے شروع میں حروف اَتَيْنَ میں سے کوئی ایک حرف ہونا چاہیے فعل میں اضافہ کیے جانے کی طرح، اور وہ آخر میں تاء کو بھی قبول نہ کرتا ہو جیسے أَحْمَدَ، يَزِيْدَ، يَشْكُرَ، تَغْلِبَ اور نرجس (یہ سب علم ہیں) اور يَعْمَلٌ منصرف ہے کیوں کہ اس کا مونث يَعْمَلَةٌ ہے۔

فائدہ اوزان فعل آٹھ ہیں دو مشترک ہیں اسم اور فعل کے درمیان (۱) ثلاثی مجرد معروف، جیسے فرس، رجب (۲) رباعی مجرد معروف جیسے جعفر۔ اور چھ فعل کے ساتھ خاص ہیں جو فعل سے منقول ہو کر اسم میں پائے جائیں گے (۱) ثلاثی مجرد مجہول جیسے ضُرِبَ بروزن فُعِلَ (۲) رباعی مجرد مجہول جیسے يُبَعْثَرُ (۳) ثلاثی مزید معروف جیسے تقبّل (۴) ثلاثی مزید مجہول جیسے قُوْتِلَ (۵) رباعی مزید معروف جیسے تَسَرْبَلَ (۶) رباعی مزید مجہول۔

دوسرا سبب۔ ترکیب:

بَعْلَبَكَّ غیر منصرف کے اسباب میں سے دوسرا سبب ترکیب ہے، اصطلاح نحو میں ترکیب اس کو کہتے ہیں کہ دو یا دو سے زائد کلموں کو بغیر کسی حرف کے جزء ہوئے ایک کر دیا جائے، ترکیب کی چھ قسمیں ہیں (۱) مرکب اسنادی جیسے زَيْدٌ قَائِمٌ، صرف زَيْدٌ (۲) مرکب اضافی جیسے غلامُ زيدٍ (۳) مرکب توصیفی جیسے رَجُلٌ فَاضِلٌ (۴) مرکب صوتی جیسے سیبویہ، نفطویہ (۵) مرکب تعدادی جیسے خمسة عشر (۶) مرکب امتزاجی جسے مرکب بنائی کہتے ہیں جیسے بعلبكّ۔

غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے شرطیں:

اس کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے چند شرطیں ہیں (۱) اس کے لیے پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ علم ہو، کیوں کہ ترکیب میں اجزاء کا باہمی ربط ہوتا ہے، اور اصل حکم یہ ہے کہ ہر جزء مستقل بغیر ارتباط اور افتیاج کے پایا جائے، کیوں کہ ہر لفظ کی وضع علی الانفراد ہوئی ہے، معلوم ہوا کہ ترکیب ایک عارضی شی ہے، جب تک عارض پایا جائے گا اس وقت تک اس کا وجود ہے عارض زائل ہوگا تو ترکیب بھی زائل ہوجائے گا، اس لیے علمیت کی شرط لگائی گئی، تا کہ ترکیب کے اندر استحکام پیدا ہوجائے اور زوال سے محفوظ ہوجائے۔ (۲) ترکیب کی دوسری شرط یہ ہے کہ ترکیب اضافی نہ ہو (جیسے امرئ القیس) اس لیے کہ ترکیب اضافی حالت جر میں کسرہ کا تقاضہ کرتی ہے، حالت جر میں فتحہ کا تقاضہ نہیں کرتی، حالاں کہ غیر منصرف کا اعراب حالت جر میں بھی فتحہ کی شکل میں آتا ہے، نیز ترکیب اضافی میں اضافت مضاف کو منصرف یا حکم میں منصرف کے کردیتی ہے، تو جب بنا بنایا غیر منصرف اضافت کی وجہ سے منصرف ہوجاتا ہے تو یہ ابتداءً غیر منصرف کا سبب کیسے ہوسکتی ہے، اسی وجہ سے امرئ القیس غیر منصرف نہیں۔

(۳) ترکیب کی تیسری شرط یہ ہے کہ ترکیب اسنادی نہ ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ مرکب اسنادی جب کسی کا علم ہوگا تو وہ مبنی ہوگا اور اس سے مقصود قصہ غریبہ ہوگا، اور جب مبنی ہوا تو غیر منصرف کیوں کر ہوسکتا ہے، کیوں کہ غیر منصرف احکام معرب سے ہے جیسے "شَابَ قَرْنَاهَا" یہ ایک عورت کا نام ہے جس کے دونوں گیسو سفید ہوگئے تھے، شَابَ بمعنی سفید ہونا اور قَرْنَاهَا تثنیہ قرن بمعنی گیسو، شَابَ قَرْنَاهَا مبنی ہے، کیوں کہ یہ مرکب اسنادی ہے، اسی طرح "تَأَبَّطَ شَرًّا" ہے۔ (اس کے معنی ہیں اس نے بغل میں شر لے لیا) اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص جنگل سے لکڑیاں چن کر ایک گٹھر باندھ کر لایا، گھر میں جب وہ لکڑی کا گٹھر ڈالا گیا تو اس کے اندر سانپ نکلا اس وقت کسی نے یہ جملہ کہا تھا، اس کے بعد اس کا یہی نام مشہور ہوگیا، اب اگر اس کے اندر کسی قسم کا تغیر کیا جائے تو اس قصہ غریبہ پر دلالت فوت ہوجائے گی، کیوں کہ اس میں ترکیب اسنادی پائی جاتی ہے، اس لیے وہ مبنی ہے اور غیر منصرف نہیں ہے۔

(۴) چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب مزجی نہ ہو جس کا اختتام "وَیْه" کے ساتھ ہو جیسے "سِیبَوَیْه" اور "عَمْرَوَیْه" کیوں کہ یہ مبنیات میں سے ہیں، اور ترکیب مزجی سے مراد وہ مرکب ہے جس کا اختتام لفظ "وَیْه" کے ساتھ نہ ہو جیسے "بَعْلَبَكّ" "حَضْرَمَوْت، مَعْدِیْكَرِب"

بَعْلَبَكّ کی تحقیق: یہ ترکیب کی مثال ہے اس میں دو اسم ملا کر ایک بنائے گئے ہیں، نہ اس میں حرف جر ہے اور یہ اضافت اور اسناد کے ساتھ بھی نہیں، یہ شام کے ایک شہر کا نام ہے اس میں بَعْل ایک بت کا نام ہے جس کو حضرت الیاس کی قوم پوجتی تھی، اور بَكّ اس شہر کے بانی کا نام ہے پس ان

دونوں کلموں کو ایک کیا، اور ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا ابتداءً ترکیب اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

حضر موت کی تحقیق: جب حضرت صالحؑ کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالحؑ پر ایمان لا چکے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے، یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضر موت میں جا کر مقیم ہو گئے، حضرت صالحؑ بھی ان کے ساتھ تھے، ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے اور حضرت صالحؑ کی وفات ہو گئی، اسی لیے اس جگہ کا نام حضر موت (یعنی موت حاضر ہو گئی) ہے، حضر ایک الگ کلمہ ہے اور موت دوسرا کلمہ ہے، لیکن ان دونوں کلموں کو ایک کیا اور ایک شہر کا نام رکھ دیا گیا ابتداءً ترکیب اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

معدیکرب کی تحقیق: یہ ایک مرد کا نام ہے، غیر منصرف ہے چوں کہ اس میں ترکیب بلا اضافت واسناد مع العلمیۃ ہے، معدی اور کرب دو اسموں کو ایک کیا ہے اس میں تین لغت ہیں فتحہ باء غیر منصرف رفع با غیر منون، کسرہ باء منصرف منون۔

تیسرا سبب: عجمہ

انیز العیم: غیر منصرف کے اسباب میں سے تیسرا سبب عجمہ ہے، عجمہ کے معنی لغت میں گونگا ہونا ہے، اور اصطلاح میں ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جس کو عرب کے علاوہ دوسری جگہ کے لوگوں نے وضع کیا ہو جیسے "ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب" صاحب قطر الندی وبل الصدی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف چار پیغمبروں ہی کے نام منصرف اور باقی تمام غیر منصرف ہیں، جیسا کہ فارسی زبان میں ایک شاعر نے ان کو نظم کیا ہے وہ شعر یہ ہے ؎

گر ہمی خواہی کہ دانی اسم ہر پیغمبرے	تا کدام است اے برادر نزد نحوی منصرف
صالح وہود ومحمد با شعیب ونوح ولوط	منصرف داں ودگر باقی ہمہ لا منصرف

محمد، صالح، شعیب، ہود یہ چاروں اسماء تو اس وجہ سے منصرف ہیں کہ ان میں صرف ایک سبب علم ہے، دوسرا کوئی سبب موجود نہیں، اسباب تسعہ میں سے صرف عجمہ کا احتمال تھا، لیکن چوں کہ یہ عربی ہیں، اس لیے یہ بھی احتمال ختم ہو گیا، اور تنہا علم سے کوئی کلمہ غیر منصرف نہیں ہوتا، اور نوح اور لوط اگرچہ عجمہ ہیں، لیکن عجمہ کے لیے علم ہونے کے ساتھ یہ شرط ہے کہ متحرک الاوسط ہو یا زیادہ علی الثلاثہ ہو اور ان دونوں میں دو باتوں میں کوئی بات نہیں ہے، اس لیے یہ منصرف ہیں۔

عجمہ کے غیر منصرف ہونے کا سبب:

عجمہ کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔

(۱) وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو، کیوں کہ عجمہ وہ ہے جس کو غیر عرب نے وضع کیا ہو، چنانچہ اگر کوئی کلمہ اہل عجم کے نزدیک اسم جنس ہو پھر اہل عرب نے اسے علم بنالیا تو اس کلمہ کو منصرف ہی پڑھنا واجب ہوگا، مثلاً کسی آدمی کا نام لجام یا دیباج رکھ دیا جائے تو اسے منصرف ہی پڑھا جائے گا، کیوں کہ اہل عجم کے نزدیک یہ اسم جنس ہے علم نہیں، جب کہ غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ لغت عجم میں کسی کا علم ہو۔

(۲) ذیل کی دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہو۔

۱۔ کلمہ میں تین سے زائد حرف ہوں جیسے ابراہیم۔

۲۔ یا پھر درمیانی حرف متحرک ہو جیسے شَتَرُ (دیار بکر کے قلعہ کا نام) لہٰذا نوح اور لوط منصرف ہیں، کیوں کہ تین حرفی ہیں اور ساکن الاوسط ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِلَّا اٰلَ لُوْطٍ نَجَّيْنٰهُمْ" (سوائے لوط کے گھر کے، ان کو ہم نے بچا دیا۔ پ۲۷ قمر آیت ۳۴) اور دوسری جگہ ارشاد ہے "اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ" (ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف۔ پ۲۹ نوح آیت ۱) ان دونوں آیتوں میں لفظ لوط اور نوح منصرف ہیں، چوں کہ ثلاثی ساکن الاوسط ہیں اور بعض نحاۃ کہتے ہیں کہ جس طرح هِنْدٌ میں تانیث متحرک الاوسط کے ساتھ مشروط تھی اور در صورت عدم متحرک اوسط کے علمیت اور تانیث معنوی کی وجہ سے اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز تھا، اسی طرح نوح میں باوجودیکہ شرط تحرک اوسط نہ ہونے کے علمیت اور عجمہ کی وجہ سے اس کا غیر منصرف پڑھنا جائز ہونا چاہیے، لیکن صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ اس کا منصرف پڑھنا جائز ہے، لیکن غیر منصرف پڑھنا سراسر غلط ہے، کیوں کہ بہ نسبت عجمہ کے تانیث قوی ہے، اس لیے کہ تانیث کا اثر بھی لفظوں میں ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ هندٌ کی تصغیر هنیدہ آتی ہے، بخلاف عجمہ کے لفظوں میں اس کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا، لہٰذا هندٌ پر نوح کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

چوتھا سبب: تعریف:

تعریفھا غیر منصرف کے اسباب میں سے ایک سبب معرفہ ہے، معرفہ سے مراد تعریف ہے، مقابل نکرہ مراد نہیں، چوں کہ معرفہ ذات ہے، یعنی وہ اسم ہے جو ذات معین کے واسطے موضوع ہو اور یہ ذات معرفہ غیر منصرف کا سبب نہیں، بلکہ غیر منصرف کا سبب کسی اسم کا ذات معینہ پر دلالت کرنے والا ہوتا ہے، اگر معرفہ سے مراد تعریف لیں گے تو لازم آئے گا کہ خود وہ اسم جو ذات معینہ پر دلالت کرے غیر منصرف کا سبب ہو۔

تعریف کا غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے شرط:

معرفہ غیر منصرف کا سبب اس وقت ہوگا جب علم ہو، جیسے احمد یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ معرفہ کے لیے علمیت کو کیوں شرط قرار دیا ہے معرفہ کی باقی قسموں کا غیر منصرف کے سبب بننے میں کیوں اعتبار نہیں۔

دراصل معرفہ کے جو باقی پانچ اقسام ہیں ان میں تین قسمیں یعنی مضمرات، اسماء اشارہ، اسماء موصولہ تو مبنی ہیں، اس لیے وہ غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتے، کیوں کہ غیر منصرف معرب ہے اور معرب اور مبنی میں تضاد ہے ایک شئ اپنی ضد کا سبب کیسے بن سکتی ہے۔ اور معرفہ کی بعض قسمیں مثلا ذواللام (معرف باللام) اور معرف بالاضافت غیر منصرف کو منصرف یا حکم میں منصرف کے کر دیتی ہیں، لہذا وہ بھی غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتی ہیں، کیوں کہ ایک شئ اپنے موافق کا تو سبب ہو سکتی ہے مگر ضد کا سبب نہیں ہو سکتی، نیز آپ نے جب غیر منصرف پر الف لام داخل کر دیا یا اس کی اضافت کر دی گئی تو اب حالت جر میں کسرہ کی شکل میں دیا جائے گا، ان دونوں کا حالت جر میں فتحہ کی شکل میں اعراب دیا جانا محال ہے تو اس وقت صرف علمیت باقی رہے گی، اور کچھ بھی نہیں لہذا یہ غیر منصرف نہیں ہوگا۔

پانچواں سبب: عدل

عُمَر، أُخَر، أحاد، وموحد فی الاربعة الخ غیر منصرف کے اسباب میں سے ایک سبب عدل بھی ہے، فاضل مصنف نے اسی کی طرف عبارت مذکورہ سے اشارہ فرمایا ہے۔

عدل کی تعریف اور قسمیں:

اس کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف معنی اصلی کی بقاء کے ساتھ منتقل ہونا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ واقع فی المعارف (۲) واقع فی الصفات۔

واقع فی المعارف کی تعریف اور اس کے اوزان:

واقع فی المعارف سے مراد عدل تقدیری ہے، یہ ایسا اسم ہے جس کی واقع میں کوئی اصل نہ ہو، غیر منصرف پڑھنے کی وجہ سے اس کی اصل نکالی گئی ہو، کیوں کہ غیر منصرف کے لیے دو سبب کی ضرورت ہے جیسے عُمَر، اہل عرب اسے غیر منصرف پڑھتے ہیں اور اس میں علمیت (معرفہ) کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا تو دوسرا سبب عدل فرض کر لیا کہ یہ عامِرٌ سے نکل کر آیا ہے، چوں کہ عدل کے معنی ہیں اپنی اصلی صورت سے نکلنا اور یہ عدل معرفہ میں ہوتا ہے اسی بناء پر اسے واقع فی المعارف کہا جاتا ہے اور یہ

عدل بالکل فرضی ہے اور محض عمر کو غیر منصرف پڑھنے کی وجہ سے مانی گئی ہے۔

معرفہ میں واقع ہونے والا عدل دو وزن پر آتا ہے (۱) فُعَلُ اس سے مراد ہر وہ کلمہ ہیں جو فُعَلُ کے وزن پر ہو اور اعیان مذکر کا علم ہو اور فاعِلٌ سے معدول ہو، جیسے عُمَرُ، زُفَرُ، زُحَلُ، جُمَعُ کو عامِرٌ، زافِرٌ، زاحِلٌ، جامِعٌ سے معدول فرض کیا گیا ہے، کیوں کہ غیر منصرف کے لیے دو سبب کی ضرورت ہے اور ان اسمائے اربعہ میں سے ہر ایک میں صرف علمیت ہے اور غیر منصرف کے اسباب میں سے کوئی اور سبب اس میں نہیں ہے، اس لیے مجبوراً دوسرا سبب عدل مانا گیا۔

(۲) فَعَالِ۔ اس سے مراد ہر وہ کلمہ ہے جو فَعَالِ کے وزن پر ہو اور اعیان مؤنثہ کا علم ہو اور اس کے آخر میں راء نہ ہو اور فاعِلَةٌ سے معدول ہو۔ جیسے حَذَامِ، قَطَامِ، رَقَاشِ، پس ایسے اسماء بنو تمیم کی لغت میں تانیث اور علمیت کے پائے جانے کی وجہ سے معرب غیر منصرف ہے، بنو تمیم اس میں تانیث اور علمیت کے علاوہ عدل کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور اس کو حَاذِمَةٌ قَاطِمَةٌ، رَاقِشَةٌ سے معدول مانتے ہیں، نہ قَطِمٌ، حَاذِمٌ، رَاقِشٌ، بغیر تاء کے اس لیے کہ قَطَامِ اور اس کے اخوات مؤنث ہیں، کیوں کہ وہ عورت کا نام ہے لہٰذا معدول عنہ کو بھی مؤنث ہونا چاہیے۔

لیکن لغت بنی تمیم کے کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب بنی تمیم کے سوا اس میں کوئی دوسرا مذہب بھی ہے، چنانچہ وہ دوسرا مذہب اہل حجاز کا ہے، اہل حجاز اسے مبنی علی الکسر پڑھتے ہیں اور انہوں نے شاعر کے قول سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ شاعر نے اسے فاعل مرفوع ہونے کے باوجود حالت جری میں استعمال فرمایا ہے۔ شاعر کا قول۔

أَتَارِكَةٌ تَدَلُّلَهَا قَطَامِ رَضِينَا بِالتَّحِيَّةِ وَالسَّلَامِ

(کیا قطام اپنی ناز و انداز اور اظہار لطف کو چھوڑ دے گی تو ہم اس وقت پیار کیا دی اور سلامتی کی دعا دے کر خوش ہوں گے۔) اس شعر میں محل استشہاد قَطَامِ ہے جو فَعَالِ کے وزن پر علم مؤنث ہے اور وہ قاطمة سے معدول ہے، باعتبار ترکیب کے قطام تارکۃ کا فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے، لیکن یہاں حالت رفع میں ہونے کے باوجود مکسور ہے، اور یہی اس کے مبنی ہونے کی دلیل ہے، اس لیے کہ اگر یہ معرب ہوتا تو موضع فاعلیت میں ہونے کی وجہ سے ضرور مرفوع ہوتا، کیوں کہ فاعل لفظی طور پر مرفوع ہوتا ہے۔ اور جب یہ لفظاً مرفوع نہ ہوا تو پھر اسے حتمی طور پر مبنی ہی کہا جائے گا (یہ نابغہ ذبیانی کا شعر ہے، جس کو اس نے اس عمرو بن ہند کی مدح میں پیش کیا ہے، جس نے اپنے والد کے قتل کیے جانے کے بعد ملک شام میں زبردست معرکہ آرائی سے کام لے کر ملک کو فتح کیا تھا۔)

دوسرا شعر إِذَا قَالَتْ حَذَامِ فَصَدِّقُوهَا فَإِنَّ الْقَوْلَ مَا قَالَتْ حَذَامِ

(جب حذام کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کرو، کیوں کہ اصل بات وہی ہے جو حذام نے کہی)
اس شعر میں محل استشہاد حذام ہے جو حالت رفعی میں ہے، شاعر نے مرفوع ہونے کے باوجود اسے مبنی علی الکسر تسلیم کیا ہے۔ (اس کی پوری تفصیل جز اول میں آچکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔)

قبیلہ حجاز اور بنو تمیم کے مابین مسئلہ حضار میں اختلاف:

وہ فَعَالِ (یعنی ہر وہ کلمہ جو فعال کے وزن پر ہو) جو اعیان مؤنثہ کا علم ہو اگر اس کے آخر میں راء مہملہ ہو، جیسے سَفَارِ (ایک چشمہ کا نام ہے) حَضَارِ (ایک ستارہ کا نام ہے) اور وَبَارِ (ایک قبیلہ کا نام ہے جو عرب عاربہ کی ایک قوم ہے جو عاد و ثمود کی ایک قوم ہے مانند طسم و جدیس ہوگی) تو اس سلسلے میں قبیلہ حجاز اور بنو تمیم کے درمیان معرکۃ الآراء اختلاف ہے۔

اہل حجاز اور اکثر بنو تمیم کے نزدیک مبنی علی الکسر ہے اور بعض بنو تمیم اسے غیر منصرف پڑھتے ہیں، اور اس کی علت یہ ہے کہ جب اس کو نحویوں نے مبنی پایا اور اس میں سبب بناء صرف فَعَالِ امر کے معنی میں اس کو ایک امر میں مشابہت تھی اور وہ وزن ہے اور یہ ایک سبب اس کی بناء کے لیے مؤثر نہ تھا لہٰذا مبنی کا سبب پیدا کرنے کے لیے اس میں عدل کا اعتبار کیا تاکہ اس کی فَعَالِ بمعنی امر اس کے ساتھ وزن اور عدل میں پوری مشابہت ہوجائے۔

لفظ أَمْسُ میں اختلاف:

لفظ "أَمْسُ" (جب کہ آپ اس سے معین دن مراد لیں) یعنی وہ دن جو تمہارے آج کے دن سے پہلے ہے، مبنی ہے یا معرب غیر منصرف، تو اس سلسلے میں قبیلہ بنو تمیم کے اکثر نحوی حضرات اسے ہر حال میں غیر منصرف پڑھتے ہیں، اور موضع رفع میں لفظ "أَمْسُ" کو "الْأَمْسُ" سے معدول فرض کرتے ہوئے "مَضٰى أَمْسُ بِمَافِيْهِ" کہتے ہیں، اور حالت نصبی وجری میں مبنی علی الکسر مانتے ہیں، جیسے "اِعْتَكَفْتُ أَمْسِ" یہ حالت نصبی کی مثال ہے، اور "وَمَا رَأَيْتُهُ مُنْذُ أَمْسِ" یہ جری کی مثال ہے اور بعض افراد بنی تمیم نے ہر حال میں مبنی علی الکسر پڑھا ہے، چنانچہ کہتے ہیں "ذَهَبَ أَمْسِ بِمَافِيْهِ" کسرہ کے ساتھ۔ (اس کی پوری تفصیل جز اول بحث مبنیات میں آچکی ہے، فلیراجع الیھا)

لفظ سَحَرُ میں اختلاف:

لفظ "سَحَرُ" تمام اہل عرب نے دو شرطوں کے ساتھ اسے غیر منصرف پڑھا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ظرف ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ معین دن کا معین وقت مراد ہو، جیسے "جِئْتُكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَحَرَ" (میں تیرے پاس جمعہ کے دن بوقت صبح آیا) اس مثال میں سحر ظرف ہے اور متعین دن کا

(جب حذام کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کرو، کیوں کہ اصل بات وہی ہے جو حذام نے کہی)
اس شعر میں محل استشہاد حذامِ ہے جو حالت رفعی میں ہے شاعر نے مرفوع ہونے کے باوجود اسے مبنی علی الکسر تسلیم کیا ہے، (اس کی پوری تفصیل جز ءاول میں آچکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔)

قبیلہ حجاز اور بنوتمیم کے مابین مسئلہ حضار میں اختلاف:

وہ فَعَالِ (یعنی ہر وہ کلمہ جو فعال کے وزن پر ہو) جو اعیان مؤنثہ کا علم ہو اگر اس کے آخر میں راء مہملہ ہو۔ جیسے سَفَارِ (ایک چشمہ کا نام ہے) حَضَارِ (ایک ستارہ کا نام ہے) اور وَبَارِ (ایک قبیلہ کا نام ہے جو عرب عاربہ کی ایک قوم ہے جو عاد وثمود کی ایک قوم ہے مانند نیست و نابود ہوگئی) تو اس سلسلے میں قبیلہ حجاز اور بنوتمیم کے درمیان معرکۃ الآراء اختلاف ہے۔

اہل حجاز اور اکثر بنوتمیم کے نزدیک مبنی علی الکسر ہے اور بعض بنوتمیم اسے غیر منصرف پڑھتے ہیں، اور اس کی علت یہ ہے کہ جب اس کو نحویوں نے مبنی پایا اور اس میں سبب بناء صرف فَعَالِ امر کے معنی میں اس کو ایک امر میں مشابہت تھی اور وہ وزن ہے اور یہ ایک سبب اس کی بناء کے لیے مؤثر نہ تھا لہٰذا مبنی کا سبب پیدا کرنے کے لیے اس میں عدل کا اعتبار کیا تا کہ اس کی فَعَالِ بمعنی امر اس کے ساتھ وزن اور عدل میں پوری مشابہت ہو جائے۔

لفظ أَمْسُ میں اختلاف:

لفظ "أَمْسُ" (جب کہ آپ اس سے معین دن مراد لیں) یعنی وہ دن جو تمہارے آج کے دن سے پہلے ہے، مبنی ہے یا معرب غیر منصرف، تو اس سلسلے میں قبیلہ بنوتمیم کے اکثر نحوی حضرات اسے ہر حال میں غیر منصرف پڑھتے ہیں، اور موضع رفع میں لفظ "أَمْسُ" کو "الْأَمْسُ" سے معدول فرض کرتے ہوئے "مَضٰى أَمْسُ بِمَافِيْهِ" کہتے ہیں، اور حالت نصبی وجری میں مبنی علی الکسر مانتے ہیں، جیسے "اِعْتَكَفْتُ أَمْسِ" یہ حالت نصبی کی مثال ہے، اور "وَمَا رَأَيْتُهٗ مُنْذُ أَمْسِ" یہ جری کی مثال ہے، اور بعض افراد بنی تمیم نے ہر حال میں مبنی علی الکسر پڑھا ہے، چنانچہ کہتے ہیں "ذَهَبَ أَمْسِ بِمَافِيْهِ" کسرہ کے ساتھ۔ (اس کی پوری تفصیل جز ءاول بحث مبنیات میں آچکی ہے، فليراجع اليها)

لفظ سَحَرُ میں اختلاف:

لفظ "سَحَرُ" تمام اہل عرب نے دو شرطوں کے ساتھ اسے غیر منصرف پڑھا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ظرف ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ معین دن کا معین وقت مراد ہو، جیسے "جِئْتُكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَحَرَ" (میں میرے پاس جمعہ کے دن بوقت صبح آیا) اس مثال میں سحر ظرف ہے اور معین دن کا

یعنی وقت بھی، لہٰذا ان دونوں شرطوں کے موجود ہونے کی وجہ سے اہل عرب نے اسے "السَّحَرَ" سے معدول فرض کر کے غیر منصرف پڑھا ہے، جیسا کہ قطامِ بنو تمیم کے کچھ لوگوں نے لفظ "أمسِ" کو الأمس سے معدول مان کر غیر منصرف پڑھا ہے۔ اور اگر لفظ "سَحَرٌ" غیر معین دن کا وقت مراد ہو تو منصرف پڑھا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے "نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ" (ان کو ہم نے نجات دی پچھلی رات سے۔ پ ۲۷ قمر آیت ۳۴) میں لفظ "سَحَرٍ" منصرف ہے اس لیے کہ اس پر تنوین آئی ہے۔

واقع فی الصفات کی تعریف اور قسمیں:

واقع فی الصفات سے مراد عدل تحقیقی ہے اور یہ وہ عدل ہے کہ جس میں اسم کا خروج ایسے صیغہ معدول عنہ سے اعتبار کریں جو خارج میں موجود اور متحقق ہے، پھر خارج میں معدول عنہ موجود اور متحقق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ معدول کے غیر منصرف پڑھے جانے کے سوا کوئی اور دلیل معدول عنہ کے وجود پر دلالت کرے۔

واقع فی الصفات کی دو قسمیں ہیں، واقع فی العدد، واقع فی غیرہ۔

واقع فی العدد کا مطلب ہے کہ عدد میں عدل واقع ہو جیسے مَثْنٰی وَثُلَاثَ. واقع فی العدد وزن پر آتا ہے، فُعَالَ، مَفْعَلَ. اور یہ واحد سے لے کر اربعة تک کی عدد میں ہوتا ہے، جیسے أُحَادَ وَمَوْحَدَ، ثُنَاءَ وَمَثْنٰی، ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ، رُبَاعَ وَمَرْبَعَ، امام نحو نجاریؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب سے اربعة تک کی تعداد میں ہی عدل کرنا ثابت ہے لہٰذا یہ آٹھ الفاظ ہوئے جو چار الفاظ عدد سے کر کے معدول ہوا ہے، اہل عرب ان آٹھوں لفظوں کو غیر منصرف پڑھتے ہیں اور غیر منصرف کے لیے دو سبب کا ہونا ضروری ہے اور یہاں ایک سبب یعنی وصف اصلی پایا جاتا ہے لہٰذا دوسرا سبب اس میں عدل تحقیقی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان آٹھوں کے معنی میں تکرار ہے اور تکرار معنی تکرار لفظ پر دلالت کرتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ "أُحَادَ وَمَوْحَدَ" جن کے معنی ایک ایک کے ہیں یہ اصل میں واحد واحد تھے اور اس سے معدول ہو کر أُحَادَ وَمَوْحَدَ بن گئے۔ اسی طرح "ثُنَاءَ وَمَثْنٰی" جن کے معنی دو دو کے ہیں اور ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ جن کے معنی تین تین کے ہیں۔ اور رُبَاعَ وَمَرْبَعَ جن کے معنی چار چار کے ہیں۔ یہ اصل میں اِثْنَانِ اِثْنَانِ، ثَلٰثَةٌ ثَلٰثَةٌ اور أَرْبَعَةٌ أَرْبَعَةٌ تھے، اور ان سے معدول ہو کر ثُنَاءَ وَمَثْنٰی، ثُلَاثَ وَمَثْلَثَ، اور رُبَاعَ وَمَرْبَعَ بن گئے۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول "أُولِي أَجْنِحَةٍ مَثْنٰی وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ" (جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین، اور چار چار۔ پ ۲۲، فاطر، آیت ۱) میں مَثْنٰی،

اِثْنَان اِثْنَان، اور ثُلَاث ثَلٰثَةٌ ثَلٰثَةٌ اور رُبَاع اربعةٌ اربعةٌ کے معنی میں ہیں۔ اور معنی میں تکرار ہے اور تکرار معنی تکرار لفظ پر دلالت کرتا ہے، اس آیت میں مَثْنٰی، ثُلَاثَ اور رُبَاعَ باعتبار ترکیب کے اَجْنِحَةٍ کی صفت واقع ہے اور حقیقی معنی کیا ہے، اس کی صحیح تحقیق اللہ رب العزت کو معلوم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى" (رات کی نماز دو دو رکعت والی ہے) اس عبارت میں دوسرا مَثْنٰی پہلے مثنٰی کی تاکید لفظی ہے، افادۂ تکرار کے لیے نہیں، کیوں کہ تکرار معنی پہلے لفظ سے حاصل ہو چکا ہے۔

واقع فی غیر العدد کی تحقیق یہ ہے کہ عدل غیر عدد میں واقع ہو، جیسے اُخَرُ، مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ اُخَرَ۔ جیسی مثال میں عدل تحقیق واقع فی غیر العدد کی مثال ہے، اُخَرُ یہ اُخْرٰی کی جمع ہے اور اُخْرٰی آخَرُ اسم تفضیل کی مؤنث، اس لیے کہ آخَرُ کے معنی اشدُّ تاَخُّرًا کے ہیں یعنی بہت پیچھے ہٹنے والا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب "جاء نی رَجُلٌ آخَرُ" کہا جائے، یا اِمْرَاَةٌ اُخْرٰی کہا جائے تو اس وقت یہ مفہوم ہوگا میرے پاس بہت پیچھے ہٹنے والا آدمی آیا۔ یا میرے پاس بہت پیچھے ہٹنے والی عورت آئی، ان دونوں مثالوں میں آخَرُ مذکر کے لیے اور اُخْرٰی مؤنث کے لیے اسم تفضیل کا صیغہ ہے، کیوں کہ ضابطہ ہے کہ اَفْعَلُ اسم تفضیل کی مؤنث فُعْلٰی اور اس کی جمع یا تو الف لام کے ساتھ استعمال ہوگی یا اضافت کے ساتھ، جیسے اَلْكُبْرٰى، اَلصُّغْرٰى، یہ دونوں اسم تفضیل جمع مؤنث ہے اور الف لام کے ساتھ مذکور ہے، قرآن کریم میں بھی اسی طرح مستعمل ہے، جیسے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ" (وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی، یعنی جو بڑی بڑی ہولناک اور عظیم الشان چیزیں ظاہر ہونے والی ہیں دوزخ اُن میں کی ایک چیز ہے۔ پ۲۹، مدثر آیت ۳۶) میں اَلْكُبَر ضابطہ کے مطابق مستعمل ہے۔

اسی ضابطہ اور قاعدہ کلیہ کی وجہ سے صُغْرٰى، كُبْرٰى، كُبَرُ، صُغَرُ کو بغیر الف لام اور بغیر اضافت کے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور شعراء کرام نے جو بغیر الف لام اور اضافت کے صُغْرٰی وکُبْرٰی شعر میں پیش کیا تو اسے چند احتمالات پر محمول کیا جاتا ہے، جیسے ابونواس حسن بن ہانی الحکمی الدمشقی نے شراب کی تعریف اور اس کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے ایک طویل قصیدہ لکھا جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔ كَاَنَّ صُغْرٰى وَكُبْرٰى مِنْ فَقَاقِعِهَا حَصْبَاءُ دُرٍّ عَلٰى اَرْضٍ مِنَ الذَّهَبِ

(ترجمہ سے قبل شعر کے کلمات کی توضیح ملاحظہ کیجیے۔ لفظ فقاقعها میں دو مختلف روایتیں ہیں، پہلی روایت دراصل فَوَاقِعِهَا ہے جو فَاقِعَةٌ کی جمع ہے اس سے مراد گلاس کے اوپر کا وہ بلبلہ جو شراب کے پانی سے آمیزش کے وقت پیدا ہوتا ہے، دوسری روایت میں فقاقعها ہے اس وقت یہ فُقَّاعَة کی جمع ہوگی، اور مفہوم پانی کا بلبلہ مراد ہے)

(ترجمہ:- اس کے بلبلوں میں سے چھوٹی اور بڑی ہر ایک ایسی معلوم ہوتی ہے گویا کہ سونے کی زمین پر موتی کی کنکریاں) اس شعر میں محل استشہاد صُغْرٰی وَکُبْرٰی ہے جو ترکیب کے اعتبار سے کَاَنَّ حرف تشبیہ کا اسم منصوب ہے فتحہ تقدیری کی وجہ سے الف لام کا ظہور حذر ہو رہا ہے، اسی لیے بغیر الف لام کے استعمال فرمایا ہے۔

نحاۃ کی ایک بڑی جماعت نے ان دونوں کلموں کو مؤنث اسم تفضیل مانتے ہوئے ابونواس کے اس طرز کو خطاء پر محمول کیا ہے، کیوں کہ افعل التفضیل کا واجبی حق ہے کہ جب وہ الف لام اور اضافت سے خالی ہو تو وہ مفرد مذکر ہی استعمال ہوگا، اور جب یہ قاعدہ ہے تو ابونواس کو چاہیے تھا کہ "کَاَنَّ اَصْغَرَ وَاَکْبَرَ مِنْ فَقَاقِعِهَا" کہتے یا کَاَنَّ الْکُبْرٰی وَالصُّغْرٰی کہتے؟

شارح موصوف کی رائے:

ابونواس کے مذکورہ شعر میں تھوڑی عمیق نگاہوں سے غور کیا جائے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ انہوں نے ان کلمات سے اسم تفضیل مراد نہیں لیا، بلکہ حقیقۃً صفت مشبہ کا معنی ومفہوم مراد لیا ہے اور عبارت اس طرح ہے "کَاَنَّ الْفَقَاعَةَ الصَّغِيْرَةَ وَالْفَقَاعَةَ الْكَبِيْرَةَ مِنْ فَقَاقِعِ هٰذِهِ الْخَمْرِ" (کہ اس شراب کے بلبلوں میں سے چھوٹا بلبلہ اور بڑا بلبلہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ سونے کی زمین پر موتی کی کنکریاں ہوں) تو اس وقت صفت مشبہ اپنے قاعدہ کے مطابق جاری ہوگا اور شاعر کی مراد بھی یہی ہے۔

خلاصۂ کلام: مذکورہ شعر میں دونوں کلمات کو مؤنث اسم تفضیل اور اُخَرَ کو صیغہ جمع اسم تفضیل پڑھنے کے لیے قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ "اَلْاُخَرُ" کہا جاتا، لیکن اس استعمال سے یہ معدول ہے اسی لیے اُخَرُ کہا گیا ہے، جیسا کہ قبیلہ بنی تمیم والوں نے لفظ "اَمْسِ" کو "اَلْاَمْسِ" سے اور تمام اہل عرب نے لفظ "سَحَرَ" کو "اَلسَّحَرَ" سے عدل کیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان "فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ" (تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہیے اور دنوں میں۔ پ۲، بقرہ آیت ۱۸۵) میں لفظ "اُخَرَ" کو "اَلْاُخَرَ" سے عدل فرض کیا گیا ہے، پھر اس کو معنی غیر کی طرف نقل کیا گیا اور قاعدہ ہے کہ اسم تفضیل مؤنث کا استعمال الف ولام اور اضافت اور کلمہ "مِنْ" سے ہوتا ہے اور چوں کہ یہاں ان تینوں میں سے کسی ایک کے ساتھ وہ مستعمل نہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان میں سے کسی ایک سے معدول ہے، لہٰذا مستعمل باللام یعنی الاُخَرَ سے معدول ہے۔

اوزان عدل: عدل کے چھ وزن ہیں (۱) فُعَالُ، جیسے ثُلَاثُ (۲) مَفْعَلُ جیسے مَثْلَثُ (۳) فُعَلُ جیسے عُمَرُ۔ (۴) فَعَلِ جیسے اَمْسِ (۵) فَعَلُ جیسے سَحَرُ (۶) فَعَالِ جیسے قَطَامِ

چھٹا سبب۔ وصف:

وَوَصْفٌ غیر منصرف کے اسباب میں سے ایک سبب وصف بھی ہے، فاضل مصنفؒ اسی کو یہاں سے بیان فرمارہے ہیں۔ اصطلاح نحو میں وصف سے مراد وہ اسم ہے جو ایسی ذات مبہمہ پر دلالت کرے کہ جس میں بعض صفات کا لحاظ ہو عام ازیں کہ یہ دلالت وضع کے اعتبار سے ہو یا استعمال کے اعتبار سے جیسے أَحْمَرُ، أَفْضَلُ، سَكْرَانُ، غَضْبَانُ۔

شرائط:- وصف کے سبب منع صرف بننے کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ کہ وہ وصف اصلی ہو یعنی واضع نے اس کو وصفیت کے معنی کے لحاظ سے وضع کیا ہو نہ کہ عارضی یعنی بوقت وضع ہی اس کلمہ میں وصفیت کا معنی موجود ہو جیسے أَسْوَدُ باعتبار وضع کے ہر سیاہ چیز کو کہتے ہیں، اگرچہ بعد میں اسمیت غالب آگئی کہ کالے سانپ کو کہنے لگے، اور اگر کلمہ اصل وضع میں اسم ہو اور اس میں وصفیت عارضی ہو یعنی بوقت وضع ہی اس کلمے میں وصفیت کا معنٰی موجود نہ ہو بعد میں کسی عارض کی وجہ سے وصف کا معنٰی پایا جائے، جیسے صَفْوَانٌ اور أَرْنَبٌ، یہ دونوں دراصل حجر املس (چکنا پتھر) اور حیوان معروف (خرگوش) کے لیے وضع کیے گئے ہیں، وصفیت کے معنٰی اس میں موجود نہیں۔ البتہ جب ان دونوں کا استعمال قاس (سخت) اور ذلیل (نرم و نازک) وصف کے لیے کرلیا گیا تو اب اس وقت اس میں وصفیت عارضی پیدا ہوگی جس کا غیر منصرف ہونے میں کوئی اعتبار نہیں، اس لیے یہ دونوں منصرف رہیں گے، جیسے هذا قلبٌ صفوانٌ، هذا رَجُلٌ أَرْنَبٌ دوسری شرط یہ کہ وہ ایسا کلمہ ہو جو تانیث کو قبول نہ کرتا ہو (یعنی اس کی مؤنث فعلانۃٌ کے وزن پر نہ آئے، جیسے أَحْمَرُ، أَفْضَلُ، سَكْرَانُ، غَضْبَانُ، کہ اس کی مؤنث حَمْرَاءُ، فُضْلٰى، سَكْرٰى، فَعْلٰى کے وزن پر ہے۔ فَعْلَانَةٌ کے وزن پر نہیں ہے اس لیے غیر منصرف ہے) اگر تاء تانیث کو قبول کرے تو پھر اس کا غیر منصرف کا سبب ہونے میں کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ عُرْيَانٍ، وَرَجُلٍ أَرْمَلٍ، یہ دونوں ایسے کلمے ہیں جو تاء تانیث کو قبول کرتے ہیں۔ جیسے عُرْيَانَةٌ، أَرْمَلَةٌ، اس لیے یہ دونوں منصرف ہوں گے۔

ساتواں سبب۔ جمع:

مَسَاجِدُ وَدَنَانِيْرُ الخ یہ دونوں جمع منتہی الجموع کی مثالیں ہیں جمع کے معنی لغت میں اکٹھا کرنا ہے، اور اصطلاح میں وہ اسم ہے جو احاد پر دلالت کرے اور احاد پر دلالت اس کے مفرد کے حروف کے ساتھ کسی قسم کے تغیر کے ساتھ ہو، لیکن یہ معنٰی یہاں پر مراد نہیں بلکہ مراد اسم کا مذکورہ شان کے ساتھ ہونا ہے، کیوں کہ اسباب اوصاف سے ہے ذات سے نہیں ہے اور یہ جمع سبب بھی ان اسباب میں سے

ہے جو دو سبب کے قائم مقام ہوتا ہے۔

یہ تنہا ایک سبب دو سبب کے قائم مقام ہے البتہ اس کے لیے دو شرطیں ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ایسے وزن پر ہو جس پر واحد کا وزن نہیں آیا یعنی وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو۔ منتہی الجموع کے دو وزن آتے ہیں (۱) مَفَاعِلُ، اس سے مراد وہ جمع ہے جس کا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف اور الف کے بعد دو حرف ہوں جیسے مَسَاجِدُ اور دَرَاهِمُ اوّل تو مسجد کی جمع ہے اور ثانی درہم کی جمع ہے (۲) مَفَاعِيلُ۔ اس سے مراد وہ جمع ہے جس کا پہلا حرف مفتوح اور تیسرا حرف الف ہو اور الف کے بعد تین حرف ہوں اور درمیان کا حرف ساکن ہو جیسے مَصَابِيْحُ اور طَوَاوِيْسُ۔ اول تو مصباح کی جمع ہے اور ثانی طاؤس کی جمع ہے پس جمع میں صیغہ منتہی الجموع کو اس لیے شرط قرار دیا کہ اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ دوبارہ اس کی جمع تکثیر نہیں آسکتی، پس اس وجہ سے اس میں ایک قسم کی مضبوطی ہو کر دو سبب کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔

صاحب کتاب نے جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دوسری شرط ''کہ اس کے آخر میں ایسی تاء نہ ہو جو وقف کی حالت میں ہاء ہو جاتی ہو، ذکر نہیں فرمایا، صرف منتہی الجموع کے اوزان کو ذکر فرمایا، ناچیز اسے قلمبند کر رہا ہے۔

جمع دو سبب کے قائم مقام اس وقت ہوگی جب کہ صیغہ منتہی الجموع کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی پائی جائی کہ اس کے آخر میں وہ تاء تانیث نہ ہو جو حالت وقفی میں ہاء ہو جاتی ہے، کیوں کہ اگر اس کے آخر میں اس قسم کی تاء ہوگی تو اس کا التباس مفرد کے ساتھ ہو جائے گا اور اس سے اس کی جمعیت میں فتور ہوگا، اور وہ منع صرف میں موثر نہ ہوگی۔

جمع دو سبب کے قائم مقام کیوں؟

یہاں ایک طالبعلمانہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جمع دو سبب کے قائم مقام کیوں ہے؟۔

جواب: جمع بھی دو سبب کے قائم مقام ہے، جس طرح تانیث بالالف الممدودہ والمقصورہ دو سبب کے قائم مقام ہے اور اس میں علمائے نحو کی مختلف رائے ہیں۔ بعض نحاۃ کا مذہب ہے کہ جمع میں ایک سبب جمعیت ہے، اور دوسرا لزوم جمعیت، لزوم جمع کا مطلب ہے کہ وہ اسم جمع ہے جو غیر منصرف جمعیت کی بناء پر ہے ایسا ہو کہ اس کی مَرّةً اُخرٰى جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو، اور جب جمع تکسیر بنانا ممتنع ہو جاوے گا تو اس میں موجودہ جمعیت لازم ہو جائے گی، اس طور پر کہ اب اس کو مفرد فرض کر کے دوبارہ جمع تکسیر نہ بنادیں گے، البتہ جمع صحیح بنانا درست ہے، شیخ ابن حاجب نے اسی رائے کو مختار قرار دیتے

ہوئے فرمایا کہ جب اس کی دوبارہ جمع تکسیر ممتنع ہوگئی تو گویا وہ ایسا اسم ہوگیا کہ دوبارہ جمع بنایا گیا ہے۔ امام زمخشری کے نزدیک یہ جمع دوسبب کے قائم مقام اس وجہ سے ہے کہ جب اس کی نظیر مفردات میں نہ رہی تو اس میں ایک ایسی قوت حاصل ہوگئی جس کی وجہ سے یہ جمع ثانی کے بمنزلہ بن گئی۔

آٹھواں سبب۔ الف ونون زائدتان:

سَلْمَانُ وَسَكْرَانُ۔ یہ دونوں اس الف ونون زائدتان کی مثالیں ہیں جو اسم اور صفت میں پائے جاتے ہیں، ان کو الف ونون زائدتان اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حروف زوائد میں سے ہیں اور ان کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ دونوں الف تانیث مقصورہ اور ممدودہ کے ساتھ تاء تانیث کے نہ داخل ہونے میں مشابہت رکھتے ہیں جیسے کہ تاء تانیث متحرکہ اس اسم پر جس میں الف تانیث ہے داخل نہیں ہوتی، اسی طرح تاء تانیث اس اسم پر جس میں الف ونون زائدتان میں داخل نہیں ہوتی، پس اگر تاء تانیث داخل ہوگی تو زیادتین کا جمع ہونا لازم آئے گا، اور الف تانیث کے ساتھ مشابہت جاتی رہے گی، اور کلمہ منصرف ہوجائے گا۔

الف ونون زائدتان کے استعمال کی صورتیں:

الف ونون زائدتان کے استعمال کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ دونوں اسم میں زائد ہوں گے، یا صفت میں، اگر اسم میں ہوں تو الف ونون کے منع صرف میں تاثیر پیدا کرنے کی شرط یہ ہے کہ جس اسم میں یہ پائے جائیں وہ علم ہو، جیسے عُثْمَانُ، سَلْمَانُ، عِمرانُ، اور اگر صفت میں پائے جائیں تو پھر غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے شرط ہے کہ اس صفت کی مؤنث میں تاء نہ آتی ہو، یعنی اس کی مؤنث فَعْلَانَةٌ کے وزن پر نہ آئے، جیسے سَكْرَانُ کہ اس کی مؤنث سکریٰ فعلیٰ کے وزن پر ہے۔ سکرانۃ فعلانۃ کے وزن پر نہیں ہے، اس لیے غیر منصرف ہے۔

نکتہ:- لفظ رحمٰن کے منصرف اور غیر منصرف پڑھنے میں اختلاف کیا گیا ہے جو لوگ انتفاء فعلانۃ کو شرط کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے، اس لیے کہ رحمٰن کا مؤنث ہی نہیں چہ جائیکہ وہ فعلانۃ کے وزن پر آئے، اور جو لوگ وجود فعلیٰ کو شرط کہتے ہیں وہ رحمٰن کو منصرف پڑھتے ہیں، اس لیے کہ رحمٰن باری تعالیٰ کی صفت ہے پس اس کا مؤنث نہیں آتا نہ فعلیٰ کے وزن پر اور نہ فعلانۃ کے وزن پر۔ (ایضاح المطالب ص ۳۵)

نکتہ:- لفظ "نَدْمَانُ" کبھی منصرف ہوتا ہے اور کبھی غیر منصرف، تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر ندمان بمعنی ندیم وہم نشیں ہو تو اس کا مؤنث ندمانۃ ہے، لہٰذا بالاتفاق منصرف ہے، اور اگر ندمان سے

نادم کے معنی لیے جائیں۔ مشتق من الندم (بمعنی پشیمان) تو بالاتفاق غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس کا مؤنث ندمٰی آتا ہے۔ (شرح جامی ص۵۲)

نواں سبب۔ تانیث:

وفاطمة، وطلحة، وزينب، وسلمى، وصحراء یہ تمام کلمات تانیث کی مثالیں ہیں۔ تانیث کی تین قسمیں ہیں (۱) تانیث بالالف جیسے حُبلی، وصحراء، (۲) تانیث بالتاء جیسے طلحة، وحمزة، (۳) تانیث بالمعنی جیسے زینب وسُعاد۔

(۱) جو تانیث کہ مقصورہ اور ممدودہ سے حاصل ہوتی ہے وہ یقین کے ساتھ غیر منصرف کا سبب ہے، اس کے غیر منصرف کا سبب بننے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے، بلکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسبب کے قائم مقام ہے جیسے حُبلی سَلمٰی، یہ دونوں الف مقصورہ کی مثال ہیں، اور حمراء وصحراء یہ دونوں الف ممدودہ کی مثال ہیں۔

تانیث بالالف دوسبب کے قائم مقام کیوں؟

یہاں ایک طالبعلمانہ اشکال ہوتا ہے کہ تانیث کے دو الف ممدودہ اور مقصورہ دوسبب کے قائم مقام کیوں ہیں؟

جواب: تانیث بالالف دوسبب کے قائم مقام اس لیے ہیں کہ یہ دونوں ازروئے وضع کلمہ کے لازم ہیں، یہاں تک کہ اپنے مدخول سے کبھی جدا نہیں ہوتے ہیں۔ پس یہ دونوں اس اپنے لزوم کی وجہ سے بمنزلہ تانیث آخر کے ہیں۔ اور گویا کہ ان میں تانیث مکرر ہے الہٰذا یہ اکیلا سبب قائم مقام دوسبوں کے ہو جائے گا، بخلاف تائے تانیث کے وہ من حیث الوضع کلمہ کو لازم نہیں، اور علمیت کی وجہ سے اس کا لزوم ہو بھی جائے تو یہ لزوم عارضی ہوگا، جو لزوم وضعی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، پس جو حکم لزوم وضعی کا ہوگا وہ اس کے لیے ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۲) تانیث بالتاء سے مراد تانیث لفظی ہے یعنی وہ تانیث جس میں علامت تانیث لفظوں میں موجود ہو جیسے طلحةُ تانیث بالتاء کے سبب منع صرف بننے میں یہ شرط ہے کہ وہ اسم مؤنث کسی کا علم ہو خواہ مذکر کا جیسے طلحةُ مرد کا نام ہے یا کسی مؤنث کا جیسے فاطمةُ عورت کا نام ہے، تانیث بالتاء میں علمیت کو شرط اس لیے قرار دیا تاکہ کلمہ کے متغیر ہونے اور تائے تانیث کے زائل ہونے کا احتمال جاتا رہے۔

(۳) وہ تانیث ہے جس میں علامت تانیث پوشیدہ ہو، اس کے غیر منصرف پڑھنے کے لیے جس طرح تانیث لفظی بالتاء میں علمیت شرط ہے، اسی طرح تانیث معنوی میں بھی شرط ہے، مگر فرق اس قدر

ہے کہ تانیث بالتاء میں تو علمیت کی شرط منع صرف میں از روئے وجوب کے موثر ہے اور معنوی میں از روئے جواز کے، کیوں کہ اس کے لیے وجوب تاثیر کی شرط اور ہے۔

تانیث بالمعنی کے غیر منصرف پڑھنے کی دو صورتیں ہیں، کبھی تو غیر منصرف پڑھنا واجب ہوتا ہے، اور کبھی منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے، پہلی صورت میں علی سبیل منع الخلو تین باتوں میں سے ایک پائی جاوے (۱) یا تو کلمہ تین حرفوں سے زائد ہو جیسے سُعَادُ، زَيْنَبُ، اس لیے کہ جب تین حرفوں سے زائد ہوگا تو چوتھا حرف قائم مقام تانیث لفظی کے ہوگا اور تاثیر وجوبی پائے جائے گی۔ (۲) یا وہ سہ حرفی ہو، اگر وہ سہ حرفی ہے تو درمیانی حرف متحرک ہو جیسے سَقَرُ، (جہنم کے ایک طبقہ کا نام ہے) لَظیٰ (جہنم کے آگ کی ایک قسم ہے)، اس لیے کہ جب اسم متحرک الاوسط ہوگا تو اس کی یہ حرکت اوسط چوتھے حرف کے قائم مقام ہوگا اور وہ قائم مقام تائے تانیث کے ہوگا۔ اور اس اعتبار سے تانیث معنوی میں ایک خاص قسم کی قوت پیدا ہو جائے گی، جس سے وہ از روئے وجوب کے منع صرف میں موثر ہوگی۔

(۳) یا وہ عجمہ ہو جیسے مَاهُ وَجُورُ (دو شہر ہیں) حِمْصُ، بَلْخُ، اس لیے کہ جب اسم عجمہ ہوگا تو تانیث معنوی بطور وجوب کے موثر ہوگی، اس لیے کہ عموماً اہل لسان پر دوسری قوم کی زبان ثقیل ہوتی ہے، اور اس ثقل کی وجہ سے اس میں سبب منع صرف بننے کی قوت پیدا ہو جائے گی۔

دوسری صورت دو حال سے خالی نہیں یا تو ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کا منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے، مثلاً هِنْدُ یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے اس کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے اور غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے، غیر منصرف اس وجہ سے کہ اس میں دو سبب پائے جاتے ہیں ایک تانیث معنوی، دوسرا سبب علمیت ہو کہ اس کے اثر کرنے کی شرط جوازی ہے، اسی وجہ سے غیر منصرف پڑھنا جائز ہے، اور منصرف پڑھنا اس وجہ سے درست ہے کہ تانیث کے اثر کی وجوبی شرط نہیں پائی گئی ہے، چوں کہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے اور کلمہ جب کہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہو تو فی نفسہ خفیف ہوتا ہے، اور غیر منصرف پڑھنا بوجہ اس کے ثقل کے ہوتا ہے جو دو سبب کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، شاعر نے جواز اور عدم جواز دونوں صورتوں کو اپنے شعر میں جمع فرمایا ہے۔

لَمْ تَتَلَفَّعْ بِفَضْلِ مِئْزَرِهَا دَعْدٌ وَلَمْ تُسْقَ دَعْدُ فِي الْعُلَبِ

(دعد نامی عورت نے اپنی ازار کے زائد حصے کو نہ تو بغل میں دبایا، اور نہ وہ چمڑے کے برتن میں پانی پیا) اس شعر میں محل استشہاد لفظ "دَعْدٌ" اور "دَعْدُ" ہے، یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر عجمی ہے، اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے، اسی لیے تو شاعر نے پہلے دَعْدٌ کو منون ذکر کیا، اور دوسرے کو غیر منون۔

(شعر کا مطلب:- شاعر نے دراصل اس شعر میں دعد نامی عورت کی تعریف وتوصیف اور مدح سرائی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایک مہذب، تعلیم یافتہ، اور شہری دوشیزہ تھی جو عیش وچہم، راحت وآرام، اور نفیس طبیعت والی تھی، وہ دیہاتی عورتوں جیسا لباس اور ان کا کھانا پینا قطعاً پسند نہیں کرتی تھی، بلکہ شہری ماحول کے مطابق زندگی گذارتی تھی۔)

مؤثر ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے اسباب منع صرف کی قسمیں:

فالف التانیث والجمع الذی لانظیر له الخ مؤثر ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے منجملہ اسباب منع صرف کی تین قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:- وہ اسباب جو تنہا دو سبب کے قائم مقام ہونے میں مؤثر ہیں، دوسری علت کے انضمام کے محتاج نہیں۔ وہ دو ہیں۔ (۱) جمع منتہی الجموع (۲) اور تانیث کے دونوں الف، یعنی الف مقصورہ، اور الف ممدودہ۔ (یہ ایسے اسباب ہیں جن کے ساتھ علمیت بلا تاثیر کے جمع ہوتی ہے عبارت خلط سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)

دوسری قسم:- وتتعین العلمیة مع الترکیب. وہ اسباب جن کے اثر کے واسطے وجود علمیت شرط ہے وہ کل تین ہیں (۱) تانیث بغیر الالف، خواہ تاء کے ساتھ ہو جیسے فاطمةُ، خواہ معنوی جیسے زَیْنَبُ، (۲) ترکیب جیسے مَعْدِیکَرِبَ (۳) عجمہ جیسے اِبْرَاهِیْمُ۔ عبارت خلط سے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نوٹ:- صَنجَةٌ، صَوْلَجَانٌ، مسلمةٌ، یہ تینوں کلمات منصرف ہیں۔ اس لیے کہ صَنجَةٌ اگرچہ مؤنث اور عجمہ ہے، لیکن علمیت موجود نہیں۔ اسی طرح صولجانٌ اگرچہ عجمہ اور الف ونون زائدتان ہے لیکن علمیت منتفی ہے، اسی طرح مسلمہ اگرچہ مؤنث لفظی اور وصف ہے، لیکن علمیت موجود نہیں ہے، لہٰذا انتفاء علمیت کی بناء پر یہ سب کے سب منصرف ہوں گے، غیر منصرف نہیں۔

تیسری قسم: وہ اسباب جن کے اثر کے واسطے دو امر یعنی علمیت یا وصفیت میں سے کوئی ایک پایا جائے وہ بھی تین ہیں (۱) عدل، (۲) وزن فعل (۳) الف ونون زائدتان، جیسے عُمَرُ علمیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے، ایسے ہی اَحْمَدُ وزن فعل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اور سَلْمَانُ الف ونون زائدتان اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، یا یہ تینوں صفت کے ساتھ جمع ہو کر مؤثر ہوں جیسے ثُلاثَ عدل اور وصفیت کی وجہ سے، اَحْمَرُ وزن فعل اور وصفیت کی وجہ سے۔ اور سکران، الف ونون زائدتان اور وصفیت کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔

فَأَلِفُ التَّأْنِيثِ وَالْجَمْعُ الَّذِي لَا نَظِيرَ لَهُ فِي الْآحَادِ كُلٌّ مِنْهُمَا يَسْتَقِلُّ بِالْمَنْعِ، وَالْبَوَاقِي لَا بُدَّ مِنْ مُجَامَعَةِ كُلِّ عِلَّةٍ مِنْهُنَّ لِلصِّفَةِ أَوِ الْعَلَمِيَّةِ، وَتَتَعَيَّنُ الْعَلَمِيَّةُ مَعَ التَّرْكِيبِ، وَالتَّأْنِيثِ، وَالْعُجْمَةِ، وَشَرْطُ الْعُجْمَةِ عَلَمِيَّةٌ فِي الْعَجَمِيَّةِ، وَزِيَادَةٌ عَلَى الثَّلَاثَةِ، وَالصِّفَةِ، إِصَالَتُهَا، وَعَدَمُ قَبُولِهَا التَّاءَ. فَعُرْيَانٌ، وَأَرْمَلٌ، وَصَفْوَانٌ، وَأَرْنَبٌ، بِمَعْنَى قَاسٍ، وَذَلِيلٍ، مُنْصَرِفَةٌ، وَيَجُوزُ فِي نَحْوِ "هِنْد" وَجْهَانِ، بِخِلَافِ زَيْنَبَ، وَسَقَرَ، وَبَلْخَ، وَكَعُمَرَ، عِنْدَ بَنِي تَمِيمٍ بَابُ حَذَامِ، إِنْ لَمْ يُخْتَمْ بِرَاءٍ كَسَفَارِ، وَأَمْسِ، لِمُعَيَّنٍ، ان كان مرفوعًا، وَبَعْضُهُمْ لَمْ يَشْتَرِطْ فِيهِمَا، وَسَحَرُ عِنْدَ الْجَمِيعِ إِنْ كَانَ ظَرْفًا مُعَيَّنًا.

ترجمہ:- الف تانیث اور جمع وہ ہے جس کے لیے احاد میں کوئی نظیر نہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک غیر منصرف ہونے میں راجح ہوتے ہیں۔ اور رہی باقی علتیں تو ان میں سے ہر ایک علت کا صفت یا علمیت کے ساتھ جمع ہونا ضروری ہے، اور علمیت کا ترکیب، تانیث، اور عجمہ کے ساتھ ہونا متعین ہے اور عجمہ کی شرط لغت عجم میں علم ہونا، اور تین حروف پر زائد ہونا ہے، اور صفت تو اس کا وصف اصلی ہونا، اور تاء کو قبول نہ کرنا ہے، چنانچہ عُرْيَانٌ، أَرْمَلٌ، صفوانٌ، ارنبٌ، قاسٍ اور ذلیلٌ کے معنی میں ہیں اور منصرف ہیں۔ اور ھِندٌ جیسی مثال میں دونوں صورتیں جائز ہیں برخلاف زینب، سقر، بلخ کے، اور باب حذام بنو تمیم کے نزدیک عمر کی طرح ہے، بشرطیکہ اس کا آخری حرف راء نہ ہو، جیسے سَفَارِ، اور أَمْسِ معین بشرطیکہ مرفوع ہو، اور بعض حضرات نے ان دونوں میں کسی چیز کی شرط نہیں لگائی ہے، اور لفظ "سَحَرُ" تمام نحویوں کے نزدیک غیر منصرف ہے، بشرطیکہ ظرف معین ہو۔

تشریح:- مذکورہ بالا عبارت کی مکمل تشریح علل تسعہ کی ترتیب وار گفتگو میں آ گئی ہے۔ فلیراجع الیها

بَابُ التَّعَجُّبِ ــــــ افعال تعجب کا بیان

بَابٌ، اَلتَّعَجُّبُ لَهُ صِيغَتَانِ: مَا أَفْعَلَ زَيْدًا، وَإِعْرَابُهُ "مَا" مُبْتَدَأٌ بِمَعْنَى شَيْءٍ عَظِيمٍ، وَ "أَفْعَلَ" فِعْلٌ مَاضٍ فَاعِلُهُ ضَمِيرُ "مَا" وَ "زَيْدًا" مَفْعُولٌ بِهِ، وَالْجُمْلَةُ خَبَرُ "مَا" وَأَفْعِلْ بِهِ، وَهُوَ: بِمَعْنَى مَا أَفْعَلَهُ، وَأَصْلُهُ أَفْعَلَ أَيْ صَارَ ذَا كَذَا، كَأَغَدَّ الْبَعِيرُ، أَيْ صَارَ ذَا غُدَّةٍ، فَغُيِّرَ

اللَّفْظُ" وَزِيدَتِ الْبَاءُ فِي الْفَاعِلِ لِإِصْلَاحِ اللَّفْظِ، فَمِنْ ثَمَّ لَزِمَتْ هُنَا. بِخِلَافِهَا فِي فَاعِلِ كَفَى وَإِنَّمَا يُبْنَى فِعْلَا التَّعَجُّبِ وَاسْمُ التَّفْضِيلِ مِنْ فِعْلٍ، ثُلَاثِيٍّ، مُثْبَتٍ، مُتَفَاوِتٍ تَامٍّ، مَبْنِيِّ الْفَاعِلِ، لَيْسَ اسْمُ فَاعِلِهِ عَلَى أَفْعَلَ.

ترجمہ:- یہ باب ہے، اور اس کے دو صیغے ہیں (ایک صیغہ) مَا أَفْعَلَ زَيْدًا ہے اور اس کی ترکیب اس طرح ہے "مَا" مبتداء بمعنی شیئ عظیم "أَفْعَلَ" فعل ماضی، ضمیر اس میں جو "مَا" کی طرف راجع ہے اس کا فاعل "زَيْدًا" مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ما کی خبر، (مبتداء خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا) اور (دوسرا صیغہ) "أَفْعِلْ بِهِ" ہے جو مَا أَفْعَلَهُ کے معنی میں مستعمل ہے، اس کی اصل أَفْعَلَ أَيْ صَارَ ذَا كَذَا ہے، جیسے أَغَدَّ الْبَعِيرُ (اونٹنی غدہ ہو گئی) صَارَ ذَا غُدَّةٍ کے معنی میں مستعمل ہے، پھر لفظ میں تغیر کیا گیا اور لفظ کی اصلاح کی غرض سے فاعل میں باء کا اضافہ کر دیا گیا ہے، اسی وجہ سے اس میں باء کا استعمال لازم ہے، برخلاف کَفَى (فعل) کے فاعل میں (یعنی کَفَى کے فاعل میں باء کا اضافہ کرنا لازم نہیں ہے، کبھی تو موجود ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔)

اور تعجب کے دونوں فعل اور اسم التفضیل ایسے فعل سے بنائے جاتے ہیں جو ثلاثی ہو، مثبت ہو، متفاوت ہو، تام ہو، مبنی للفاعل ہو، اس کا فاعل أَفْعَلَ کے وزن پر نہ آتا ہو۔

تشریح:- بَابُ التَّعَجُّبِ فاضل مصنفؒ یہاں سے افعال تعجب کو بیان فرما رہے ہیں، لفظ تعجب عَجِبَ سے باب تفعل کا مصدر ہے، فن نحو میں اس کے لیے بہت سارے غیر مبوب الفاظ ہیں جن سے تعجب کا معنی ظاہر ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ" (کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو۔ پ ۱، بقرہ آیت ۲۸) میں لفظ "كَيْفَ" بمعنی تعجب محمول ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "سُبْحَانَ اللَّهِ! إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا" (سبحان اللہ! یہ کیسی تعجب خیز بات ہے، بے شک مومن حالت حیات اور حالت ممات میں کبھی بھی ناپاک نہیں ہوتا) اس حدیث میں لفظ سُبْحَانَ اللَّهِ! تعجب کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

اہل عرب کا قول "لِلَّهِ دَرُّهُ فَارِسًا" (اللہ ہی کے لیے تمام تر خوبیاں ہیں) یہ بھی تعجب کے معنی پر محمول ہے، اور شاعر کا قول ؎

يَا سَيِّدًا مَا أَنْتَ مِنْ سَيِّدٍ مُوَطَّأَ الْأَكْنَافِ رَحْبَ الذِّرَاعِ

(اے آقا! آپ کتنے تعجب خیز سردار، مہمان نواز، اور فیاض شخص ہیں) اس شعر میں "مَا أَنْتَ"

فعل تعجب غیر مبوّب ہے جس کو شاعر نے تعجب کے لیے استعمال فرمایا ہے۔

افعال تعجب کی تعریف اور صیغے:

لَهٗ صِيْغَتَانِ مَا أَفْعَلَ زَيْدًا الخ وہ افعال ہیں جن کی وضع حیرت ظاہر کرنے کے لیے کی گئی ہو، علم نحو میں فعل تعجب کے دو مبوّب صیغے ہیں (۱) مَا أَفْعَلَ زَيْدًا (۲) أَفْعِلْ بِهٖ، جیسے مَا أَحْسَنَ زَيْدًا، وَأَحْسِنْ بِزَيْدٍ (زید کتنا اچھا ہے) ضمیر کی جگہ اس چیز کو رکھا جائے جس پر تعجب کیا جائے، اور یہ افعال غیر منصرف ہیں ان سے ماضی مجہول، مضارع، اور مؤنث وغیرہ کے صیغے نہیں آتے۔

مَا أَفْعَلَ زَيْدًا کی ترکیب:

وَاِعْرَابُهٗ "مَا" الخ فاضل مصنفؒ یہاں سے مَا أَفْعَلَ زَيْدًا کی ترکیب بیان فرمارہے ہیں کہ "ما" مبتداء ہے، لیکن یہ کس معنی میں ہے تو اس سلسلے میں دو مذہب کا اختلاف ہے، پہلے مذہب والے کا یہ کہنا ہے کہ یہ نکرہ تامّہ ہے جو شئی کے معنی میں ہے، اور اس کا مابعد جملہ فعلیہ ہوکر "ما" کی خبر ہے، یہ امام سیبویہ کا مذہب ہے اب عبارت اس طرح ہوگی "مَا أَحْسَنَ زَيْدًا أَيْ شَيْءٌ أَحْسَنَ زَيْدًا، اور جائز ہے ابتداء کرنا ایسے نکرہ کے ذریعہ جس میں تعجب کے معنی موجود ہو، جیسے شاعر کا قول۔

عَجَبٌ لِتِلْكَ قَضِيَّةً، وَاِقَامَتِيْ فِيْكُمْ عَلَى تِلْكَ الْقَضِيَّةِ أَعْجَبُ

(اس کے لیے فیصلہ ہونے پر تعجب ہے، اور اس فیصلہ کے لیے میرا تمہارے درمیان ٹھہرنا زیادہ تعجب خیز اور حیرت ناک ہے) اس شعر میں لفظ عَجَبٌ ہے جو تعجب کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

(یہ شعر زرافہ باہلی کا ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ عمرو بن غوث بن طئی کا ہے، اور بعض نے ابی بن احمر الکنانی کی طرف منسوب کیا ہے) اور یا اس لیے کہ وہ نکرہ موصوفہ کے معنی میں ہے تو اس وقت عبارت "شَيْءٌ عَظِيْمٌ حَسَّنَ زَيْدًا" ہوگی، (بڑی چیز ہے جس نے زید کو حسین بنادیا) جس طرح "شَرٌّ أَهَرَّ ذَانَابٍ (کسی بڑی مصیبت نے کتوں کو بھونکایا) شَرٌّ عَظِيْمٌ أَهَرَّ ذَانَابٍ کے معنی میں ہے۔

دوسرے مذہب کے اعتبار سے یہ تین وجوہات کا احتمال رکھتا ہے، پہلی وجہ یہ کہ وہ نکرہ تامّہ ہو، جیسا کہ امام سیبویہ نے فرمایا، اور ترکیب مَا أَحْسَنَ زَيْدًا کی سیبویہ کے نزدیک "ما" مبتداء نکرہ تامّہ بمعنی شئی ہے اور اس کا مابعد خبر ہے۔ دوسری وجہ یہ وہ نکرہ موصوفہ ہو اس جملہ سے جو اس کے بعد ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ وہ "ما" معرفہ موصولہ ہے اور اس کا مابعد اس کا صلہ اور موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء ہے اور خبر شئی عظیم محذوف ہے۔ اب عبارت "شَيْءٌ حَسَّنَ زَيْدًا عَظِيْمٌ" ہوگی یا "اَلَّذِيْ حَسَّنَ زَيْدًا شَيْءٌ عَظِيْمٌ" ہوگی (جس نے زید کو حسین بنایا بڑی چیز ہے) یہ امام اخفش کا قول ہے۔ امام اخفش

کے قول کے اعتبار سے ترکیب اس طرح ہوگی: ما اسم موصول، اور أَحْسَنَ زَيْدًا فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ، موصول صلہ سے مل کر مبتداء، اور شَيْءٌ عَظِيمٌ اس کی خبر محذوف، مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اور رہا لفظ "أَفْعَلَ" تو اس کے اسم اور فعل ہونے میں علماء نحو کا معرکۃ الآراء اختلاف ہے، کوفیین حضرات کے نزدیک یہ اسم ہے، کیوں کہ اس کی تصغیر آتی ہے جیسے مَا أَحْسَنَ، اور مَا أَمْلَحَ کی تصغیر مَا أُحَيْسِنَهُ اور مَا أُمَيْلِحَهُ آتی ہے، بصریین کا مذہب یہ ہے کہ یہ فعل ماضی ہے اور یہی صحیح اور قابل ترجیح بھی ہے، کیوں کہ یہ مبنی علی الفتح ہے، اگر یہ اسم ہوتا تو بربنائے خبریت مرفوع ہوتا، نیز اس کے ساتھ یاء متکلم کے الحاق صورت میں نون وقایہ کا لانا لازم ہوتا ہے، جیسے مَا أَفْقَرَنِي إِلَى عَفْوِ اللهِ، اگر یہ اسم ہوتا تو نون وقایہ کا لانا لازم نہ ہوتا، بلکہ بغیر نون وقایہ کے لانا درست ہوتا، حالاں کہ مَا أَفْقَرِي کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل ماضی ہے، اسم نہیں۔

اور بہر حال تصغیر کا آنا تو یہ شاذ ہے اور شاذ معدوم کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور اس کے شاذ ہونے کے وجہ یہ ہے کہ یہ عموماً اسماء کے مشابہ ہوتا ہے اپنے جامد ہونے کی وجہ سے کہ اس کا مصدر نہیں آتا، اور افعل التفضیل کے مشابہ ہوتا ہے بالخصوص اسم التفضیل کے وزن پر آنے اور زیادتی حروف پر دلالت کرنے کی وجہ سے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں کے دونوں ایسے اسماء سے بنائے جاتے ہیں جن میں شرائط مستقبلہ (آئندہ آنے والی شرطیں) پائے جاتے ہوں۔ اور أَحْسَنَ میں ضمیر مستتر بالاتفاق بربنائے فاعلیت مرفوع ہے جو ما کی طرف راجع ہے اور اسی ضمیر کا لوٹنا ما کے اسم ہونے کی دلیل ہے، کیوں کہ ضمیر قطعی طور پر اسماء کی طرف ہی راجع ہوتی ہے۔ "زَيْدًا" کے بارے میں بھی دو قول ہے، جن حضرات نے أَفْعَلَ کو فعل ماضی کہا ان کے نزدیک مفعول بہ ہے اور جنھوں نے اسم مانا ان کے نزدیک مشابہ مفعول بہ ہے۔

أَفْعِلْ بِهِ کی ترکیب:

وَأَفْعِلْ بِهِ، وَهُوَ بمعنى ما أَفْعَلَهُ یہ فعل تعجب کے دوسرے صیغے کا بیان ہے۔ دوسرا صیغہ "أَفْعِلْ بِهِ" ہے جیسے أَحْسِنْ بِزَيْدٍ، اس میں أَحْسِنْ اگرچہ امر کا صیغہ ہے، لیکن معنی میں أَحْسَنَ فعل ماضی کے ہے، اور ضمیر سے خالی ہے، اب أَحْسِنْ بِزَيْدٍ کی اصل "أَحْسَنَ زَيْدٌ" ہوگی، أي صَارَ ذَا حُسْنٍ (زید کیا ہی حسن والا ہوگیا) جیسا کہ اہل عرب کا قول "أَوْرَقَ الشَّجَرُ، أَزْهَرَا بُسْتَانٌ، أَقَرَّ فُلَانٌ، أَتْرَبَ زَيْدٌ، أَغَدَّ الْبَعِيرُ" یہ تمام کے تمام، صَارَ ذَا وَرَقٍ (درخت پتے دار

ہوگیا) ذَا زَهْوٍ (یا تمچہ پھلدار ہوگیا) ذَا ثَرْوَةٍ (فلاں صاحب مالدار ہوگیا) ذَا مَتْرَبَةٍ (زید تنگ دست ہوگیا) اور ذَا غُدَّةٍ (اونٹنی غدہ ہوگئی) کے معنی میں ہے، اور کبھی کو تعجب کا معنی متضمن ہے۔

لفظ أَفْعِلْ بِهٖ میں اصلاحی تغیر:

فَغُيِّرَ اللَّفْظُ وزِيدَتِ الْبَاءُ فِي الْفَاعِلِ الخ فاضل مصنفؒ نے اس عبارت کے ذریعہ ایک مسئلہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ کہ أَفْعِلْ بِهٖ، جیسے أَحْسِنْ بِهٖ میں "أَحْسِنْ" امر کا صیغہ ہے، لیکن معنی میں أَحْسَنَ ماضی کے ہے، اور لفظ بِهٖ میں باء جارہ زائدہ ہے اور ضمیر مجرور اس کا فاعل ہے اور اس میں ہمزہ صیرورت کا ہے، پس أَحْسِنْ بِزَيْدٍ کے معنی صَارَ زَيْدٌ ذَا حُسْنٍ کے ہوگا (یعنی زید صاحب حسن ہوگیا) لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب أَفْعَلَ ماضی ہے تو اس کو أَفْعِلْ کی طرف منتقل کردیا اور آخیر میں باء کا اضافہ کردیا اس کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ جب أَفْعَلَ کو أَفْعِلْ امر کی طرف منتقل کردیا تو یہ أَحْسِنْ زَيْدٌ کی طرح ہوگیا، اور صیغہ امر کے بعد اسم مرفوع کا متصلاً لانا اصولاً قبیح سمجھا جاتا ہے، اور مثال مذکور میں أَحْسِنْ امر کے بعد زید اسم فاعل مرفوع متصلاً مذکور ہے، لہٰذا اصولاً معیوب ہوا۔ اس قباحت سے بچنے اور لفظ میں اصلاح کرنے کی غرض سے باء کا اضافہ کردیا، اب یہ أَحْسِنْ بِزَيْدٍ، أُمْرُرْ بِزَيْدٍ کی طرح ہوگیا۔ یہ باء اس باء کے مشابہ ہے جو كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا میں كَفٰى فعل کا فاعل بِاللّٰه کے ساتھ متصل ہے، لیکن ایک جہت سے موافق نہیں، وہ یہ ہے کہ أَحْسِنْ بِهٖ کے باء کا فاعل کے ساتھ متصل ہونا لازم ہوتا ہے، اور كَفٰى بِاللّٰهِ کے باء کا متصل ہونا لازم نہیں، بلکہ جائز الحذف ہوتا ہے، جیسا کہ سحیم نامی شاعر نے بغیر باء کے کفٰی فعل کے فاعل کا ذکر کیا ہے۔

عُمَيْرَةَ وَدِّعْ إِنْ تَجَهَّزْتَ غَازِيًا كَفَى الشَّيْبُ وَالْإِسْلَامُ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا

(اگر تو نے اللہ کے راستہ میں جہاد کی تیاری کرلی ہے تو الفت عمیرہ کو چھوڑ، بڑھاپا اور اسلام انسان کے لیے روکنے والا ہے۔) یعنی عمیرہ کی الفت، قلبی تعلق، اور پیار و محبت کو چھوڑ دے جب تم نے اپنے درمیان اور دنیا کی مشاغل کے درمیان قطع تعلق کا فیصلہ کرلیا ہے یہ عمر درازی اور تحفہ اسلام اس شخص کو بھی گناہوں کی لذت سے روک دیتے ہیں جو ضلالت وگمراہی سے نہ بچے۔ یہ سحیم بن وثیل ریاحی کا کلام ہے) اس شعر میں محل استشہاد كَفَى الشَّيْبُ ہے، اس لیے کہ شاعر نے كَفٰى فعل کے فاعل کو بغیر باء کے ذکر فرمایا ہے، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ كَفٰى فعل کے فاعل کی باء غیر لازم ہے۔

افعال تعجب بنانے کا قاعدہ:

وانما یبنی فعلا التعجب الخ افعال تعجب اور اسم تفضیل ایسے صیغے سے بنائے جاتے ہیں جن میں بیک وقت پانچ شرطیں موجود ہوں۔

(۱) یہ کہ وہ صیغہ فعل ہو، غیر فعل سے یہ دونوں نہیں بنائے جاتے، اور جن لوگوں نے لفظ "اَلْجِلْفُ" (بمعنی اُکھڑ اور اجڈ) اور اَلْحِمَارُ (گدھا) سے فعل تعجب مَا اَجْلَفَهٗ، وَمَا اَحْمَرَهٗ بنائے وہ خطاء پر محمول ہے، اور اَلصَّفُ مِنْ شِظَاظٍ سے مَا اَلَصَّهٗ فعل تعجب بنانا شاذ ہے، اور قاعدہ ہے کہ الشاذ کالمعدوم، لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں ہوگا۔ شظاظ بروزن کتاب ہے، قبیلہ ہوضبہ کے ایک شخص کا نام ہے جو چوری کرنے میں ضرب المثل تھا، اسی لیے الص من شظاظ کہا گیا ہے۔ (مجمع الامثال ص ۱۱۹۸)

(۲) یہ کہ وہ فعل ثلاثی ہو، کیوں کہ یہ دونوں غیر ثلاثی مثلاً دَحْرَجَ، اِنْطَلَقَ، اِسْتَخْرَجَ سے نہیں بنائے جاتے، اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جس فعل سے افعال تعجب کا بنانا ممتنع ہے، اس سے فعل تعجب کے بنانے کی کیا صورت ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں شدت یا اس کے مثل ضعف یا حسن یا قبح سے یہ دونوں صیغے اس طرح بنائیں گے کہ وہ مصدر جس کے فعل سے فعل تعجب کا بنانا ممتنع ہے، اس کو ان کے بعد ذکر کریں گے، مثلاً جب استخراج غیر ثلاثی مجرد سے یہ دونوں صیغے تعجب کے بنانا چاہیں تو مَا اَشَدَّ اِسْتِخْرَاجَهٗ اور اشدد باستخراجہ کہیں گے، لیکن امام ابو الحسن نحوی نے ثلاثی مزید فیہ سے افعال تعجب کے بنانے کو جائز قرار دیا بشرطیکہ زوائد محذوف ہوں، اور امام سیبویہ نے فعل رباعی مثلاً "اَكْرَمَ، اَحْسَنَ، اَعْطٰى" سے ان دونوں کے آنے جانے کو جائز قرار دیا ہے۔

(۳) یہ کہ فعل تعجب اس سے آئے گا جو تفاوت کو قبول کرتا ہے، اس سے نہیں آتا جو تفاوت یعنی زیادہ اور نقصان کو قبول نہیں کرتا ہے، لہٰذا مَاتَ اور فَنِیَ زیادہ اور نقصان کو قبول نہیں کرتے ہیں، کیوں کہ کسی کی موت کسی اور کی موت سے زائد اور کم نہیں ہوتی ہے۔

(۴) یہ کہ وہ مبنی للفاعل ہو، مبنی للمفعول نہ ہو، لہٰذا یہ دونوں ضُرِبَ، قُتِلَ جیسے فعل سے نہیں بنائے جاتے۔ (۵) یہ کہ اس فعل کا اسم فاعل اَفْعَلُ کے وزن پر نہ آئے، لہٰذا عَمِیَ، عَرِجَ اور افعال عیوب ظاہرہ میں سے جو ان دونوں کے مماثل ہیں اور سَوِدَ، حَمِرَ، اور افعال الوان میں سے جو ان کے مماثل ہیں، اور لَمِیَ اور دَعِجَ اور افعال حُلیٰ میں سے جو ان دونوں کے مماثل ہیں جن کا وصف اَفْعَلُ کے وزن پر آتا ہے ان سے افعال تعجب نہیں بنائے جاتے، جیسے اَعْمٰى، اَعْرَجُ، اَسْوَدُ، اَحْمَرُ، اَلْمٰى، اَدْعَجُ ان سے افعال تعجب اور اسم تفضیل نہیں بنائے جاتے۔

افعل التفضیل اور فعل تعجب میں مناسبت:

فعل تعجب کے دونوں صیغے اسی فعل سے بنائے جاتے ہیں جس سے افعل التفضیل بنایا جاتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ فعل تعجب اور افعل التفضیل کو باہمی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت ہے، اس لیے کہ ہر ایک مبالغہ کے لیے ہوتا ہے۔

بابُ الوَقْف ــــ وقف کا بیان

بَابٌ، اَلْوَقْفُ فِی الْاَفْصَحِ عَلٰی نَحْوِ "رَحْمَةٌ" بِالْهَاءِ، وَعَلٰی نَحْوِ "مُسْلِمَاتٍ" بِالتَّاءِ.

ترجمہ:- یہ باب ہے، رحمة جیسے کلمہ میں ہا سے بدل کر اور کلمہ مسلمات میں بقائے تاء کے ساتھ وقف کرنا زیادہ فصیح ہے۔

تشریح:- بابٌ، الوقف الخ معرفۃ الوقف کا حاصل کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح تجوید الحروف کا حاصل کرنا ضروری ہے، اور اس کے حاصل ہوئے بغیر ترتیل نامکمل رہتی ہے، کیوں کہ اگر قاری حروف کو تو تجوید کے ساتھ ادا کرے، لیکن وقف بے محل اور بے قاعدہ کرے تو اس سے کلام اللہ کا حسن اور اس کا ربط فوت ہو کر بے لطفی اور بے مزگی پیدا ہو جاتی ہے، جس کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں جو قرآن کے معانی سے واقف ہیں، اب احکام وقف کے سلسلہ میں دو چیزوں کا جاننا از حد ضروری ہے۔ (۱) کیفیت وقف (۲) محل وقف، فاضل مصنفؒ نے کلی طور پر تو نہیں لیکن مختصرا کیفیت وقف سے متعلق گفتگو فرمائی ہے، کیفیت وقف کا مطلب ہے کہ قاری اس بات کو جانے کہ کون سے کلمہ پر وقف کس طرح کرنا چاہیے۔

وقف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

لغت میں وقف کے معنی "کف" یعنی روکنے کے ہیں۔

اصطلاح میں واقف کی تعریف یہ ہے "قَطْعُ الصَّوْتِ مَعَ النَّفْسِ وَاِسْكَانُ الْمُتَحَرِّكِ اِنْ كَانَ مُتَحَرِّكًا" (یعنی سانس اور آواز دونوں کا منقطع کر دینا، اور حرف موقوف علیہ اگر پہلے سے ساکن نہ ہو تو اس کو ساکن کر دینا۔)

لفظ رحمة اور مسلمات میں وقف:

جب ایسے کلمہ پر وقف کیا جائے جس کے آخر میں تاء تانیث ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) موقوف علیہ پہلے ہی سے ساکن ہو جیسے "کَانَتْ" اور "هَلَكَتْ" کہ ان دونوں مثالوں میں تاء تانیث ساکنہ ہے، تو حرف موقوف علیہ میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی بلکہ جس طرح وصل میں پڑھا جاتا ہے وقف میں بھی اسی طرح پڑھا جائے گا، اس کو وقف بالسکون کہتے ہیں، اس میں صرف سانس اور آواز منقطع کی جائے گی۔

(۲) موقوف علیہ متحرک ہو، یعنی تاء تانیث پہلے ہی سے متحرک ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ یا تو وہ کلمہ الف اور تاء کے ساتھ جمع کا صیغہ ہوگا ۲۔ یا صیغہ جمع نہ ہوگا۔

اگر دوسری صورت ہے یعنی وہ کلمہ الف اور تاء کے ساتھ صیغہ جمع نہیں ہے تو تائے متحرکہ کو ہاء ساکنہ سے بدل کر پڑھنا زیادہ فصیح ہوگا۔ جیسے "هٰذِهٖ رَحمَةٌ" میں "هٰذِهٖ رَحْمَهْ" اور هٰذِهٖ شَجَرَةٌ میں "هٰذِهٖ شَجَرَهْ" اس کو وقف بالابدال کہتے ہیں۔ اور بعض حضرات اس صورت میں بھی تاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ بعض قراء سبعہ نے باری تعالیٰ کا قول "اِنَّ رَحمَتَ اللّٰهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحسِنِينَ" (بے شک اللہ کی رحمت قریب ہے نیک کام کرنے والوں سے، پ۸، اعراف آیت ۵۶) اور "وَاِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ (بے شک زقوم کا درخت کھانا ہوگا گنہگار کا۔ پ۲۵، دخان آیت ۴۳) میں تاء کے ساتھ وقف کیا، نیز بعض لوگوں سے "يَا اَهْلَ سُورَةِ الْبَقَرَتْ" کہتے سنا گیا ہے، چنانچہ جن لوگوں نے سنا انھوں نے قسم کھاتے ہوئے کہا "وَاللّٰهِ مَا اَحْفَظُ مِنْهَا آيَتْ" اسی طرح شاعر کے قول سے استدلال کیا ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْجَاكَ بِكَفَّيْ مَسْلَمَتْ	مِنْ بَعْدِ مَا وَبَعْدِ مَا وَبَعْدِ مَتْ
كَانَتْ نُفُوسُ الْقَوْمِ عِنْدَ الْغَلْصَمَتْ	وَكَادَتِ الْحُرَّةُ اَنْ تُدْعٰى اَمَتْ

(اللہ رب العزت نے تجھے مسلمت کے دونوں ہاتھوں سے نجات دی جب کہ قوم کی روحیں حلق تک پہنچ چکی تھیں اور قریب تھا کہ آزاد عورت باندی کہہ کر پکاری جاتی) یہ فضل بن قدامہ ابو نجم عجلی کا کلام ہے، اس شعر میں محل استشہاد "مَسْلَمَتْ" "مَتْ" "الْغَلْصَمَتْ" اور "اَمَتْ" ہے، مَسْلَمَتْ کی اصل مَسْلَمَةٌ بفتح المیم ہے وقف کی صورت میں ہاء تانیث تاء سے بدل کر تاء بالسکون پڑھی گئی ہے، یہی حال غَلْصَمَتْ اور اَمَتْ کا ہے، اور شاعر کا قول "مَتْ" تو اس کی اصل مَا تھی، الف کو ہاء سے بدلا گیا پھر وہ ہاء تائے ساکنہ سے بدل دی گئی، ہاء تانیث کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے۔

(۲) اور اگر الف اور تاء کے ساتھ جمع کا صیغہ ہو تو تاء ساکنہ کے ساتھ وقف کرنا زیادہ فصیح ہے، اور بعض حضرات ہاء ساکنہ سے بدل کر وقف کرتے ہیں، جیسا کہ بعض اہل عرب سے "كَيْفَ الْاِخْوَةُ وَالْاَخْوَاهْ" کہتے سنا گیا ہے، نیز اہل عرب نے "دَفْنُ الْبَنَاةِ مِنَ الْمَكْرُمَاهْ" میں بصورت وقف ہاء ساکنہ

سے بدل کر پڑھا ہے۔ (ترجمہ: لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ان کے لیے قابل قدر کارناموں میں سے تھا۔)

نوٹ:- کلمہ "رحمة" میں تاء کے ساتھ، اور کلمہ مسلمات میں تاء کے ساتھ وقف کرنے پر میں نے اپنی آئندہ عبارت "وَقَدْ يُعْكَسُ فِيهِنَّ" میں وضاحت کی ہے فانتظروا انّی معکم من المنتظرین۔

الوقف على المنقوص ـــــ اسم منقوص میں وقف کا بیان

وَعَلٰى نَحْوِ "قَاضٍ" رَفْعًا وَجَرًّا بِالْحَذْفِ، وَنَحْوِ "الْقَاضِي" فِيهِمَا بِالْإِثْبَاتِ.

ترجمه:- اور قاضٍ جیسے کلمہ میں حالت رفع اور جر میں حذف کے ساتھ اور لفظ القاضی میں دونوں حالتوں میں اثبات کے ساتھ وقف ہوگا۔

تشریح:- وعلى نحو "قاضٍ" یہاں سے فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ لفظ "قاضٍ" اور القاضی میں وقف کی کیا صورت ہوگی، آیا حذف کے ساتھ یا اثبات کے ساتھ تو صورت وقف معلوم کرنے سے پہلے اسم منقوص کی تعریف دیکھئے۔

اسم منقوص کی تعریف:

اسم منقوص وہ اسم ہے جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو جیسے قاضیٌ اسم منقوص حالت رفعی اور جری میں اعراب تقدیری بوجہ استثقال کے ہوتا ہے، ان دو حالتوں میں چونکہ یاء پر ضمہ اور کسرہ کے تلفظ کو اہل عرب زبان پر ثقیل سمجھتے ہیں، اس وجہ سے ان دو حالتوں میں اس کا اعراب تقدیری ہوگا۔ بخلاف حالت نصب کے، کہ اس کا اعراب فتحہ لفظی کے ساتھ ہوتا ہے، چونکہ فتح اخف الحرکات ہے لہٰذا یاء پر ثقیل نہیں۔

اسم منقوص پر وقف کرنا:

جب آپ اسم منقوص پر وقف کرنا چاہیں تو اولاً اس کی دو صورتیں ہوں گی (۱) یا تو وہ منون ہوگا (۲) یا نہیں ہوگا۔ اگر وہ منون ہے تو حالت رفع اور جر میں یاء کے حذف کے ساتھ وقف کرنا زیادہ فصیح ہے، جیسے هذا قاضٍ یہ حالت رفعی کی مثال ہے۔ اور مَرَرْتُ بِقَاضٍ یہ جری کی مثال ہے اور یاء کے ساتھ بھی وقف کرنا جائز ہے، اسی وجہ سے امام ابن کثیرؒ نے باری تعالیٰ کے قول "وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" (اور ہر قوم کے لیے ہوا ہے راہ بتلانے والا۔ پ۱۳، رعد، آیت ۷) اور وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ (اور کوئی نہیں اُن کا اُس کے سوا مددگار۔ پ۱۳، رعد، آیت ۱۱) اور وَمَا لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَاقٍ (اور کوئی نہیں

اُن کو اللہ سے بچانے والا۔ پ ۱۳ الرعد آیت ۳۴) میں وقف کی صورت میں ھادٍ کو ھَادِیْ، وَالٍ کو وَالِیْ، اور وَاقٍ کو وَاقِیْ یاء کے ساتھ وقف کیا ہے۔ اور اگر غیر منون ہو تو حالت رفع وجر میں یاء کے اثبات کے ساتھ وقف کرنا زیادہ فصیح ہے۔ جیسے ھذا القاضی، حالت رفع کی مثال ہے، اور مَرَرْتُ بالقاضی، حالت جر کی مثال ہے۔ اور یاء کے حذف کے ساتھ بھی وقف کرنا جائز ہے، اسی وجہ سے جمہور قراء باری تعالیٰ کے قول "وَهُوَ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالُ" (وہ سب سے بڑا برتر ہے، سورہ رعد آیت ۹) میں الْمُتَعَالُ، اور لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ (تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔ پ ۲۴، مومن آیت ۱۵) میں التَّلَاقِ یاء کے حذف کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن امام ابن کثیر نے فصیح قول پر عمل کرتے ہوئے اثبات یاء کے ساتھ وقف کیا ہے۔

وَقَدْ يُعْكَسُ فِيْهِنَّ.

ترجمہ:- اور کبھی کبھی مذکورہ بالا تمام صورتوں میں وقف برعکس طریقے پر کیا جاتا ہے۔

تشریح:- اس عبارت میں فِيْهِنَّ کی ھُنَّ ضمیر مؤنث غائب "رحمۃ" کی تاء کو ہاء سے بدل کر پڑھنے اور "مسلمات" کی تاء کو باقی رکھتے ہوئے، اور "قاضٍ" کی یاء کو حذف کرکے اور "القاضی" کی یاء کو باقی رکھتے ہوئے پڑھنے کی طرف راجع ہے، یعنی کبھی کبھی "رحمۃ" کی تاء تانیث کو باقی رکھتے ہوئے، اور "مسلمات" کی تاء کو ہاء سے بدل کر، اور "قاضٍ" کو یاء کے ساتھ اور "القاضی" کی یاء کو حذف کرکے وقف کیا جاتا ہے، اور یہ صورتیں مذکورہ بالا تمام صورتوں کے برعکس ہیں۔

وَلَيْسَ فِيْ نَصْبِ قَاضٍ، وَالْقَاضِيْ اِلَّا الْيَاءُ.

ترجمہ:- قاضٍ اور القاضی میں نصب کی صورت میں یاء پر وقف کرنا درست نہیں ہے۔

تشریح:- صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ جب اسم منقوص منصوب ہو تو وقف کی صورت میں اس کی یاء کو باقی رکھنا واجب ہوگا۔ اب اسم منقوص کے پڑھنے کی دو صورتیں ہیں، اگر اسم منقوص منصوب منون ہے تو وقف کی صورت میں اس کی تنوین کو الف سے بدل کر پڑھا جائے گا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا" (اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو۔ پ ۴، آل عمران آیت ۱۹۳) میں مُنَادِيًا کی تنوین کو الف سے بدل کر مُنَادِيَا پڑھا جائے گا، کیوں کہ وقف کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کلمہ کے آخری حرف پر نصب کا تنوین ہو جیسے مَشْكُوْرًا، مَحْظُوْرًا وغیرہ تو اس تنوین کو الف سے بدل کر اس طرح پڑھتے ہیں، مَشْكُوْرَا، مَحْظُوْرَا۔ اور اگر اسم منقوص غیر منون ہے تو یاء پر سکون کے ساتھ وقف کیا جائے گا، جیسے باری تعالیٰ کا قول "كَلَّا اِذَا

بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ" (ہرگز نہیں جس وقت جان پہنچے ہنسلی تک۔ پ۲۹، قیامہ آیت۲۶) میں لفظ اَلتَّرَاقِیَ کو وقف کی صورت میں اَلتَّرَاقِیْ یا ساکنہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، جیسے کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیْ۔

باب الوقف علٰی اذنْ ــــــ اِذَنْ پر وقف کرنے کا بیان

وَيُوْقَفُ عَلٰى "اِذًا" ونحو "لَنَسْفَعًا" وَ "رَأَيْتُ زَيْدًا" بِالْأَلِفِ۔

ترجمہ:- اِذًا، اور لَنَسْفَعًا، اور رَأَيْتُ زَيْدًا جیسے کلمات میں الف کے ساتھ وقف کیا جائے گا۔

تشریح:- وقف کی حالت میں نون ساکنہ کو الف سے بدل کر پڑھنا تین مسائل میں واجب ہے۔ پہلا مسئلہ:- "اِذًا" صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ "اِذًا" پر وقف کی صورت میں نون ساکن کو الف سے بدل کر "اِذَا" پڑھا جائے گا، جسے وقف بالابدال کہتے ہیں، حالاں کہ اصل کی رو سے ان میں نون خفیفہ ہے، مگر چوں کہ اس میں نون خفیفہ دو زبر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے نون پر نہیں کیا جاتا، اور یہی صحیح ہے، لیکن ابن عصفورؒ نے شرح الجمل میں یہ تحریر فرمایا کہ نون کے ساتھ ہی وقف کیا جائے گا، اور انھوں نے دلیل یہ پیش کی کہ وقف کی صورت میں بھی نون کے ساتھ لکھا جاتا ہے، مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں جیسا کہ ابن عصفور نے سمجھا بلکہ اس میں نون خفیفہ دو زبر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جائے گا، اور قراء حضرات نے باری تعالیٰ کا قول "وَلَنْ تُفْلِحُوْآ اِذًا اَبَدًا" (اور تب بھلا نہ ہوگا تمہارا کبھی۔ پ۱۵، کہف، آیت۲۰) میں بصورت وقف الف کے ساتھ پڑھنے میں کوئی اختلاف نہیں کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ:- وہ نون تاکید خفیفہ جو فتحہ کے بعد آئے، جیسے باری تعالیٰ کا قول "لَنَسْفَعًا" (ہم گھسیٹیں گے۔ پ۳۰، علق آیت۱۵) اور "وَلَيَكُوْنًا" (اور ہوگا۔ پ۱۲، یوسف آیت۳۲) ان دونوں میں تمام قراء کا بحالت وقف الف کے ساتھ پڑھنے پر اجماع ہے، حالاں کہ اصل کی رو سے ان میں نون خفیفہ ہے، مگر چوں کہ ان دونوں میں نون خفیفہ دو زبر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اصل کا اعتبار کرتے ہوئے نون پر نہیں کیا جاتا۔ صاحب کتاب نے شاعر کے کلام سے بھی استشہاد پیش کیا ہے ؎

وَاِيَّاكَ وَالْمَيْتَاتِ لَا تَقْرَبَنَّهَا وَلَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ، وَاللّٰهَ فَاعْبُدَا

(مردار سے بچو، ہرگز اس کے قریب نہ جاؤ، اور شیطان کی پرستش مت کرو، بلکہ اللہ کی عبادت

ضرور کرو۔) اس شعر میں محل استشہاد "فَاعْبُدَا" ہے جو اصل میں "اُعْبُدَنْ" ہے، اس لفظ میں فاء زائدہ ہے۔ اُعْبُدَا فعل امر مبنی علی الفتح ہے، وقف کی وجہ سے اس میں نون تاکید خفیفہ سے الف بدل ہو کر الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے۔ اور اس کا فاعل اس میں اَنْتَ ضمیر ہے جو وجوباً مستتر ہے، اور وقف کی وجہ سے الف کے لیے کوئی محل اعراب نہیں ہے۔

شعر کا پس منظر:- یہ اعشیٰ میمون بن قیس کا کلام ہے جس کو تاجدار مدینہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کے لیے تیار کیا تھا وہ آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے آیا بھی تھا لیکن سوئے قسمت قریش نے اموال کثیرہ کے ذریعہ دھوکہ دے کر آپ سے دور کر دیا اور آپ کی خدمت میں شعر پیش نہ کر سکا۔

تیسرا مسئلہ:- اگر اسم منصوب منون ہو تو بحالت وقف اس تنوین کو الف سے بدل کر پڑھا جائے گا، کیوں کہ فن تجوید میں وقف کا یہ قاعدہ ہے کہ کسی کلمہ کے آخری حرف پر دو زبر کا تنوین ہو تو اس تنوین کو الف سے بدل کر پڑھتے ہیں جیسے "رَأَيْتُ زَيْدًا" کو رَأَيْتُ زَيْدَا پڑھا جاتا ہے۔

نیز جمہور اہل عرب نے بھی اسی طرح الف سے بدل کر وقف کیا ہے، مگر قبیلہ ربیعہ والے "رَأَيْتُ زَيْدًا" جیسی مثال میں الف کو حذف کر کے "رَأَيْتُ زَيْدْ" پڑھتے ہیں، نیز قبیلہ ربیعہ کے شعراء نے بھی حذف کی شکل میں پڑھنے کو ترجیح دیا ہے جیسے۔

اَلَا حَبَّذَا غُنْمٌ وَحُسْنُ حَدِيثِهَا لَقَدْ تَرَكَتْ قَلْبِيْ بِهَا هَائِمًا دَنِفْ

(سنو! محبوبہ اور اس کے باتوں کی اچھائی کیا ہی عمدہ ہے، تحقیق کہ اس نے میرے دل کو کمزور اور لاغر کر کے چھوڑ دیا ہے) اس شعر میں محل استشہاد "دَنِفْ" ہے، اس لیے کہ یہ کلمہ حال یا اسم منصوب کی نعت ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، لیکن شاعر نے اس پر وقف بالسکون کیا، اور آخر سے الف کو حذف کر دیا ہے۔

لفظ "حَبَّذَا" کی تحقیق:

یہ مدح کے لیے آتا ہے، یہ اصل میں "حَبَّ" فعل ماضی، اور "ذَا" اسم اشارہ سے مرکب ہے، ترکیب کے بعد نحویوں کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اب یہ دو کلمے ہیں یا ایک کلمہ تو بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ دو کلمے ہیں، اور بعض نے فرمایا کہ ایک کلمہ ہے، جن لوگوں نے کہا یہ کلمہ واحدہ ہے ان میں بھی اختلاف ہو گیا کہ یہ فعل ہے، یا اسم؟ تو بعض نے کہا کہ یہ فعل ہے جو تغلیباً صدر کلام کو چاہتا ہے، اور اس کے بعد آنے والا اسم مرفوع اس کا فاعل ہوتا ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ یہ اسم ہے تو ان کے نزدیک یہ مبتدا، اور اس کے بعد آنے والا اسم مرفوع اس کی خبر ہوگا۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ یہ دو کلمے ہیں تو ان کے نزدیک حَبَّ فعل، ذَا ممیز، یا ذوالحال ہوگا، اور اس کے بعد تمیز یا حال سے مل کر حَبَّ کا فاعل،

اس کے بعد مخصوص بالمدح حال وتمیز کے مطابق ہوگا، واحد، تثنیہ، جمع مذکر اور مؤنث ہونے میں۔

كَمَا يَكْتُبْنَ.

ترجمہ:- جس طرح وہ سب لکھے جاتے ہیں۔

تشریح:- جب مصنف نے کلمات ثلاثہ (إِذًا، لَنَسْفَعًا، اور رَأَيْتُ زَيْدًا) پر وقف کرنے کو ذکر کیا تو سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کیفیت رسم الخط کو بھی ذکر کیا، چنانچہ مصنف نے یہ تحریر فرمایا کہ سابقہ تینوں مسائل میں نون کو بحالت وقف الف سے بدل کر پڑھا جائے گا، چوں کہ ان تینوں کلمات میں نون خفیفہ وزبر کی تنوین یعنی الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے، اس لیے وقف بھی الف ہی کے ساتھ کیا جائے گا۔

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ تنوین منصوبی جب لفظاً نون ساکن ہے تو کتابةً بھی نون ساکنہ ہی ہونا چاہیے۔ مکتوب بالالف کیوں ہے؟

چوں کہ تنوین گو لفظاً نون ساکن ہے مگر یہ نون کلمہ کی اصل وبناء کا نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایک معنی کی وجہ سے زائد کیا گیا ہے۔ اب اگر اس کو نون اصلی کی صورت میں لکھا جاتا ہے تو دونوں کے مابین فرق نہ رہتا۔ مثلاً "وَأَبًا شَيْخًا كَبِيرًا" میں "أَبًا" ہے، اگر اس کو نون اصلی کی طرح "وَأَبَنْ" لکھا جائے تو "أَبَانَ يُبِينُ" یا "بَنَى يَبْنِي" سے صیغہ امر "إِبْنِ" میں کیا فرق رہتا، غرض یہ کہ نون اصلی اور نون تنوین کے مابین فرق کی غرض تنوین منصوبی کو بجائے نون کے بشکل الف لکھا۔ (رسم المصحف ص ۲۶۵)

طالب علمانہ اشکال اور اس کا جواب:

حضرت الاستاذ! مذکورہ جواب پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ جب تنوین منصوبی مرسوم بالالف ہوتی ہے، تو رفع وجر کی تنوین کو بصورت واؤ، و یاء لکھنا چاہیے؟؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رفع وجر کی تنوین وصلاً تو نون ساکن مقروء ہوتی ہے، مگر وقف میں حذف ہوجاتی ہے جب کہ نصب کی تنوین بحالت وقف الف سے بدل جاتی ہے، اور مقروء بالالف ہوتی ہے تو رعایت وقف میں اس کو بصورت الف لکھا اور ان دونوں کو حذف کردیا۔

حضرات کوفیین فرماتے ہیں کہ نون تاکید بصورت وقف نون کی شکل میں لکھا جائے گا، کیوں کہ تنوین منصوبی جب لفظاً نون ساکن ہے تو کتابةً بھی نون ساکن ہی ہونا چاہیے۔

اور امام فراء فرماتے ہیں کہ "إِذًا" جب ناصبہ ہو تو الف کی شکل میں لکھا جائے گا، ورنہ نون کی شکل میں مرسوم ہوگا تاکہ إذا شرطیہ وفجائیہ اور "إذًا" کے درمیان فرق ہوجائے۔

نوٹ:- "اِذًا" کی کتابت میں تینوں مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے مذہب کے اعتبار سے الف کے ساتھ مطلقاً لکھا جائے گا۔ اور دوسرے مذہب کے اعتبار سے نون مطلقاً لکھا جائے گا، اور تیسرے مذہب کے اعتبار سے قدرے تفصیل ہے جو اوپر گذری۔

بابُ الألِف بعد واو الجماعةِ

واؤ کے بعد لکھے جانے والے الف کی صورتیں

وَتُكْتَبُ الْاَلِفُ بَعْدَ وَاوِ الْجَمَاعَةِ كَـ "قَالُوْا" دُوْنَ الْاَصْلِيَّةِ كَـ "زَيْدٌ يَدْعُوْ" وَتُرْسَمُ الْاَلِفُ يَاءً اِنْ تَجَاوَزَتِ الثَّلَاثَةَ، كَاسْتَدْعٰى وَالْمُصْطَفٰى، اَوْ كَانَ اَصْلُهَا الْيَاءَ كَرَمٰى وَالْفَتٰى، وَاَلِفًا فِيْ غَيْرِهٖ كَقَفَا وَالْعَصَا، وَيَنْكَشِفُ اَمْرُ اَلِفِ الْفِعْلِ بِالتَّاءِ كَرَمَيْتُ وَعَفَوْتُ، وَالْاِسْمِ بِالتَّثْنِيَةِ كَعَصَوَيْنِ، وَفَتَيَيْنِ۔

ترجمہ:- اور واؤ جماعت کے بعد جو الف لکھا جاتا ہے جیسے "قَالُوْا" وہ اصلی نہیں ہوتا ہے جیسے "زَيْدٌ يَدْعُوْ" اور الف کو یاء کی شکل میں مرسوم کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ کلمہ تین حروف سے متجاوز ہوں جیسے اِسْتَدْعٰى اور الْمُصْطَفٰى یا اس (الف) کی اصل یاء ہو جیسے رَمٰى اور الْفَتٰى، اور الف کی شکل میں لکھا جائے گا اس کے علاوہ میں جیسے قَفَا، اور الْعَصَا، اور فعل کے الف کا معاملہ تاء سے ظاہر ہوگا جیسے رَمَيْتُ اور عَفَوْتُ اور اسم کے الف کا معاملہ صیغہ تثنیہ سے ظاہر ہوگا جیسے عَصَوَيْنِ، اور فَتَيَيْنِ۔

تشریح:- وتكتب الالف بعد واو الجماعة فاضل مصنفؒ نے فرمایا کہ مسائل کتابت کے اہم مسئلہ کو ذکر کرنے سے جب فارغ ہوا تو سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے میں نے مسائل کتابت ہی کے دو اہم مسائل کو ذکر کرنے کا عزم مصمم کیا جو آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: علماء نحو نے آپ کے قول "زيدٌ يدعو" اور آپ ہی کے قول "اَلْقَوْمُ لَمْ يَدْعُوْا" کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے واؤ جماعت کے بعد الف کا اضافہ فرمایا اور واؤ اصلیہ کو الف سے خالی رکھا، دراصل واؤ اصلیہ اور واؤ جماعت کے درمیان فرق کرنا مقصود ہے، ماتنؒ نے وتكتب الالف بعد واو الجماعة الخ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

واؤ جماعت کے بعد الف کیوں؟

فعل ماضی، مضارع، اور امر ونہی کے صیغے جمع میں جب کلمہ کے اخیر میں واؤ ہو تو جمع کی علامت کے طور پر اس واؤ کے بعد اخیر میں ایک الف لکھا جاتا ہے، مصنف اس الف زائد کے لکھنے کی وجہ بیان

فرماتے ہیں کہ یہ الف اس بات کی علامت ہوتا ہے کہ ماقبل کا واؤ متطرفہ جمع کا واؤ ہے جیسے "قالوا" جس کا حاصل یہ نکلا کہ مفرد کے صیغوں میں یہ الف مرسوم نہ ہوگا جیسے زیدٌ یدعو کیوں کہ جب مدلول مدلول نہیں تو دال و دلالت کی کیا ضرورت؟

کلام کا حاصل یہ نکلا کہ اول تو صیغہ جمع ہونا چاہیے، پھر واؤ کلمہ کے اخیر میں ہونا چاہیے، چنانچہ "قتلتُموھم" اور "یَعلَمُوْنَ" کے واؤ کے آخر کلمہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے بعد الف نہیں لکھا گیا۔

دوسرا مسئلہ: وترسم الالف یاء الخ الف متطرفہ (یعنی کلمہ کے آخری الف) کے لکھے جانے کی دو شکلیں ہیں (۱) بعض الف متطرفہ بشکل الف مرسوم ہوتا ہے (۲) اور بعض الف متطرفہ بشکل یاء مرسوم ہوتا ہے۔

اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ الف متطرفہ جو ایسے کلمہ میں ہو جو تین حروف سے متجاوز ہے، یا یاء سے منقلب ہے تو اس وقت بشکل یاء مرسوم ہوگا، پہلی نوع کی مثال جیسے "اِسْتَدْعٰی" یہ ثلاثی مزید فیہ سے باب استفعال کا فعل ماضی ہے، لہٰذا قاعدہ کے مطابق الف بشکل یاء مرسوم ہوا، اسی طرح "المصطفٰی" یہ ثلاثی مزید فیہ سے باب افتعال کا اسم مفعول ہے، لہٰذا ضابطہ کے مطابق اس میں بھی الف بشکل یاء مرسوم ہے، دوسری نوع کی مثال جیسے رَمٰی اور ھَدٰی، یہ دونوں ثلاثی مجرد سے فعل ماضی کا صیغہ ہے، اور اَلْفَتٰی، اور اَلْھُدٰی یہ دونوں ثلاثی مجرد سے صیغہ اسم ہے ان چاروں مثالوں میں یاء کو الف سے بدلا گیا ہے، اسی وجہ سے کتابت میں بھی یاء مکتوب ہے، اور اگر کلمہ تین حرفی ہو تو ہر وہ الف جو واؤ سے بدلا ہوا ہے وہ کتابت میں بشکل الف مکتوب ہوگا جیسے دَعَا، عَفَا، یہ دونوں فعل کی مثالیں ہیں اور اَلْعَصَا اور اَلْقَفَا یہ دونوں اسم کی مثالیں ہیں۔ ان چاروں مثالوں میں الف واؤ سے بدل کر آیا ہے، اور بشکل الف ہی مرسوم ہوا ہے۔

فعل کے الف کی علامت:

وینکشف امرُ الف الفعل بِالتّاء الخ فاضل مصنف نے فرمایا کہ جب میں اشکال الف متطرفہ کی بحث کے اتمام سے فارغ ہوا تو متصلاً ایک ایسے قانون جزئی کے تحریر کرنے کو مستعد ہوا، جس کے ذریعہ واؤ والا یا یاء والے الف سے ممتاز ہو جائے، یعنی یہ منکشف ہو جائے کہ کسی فعل کا واؤ الف سے بدلا ہوا ہے اور کسی کی یاء، الف سے۔ تو اس کا سمجھنا ایک ضابطہ پر منحصر ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب فعل کا معاملہ مشتبہ ہو جائے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس کا الف کس سے بدل ہو کر آیا ہے واؤ سے یا یاء سے؟ تو اس وقت فعل کو تاء متکلم یا تاء مخاطب کے ساتھ الحاق کیا جائے گا، اور جو کچھ ظاہر ہو وہی اس کی اصل ہوگا، جیسے

رَمٰی اور هَدٰی، کہ جب آپ نے اس کے ساتھ تاء مخاطب یا تاء متکلم کولاحق کیا تو وہ الف رَمَیْتُ اور هَدَیْتُ میں بشکل یاء نظر آیا۔ جو اس کے اصل ہونے کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ رَمٰی اور هَدٰی فعل میں یاء کو الف سے بدلا گیا ہے۔

اور "دَعَا" اور "عَفَا" جیسے افعال میں تاء مخاطب یا تاء متکلم کو لاحق فرمایا تو وہ الف دَعَوْتُ اور عَفَوْتُ میں بشکل واؤ نظر آیا جو اس کے اصل ہونے کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دَعَا اور عَفَا میں واؤ کو الف سے بدلا گیا ہے۔

اسم کے الف کی علامت:

والاسم بالتّثنية كعصوين وفَتَيَيْنِ اور جب اسم کا معاملہ مشتبہ ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس کا الف کس سے بدل ہو کر آیا ہے، واؤ سے یا یاء سے؟ تو اس وقت اس کے تثنیہ پر غور کیا جائے اور تثنیہ کی حالت میں جو ظاہر ہو وہی اس کی اصل ہوگا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ "اَلْفَتٰی اور اَلْهُدٰی" کا تثنیہ "اَلْفَتَيَانِ، اور اَلْهُدَيَانِ، بشکل یاء نظر آیا جو اس کے اصل ہونے کی دلیل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اَلْفَتٰی اور اَلْهُدٰی دونوں اسم میں یاء کو الف سے بدلا گیا ہے اور "اَلْعَصَا" اور "اَلْقَفَا" کا تثنیہ "اَلْعَصَوَانِ، اور اَلْقَفَوَانِ" میں بشکل واؤ نظر آیا جو اس اصل ہونے کی دلیل ہے جس سے معاملہ واضح ہو گیا کہ اَلْفَتٰی اور اَلْهُدٰی دونوں اسم میں واؤ کو الف سے بدلا گیا ہے۔

اور اس سلسلے میں امام شاطبیؒ کا قول کتنا ہی اچھا ہے۔

وَتَثْنِيَةُ الْاَسْمَاءِ تَكْشِفُهَا، وَاِنْ رَدَدْتَ اِلَيْكَ الْفِعْلَ صَادَفْتَ مَنْهَلَا

(اور اسماء کا تثنیہ اسے منکشف کر دے گا اور اگر تو نے اپنی طرف فعل کو لوٹا لیے تو تو نے اپنی منزل کو پا لیا)

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ اسم کو تثنیہ لانے کی صورت میں اور فعل کے ساتھ تاء متکلم یا تاء مخاطب کو لاحق کرنے کی صورت میں فعل، اور اسم کے الف کی اصلیت منکشف ہو جائے گی۔

اور امام جریریؒ نے بھی اسی طرح کا شعر کہا ہے۔

اِذَا الْفِعْلُ يَوْمًا غُمَّ عَنْكَ هِجَاؤُهُ فَأَلْحِقْ بِهٖ تَاءَ الْخِطَابِ وَلَا تَقِفْ

فَاِنْ تَرَهُ بِالْيَاءِ يَوْمًا كَتَبْتَهُ بِيَاءٍ، وَاِلَّا فَهُوَ يُكْتَبُ بِالْاَلِفِ

(جب فعل کا حرف کسی دن تجھ سے مشتبہ ہو جائے تو اس کے ساتھ تاء خطاب لاحق کر دے۔ اور اسی پر بس مت کریں اگر تو کسی دن یاء کے ساتھ اس کو دیکھ لے تو یاء کے ساتھ اس کو لکھ لے، ورنہ وہ الف کے ساتھ لکھا جائے گا۔)

بَابُ هَمْزَةِ الْوَصْلِ ــــــ یہ باب ہمزہ وصل کے بیان میں

فَصْلٌ، هَمْزَةُ اِسْمٍ بِكَسْرٍ وَضَمٍّ وَأُسْتٍ، وَابْنٍ، وَابْنُمٍ، وَابْنَةٍ، وَامْرِئٍ وَامْرَأَةٍ، وَتَثْنِيَتِهِنَّ، وَاثْنَيْنِ، وَاثْنَتَيْنِ، وَالْغُلَامِ؟ وَأَيْمُنِ اللّٰهِ فِي الْقَسَمِ، بِفَتْحِهِمَا أَوْ بِكَسْرٍ فِي أَيْمُنْ هَمْزَةُ وَصْلٍ، أَيْ تَثْبُتُ اِبْتِدَاءً وَتُحْذَفُ وَصْلًا، وَكَذَا هَمْزَةُ الْمَاضِي الْمُتَجَاوِزِ أَرْبَعَةَ أَحْرُفٍ كَاسْتَخْرَجَ وَأَمْرِهِ، وَمَصْدَرِهِ وَأَمْرِ الثُّلَاثِيِّ كَاقْتُلْ، وَاغْزُ، وَاغْزِي، بِضَمِّهِنَّ، وَاضْرِبْ، وَامْشُوا، وَاذْهَبْ، بِكَسْرٍ كَالْبَوَاقِي۔

ترجمہ:۔ یہ فصل ہمزہ کے بیان میں، اِسْمٌ، اُسْتٌ، اِبْنٌ، اِبْنُمٌ، اِبْنَةٌ، اِمْرِئٌ، اِمْرَأَةٌ اور ان مذکورہ تمام کلمات کے تثنیے، اور اثنین، اثنتین کے ہمزات جو کسرہ اور ضمہ کے ساتھ ہیں اور اَلْغُلَامُ، اور اَيْمُنُ اللّٰهِ فی القسم کے ہمزات جو فتحہ کے ساتھ یا اِيْمُنُ کا ہمزہ جو کسرہ کے ساتھ ہے وہ سب ہمزات وصلیہ ہوں گے، اور ہمزہ وصلیہ وہ ہے جو ابتداءً ثابت رہتا ہے، اور وصل کی صورت میں حذف کر دیا جاتا ہے، اور اسی طرح فعل ماضی جو چار حروف سے متجاوز ہے جیسے اِسْتَخْرَجَ، اور اس کا امر، اور مصدر کے ہمزات جو کسرہ کے ساتھ ہیں وہ سب ہمزات وصلیہ ہوں گے، اور فعل ثلاثی کا امر جیسے اُقْتُلْ، اُغْزُ، اُغْزِي، ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ، اور اِضْرِبْ، اِمْشُوا، اِذْهَبْ کے ہمزات کسرہ کے ساتھ، باقی افعال کی طرح ہمزہ وصل ہیں۔

تشریح:۔ جب فاضل مصنف نون تاکید مرسوم بالالف ہونے، واو جمع کے بعد الف ہونے، اور واو اصلی کے بعد الف مرسوم نہ ہونے کی تفاصیل سے فارغ ہوئے تو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے یہاں سے ہمزہ وصلیہ وقطعیہ کی حرکات مختلفہ کے ابحاث کو بیان کرنا شروع کیا، لیکن ان مسائل کا سمجھنا ایک مقدمہ کے سمجھنے پر موقوف ہے، لہٰذا بطور تمہید کے ایک مقدمہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہمزہ کی قسمیں:

ہمزہ کی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) اصلیہ (۲) زائدہ۔

ہمزہ اصلیہ کی تعریف: وہ ہمزہ ہے جو کہ کلمہ کے مادہ وبناء (حروف اصلیہ) میں موجود ہو مثلاً اَمِنَ، اَوَّلَ، جاءَ، وغیرہ گو یا یہ بھی ہمزہ ہے، مگر یہاں اس سے ہمزہ سے متعلق کوئی گفتگو نہیں۔

ہمزہ زائدہ کی تعریف: وہ ہمزہ ہے جو کلمہ کے حروف اصلیہ پر بوجہ ضرورت زائد کی گئی ہو، مثلاً

ہمزہ استفہام، باب افعال کا ہمزہ وغیرہ۔

ہمزہ زائدہ کی قسمیں: پھر ہمزہ زائدہ کی دو قسمیں ہیں (۱) زائدہ قطعیہ (۲) زائدہ وصلیہ۔

(۱) زائدہ قطعیہ سے مراد مثلاً ہمزہ استفہام، باب افعال کے ماضی وامر کے ہمزے، جیسے إِقْبَلْ، أَكْرِمِى، مصدر کے علاوہ ہر اسم کا ہمزہ قطعی ہوگا خواہ وہ ضمیر ہو جیسے إِيَّاكَ، أَنْتَ، یا علم ہو جیسے ابراہیم، یا اسم نکرہ ہو جیسے ارض، انسان، یا جمع ہو جیسے اسماء، اسورۃ، یا اسم تفضیل ہو جیسے احمد، اسی طرح افعال میں فعل مضارع کے صیغہ واحد متکلم کا ہمزہ قطعی ہوگا۔ اور حروف میں بجز الف لام تعریف کے ہر ایک ہمزہ قطعی ہوگا، إِنَّ، أَنْ، أَنَّ، إِلَّا، لَوْ لَوْ، إِلَّا، إِلى۔ وغیرہ۔

ہمزہائے قطعیہ کا حکم یہ ہے کہ یہ ہمزات کبھی بھی ساقط نہیں ہوتے یعنی نہ وصلاً نہ ابتداءً۔

(الجواهر النقيه ص ۶۸۳)

(۲) زائدہ وصلیہ سے مراد: ہمزہ زائدہ کی دوسری قسم وصلیہ زائدہ ہے، اس کی وجہ تسمیہ میں مختلف اقوال ہیں ۱؎ یہ حرف ساکن کے ساتھ وصل کراتا ہے ۲؎ کلام میں یہ ہمزہ بذات خود ساقط ہو جاتا ہے اور اپنے ماقبل و مابعد کو ملا دیتا ہے، ۳؎ ابتداء بالساکن کے متعذر ہونے کی وجہ سے متکلم اپنی ضرورت تکلم کے لیے یہ ہمزہ زائدہ کرتے ہوئے اپنے مطلب کو پہنچتا ہے، اس لیے امام خلیل ابن احمد نے اس کو "سُلَّمُ اللِّسَانِ" کہا ہے۔ (فتح الرحمن ص ۲۸۲)

ہمزہ وصلیہ کا حکم: ہمزہ وصل کے ثبوت وثبوت کے اعتبار سے حکم یہ ہے کہ جب کسی کلمہ کا حرف اول ساکن ہو تو ابتداء بالحرف الساکن کے متعذر ہونے کی وجہ سے تلفظ کو ممکن وسہل بنانے کی غرض سے اس حرف ساکن سے قبل ہمزہ وصل لانا ضروری ہے، اسی کو فاضل مصنف نے اپنی متن میں "تثبت ابتداءً" فرمایا۔ مثلاً اِضْرِبْ، اِرْجِعِى، وغیرہ۔ لیکن جب اول کلمہ میں حرف ساکن سے قبل کوئی حرف کلمہ آجائے اور وصل کیا جائے تو ابتداء بالساکن نہ بنے کی وجہ سے اس ہمزہ وصلی کو حذف کر دیتے ہیں جس کو فاضل مصنف نے "تحذف وصلاً" سے فرمایا جیسے فَاضْرِبْ، المطمئنۃ ارْجِعِى۔

ثبوت وحذف کے اعتبار سے ہمزہ وصلیہ کا حکم:

کبھی تو ہمزہ وصل حذف کیا جاتا ہے اور کبھی باقی رکھا جاتا ہے۔ صاحب کتاب نے دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے جو کلام فرمایا وہ دو فصلوں پر مشتمل ہیں (۱) قطعیہ وصلیہ کے مواقع کا استعمال کے بیان میں (۲) ہمزہ وصلیہ وقطعیہ کی حرکات مختلف کے بیان میں۔

فصل اول۔ ہمزہ وصلیہ وقطعیہ کے مواقع استعمال کی توضیح: چوں کہ ہمزہ قطعی ووصلی کی پہچان

عموماً لوگوں کے لیے دشوار ہوتی ہے، اس لیے بغرض سہولت یہاں دونوں کے محل وقوع اور مواقع استعمال تحریر کیے جا رہے ہیں تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ کلمہ یا تو اسم ہوگا یا فعل یا حرف۔

اسم پر آنے والا ہمزہ۔ اگر اسم ہے تو دو صورتوں میں اس کا ہمزہ وصل ہوگا (۱) وہ اسماء غیر مصادر ہوں اور وہ دس ہیں، اِسْمٌ، اِسْتٌ، اِبْنٌ، اِبْنَةٌ، اِبْنَمٌ، اِمْرَءٌ، اِمْرَأَةٌ، اِثْنَانِ، اِثْنَتَانِ، اِبْنَانِ، اِبْنَتَانِ، اِمْرَآنِ؟ اِمْرَأَتَانِ؟ اَلْغُلَامُ، اَیْمُنُ اللّٰہِ فی القسم، ان دس کلمات میں اِبْنَانِ، اِبْنَتَانِ، اِمْرَآنِ، اِمْرَأَتَانِ یہ اِبْنٌ، اِبْنَمٌ، اِمْرَءٌ، اِمْرَأَةٌ کی تثنیہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی صیغہ تثنیہ کے لیے ہمزہ وصل کا استعمال فرمایا جیسا کہ ارشاد باری ہے "فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ" (تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ پ ۳، البقرہ آیت ۲۸۲) صیغہ جمع اس کے برخلاف ہے، کیوں کہ اس پر آنے والا ہمزہ قطعیہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے صیغہ جمع میں ہمزہ قطعیہ استعمال فرمایا۔ "اِنْ ھِیَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَا" (یہ سب نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے۔ پ ۲۷، نجم، آیت ۲۳) اس آیت میں لفظ "اَسْمَآءٌ" لفظ اسم کی جمع ہے اور اس میں ہمزہ قطعیہ ہے، اسی طرح باری تعالیٰ کا قول "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ" (تو تو کہہ دے آؤ بلا دیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے پ ۳، آل عمران آیت ۶۱) میں اَبْنَآءَ لفظ اِبْنٌ کی جمع ہے اور اس میں ہمزہ قطعی ہے، حالاں کہ مذکورہ بالا دونوں آیات میں صیغہ واحد میں ہمزہ وصلیہ ہیں۔

(۲) اسماء مصادر۔ ان سے مراد افعال ثلاثی مزید فیہ کے وہ مصادر ہیں جن میں ہمزہ وصلی کے بعد پانچ یا چھ حروف ہوں تو ان اسماء مصادر میں آنے والے ہمزات وصلیہ ہوں گے جیسے "اِنْطِلَاقٌ، اِقْتِدَاءٌ، اور اِسْتِخْرَاجٌ، لفظ اِنْطِلَاقٌ ثلاثی مزید فیہ خماسی سے باب انفعال کا مصدر ہے، اور اِقْتِدَاءٌ باب افتعال کا مصدر ہے، اور اِسْتِخْرَاجٌ ثلاثی مزید فیہ سداسی سے باب استفعال کا مصدر ہے۔

فعل پر آنے والا ہمزہ۔ اور وہ کلمہ جس میں ہمزہ ہے، اگر وہ فعل ہے تو اس کی بھی کئی شکلیں ہیں یا تو فعل ماضی ہوگا یا مضارع، اگر وہ فعل مضارع ہے تو اس کے ہمزہ قطعیہ ہوں گے جیسے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اور اَحْمَدُ اللّٰہَ، یہ تینوں واحد متکلم کے صیغے ہیں اور ان میں آنے والے ہمزات قطعیہ ہیں۔

اور اگر وہ فعل ماضی ہے تو اس کی بھی کئی صورتیں ہیں، یا تو وہ ثلاثی ہوگا یا رباعی یا خماسی یا سداسی، اگر وہ فعل ثلاثی یا رباعی ہے تو اس میں آنے والے ہمزات قطعیہ ہوں گے، ثلاثی کی مثال جیسے اَخَذَ اور اَكَلَ، اور رباعی کی مثال جیسے اَخْرَجَ اور اَعْطٰی، اور اگر وہ خماسی یا سداسی ہو تو پھر اس میں آنے والے ہمزات وصلیہ ہوں گے، جیسے اِنْطَلَقَ، ثلاثی مزید فیہ خماسی سے باب انفعال کا فعل ماضی ہے اور جیسے

اِسْتَخْرَجَ یہ مدا اس سے باب استفعال کا فعل ماضی ہے۔

صیغہ امر پر آنے والے ہمزہ اور وہ کلمہ جس میں ہمزہ ہے اگر وہ صیغہ امر ہے تو اس کی بھی چند شکلیں ہیں، اگر وہ صیغہ امر فعل رباعی کے علاوہ سے ہے تو پھر اس میں آنے والے ہمزات وصلیہ ہوں گے۔ جیسے اُقْرَأْ، اُغْزِیْ، اِنْطَلِقْ، اِسْتَخْرِجْ، اور اگر وہ فعل رباعی سے ہے تو اسکے ہمزات قطعیہ ہوں گے جیسے زَیْدٌ اَکْرِمْ عمروًا، اور یَافُلَانُ اَجِبْ فُلَانًا

حرف پر آنے والا ہمزہ حروف پر آنے والے ہمزات قطعیہ میں یا وصلیہ؟ تو اس سلسلے میں امام سیبویہ اور خلیل نحوی کے درمیان اختلاف ہے۔ امام النحو سیبویہ کہتے ہیں کہ لام تعریف پر آنے والا ہمزہ وصلیہ ہے جیسے اَلْغُلَامُ، اَلْفَرَسُ، وجہ اس کی یہ ہے کہ حرف تعریف صرف لام ساکن ہے اور اس سے قبل ہمزہ وصل ہوتا ہے، کیوں کہ ابتداء بالسکون محال ہے، اسی وجہ سے ہمزہ وسط کلمہ میں ساقط ہو جاتا ہے، اور بحالت نقل حرکت کے عروض کی بناء پر باقی رکھنا جائز ہے، واجب نہیں۔ اور ہمزہ استفہام کے بعد بوجہ التباس حذف نہیں ہوتا اور اسم جلالہ "یَااَللّٰهُ" پر لام تعریف کا نہیں بلکہ اصل کلمہ ہے۔

امام خلیل فرماتے ہیں کہ یہ ہمزہ قطعیہ ہے، اور ادات تعریف الف ولام ہیں، الف وسط کلام میں کثرت استعمال کی وجہ سے بغرض تخفیف ساقط ہو جاتا ہے۔ وصلی نہیں ہے، اسی بناء پر بحالت نقل لام کے متحرک ہو جانے کے باوجود باقی رہتا ہے، اور ہمزہ استفہام کے بعد ابدال و تسہیل سے قطعی کے ساتھ اس کی تخفیف کی جاتی ہے، وصلی کی طرح حذف نہیں کیا جاتا۔ اور اسم جلالہ کے ساتھ حرف ندا کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ یعنی یَااَللّٰهُ بولتے ہیں۔

نوٹ:۔ فاضل مصنفؒ نے فیصلہ کن قول ارشاد فرمایا کہ حروف میں بجز الف لام تعریف کے ہر ایک ہمزہ قطعی ہوگا، جیسے "اَلْ، اَیْ، اَمْ، اَوْ، اَنْ" وغیرہ۔ (الجواہر النقیہ ص ۲۸۳)

فصل دوم:۔ ہمزہ وصلیہ کی حرکات مختلفہ کے بیان میں:

همزة اسم بكسر وضمّ الخ یہاں سے ہمزہ وصلی کی حرکات کا اعراب بیان فرما رہے ہیں کہ اسماء غیر مصادر میں سے بعض کا ہمزہ جو کہ وصلی ہوتا ہے اکثر نحویین کے نزدیک ہمیشہ مکسور ہوگا، اور لغت ضعیفہ میں مضموم ہوگا، اور وہ "لفظ اُسْمٌ" ہے، یہی حال "اُسْتٌ، اِبْنٌ، اِبْنَمٌ، اِبْنَةٌ، اِمْرِئٌ، اِمْرَأَةٌ، اور ان کے مثنے اور اِثْنَیْنِ، وَاِثْنَتَیْنِ کا ہے، جس کی طرف صاحب کتاب نے اپنے قول "همزة اُسْمٍ بکسر وضم" کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کا ہمزہ ہمیشہ مفتوح ہوگا وہ الف لام تعریف کا ہمزہ ہے جیسے اَلْحَمْدُ

الغُلَام وایمُن اللّٰہ فی القسم الخ اور ان میں سے وہ ہیں جن کا ہمزہ فصیح قول کے مطابق ہمیشہ مفتوح ہوگا اور لغت ضعیفہ میں مکسور ہوگا، اور وہ لفظ "اَیْمُن" ہے جو قسم میں استعمال کیا جاتا ہے، اور "اَلْغُلَامُ" کا ہمزہ بلا اختلاف ہمیشہ مفتوح ہوگا۔ صاحب کتاب نے اسی کی طرف خط کشیدہ عبارت کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

لفظ اَیْمُن کی تحقیق: دراصل یہ لفظ قسم میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے "اَیْمُنُ اللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ" (قسم خدا کی میں ضرور بالضرور کروں گا) یہ اسم مفرد ہے جو لفظ "یُمن" بمعنی برکت، سے مشتق ہے، یہ یمین کی جمع نہیں، جیسا کہ امام فراء نے فرمایا۔

وکذا ھمزۃُ الماضی المتجاوز اربعۃ احرف الخ جس طرح "اِبْنُمٌ، اِبْنَتٌ، اِبْنٌ" وغیرہ اسماء غیر مصادر عشرہ کا ہمزہ عند الجمہور ہمیشہ مکسور ہوگا، اسی طرح باب افعال کے سوا ثلاثی مزید، رباعی مزید اور ملحقات برباعی کے افعال ماضی، امر، اور مصادر کا ہمزہ بھی بالاتفاق ہمیشہ مکسور ہوگا جیسے اِنْطَلَقَ اِجْتَنِبْ، اِسْتِخْرَاجٌ، وغیرہ۔ فاضل مصنف نے عبارت مخطط کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

ہمزہ وصلی کا اصل اعراب کسرہ ہی ہے، کیوں کہ ہمزہ وصلی حرف ہے اور حروف مبنی ہوتے ہیں، اور بناء میں اصل سکون ہے، ساکن کو جب حرکت دی جاتی ہے تو کسرہ کی دی جاتی ہے۔

وَاَمْرِ الثُّلَاثِیِّ کَاُقْتُلْ، وَاُغْزُ الخ افعال میں سے بعض کا ہمزہ جو کہ وصلی ہوتا ہے ہمیشہ مضموم ہوگا، اور وہ فعل ثلاثی مجرد کا صیغہ امر ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ فعل کا تیسرا حرف اصلاً مضموم ہو تب ہمزہ بھی مضموم ہوگا جیسے اُقْتُلْ، اُقْتُلُوا، اُكْتُبْ، اُدْخُلْ، وغیرہ۔

طالبعلمانہ اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک طالبعلمانہ اشکال ہوتا ہے کہ فعل کے ہمزہ وصلی کا اعراب فعل کے حرف ثالث پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ اگر تیسرا حرف مضموم ہو تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا جیسے اُقْتُلُوا کی تا، حرف ثالث مضموم ہے، لہٰذا ہمزہ بھی مضموم ہوگا، لیکن جب کسی عورت سے خطاب کرتے ہوئے "اُغْزِی یا ھِنْدُ" کہا جائے تو اس وقت بیان کردہ قاعدہ ٹوٹ رہا ہے، کیوں کہ لفظ "اُغْزِیْ" کا تیسرا حرف مکسور ہے، اور قاعدہ ہے کہ اگر تیسرا حرف مکسور ہو تو ہمزہ بھی مکسور ہوگا، لہٰذا قاعدہ کی رُو سے لفظ "اُغْزِی" میں ہمزہ مکسور ہوتا، لیکن یہاں مضموم ہے ایسا کیوں؟

دراصل فعل کے ہمزہ کی حرکت میں قدرے تفصیل ہے، اور وہ یہ ہے کہ فعل کے ہمزہ وصلی کا اعراب فعل کے حرف ثالث پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ اگر تیسرا حرف اصلاً مضموم ہو تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا

جیسا کہ آپ نے "اُقْتُلُوْا" فرمایا کہ تا حرف ثالث ہے جو اصل سے مضموم ہے، لہٰذا ہمزہ بھی مضموم ہوا۔ اور اگر حرف ثالث مکسور ہے مگر اس کا کسرہ اصلی نہیں ہے تو ہمزہ وصلی مکسور نہ ہوگا، بلکہ مضموم ہوگا جیسے "اُغْزِيْ" کہ حرف ثالث (ز) فی الحال مکسور ہے مگر چوں کہ اصل میں اُغْزُوِيْ تھا، زا کے ضمہ اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ ثقیل ہونے کی وجہ سے واؤ ساکن کر دیا، پھر اجتماع ساکنین ہوا واؤ اور یاء کے درمیان، لہٰذا واؤ محذوف ہو گیا، پھر یاء کی مناسبت سے زاء کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا۔ اب بعد تعلیل "اُغْزِيْ" ہو گیا، فاضل مصنفؒ نے اسی کی طرف اپنے قول "اُغْزُ" اُغْزِيْ، یضمہن کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے۔

وَاِضْرِبْ، وَاِمْشُوا، وَاِذْهَبْ، بکسر کالبواقی اور اگر فعل کا تیسرا حرف اصلاً مکسور ہو تو ہمزہ بھی مکسور ہوگا جیسے "اِضْرِبْ" کہ (ر) حرف ثالث ہے جو اصلاً مکسور ہے، لہٰذا ہمزہ بھی مکسور ہوا، اور اگر حرف ثالث مضموم ہے مگر اس کا ضمہ اصلی نہیں ہے، بلکہ اصلاً وہ مکسور ہے تو ہمزہ وصل مضموم نہ ہوگا، بلکہ مکسور ہی رہے گا، جیسے "اِمْشُوْا" کہ حرف ثالث (ش) فی الحال مضموم ہے، مگر چوں کہ اصل میں یہ "اِمْشِيُوْا" تھا، (ش) کے کسرہ اور یاء کے ضمہ کے ساتھ، یاء پر ضمہ ثقیل ہونے کی وجہ سے وہ ساکن کر دی گئی، پھر اجتماع ساکنین ہوا یا اور واؤ کے درمیان لہٰذا یاء محذوف ہو گئی، اور واؤ کی مناسبت سے (ش) کو ضمہ دیا گیا، اب بعد تعلیل "اِمْشُوْا" ہو گیا، فاضل مصنف نے کلمات مخطط کے ذریعہ اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

لفظ اِذْهَبْ کا اعراب مکسور کیوں؟

لفظ "اِذْهَبْ" کے ذریعہ فاضل مصنفؒ نے پیدا ہونے والے ایک اعتراض کا ازالہ فرمایا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ فعل کے ہمزہ وصلی کا اعراب فعل کے حرف ثالث پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ اگر تیسرا حرف اصلی سے مضموم ہو تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا جیسے "اُكْتُبْ" اور اگر حرف ثالث اصلاً مکسور ہو تو ہمزہ بھی مکسور ہوگا۔ جیسے اِضْرِبْ، لیکن فعل اِذْهَبْ میں تیسرے حرف کے مفتوح ہونے کی صورت میں ہمزہ کو فتحہ کیوں نہیں دیا جاتا۔ قاعدہ کے مطابق اِذْهَبْ میں فتحہ دیا جانا چاہیے تھا، تاکہ حرف ثالث کی حرکت کے مطابق ہمزہ کی حرکت ہو جائے؟

جواب: اگر حرف ثالث کی حرکت کی رعایت کرتے ہوئے فعل امر کے ہمزہ وصلی کو فتحہ دیا جاتا تو ان افعال مضارع سے حالت وقف میں التباس لازم آتا جن کی ابتداء ہمزہ سے ہوتی ہے مثلاً اَذْهَبْ صیغہ امر ہے ہمزہ وصلی کو مفتوح پڑھیں اور وقف کریں تو اَذْهَبْ ہوگا، اور مضارع کا صیغہ متکلم بھی وقف میں اَذْهَبْ ہوگا تو اب التباس لازم آیا کہ یہ فعل مضارع ہے یا صیغہ امر؟

ہدیہ تشکر و امتنان من جانب فاضل علامؒ:

قطر الندیٰ کی تکمیل باسعادت کے بعد فاضل مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس مقدمہ میں میں نے جو کچھ لکھنے کا عزم کیا تھا، الحمد للہ بحسن خوبی وہ تکمیل کو پہنچ کر حاضر خدمت ہے، جس کو اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے میرے لیے آسان فرمایا "ایں سعادت بزور بازو نیست" بلکہ اللہ پاک ہی کے فضل کا نتیجہ ہے کہ اس رسالہ میں الفاظ و کلمات کو عمدہ طریقے پر آراستہ کر کے معانی و مطالب کو مستحکم، احکام و مسائل کو مضبوط، اور انواع و اقسام کو کامل طریقے پر رقم کیا گیا۔ اللہ رب العزت اسے محب صادق کے آنکھوں کا قرب اور حسد و کینہ رکھنے والے جاہل وان پڑھ کے لیے افسردگی و پژمردگی کا سامان بنادے۔

دل کی آواز حاسدین کے نام:

(۱) اِنْ یَّحْسُدُوْنِیْ فَاِنِّیْ غَیْرُ لَائِمِهِمْ قَبْلِیْ مِنَ النَّاسِ اَهْلِ الْفَضْلِ قَدْ حُسِدُوْا

(۲) فَدَامَ لِیْ وَلَهُمْ مَابِیْ وَمَابِهِمْ وَمَاتَ اَكْثَرُنَا غَیْظًا بِمَا یَجِدُ

(۳) اَنَا الَّذِیْ یَجِدُوْنِیْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ لَا اَرْتَقِیْ صَدَرًا مِنْهَا وَلَا اَرِدُ

(ترجمہ۔ (۱) اگر وہ مجھ سے حسد کریں تو بھی میں انہیں ملامت نہیں کروں گا، تحقیق کہ مجھ سے پہلے لوگوں میں سے فضل والے حسد کیے گئے ہیں ـــــــ (۲) جو کچھ میرے ساتھ ہے اسے میرے لیے اور جو کچھ ان کے ساتھ ہے ان کے لیے پائندہ اور برقرار رہے، اور ہم میں سے اکثر غضب کی حالت میں ان چیزوں کی وجہ سے انتقال کر گئے جو وہ احساس کرتے ہیں ـــــــ (۳) مجھے وہ لوگ اپنے سینے میں پاتے ہیں حالاں کہ میں نہ تو ان کے سینے میں داخل ہوتا ہوں اور نہ قریب ہوتا ہوں۔)

آخر میں اللہ رب العزت کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے یہ دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس نیک مصروفیت کو اپنی خالص رضامندی و خوشنودی کا ذریعہ بنادے، اور اس کے ذریعہ نفع کو عام و تام فرمائے، حاسدین کے شرور و فتن سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اپنے فضل و کرم سے قیامت کے دن ہماری رسوائی نہ کرے۔ بے شک آپ کی ذات کریم بہت توبہ قبول کرنے والی، مہربانی اور رحم کرنے والی اور بے انتہا بخشنے والی ہے۔

تَمَّتْ بِحمدِ اللّٰہِ وعونہ کتابۃ الشرح للخامس والعشرین من شعبان ۱۴۲۵ھ

مطابق ۱۱ر اکتوبر ۲۰۰۴ء وللّٰہ الحمد اوّلہ وآخرہ

محمد عالمگیر دانش قاسمی سیتامڑھوی

خادم التدریس جامعہ اسلامیہ تجاری میوانور (ایم، پی)

۱۱ر اکتوبر ۲۰۰۴ء بروز پیر بوقت ۱۲ر بجکر ۱۵ر منٹ